

گھر کے ہر فرد کے لیے
ماہنامہ
پاکیزہ
کراچی
جون 2016
نگران اعلیٰ
معراج رسول
مصنفات کی دلکش تحریریں
معروف فنکارہ اور مشہور سماجی شخصیت
جہاں آرا حئی بنیں پاکیزہ کی مہمان
Monthly
JUN - 2016 PRICE RS. 60/=



ماہنامہ
کراچی
پاکیزہ

نگرانِ اعلیٰ: عمران رسول

مدیرۂ اعلیٰ: عذرا رسول

مدیرہ: انجم انصار

معاون: آمنہ حماد

MEMBER APNS CPNE

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

شعبہ اشتہارات

منیجر اشتہارات محمد شہزاد خان 0333-2256789
نمائندہ کراچی محمد رمضان خان 0333-2168391
رانا اے حمید 0323-2895528
نمائندہ لاہور سید افراز علی نازش 0332-4214400

قیمت فی پرچا (پاکستان) 60 روپے

قیمت فی پرچا (سعودی عرب) 12 ریال یا مساوی متحدہ عرب امارات

زرسالانہ (اندرونِ ملک) 800 روپے...... جلد: 44 شمارہ: 03 جون 2016ء

مکمل ناول

اداریہ

افسانے

سلسلے وار ناول

منی ناول

خصوصی مضامین

ناولٹ

پبلشر و پروپرائٹر: نیشان رسول، مقامِ اشاعت: گراؤنڈ فلور C-63 فیز II ایکسٹینشن ڈیفنس مین کورنگی روڈ کراچی 75500

پرنٹر: جمیل حسن • مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی



مستقل عنوانات

Office: 63-C, Phase-II (Ext), D.H.A. Commercial Area, main Korangi Road Karachi.
Postal Address: Box No. 662, G.P.O. , Karachi-74200
Phone: (021)35895313, Fax: 35802551, E-mail address: jdpgroup@hotmail.com

مجھے کچھ کہنا ہے......!

قارئین کرام! آپ سب کو ماہِ رمضان اور اس کی فضیلتیں مبارک ہوں۔ اسلامی تقویم کا نواں مہینہ ہمارے لیے اہم ترین ہے کہ قرآن پاک اور تمام آسمانی کتب اسی مبارک مہینے میں نازل ہوئیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس ماہ مبارک کے روزوں کو فرض قرار دیا اور اس کی راتوں کے قیام کو ثواب کا عمل بنایا۔

اجر و ثواب کا موسم شروع ہونے کو ہے۔ نیکیوں کا موسم بہار پوری ملتِ اسلامیہ پر چھا جانے والا ہے...... آیئے اس کا استقبال کیجیے۔

اس مبارک مہینے میں عبادات اور نیکیوں کا ثواب کئی گنا بڑھا دیا جاتا ہے...... مومن کا رزق بھی اس مہینے میں بڑھا دیا جاتا ہے...... یہ لوگوں کے ساتھ غم خواری اور صبر کا مہینہ ہے۔

روزہ رکھنے سے احساسِ بندگی پیدا ہوتا ہے...... اس کے ذریعے انسانی شعور میں اللہ کی حاکمیت کا اقرار و اعتراف مستحکم ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ اس ماہِ مقدس میں بھوکا پیاسا رہ کر انسان کو دوسرے کی بھوک پیاس کا احساس ہوتا ہے اور اس طرح دل میں ناداروں کے لیے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ جذبہ جس معاشرے میں ہو وہ اخوت و محبت کا معاشرہ بن جاتا ہے۔ ماہِ رمضان کو جہانگیری و جہانبانی کا مہینہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا...... اس ماہ کے تقاضوں کو پورا کر دیا جائے تو عالم کی جہانبانی اور دنیا کی حاکمیت ہماری منتظر ہے (انشاء اللہ) آیئے اس متبرک مہینے کی ہر ساعت سے فائدہ اٹھائیں زندگی کا کیا بھروسا اگلے سال ماہِ رمضان ملے یا نہ ملے...... تو کیوں نہ اپنی جھولیاں پھیلا کر مالکِ برحق سے یہ کہیں اے وحدہٗ لاشریک! ہم مسلمانوں کو صحیح معنوں میں رمضان المبارک کی مقدس نیکیوں کے موسم بہار سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرما...... اور جب تک ہم زندہ رہیں تیرا ذکر کرتے رہیں اور تیرا شکر ادا کرتے رہیں اور تو ہم سب سے راضی ہو...... آمین ثم آمین۔

مدیرہ
انجم انصار

دین کی باتیں

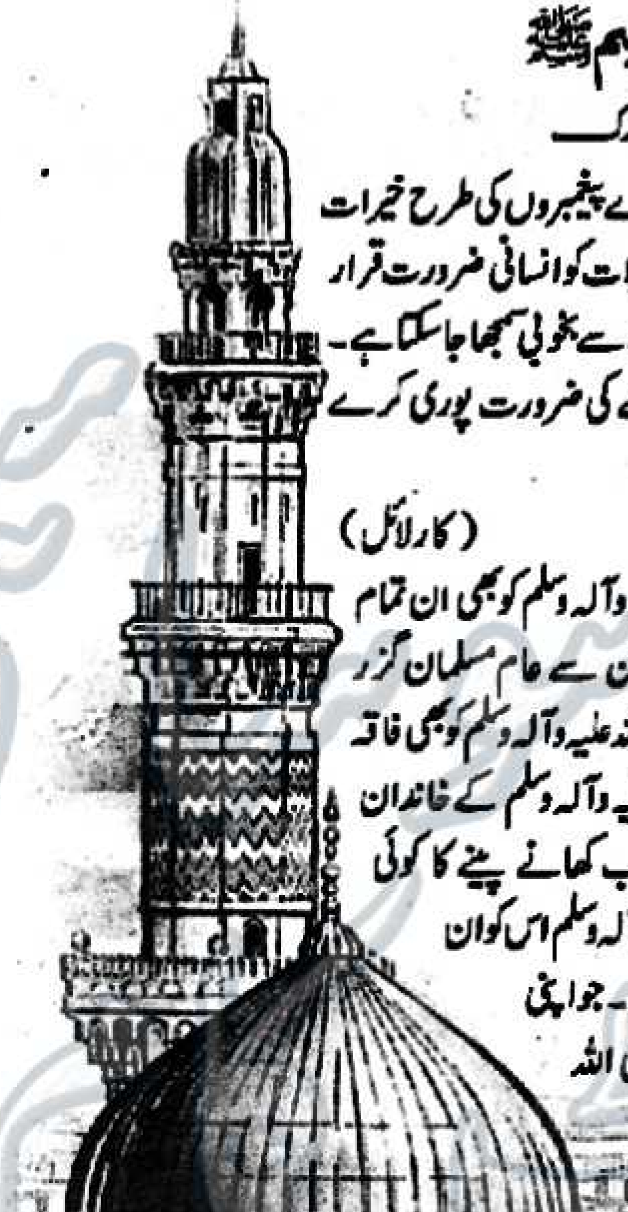
اور ہم پیغمبروں کو خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا ہی بھیجتے ہیں پس جو کوئی (ان پر) ایمان لایا اور (اس نے) نیک کام کیے تو ان لوگوں پر (آخرت میں) نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے (۴۸) اور جن لوگوں نے ہمارے احکام کی تکذیب کی انہیں (سخت) عذاب پہنچے گا اس سبب سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے (۴۹) کہہ دو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ (یہ کہتا ہوں کہ) میں غیب جانتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے (ان سے) پوچھو کیا نابینا اور بینا برابر ہیں پس کیا تم (اتنا بھی) غور نہیں کرتے (۵۰) اور تم قرآن کے ذریعے سے ان لوگوں کو ڈراؤ جو اس بات سے ڈرتے ہیں کہ وہ اپنے پروردگار کی طرف اٹھائے جائیں گے (اور) اس کے سوا ان کا کوئی کارساز اور سفارش کرنے والا نہیں ہے تاکہ وہ پرہیزگاری کریں (۵۱) اور (اے نبیؐ) جو لوگ اپنے پروردگار سے صبح شام مناجات (کیا) کرتے ہیں اس کی ذات کے طالب ہیں انہیں تم (اپنے پاس سے) دور نہ کرو تم پر ان کا کچھ محاسبہ (ضروری) نہیں ہے اور نہ تمہارا کچھ محاسبہ ان پر (ضروری) ہے پس (اگر) تم انہیں (اپنے پاس سے) دور کر دو گے تو ظالموں میں سے ہو جاؤ گے (۵۲) اور اسی طرح ہم نے بعض آدمیوں کو بعض سے امتحان کیا تاکہ وہ لوگ کہیں کہ کیا ہم میں سے یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہے اللہ شکر کرنے والوں کو نہیں جانتا؟ (بے شک جانتا ہے اور ان ہی پر اپنا فضل کرتا ہے) (۵۳)

(سورۃ انعام آیت نمبر ۴۸ تا ۵۳)



سیدنا قاسم ﷺ

معانی اسم مبارک



۴: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسرے پیغمبروں کی طرح خیرات کو انسانی عجز کا اظہار نہیں سمجھتے بلکہ وہ خیرات کو انسانی ضرورت قرار دیتے ہیں دونوں رویوں میں جو فرق ہے اسے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ انسان کی ضرورت ہے کہ وہ دوسرے کی ضرورت پوری کرے تاکہ اپنی عاقبت سنوار سکے۔

(کارلائل)

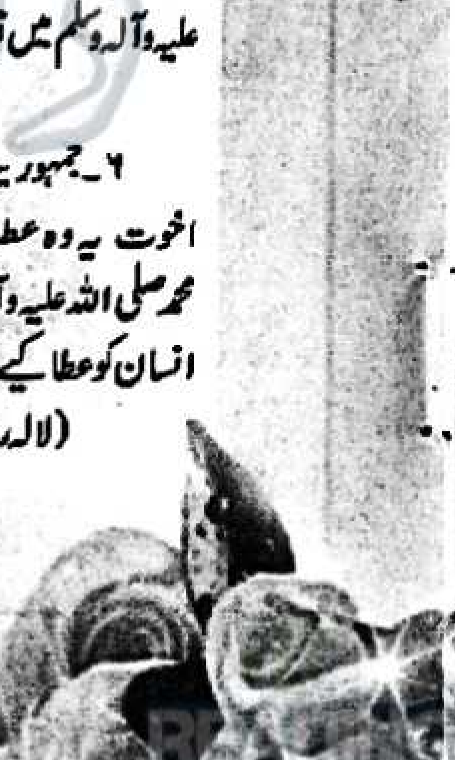
۵: مدینہ آ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ان تمام دشوار گزار مرحلوں سے گزرنا پڑا تھا جن سے عام مسلمان گزر رہے تھے۔ بعض اوقات خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی فاقہ کشی کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کے افراد کا گزارہ کھجوروں پر تھا۔ جب کھانے پینے کا کوئی سامان تحفے میں ملتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو ان بے بس مسلمانوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ جو اپنی غربت و محتاجی کی وجہ سے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں قیام کرتے تھے۔

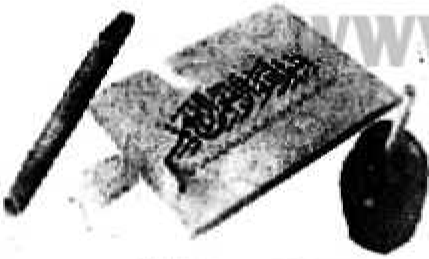
(سرجان گلب پاشا)

۶۔ جمہوریت، مساوات، اخوت یہ وہ عطیات ہیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی نوع انسان کو عطا کیے۔

(لالہ رام لال ورما۔ ایڈیٹر اخبار خلیج)

قیصرہ حیات کی کتاب انوار اسماء النبی ﷺ سے اقتباس





یادوں کی مالا

ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی



پُرعقیدت روحانی سفر کی حیرت انگیز رُوداد

یہ داستان جو میں رقم کررہی ہوں یہ کوئی عام داستان نہیں...... نہ ہی عام لوگوں کے لیے کشش کا باعث ہوگی۔ یہ داستانِ عشق ہے۔ اس عشق کی داستان جو اللہ کی کتاب سے کیا گیا۔

آٹھواں باب

چونکہ میں اس خطرناک بیماری سے صاف بچ نکلی تھی۔ اس وجہ سے مجھے شکرانے کے طور پر اگلا قرآن پاک لکھنا تھا بہت جلد...... اگرچہ کمزوری حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ دایاں ہاتھ سوجا ہوا تھا لکھنا مشکل ہی تھا مگر میں اپنے آپ کو روک نہیں سکتی تھی۔ چنانچہ صرف تین ماہ بعد ہی میں نے تیرھواں کلام پاک لکھنا شروع کردیا۔ یہ 19 جون بروز جمعہ 2009ء سے شروع ہوکر 17 فروری 2010ء کو مکمل ہوا۔ یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ میرا آپریشن 17 فروری کو ہوا تھا اور اس سلسلے کے شکرانے کا کلام پاک بھی 17 فروری ہی کو مکمل ہوا۔

میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، اے اللہ اس کلام پاک میں کوئی غلطی نہ رہ جائے کیونکہ یہ بیماری کی حالت میں لکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو قبول فرمائے۔ میرے گناہوں کو بخش دے میری دعاؤں کو قبول فرمائے۔ میری عبادت کو بھی شرف قبولیت بخشے...... الٰہی آمین! اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں سب کچھ ہے۔ جسے چاہے نواز دے، اے اللہ اے دو جہاں کے مالک! مجھ پر کرم کی بارش اسی طرح جاری رکھنا جیسی کہ...... تو نے آج تک جاری رکھی۔ اے

اللہ مجھے اپنے شکر گزار بندوں میں شامل کر لینا۔

شکر کیونکر ادا ہو؟

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے حساب ہیں اس کا شکر ادا کرنا ممکن نہیں ہے۔ ہم اس کی عطا کردہ نعمتوں کے اتنے عادی ہو چکے ہیں کہ ہمیں احساس تک نہیں ہوتا کہ یہ سب چیزیں قدرت کی طرف سے مل رہی ہیں اگرچہ۔۔۔ ہم اس کے اہل نہیں۔ اب میں اپنی بات کرتی ہوں۔ ایک غم ہے جو اندر ہی اندر پل رہا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے وہ کچھ نہ کر پائی جو مجھے کرنا چاہیے۔ اس کی عطا مجھ پر بہت زیادہ ہے اور میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ ایک حقیر ذرہ مٹی میں بہت جلد مل جانے والا۔ مگر اس کی عطا بڑھ رہی ہے کچھ نہ کچھ ملتا رہتا ہے۔ وہ کچھ جو دوسروں کو نہیں ملتا۔ (میں مال و دولت کی بات نہیں کر رہی ہوں)

میں شکرانے کی نماز 1980ء سے ادا کر رہی ہوں اور آج تک اس میں ناغہ نہیں ہوا۔ بیماری وغیرہ کے دنوں میں اگر ناغہ ہوا بھی تو میں گن کر دوسرے دنوں میں وہ نمازیں ضرور ادا کرتی ہوں۔ صحت یاب ہونے پر شکرانے کے طور پر قرآن حکیم بھی لکھا مگر تسلی پھر بھی نہیں ہوئی۔

اصولی بات یہ ہے کہ انسان خواہ کتنی ہی عبادت کرے کچھ بھی کرے، اس کو ہمیشہ کم جانے اور اللہ تعالیٰ اگر کم بھی دے (بظاہر) تو اسے بہت زیادہ جانے، اس کی رضا میں راضی رہے یہی مقصدِ حیات ہونا چاہیے۔ جب تک انسان قرآن حکیم کو اپنی زندگی میں شامل نہیں کرتا، قربِ الٰہی ممکن نہیں۔ جب قرآن حکیم سے عشق ہوگا تب ہی صاحب قرآن سے بھی ہوگا...... اور اس کے بعد ہی قرب الٰہی حاصل ہو سکتا ہے۔

ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا۔ "جنت کتنی دور ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا؟ "دو قدم کے فاصلے پر پہلا قدم اپنے نفس پر رکھو دوسرا جنت میں۔"

اللہ تعالیٰ کہتا ہے۔

"تم مجھے یاد رکھو...... میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا احسان مانو اور میری ناشکری مت کرو۔" (سورۃ بقرہ ۱۵۲)

تیرھواں کلام پاک مکمل ہوئے صرف دو ماہ ہی ہوئے تھے۔ میری طبیعت بے چین رہتی۔ یوں لگتا زندگی میں کوئی چیز کم ہو گئی ہے، میں شاید کتابت کے بغیر رہ ہی نہیں سکتی تھی۔ اگرچہ طبیعت بحال نہ تھی مگر میری مجبوری، میرا شوق، میرا عشق...... میری نجات سب کچھ اسی میں ہے۔ اس لیے جلد ہی اگلا کلام پاک شروع کر دیا۔ بس سکون مل گیا...... دل کو قرار آ گیا۔ یہ چودھواں کلام پاک میں نے اللہ اور پیارے نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کیا کیونکہ بے ہوشی کے دوران یہ دونوں نام چمکتے دمکتے روشنی بکھیرتے دیکھ چکی تھی۔

قارئین! میری ایک پرسنل ڈائری ہے، اس میں سب کچھ نوٹ کیا ہوا ہے ظاہر ہے میں زبانی کچھ یاد نہیں رکھ سکتی اسی ڈائری سے دیکھ کر سب کچھ نہیں بلکہ تھوڑا بہت لکھ رہی ہوں...... بہت سی باتیں ایسی ہیں جو ناقابلِ یقین معلوم ہوتی ہیں اس لیے انہیں کبھی بھی بیان نہیں کرنا چاہیے۔

یہ کلام پاک جو 15 اپریل 2010ء کو شروع ہوا تھا، 25 دسمبر 2010ء کو مکمل ہوا۔

اب میں بطورِ خاص 2010ء ہی کی بات کروں گی کیونکہ یہ سال میری زندگی کا اہم ترین سال ہے۔ اسی سال ہم ٹی وی سے فون آیا تھا کہ وہ میرے ناول خلش کی سیریل بنانا چاہتے ہیں۔ وہ تو بن گئی...... بوجوہ اس میں کافی وقت لگ گیا...... دسمبر 2013ء سے شروع ہوئی اور غالباً جون یا جولائی 2014ء تک ختم ہوئی۔ لیکن یہ بات میرے لیے قطعی اہمیت کی حامل نہیں بس یوں ہی تذکرہ کر دیا۔ اصل بات اب لکھنے جا رہی ہوں، اب پھر مجھے پیچھے کی طرف جانا پڑے گا یعنی اس قرآن حکیم کا تذکرہ جو انگریزی ترجمے کے ساتھ لکھا گیا تھا۔ (دسواں قرآن پاک)

یہ قرآن حکیم ایک منفرد نسخہ ہے۔ دنیا بھر میں اس

طرح کا کوئی نسخہ موجود نہیں جس میں عربی کے ساتھ ہاتھ سے لکھا انگریزی ترجمہ موجود ہو......اس میں 1600 سے زائد صفحات ہیں اور اس کا وزن 16 کلوگرام ہے۔

میں پانچ سال قبل لکھی گئی کتاب یادوں کی مالا میں لکھ چکی ہوں کہ میں نے یہ نسخہ اللہ کے نام کیا اور اسے میں ترکی بھیجنا چاہتی ہوں۔

قارئین میں کیا اور میری اوقات کیا...... میں اتنے بڑے بڑے خواب دیکھوں لیکن اللہ کے اختیار میں سب کچھ ہے۔ وہ جسے چاہے نواز دے 2010ء میں میرا یہ کلام پاک ترکی حکومتِ پاکستان کی طرف سے بھیجا گیا۔ 26 اپریل 2010 کو یہ نسخہ ترکی پہنچا اور ترکی کے میوزیم میں رکھا گیا۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ میرا نسخہ اس وقت اور اس سال ترکی پہنچا جب ترکی میں year of Quran منایا جارہا تھا۔ قارئین یہ بات پاکستان میں کسی کو معلوم بھی نہیں تھی کہ ترکی میں کیا ہو رہا ہے۔

دراصل قرآن حکیم 610ء میں نازل ہوا اور اب 2010ء میں 1400 سال پورے ہو رہے تھے اس وجہ سے نزول قرآن کا 1400 سالہ جشن منایا جارہا تھا۔ اسی سلسلے میں استنبول کے میوزیم میں قرآن حکیم کے نسخوں کی عظیم الشان نمائش کا اہتمام کیا گیا۔ جس کا افتتاح 27 رمضان المبارک کو ہوا۔

میرے لیے منسٹری کی طرف سے یہ آفر تھی کہ میں جب بھی ترکی جاؤں ویزا اور میری رہائش کا انتظام ان کے ذمے ہوگا۔ میں نے اکتوبر میں ترکی جانے کا پروگرام بنایا۔ میرے ساتھ میرا بیٹا آصف، بہو بسمہ اور ان کے دونوں بچے اسامہ اور ماہم تھے...... میں نے رہائش کا انتظام خود ہی کیا لیکن ویزا مجھے فوری چاہیے تھا۔

ترکی کی طرف سے ایک تعارفی خط میرے لیے جاری کیا گیا جو ترکی کے سفارت خانے کے قونصلر جنرل کے نام تھا...... ترکی کا سفارت خانہ میرے گھر کے بالکل ہی قریب ہے۔ میں وہاں گئی اور سب کے ویزے کی بات کی۔ خط انہوں نے پڑھ لیا تھا۔ مختصر

مختصر ہم سب کو ویزا صرف ایک دن میں ملا......اور ہم استنبول روانہ ہوگئے۔ اس وقت تک میری ٹانگوں میں دم تھا۔ استنبول میوزیم میں لفٹ نہیں ہے اور نمائش فرسٹ یا سیکنڈ فلور پر تھی۔

انتہائی خوب صورت سیکڑوں قرآن حکیم دیکھے اور تصاویر لیں۔

اس کے علاوہ نیلی مسجد، توپ کاپی پیلس اور میزبانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مزار پر گئے اور ان کی قبر پر فاتحہ پڑھی۔ توپ کاپی پیلس ایک بہت بڑا محل ہے وہیں ایک طرف وہ جگہ ہے جہاں انبیا علیہ السلام کے تبرکات رکھے ہیں۔ انتہائی منظم طریقے سے لوگ ایک طرف سے داخل ہو کر سب کچھ دیکھتے ہوئے خود بخود دوسری طرف نکل جاتے ہیں۔ وہاں پر حضرت ابراہیمؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت یحییٰؑ کی پگڑیاں بھی موجود ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کا عصا بھی دیکھنے کو ملا۔

پیارے نبی کی پیاری چیزیں دیکھ کر آنکھوں میں ٹھنڈک پڑی......آپؐ کا پیالہ، دندان مبارک، موئے مبارکؐ، مہر مبارک، قدم مبارک اور چار عدد خوب صورت تلواریں رکھی ہوئی ہیں......دو تلواروں کے کور پر ہیرے جواہرات جڑے ہوئے ہیں۔

ان کے علاوہ خلفائے راشدین کی تلواریں حضرت زبیرؓ کی تلوار امام حسنؓ اور امام حسینؓ کی تلواریں بھی موجود ہیں۔ خانہ کعبہ کا دروازہ وہاں کے تالے، پرنالہ بھی سجا ہوا ہے۔ حضرت بی بی فاطمہؓ کے پیراہن اور ان کی دو عدد جائے نمازیں بھی ہیں۔ امام حسینؓ کا جبہ (اوورکوٹ) بھی رکھا ہوا ہے۔

مجھے اپنی خوش قسمتی پر ناز ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ موقع فراہم کیا کہ میں نے مع خاندان یہ تبرکات دیکھے اور آنکھوں میں نور بسا کر واپس آئے۔

اب میں قرآن حکیم کی طباعت کے بارے میں کچھ معلومات لکھ رہی ہوں۔

قرآن حکیم کی طباعت کے مختلف ادوار ہیں جو

1694ء، 1698ء، 1787ء، 1828ء، 1834ء میں مختلف مقامات پر انجام پائی مگر یہ نسخے اسلامی دنیا میں مقبول نہ ہو سکے۔

1877ء میں منظم طریقے سے استنبول میں طباعتِ قرآن پاک جیسے اہم کام کا بیڑا اٹھایا گیا۔ اس طرح ترکی قرآن حکیم کی طباعت کے لحاظ سے بھی تاریخ میں اہمیت رکھتا ہے۔ اگرچہ اس کے بعد 1923ء میں جو نسخہ قاہرہ میں شائع کیا گیا وہ زیادہ خوب صورت اور معیاری ہے اس کے لاکھوں نسخے ہر سال شائع کر کے اطرافِ عالم میں بھیجے جاتے ہیں۔

2010ء میرے لیے، اس لیے بھی اہم ہے کہ اسی سال Q.TV ARY سے میرا انٹرویو نشر ہوا۔ اس کے بعد ڈاکٹر شکیل فاروقی نے میرا انٹرویو ریکارڈ کیا جو PTV سے المیزان پروگرام میں نشر ہوا۔ ڈاکٹر شکیل فاروقی کا پروگرام المیزان ان دنوں رات ساڑھے دس بجے لائیو آیا کرتا تھا۔ میں ان کی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میری خرابیِ صحت کو دیکھتے ہوئے دن کے وقت میرے ساتھ پروگرام ریکارڈ کیا جسے رات کو ساڑھے دس بجے ہی پیش کیا گیا۔ اس طرح کسی کو اندازہ نہیں ہو سکا کہ یہ پروگرام ریکارڈ شدہ ہے۔

جب سے چودھواں قرآن پاک مکمل ہوا تھا میں تنہا رہ گئی تھی۔ سوچا تھا کہ اس بار لمبا گیپ دوں گی۔ ہاتھ کی تکلیف بھی ٹھیک ہو جائے گی لیکن ایسا نہیں ہوا تکلیف بڑھنے لگی...... ہاتھ کی سوجن میں اضافہ ہو گیا اور طبیعت بھی بے کیف ......شاید میرا علاج کتابت میں ہی تھا اس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں۔ قارئین میرے داہنے ہاتھ کی طرف کی تمام lymph nodes (22 عدد) نکالی جا چکی ہیں اس وجہ سے داہنے ہاتھ میں کمزوری ہے اور swelling (سُوجن) بھی تھی جو کہ اب اللہ کے حکم سے ٹھیک ہو چکی ہے۔ البتہ لکھنا اب میرے بس میں نہیں۔

بہر حال ایک بار پھر ارجنٹ بنیاد پر کاغذ پرنٹ کروائے جو بڑے بھائی نے ہی کروائے ہمیشہ کی طرح...... پندرھویں قرآن حکیم کی کتابت 20 فروری 2011ء بروز اتوار شروع ہوئی اور اس کی تکمیل 27 نومبر 2011ء بروز اتوار کو مکمل ہوئی۔

اس قرآن پاک کو کراچی میں ہونے والی ایک نمائش میں رکھا گیا۔ یہ نمائش جماعت اسلامی کی طرف سے منعقد کی گئی تھی جو تین روزہ تھی۔ (جون 2012ء) یہ بھی بتادوں کہ ہاتھ میں جو سوجن ہو گئی تھی وہ پندرھواں قرآن حکیم لکھنے کے دوران خود بخود ٹھیک ہونا شروع ہو گئی۔ یہ اللہ کے کلام کی برکت ہے اس کے سوا کوئی اور بات ہو ہی نہیں سکتی۔ (سبحان اللہ)

2012ء شروع ہوا تو میں نے اس سال کا آغاز سولھویں قرآن پاک کو لکھنے سے کیا یعنی یہ یکم جنوری 2012ء بروز اتوار شروع ہوا اور 23 جولائی 2012ء بروز پیر مکمل ہوا۔

اس قرآن پاک کو میں نے پیارے نبیؐ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے نام کیا۔ 8 اور 9 فروری کی درمیانی شب (خواب کی حالت میں) مدینہ میں گزری......لیکن اس کی تفصیل میں تحریر میں نہیں لا سکتی۔

اب آخری قرآن حکیم کی بات کرلوں یعنی 17th قرآن پاک......

یہ کلام پاک 17 جون 2012ء بروز اتوار بمطابق شب معراج 27 رجب 1433ھ کو شروع ہوا اور اس کی تکمیل 6 فروری 2013ء بروز بدھ 24 ربیع الاول 1434ھ کو ہوئی۔ اس کلام پاک کو 27 رجب کو شروع کر کے تھوڑا سا لکھا تھا پھر رکھ دیا تھا کیونکہ ان دنوں 16 واں چل رہا تھا۔ جب سولھواں مکمل ہوا تب یہ آخری کلام پاک مکمل کیا گیا۔ یہ وہ کلام پاک ہے جس کا آئیڈیا میں ترکی سے لے کر آئی تھی۔ وہاں پر موجود سیکڑوں قرآن حکیموں میں مجھے ایسا قرآن پاک ہی پسند آیا تھا۔ یہ اندر سے بھی رنگین colour ful ہے...... اس کے بارے میں سوچنے اور پلاننگ کرنے میں ایک سال لگ گیا۔ ترکی میں جو قرآن پاک رکھا ہے وہ چھوٹے سائز کا ہے اور

اس میں گیارہ لائنیں ہیں...... میرا قرآن پاک بڑا ہے۔اس میں 16 لائنیں ہیں۔

دراصل بجائے لائنوں کے رنگین پٹیاں بنوائی ہیں جس میں مختلف رنگ ہیں، حاشیہ کے بارے میں کافی پریشانی تھی کہ کس طرح پیچ کیا جائے بہرحال کسی نہ کسی طرح یہ مرحلہ بھی طے ہو ہی گیا لیکن اس کے لیے مجھے خود اردو بازار جانا پڑا تھا۔فون پر کمپیوٹر کے بندے کی سمجھ میں نہیں آتا تھا...... میں نے جا کر اسے سمجھایا وہ کئی طرح سے نمونے نکال کر دیتا رہا اور جب میرا مطلوبہ نمونہ بن گیا تو اس نے اوکے کر دیا۔اس طرح 2012ء ہی میں سترھواں کلام پاک بھی شروع ہو گیا اس کا وزن دس کلو گرام ہے...... سائز 6.5x 19.5 انچ ہے۔اس میں 623 صفحات ہیں...... فی الوقت یہ میرے پاس موجود ہے۔اس کے مستقبل کا فیصلہ آنے والا وقت ہی کرے گا۔

باقی تمام قرآن حکیم مناسب مقامات پر رکھے جا چکے۔5 ستمبر 2013ء کو ہمدرد فاؤنڈیشن کی صدر محترمہ سعدیہ راشد صاحبہ تشریف لائی تھیں۔برکاتی صاحب بھی ان کے ہمراہ تھے۔میرے پاس چھ عدد کلام پاک موجود تھے وہ سب کے سب میں نے ان کی نذر کر دیے۔جس میں دو پرانے قرآن حکیم ہیں' ایک 1976ء کا لکھا ہوا ہے۔دوسرا 1980ء کا لکھا ہے جس کے ساتھ اردو ترجمہ بھی ہے۔باقی چار عدد نئے قرآن حکیم ہیں۔

یہ سب کے سب مدینۃ الحکمت کی لائبریری میں شوکیسوں کے اندر کھول کر رکھ دیے گئے ہیں اور شوکیسوں کے اوپر میرے نام کی چھوٹی تختیاں آویزاں ہیں، ہر تختی پر کچھ نہ کچھ لکھا ہے۔مثلاً کاتب قرآن ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی...... دورِ جدید کی مسلم خاتون کا عظیم کارنامہ وغیرہ۔جس روز وہ میرے گھر آئی تھیں۔قرآن حکیموں کو دیکھ کر ان کی خوشی دیدنی تھی۔

یہ سب قرآن حکیم میری عمر بھر کی کمائی ،میری متاعِ حیات اور میری زندگی ہیں...... میں انہیں دے کر بہت مطمئن اور مسرور ہوں کہ وہ مناسب اور بہترین جگہ پہنچ گئے۔اب یہ ہمیشہ محفوظ رہیں گے۔ محترمہ کا اعلیٰ اخلاق، خلوص محبت، سادگی، انکساری سب کچھ انتہا پر پہنچی ہوئی تھی۔ اور ہمارے گھر میں...... لاؤنج میں جہاں یہ سب قرآن حکیم رکھے تھے عجب طرح کا خوب صورت ماحول تھا۔ہر طرف نور ہی نور بکھرا ہوا تھا...... میرے لیے وہ یادگار دن ہے۔

میرے گھر جو تصاویر لی گئیں ان کی فرمائش پر میں نے انہیں بھیج دی تھیں اور انہوں نے بھی اپنے وعدے کے مطابق نمائش کی تمام تر تصاویر مجھے بھیجیں۔

ایک بات کا تذکرہ اور کردوں کہ 1972ء سے لے کر 2012ء تک مجھے کتابت کرتے 40 سال پورے ہوئے...... بیوگی کی چادر اوڑھے بارہ سال گزر گئے ہیں۔میں نے گیارہ برسوں میں گیارہ کلام پاک لکھے۔اب ہاتھوں میں جان نہیں ہے۔اسلامی مضامین پر مشتمل ایک کتاب چھپ کر آنے والی ہے۔"اللہ اور اس کا نور" اس میں قرآن حکیم پر تحقیقی مضامین کے علاوہ کچھ معلوماتی مضامین بھی شامل ہیں جسے محمد علی قریشی صاحب القریش پبلیکیشن لاہور شائع کر رہے ہیں۔(کتاب اب شائع ہو چکی) سترھویں قرآن حکیم کے سلسلے کی ایک بات میں بتانا بھول گئی۔جب یہ آخری کلام پاک مکمل ہوا اس کے بعد میں نے ایک خواب دیکھا میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ میں ہوں میرے سامنے خانہ کعبہ ہے اور تمام انبیا کرام جتنے بھی دنیا میں آئے وہ سب کے سب طواف کر رہے ہیں...... میں بس دور سے دیکھ رہی ہوں کہ یہ خواب میں نے بہت دیر تک دیکھا...... آنکھ کھلی تو رات کے ساڑھے تین بجے تھے...... میں کروٹ بدل کر دوبارہ سو گئی...... اور خواب پھر وہیں سے جڑ گیا۔

میں قرآن حکیم کیوں لکھتی ہوں؟

شروع، شروع میں مجھ سے یہ سوال بہت کیا جاتا تھا اب تو خیر عمر بیت گئی۔اب نہ کوئی سوال ہے نہ جواب......

اس وقت میں آپ کو ایک سچا خوب صورت واقعہ سنا رہی ہوں آپ کو پسند آئے گا آپ دوسروں کو بھی بتائیں گی پھر آخر میں آپ کو سوال کا جواب بھی مل جائے گا۔

حضرت یوسفؑ کو ان کے بھائیوں نے کنویں میں پھینک دیا تھا...... جب آپؑ کو کنویں سے نکالا گیا تو اس لڑکے کی خوب صورتی اور نورانی چہرہ دیکھ کر لوگ دنگ رہ گئے۔ اب اس لڑکے کو مصر کے بازار میں فروخت کرنے کے لیے دن مقرر کر دیا گیا کہ فلاں دن نیلامی ہوگی جو بھی اس کو خریدنا چاہتا ہے وہ اپنا نام لکھوا دے۔ چنانچہ مصر کے بڑے، بڑے امیر لوگ آئے اور انہوں نے، اپنے، اپنے نام لکھوائے تا کہ بولی لگا سکیں۔ اسی دوران ایک بڑھیا بھی آئی جو بے حد غریب تھی، مسکین تھی اس نے بھی اپنا نام لکھوا دیا۔

ایک شخص نے اس بڑھیا سے کہا کہ اے بڑھیا تو اتنی غریب ہے تیرے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں تو بھلا یوسفؑ کو کیسے خرید سکتی ہے پھر تو نے اپنا نام کیوں لکھوایا؟

اس بڑھیا نے جواب دیا۔ میں جانتی ہوں میں بے حد غریب ہوں میرے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں اور میں یوسفؑ کو نہیں خرید سکتی لیکن کم از کم میرا نام بولی لگانے والوں میں شامل تو ہو جائے گا۔

قارئین میرا حال تو اس بڑھیا سے بھی بدتر ہے۔ میں اس سے زیادہ غریب، اس سے زیادہ فقیر ہوں۔ میرے پاس اعمال نامے کی وہ دولت نہیں جس سے جنت خریدی جا سکے ہاں اتنا ضرور ہوگا کہ میرا نام ان لوگوں کی فہرست میں شامل ہو جائے گا جنہوں نے اللہ کے کلام کی حفاظت کی۔

چند ضروری باتیں

یہ میری ڈائری کا ایک ورق ہے جسے میں یہاں لکھ رہی ہوں اس کے بعد مضمون کا اختتام ہو جائے گا۔

"ہمیں ہر حال میں اللہ کی رضا چاہیے مگر یہ اس وقت تک ممکن نہیں ہو سکتا جب تک قرآن حکیم کو اپنی زندگی میں شامل نہ کر لیا جائے۔ عشق ضروری ہے عشق کے بغیر نفس کشی ممکن نہیں اور جب تک نفس کشی نہ ہو گی قربِ الٰہی حاصل نہ ہو گا۔

عشق، ریا سے پاک ہوتا ہے اس وجہ سے سکونِ قلب حاصل ہوتا ہے۔

قلب کی صفائی ضروری ہے...... حسد، بغض، کینہ، نفرت، غصہ ہر منفی چیز کو دل سے نکال پھینکو، دل کی سیاہی دور ہو جائے گی۔ جب دل صاف ہو گا آئینے کی طرح تو نور کی کرنیں اپنی جگہ بنا لیں گی۔ نور کی کرنیں ایک بار مل جائیں تو کبھی انہیں جانے نہ دینا۔ دل میں کبھی دنیا کو نہ بسانا۔ یہ گھاٹے کا سودا ہے۔ دنیا کے ساتھ، ساتھ چلو مگر محبت اللہ سے کرو...... دنیا سے نہیں...... اللہ کی عطا کردہ چیزوں کا شکر ادا کرو اور انہیں اپنے مصرف میں بھی لاؤ مگر اندر سے فقیری کو اختیار کرو۔

جس قدر ہو سکے اللہ کے بندوں کی مدد ضرور کرو، تجارت کرنی ہے تو اللہ سے کرو...... فائدہ ہی فائدہ ہے...... جتنا دو گے دس گنا ہو کر ملے گا آزما کر دیکھ لو۔

اللہ کو اپنا دوست بنا لو دائمی خوشی مل جائے گی۔

انشاءاللہ!

(باقی آئندہ)

ضروری نوٹ

عزیز قارئین! ڈاکٹر کیہ آپا ناسازیِ طبع اور ضعف کے باعث فون پر زیادہ گفتگو نہیں کر پاتیں۔ آپ کے جذبات و احساسات ان تک پہنچا دیے جاتے ہیں پھر بھی آپ ان سے بذریعہ سوال کوئی رابطہ کرنا چاہتی ہیں تو ادارے کے ایڈریس پر ڈاکٹر ڈکیہ آپا اور پاکیزہ لکھ کر روانہ کر دیں۔ آپ لوگ بذریعہ ای میل بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔

E.mail:kitabiat.1970@yahoo.com

jdpgroup@hotmail.com

آپ کی دعائیں، آرا، تجاویز ہم سب کے لیے قابلِ قدر ہیں۔

اعتبارِ وفا

نگہت سیما

یہ سچ ہے کہ محبت میں وقت کا وزن نہیں ہوتا... گفتگو کا وزن نہیں ہوتا، ہر طرف تو کیا دل و دماغ تک پر ایک بے وزن سی کیفیت محسوس ہوا کرتی ہے... کہ دل و دماغ کو کوئی دوسری بات سُجھائی تک نہیں دیتی۔ ایسے حالات میں کسی بھی انسان کے پاؤں جمے نہیں رہتے اور وہ ہر وقت لڑھکتا رہتا ہے۔

مگر خود کو سنبھال کر متوازن رکھنا ہی محبت کا اصل پلیٹ فارم ہے... لیکن اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ اس بے وزنی کے اصول کو بھی محسوس کر لیا جائے... اور مان لیا جائے... کہ محبت کا اوّلین قانون اعتبار ہے... اور وفا کے غُنچے وہیں کھلتے ہیں... جس گلشن میں اعتبار کا بیج بویا جاتا ہے۔

گلاب چہروں پہ دُھول کتنی مسافتوں کی جمی ہوئی ہے
چراغ آنکھوں میں جانے کتنے سفر کے جالے تنے ہوئے ہیں
نہ چھاؤں جیسی کوئی کہانی نہ جلتی دھوپوں کا کوئی حصہ
کہاں کا ذکرِ سفر کہ پہلے قدم پہ ہم تو رُکے ہوئے ہیں

قسط 22



بچے کے ساتھ وہ گھر واپس آئے تو اُن کا دل جیسے اس بچے کے لیے رو رہا تھا اور وہ مسلسل دعائیں مانگ رہے تھے کہ اس کے والدین مل جائیں۔ جانے کس کی آنکھوں کا نور تھا، وہ اس کے لیے اپنے دل میں بے حد اپنائیت محسوس کر رہے تھے۔ اس کی آنکھیں انہیں چندا کی آنکھوں کی طرح لگی تھیں۔ شاید اس لیے وہ مانوس لگی تھیں۔ انہیں اپنا وہ ان دیکھا بیٹا یاد آیا جو اگر زندہ ہوتا تو اتنا ہی ہوتا...... بچہ ابھی تک خوفزدہ تھا اور وقفے، وقفے سے رونے لگتا تھا۔ خوف اور ڈر کی وجہ سے اسے بخار ہو گیا تھا۔ وہ اسے اپنے پاس اپنے بیڈ روم میں رکھے ہوئے تھے۔ وہ ان سے چمٹ کر سوتا تھا۔ دو دن تک کسی نے خبر نہیں لی تھی، بچے کا بخار تیز تھا۔ وہ اسے خدا بخش کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس بھیج کر خود ایک بار پھر خانیوال کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ انہیں تین دن بعد مکان خالی کر کے خریدار کے حوالے کرنا تھا۔ کراچی سے بھی بیگ صاحب کے فون آ رہے تھے کہ وہ جلدی آئیں...... اچھی نوکریاں انتظار نہیں کرتیں۔

خدا بخش کا خیال تھا کہ بچے کو کسی یتیم خانے میں دے کر وہ لوگ کراچی چلے جائیں اور یتیم خانے والوں کو تمام صورتِ حال بتا دیں۔ خدا بخش کی بات پر انہوں نے کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا لیکن اُن کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔ ان تین دنوں میں یہ بچہ انہیں بہت عزیز ہو گیا تھا۔ وہ کراچی جانے سے پہلے ایک آخری کوشش کرنا چاہتے تھے۔ خانیوال جاتے ہوئے راستے میں اخبار کے آفس میں رک کر ایک بار پھر اشتہار چھپوانے کے لیے ادائیگی کی تھی۔ ممکن ہے کہ اس روز اشتہار کسی کی نظر سے نہ گزرا ہو اور اب کسی کی نظر پڑ جائے۔ خانیوال کی طرف جاتے وہ راستے میں جہاں کہیں کوئی لوگ نظر آتے یا چھوٹا موٹا چائے خانہ دکھائی دیتا تو وہ رک کر ضرور پوچھتے...... ابھی وہ



زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ ایک جگہ انہیں ایک بس کھڑی نظر آئی۔ مسافر بس سے اتر کر ادھر اُدھر کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ وہ گاڑی ایک طرف کھڑی کر کے مسافروں کی طرف آئے کہ یہ جگہ بس کا اسٹاپ نہیں تھی۔

"کیا ہوا بھئی خیریت ہے ناں......؟" انہوں نے ایک مسافر سے پوچھا تھا۔

"خیریت ہے صاحب...... معمولی سی خرابی ہو گئی تھی بس میں...... ٹھیک ہو گئی ہے۔ ایک دو مسافر کھیتوں کی طرف چلے گئے ہیں۔ ان کا ہی انتظار ہو رہا ہے۔" ایک مسافر نے بتایا۔ وہ واپس مڑے ہی تھے کہ دو مسافروں کو اسی روڈ پر کسی حادثے کا ذکر کرتے ہوئے سن کر رک گئے۔

"یار یہ سڑک بڑی خونی ہو گئی ہے۔ ابھی پچھلے مہینے اتنا بڑا ایکسیڈنٹ ہوا۔ اکیس بیس بندے مر گئے اور پرسوں رات کی بات ہے، ذرا آگے ایک پورا خاندان مار ڈالا ظالموں نے...... میں صبح کے وقت خانیوال سے آ رہا تھا لاہور مال لینے تو ایک مرد اور ایک عورت کی لاشیں ایمبولینس میں رکھی جا رہی تھیں۔"

"کون لوگ تھے وہ اور کس نے مارا؟" انہوں نے بے چینی سے پوچھا تھا۔

"معلوم نہیں کون لوگ تھے لیکن ظالموں نے پورا خاندان ختم کر ڈالا۔ وہاں لوگ باتیں کر رہے تھے کہ کوئی خاندانی دشمنی تھی۔ اس عورت کی لاش تو جنگل کی طرف سے ملی تھی۔ بیچاری جان بچانے کے لیے بھاگی ہوگی۔ لوگ کہہ رہے تھے، رات کے وقت بھی کچھ لاشیں اٹھا کر لے گئے تھے پولیس والے۔" اس نے تفصیل بتائی تھی۔

"کیا کوئی نہیں بچا؟" دوسرے مسافر نے پوچھا۔

"اگر کوئی بچا بھی ہوگا تو بعد میں ڈھونڈ کر مار دیں گے۔ میں جانتا ہوں یہ خاندانی دشمنیاں کتنی بری ہوتی ہیں۔ اُدھر ہمارے گاؤں میں بھی دشمنیوں میں سارے کا سارا خاندان مار ڈالا تھا۔ ایک معصوم بچہ بیچارہ بچ گیا تھا...... بعد میں اسے بھی مار ڈالا۔" اور ان کی آنکھوں میں سامنے وہ آ گیا۔ سہا، سہا اور خوفزدہ سا جس کی چندا جیسی آنکھوں کو وہ حیرت سے دیکھتے تھے اور جو رات کو اُن سے چمٹ کر سوتا تھا۔ یقیناً یہ بچہ اسی مارے جانے والے خاندان کا تھا...... گو حادثے والی جگہ وہاں سے کافی دور تھی جہاں انہیں یہ بچہ ملا تھا لیکن اس کے سوجے ہوئے پاؤں بتاتے تھے کہ وہ دور سے ہی بھاگتا ہوا آیا تھا۔ اور اگر اس کے دشمنوں کو پتا چلا کہ وہ بچہ زندہ ہے تو وہ اسے بھی مار ڈالیں گے...... اور وہاں کھڑے، کھڑے ہی انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اس بچے کو اپنے ساتھ لے جائیں گے...... سارے رستے وہ دعا کرتے آئے تھے کہ ایک روز پہلے چھپنے والا اشتہار اور ریڈیو پر کرایا جانے والا اعلان اس کے دشمنوں نے نہ سنا ہو...... واپسی پر اخبار کے دفتر میں رک کر انہوں نے اشتہار چھاپنے سے منع کیا تھا اور دو دن بعد وہ خدا بخش اور بچے کے ساتھ کراچی آ گئے تھے۔ بیگ صاحب بچے کو دیکھ کر حیران ہوئے تھے۔

"آپ نے ذکر نہیں کیا تھا بچہ آپ کے پاس ہے۔" وہ بتانا چاہتے تھے کہ بچہ ان کا نہیں ہے لیکن پھر خاموش ہو گئے...... قدرت نے یہ انمول خزانہ انہیں سونپا تھا اور انہیں اس کی قدر کرنا تھی...... شاید اس نیکی کے طفیل اللہ کبھی ان کی بیٹی کو بھی ان سے ملا دے۔

بیگ صاحب کے چہرے پر پھیلتی مایوسی کو دیکھ کر وہ چونکے تھے لیکن نہیں سمجھ سکے تھے...... یہ تو بہت بعد میں انہیں پتا چلا تھا کہ بیگ صاحب اچانک ان پر اتنے مہربان کیوں ہو گئے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ ان کی بہن سے شادی کر لیں جو غالباً بیوہ تھیں یا مطلقہ...... لیکن چندا کے بعد وہ اپنی زندگی میں کسی کی گنجائش نہیں پاتے تھے اور اب تو رواحہ کی صورت انہیں زندگی کا مقصد مل گیا تھا۔ وہ اپنا نام نہیں بتا سکتا تھا صرف روحا ہی کہا تھا اس لیے انہوں نے اس کا نام رواحہ رکھا تھا۔ یہ نام بابا جان نے اپنے پوتے کے لیے سوچ رکھا تھا۔ بیگ صاحب نے ان سے مایوس ہونے کے باوجود اُن کا ساتھ دیا تھا۔ اگر بیگ صاحب ہر معاملے میں ان کا ساتھ نہ دیتے تو وہ کراچی جیسے اجنبی شہر میں سیٹل نہ ہو پاتے۔ بیگ صاحب سچ کہتے

تھے، یہ بہت مہربان شہر ہے۔ ہر نئے آنے والے کو اپنی آغوش میں سمیٹ لیتا ہے.....وہ دل ہی دل میں بیگ صاحب کے بہت ممنون تھے۔ شروع شروع میں رواحہ نے بہت تنگ کیا..... ماما..... ماما کر کے روتا تو روتا ہی چلا جاتا..... کہیں سے فائر بلکہ پٹاخوں کی ہی آواز آتی تو خوفزدہ ہو جاتا.....لیکن ہولے، ہولے وہ اُن سے مایوس ہوتا گیا اور اس نے ماما اور اماں کی تکرار کرنا بھی چھوڑ دی تھی۔۔۔اسکول میں داخل کرواتے وقت انہوں نے ولدیت کے خانے میں اپنا نام لکھا تھا۔ وہ جانتے تھے اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کرنے سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے کہ لے پالکوں کو ان کے باپوں کے ناموں سے محروم مت کرو لیکن وہ اس کے باپ کے نام سے بے خبر تھے۔ اور اللہ نے اس صورت میں رعایت دی تھی۔

''میری ماما کہاں ہیں بابا؟'' وہ جب سات سال کا تھا تو پہلی بار اس نے پوچھا تھا۔

''اللہ میاں کے پاس.....''

''وہ کب واپس آئیں گی؟'' وہ سوال پر سوال کر رہا تھا اور وہ اس کی ذہنی سطح کے مطابق جواب دے رہے تھے۔

''جو لوگ اللہ میاں کے پاس چلے جاتے ہیں، وہ واپس نہیں آتے۔''

''بابا آپ کبھی اللہ میاں کے پاس مت جانا..... مجھے ڈر لگے گا۔'' اور انہوں نے اسے اپنے بازوؤں میں سمو لیا تھا۔ اب وہ پٹر پٹر بولتا تھا۔ خدا بخش نے بادام کھلا، کھلا کر اسے بولنا سکھایا تھا۔ اب تو وہ خود بھی بھول گئے تھے کہ رواحہ ان کا بیٹا نہیں تھا.....وہ ان کا ہی بیٹا تھا ان کی زندگی کا حاصل.....وہ کچھ دیر رواحہ کو نہ دیکھتے تو بے چین ہو جاتے.....ان کے گھر میں رواحہ کے دم سے زندگی رقص کرنے لگی تھی۔ اللہ نے رواحہ کی صورت ان کے زخموں پر مرہم رکھ دیا تھا۔

''بابا آپ ادھر بیٹھے ہیں مجھے جگا لیا ہوتا۔'' رواحہ نے آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا۔ وہ چونکے۔

''تم سو رہے تھے، میں نے ڈسٹرب نہیں کیا۔''

''یہ جو ٹیبلٹ میں کھا رہا ہوں ناں ان میں نیند کا اثر ہے.....کھاتے ہی کچھ دیر بعد سو جاتا ہوں۔'' وہ اٹھ کر بیٹھ گیا..... ''ابھی ناشتا کر کے میڈیسن لی تھیں اور ساتھ ہی نیند آ گئی۔''

''ہاں شاید.....'' انہوں نے خدا بخش کی طرف دیکھا جس نے اندر آ کر چائے کا مگ کافی ٹیبل پر رکھا تھا۔

''تم چائے لوگے.....بنواؤں؟'' انہوں نے پوچھا تو رواحہ نے منع کر دیا۔

''ملک شیک بنا لاتا ہوں۔'' خدا بخش نے رائے دی۔

''نہیں چاچا.....اس وقت کسی چیز کا بھی موڈ نہیں.....''

''چلو تھوڑی دیر بعد بنا دیتا ہوں۔'' خدا بخش واپس جانے کے لیے مڑا تو انہوں نے آواز دی۔

''سنو خدا بخش، فارغ ہو کر صدقے کا بکرا دے آنا۔ آج میرے بیٹے نے میرے ساتھ ٹیبل پر بیٹھ کر ناشتا کیا۔'' رواحہ نے بے حد محبت سے اُن کی طرف دیکھا۔

''میں کتنا خوش نصیب ہوں کہ آپ میرے بابا ہیں۔''

''اور میری خوش نصیبی میں تمہیں کیا کچھ شک ہے۔'' انہوں نے برجستہ کہا۔

''میرا اتنا پیارا بیٹا ہے۔'' وہ بے اختیار مسکرایا۔

''آپ ادھار تو رکھتے ہی نہیں۔''

''میری جان تم نے نہیں سنا ادھار محبت کی قینچی ہے۔'' آج ان کا موڈ رواحہ کو دیکھ کر بہت خوشگوار تھا۔

''کیا واقعی بابا.....پھر تو مجھے رتی کو کبھی ادھار نہیں دینا چاہیے نہ لینا چاہیے۔'' وہ محظوظ ہوا۔

"ہاں یار کیا حال ہے ہماری بہو کا..... گھر پر نہیں آئی تمہیں دیکھنے ہے؟"
"ابھی وہ آپ کی بہو کے رتبے پر فائز نہیں ہوئی۔" اس نے احتجاج کیا۔
"تو......" انہوں نے بے پروائی سے کہا۔
"چند دنوں کی بات ہے، تم ٹھیک ہو کر یونیورسٹی جانے لگو گے تو میں ارتفاع کے والدین سے مل کر اس کے جملہ حقوق تمہارے نام لکھوا لیتا ہوں۔"
"کیا خبر بابا وہ لوگ انکار کر دیں۔" پتا نہیں کیوں اس سے وہ تو طمی ہو رہا تھا۔
"بھلا کیوں انکار کریں گے...... کیا کمی ہے، میرے بیٹے میں۔" انہوں نے فخر سے اسے دیکھا۔
"کمی نہ بھی ہو بابا...... تو ہوتا ہے ناں بعض لوگ خاندان، برادری، اسٹیٹس کو اہمیت دیتے ہیں۔" وہ افسردہ نظر آنے لگا تھا۔
"کیوں...... کیا اس کے خاندان میں کوئی ہے اس کا ہم عمر؟" وہ بھی سنجیدہ ہو گئے۔
"اس کی ہی تو اکلوتی ہیں...... البتہ پاپا کے بھائی، بہن ہیں...... لیکن ان لوگوں سے زیادہ روابط نہیں ہیں ان کے، ایک بار رتی نے بتایا تھا۔"
"میں جلد از جلد اس کے والدین سے ملنا چاہوں گا تم اس سے بات کرو اور تمہیں یاد ہے تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر خدانخواستہ یہ رشتہ طے نہ پا سکا تو تم اسے زندگی اور موت کا مسئلہ نہیں بناؤ گے...... روٹین کے دوسرے معاملات کی طرح لو گے۔" رواحہ نے سر ہلایا تھا لیکن اس کے اندر دور تک افسردگی کا غبار پھیل گیا تھا۔ وہ بابا کو دکھی نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن اسے لگتا تھا ارتفاع کے بغیر زندگی گزارنا ایسا ہی ہو گا جیسے اس میں سے مٹھاس نکل گئی ہو یا پھر جیسے کوئی بے رنگ پینٹنگ، جس کے سارے رنگ خراب ہو چکے ہیں...... اب بابا کو کیا پتا کہ ارتفاع تو اس کے دل پر حکمران تھی اور وہ اس حکمرانی پر خوش تھا۔
"بیگ صاحب اور قدیر صاحب آئے ہیں۔" خدا بخش نے دروازے سے جھانک کر اطلاع دی تو وہ کھڑے ہو گئے۔
"تمہاری مزاج پرسی کو آئے ہوں گے۔ اِدھر ہی بلا لوں یا ڈرائنگ روم میں آؤ گے؟"
"آپ چلیں بابا، میں فریش ہو کر آتا ہوں۔" وہ سر ہلاتے ہوئے باہر چلے گئے تو اس نے پاس پڑا فون اٹھا لیا اور عقام کا نمبر ملانے لگا۔

☆☆☆

شاہجہان بے چینی سے اِدھر سے اُدھر ٹہل رہی تھی۔
"کیا ہوا ہے شاہجہان بیگم یہ پاؤں کے نیچے انگارے بچھے ہیں کیا...... آرام سے ایک جگہ ٹک کر بیٹھ جاؤ تو تیل لگا دوں سر میں۔" موراں نے جو اس کے سر میں تیل کی مالش کرنے آئی تھی اور تیل کی شیشی ہاتھ میں لیے اس کے بیٹھنے کا انتظار کر رہی تھی تنگ آ کر کہا تو شاہجہان نے رک کر اسے دیکھا۔
"یہ تیل لے جاؤ موراں، اس وقت مجھے نہیں لگانا۔"
"لو خود ہی تو کہہ رہی تھیں کہ بال روکھے ہو رہے ہیں تیل لگا دو تو صبح صبح نہا لوں گی...... رات اچھی طرح سر میں دھنس جائے گا...... آخر بات کیا ہے شاہجہان بیگم کل سے جلے پاؤں کی بلی کی طرح سارے گھر میں چکراتی پھر رہی ہو اِدھر سے اُدھر...... اوپر سے نیچے...... نیچے سے اوپر...... جب سے وہ موا کمبخت بابر نوید ہو کر گیا ہے تیرے تو ہوش ہی ٹھکانے نہیں...... لگتا ہے مالیخولیا ہو گیا ہے تجھے۔ کبھی چہکنے لگتی ہو، کبھی بجھ جاتی ہو، کبھی ہونٹوں پر ہنسی بکھر

جاتی ہے اور کبھی تشویش جھانکنے لگتی ہے۔ ارے کیا راز اگل کے گیا ہے وہ کمبخت......؟"
"تم بھی ناں موراں، بولنے پر آؤ تو بولتی ہی چلی جاتی ہو جیسے ظہورے اور شیدے کی روح سما گئی ہو تم میں......" وہ جھنجلائی۔
"ارے تو کل سے دیکھ رہی ہوں تمہیں، کوئی تو بات ہے؟" موراں کم بولتی تھی لیکن جب بولنے پر آتی تھی تو یونہی بال کی کھال نکال ڈالتی۔
"ارے بات کیا ہونی ہے موراں......" شاہجہان بیگم نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا۔ موراں کو بتانے میں بھلا حرج ہی کیا ہے۔ دائی سے بھی کبھی پیٹ چھپا ہے۔ کل سے جو خوشخبری دل میں چھپائے بیٹھی تھی اس سے پیٹ پھٹنے کو تھا۔
"کچھ تو ہے شاہجہان بیگم، نہ بتانا چاہو تو الگ بات ہے پر اتنا جانتی ہوں وہی موا کچھ سحر پھونک کر گیا ہے تیرے کانوں میں۔"
"تجھ سے کچھ چھپانا محال ہے موراں......" شاہجہان جیسے ہار مان کر اپنے صوفہ کم بیڈ پر بیٹھ گئی۔
"بس ذرا وزن کر رہی تھی کہ اس کی کہی بات میں کتنا سچ ہے۔"
"تو کر لیا وزن!" موراں کا لہجہ طنزیہ تھا...... شاہجہان نے دھیان نہیں دیا۔
"تجھے یاد ہے موراں جب بابر نوید نے دسو کے ساتھ لڑکی بھیجنے کا کہا تھا اور وہ کمبخت لڑکی کے بجائے لڑکا اٹھا لایا تھا۔"
"اے ہائے کمبخت اسے ہی تو لینے نہیں آ گیا۔" موراں نے سینے پر بایاں ہاتھ مارا۔
"ہاں مجھے بھی یہی دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں بابر کے دشمنوں کو خبر تو نہیں ہو گئی کہ ان کا وارث ہمارے پاس ہے اور وہ دسو کمبخت اسی لیے کھوجتا پھر رہا ہے۔ دسیوں چکر لگائے اس نے محلے کے گلی کے ہر گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا پر وہ تو......"
شاہجہان کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "وہ تو کسی اور ہی چکر میں ہے۔"
"بھلا کس چکر میں......؟" موراں تجسس سے تھوڑا سا اس کی طرف جھکی۔
"کہہ رہا تھا چاندی ہو جائے گی تیری...... لڑکی نہ ملنے کا دکھ بھول جائے گی۔"
"اے ہے کیا مٹھیاں بھر، بھر لوٹ دے جائے گا تمہیں۔" موراں نے ناگواری سے کہا۔ "ارے مجھے نہیں اعتبار اس کمبخت دسو کا...... ویسے پھر کب تک آنے کو کہا ہے اس نے؟"
"آج کل کا بولا تھا تب ہی تو بے چینی لگی ہے۔" شاہجہان نے بتایا۔
"اور اس نے لڑکے کا نہیں پوچھا کدھر گیا؟" موراں کو تجسس ہوا۔
"پوچھا تھا...... کہہ دیا ادھر ادھر کہیں جھک مار رہا ہوگا آ جائے گا۔" شاہجہان اب کچھ مطمئن سی پاؤں اوپر کر کے دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی تھی۔
"شکر ہے ملنے کی ضد نہیں کی۔" موراں نے بھی اطمینان بھری سانس لی۔
"ارے کرتا تو کہہ دیتی بھاگ گیا، اب میں کوئی راکھی تو نہیں کر سکتی جوان لڑکوں کی۔ پر اس نے زیادہ کرید ہی نہیں کی اور میں یوں ہی ڈر کر لاہور سے بھاگی کہ کہیں یہاں آ کر اسے کھوجتا نہ پھرے...... پتا ہوتا تو دو چار دن اور رک جاتی شاید کام بن ہی جاتا۔"
"اب ایسا کون سا کام آ پڑا تھا۔ مجال ہے جو منہ سے پھوٹو۔" موراں بڑبڑائی اور پھر قدرے بلند آواز میں بولی۔ "تو نے بھی تو اسے حاجی دادا کے حوالے کر دیا۔ ادھر رہتا تو سو کام کر دیتا...... ظہورا، شیدا تو اب بوڑھے

ہو چلے بھلا کتنے دن چلیں گے۔ جوان لڑکے کا آسرا ہوتا...... پر بھی، کبھی تو تیری عقل پر پتھر ہی پڑ جاتے ہیں...... یا اپنی بجو کی طرح پڑھا لکھا کر کسی دفتر میں نوکر کروا لیتیں۔ دس لوگ چوبارے پر آنے والے تھے کوئی نوکری دلوا ہی دیتا...... اور یہ تو جو بجو کے لیے پریشان ہو رہی ہے اسی سے نکاح پڑھا لیتیں اس کا...... گھر میں ہی نبڑ جاتی بجو۔'' آج موراں بہت بولنے کے موڈ میں تھی اور یہ دورہ اسے کبھی کبھار ہی پڑتا تھا۔ شاہجہان زیادہ روک ٹوک نہیں کرتی تھی۔ شیدے کو اسٹیشن پر یہ روتی ہوئی ملی تھی۔ چودہ پندرہ سال کی عمر تھی۔ جانے بھاگ کر آئی تھی کسی کے ساتھ یا اکیلی بھاگی تھی لیکن اس نے منہ سے کبھی کچھ نہیں بتایا تھا۔ شیدا بہلا پھسلا کر گھر لے آیا تھا۔ آواز اس کی عجیب بھاری سی اور بیٹھی ہوئی تھی...... گانے کے لیے تو پہلے ہی استاد جی نے نہ کر دی اور رقص سکھاتے میں استاد کو دانتوں پسینے آ گئے۔ کبھی جو اس کا پاؤں صحیح پڑا ہو...... تھک ہار کر استاد جی نے ہاتھ اٹھا لیے۔

''یہ نہیں سیکھنے کی شاہجہان بیگم اسے تو دوسرے کام پر لگا دو۔''

شکل صورت واجبی، رنگت، کالی، سانولی تو کبھی نہیں جا سکتی تھی۔ اور اب وہ وقت بھی نہیں رہا تھا کہ جب کالی، بھدی، ناٹی، بدصورت سب چل جاتی تھیں۔ اب تو... لوگ دو گھڑی کے ساتھ کے لیے بھی حسن کی مورت مانگتے تھے۔ ناچار شاہجہان بیگم نے اسے باورچی خانہ سنبھالنے پر لگا دیا۔ بوا سے ویسے بھی کوئی زیادہ کام نہ ہوتا تھا اور چوبارہ تب لڑکیوں سے بھرا ہوا تھا۔ ایک سے ایک طرح دار اور موراں نے ہولے، ہولے باورچی خانہ کیا پورے چوبارے کو سنبھال لیا۔ لڑکیوں کے کھانے پینے سے لے کر لباس، میک اپ، دوسری ضروریات ہر چیز کا خیال رکھنے لگی۔ گزرتے وقت کے ساتھ، ساتھ وہ شاہجہان بیگم کی رازدار سہیلی کی طرح ہو گئی لیکن شاہجہان بیگم کو بھی جو چھپانا ہوتا دھواں تک نہ نکالتی۔

''میں پوچھتی ہوں شاہجہان آخر ایسا کیا جادو کر دیا تھا حاتی دادا نے تم پر، اٹھا کر بچہ اس کی گود میں ڈال دیا۔ مجھے دیا تھا تو میرے پاس ہی رہنے دیا ہوتا آج میرے بڑھاپے کا سہارا ہوتا۔'' شاہجہان بیگم کو خاموش دیکھ کر موراں نے جلے دل کے پھپھولے پھوڑے۔ کیسے ایک دن کے بچے کو موراں نے سنبھالا تھا اور شاہجہان نے پوچھا نہ بھالا اور حاتی دادا کے حوالے کر دیا۔ شاہجہان کے لبوں پر مسکراہٹ ابھری۔ اب بیچاری موراں کو کیا خبر کہ حاتی دادا کیا تھا اس کے لیے...... اس کے تو نام سے ہی شاہجہان کے اندر پھلجھڑیاں چھوٹنے لگتی تھیں۔ بڑا انوکھا سا عشق ہوا تھا اسے حاتی دادا سے جس میں نہ طلب تھی نہ پانے کی آرزو...... نہ کبھی عمر بھر کے ساتھ کی دعا مانگی...... نہ بدلے میں اس کی محبت چاہی۔ بس اللہ سے اس نے صرف اس کی سلامتی اور خیریت مانگی تھی جب تک لاہور میں رہی...... ہر مہینے کی پہلی جمعرات کو داتا صاحب پر دیگ چڑھاتی تھی۔

''اپنی اولاد تو یہاں چھوڑ گیا اور دوسرے کی سینے سے لگا کر لے گیا۔''

موراں کو بچے کے جانے کا بہت غم تھا۔

''بچہ لے کر ایسا گیا کہ مڑ کر پوچھا تک نہیں کہ بیج پھوٹا یا نہیں......'' موراں پھر بڑبڑائی۔

شاہجہان کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

''اب موراں غریب کو کیا خبر کہ یہ تو ایک پرایا بچہ تھا جسے شاہجہان نے کبھی نظر بھر کر دیکھا تک نہیں تھا، وہ تو شاہجہان کی جان مانگتا تو شاہجہان اس کے قدموں میں لٹا دیتی...... وہ تو اس کی ساتوں خیریں مانگتی نہ تھکتی تھی، وہ آتا تو اس کے قدموں میں اپنی آنکھیں بچھا دیتی...... جاتا تو دور تلک اس کی آنکھیں اس کے قدموں سے لپٹ کر ساتھ جاتیں...... اس کا عشق موراں کی سوچ سے بلند تھا۔ دسیوں مردوں کو برتنے والی شاہجہان نے حاتی دادا کے عشق کی آگ جو اپنے اندر دہکا رکھی تھی اس کی ذرا سی آنچ باہر تک نہیں آئی تھی۔ مٹھا سائیں سے جھگڑے کے بعد وہ

اسے وحدت روڈ والے گھر میں چھوڑ گیا تھا اور وہ اس گھر میں اس کی راہ یوں تکا کرتی جیسے وہ اس کی گھر والی ہو اور اسے شوہر کا انتظار ہو...... ہر کھٹکے پر چونکتی اور دروازے کی طرف یوں دیکھتی جیسے ابھی وہ دروازے سے اندر داخل ہوگا...... شام ہوتے ہی اس کا دل گھبرانے لگتا تھا اور وہ صحن میں نکل آتی تھی۔ کانوں میں گھنگروؤں کی مخصوص آواز گونجتی تو دل و دماغ بوجھل ہو جاتے۔

اس روز بھی بتیاں جلتے ہی وہ صحن میں نکل آئی تھی...... جب دروازے پر بیل کے بجائے دستک ہوئی تھی...... نہیں دستک بھی نہیں بلکہ کسی نے دروازہ دھکیلا تھا اور وہ نہ جانے کس ڈور سے بندھی تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی تھی اور پھر دروازہ کھولتے ہی ششدر رہ گئی تھی...... وہ اس طرح تو کبھی نہیں آیا تھا۔ بال بکھرے، مٹی سے اٹے...... آنکھوں میں سرخی اور زمانے بھر کی وحشت...... پاؤں سے ننگا، ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوئی تھیں۔ کپڑے میلے ملگجے...... جانے کہاں، کہاں کی خاک چھان کر آیا تھا۔ اس نے بازو سے پکڑ کر اسے دہلیز سے اندر کیا اور اس سے لپٹ گئی۔

''یہ کیا حال ہو گیا ہے تمہارا دادا......؟''

وہ بس خالی، خالی ویران نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ وہیں کھڑا رہا، مڑ کر دروازے کو دیکھا جیسے غلطی سے آ گیا ہو...... اور ابھی بند دروازہ کھول کر پلٹ جائے گا...... اس نے مضبوطی سے اس کا ہاتھ پکڑا اور کشاں، کشاں اپنے کمرے میں لے آئی...... اسے گلے سے لگایا۔ مٹی سے اٹے بالوں والے سر کو بار، بار چوما۔ پھر بازو سے پکڑ کر اپنے بیڈ پر بٹھایا۔

''کیا ہوا دادا بولتا کیوں نہیں؟''

وہ رونے کو ہو گئی...... محبوب کو اس حال میں دیکھنا آسان کہاں تھا اور وہ چپ سادھے بیٹھا تھا...... وہ اس کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

''دادا تیرا یہ حال کیسے ہو گیا ہے، کسی نے کوئی بڑا ظلم توڑا تجھ پر...... بول دادا کچھ تو بول شاہجہان تجھ پر قربان جائے۔''

اور اس نے شاہجہان کا ہاتھ پکڑ کر اسے زمین سے اٹھایا تھا اس کی کھنچی ہوئی خشک آنکھوں میں نمی سی اتری تھی اور پھر اس کے گلے لگ کر دھاڑیں مار، مار کر رویا تھا۔ شاہجہان نے اس کے آنسو پونچھے تھے اور اس کے ساتھ آنسو بہائے تھے۔ اس کا عشق جیسے مامتا کے جذبے میں ڈھل گیا تھا۔ اس نے اس کا سر گود میں رکھا تھا اور پھر پوری رات اس کا سر گود میں لیے بیٹھی اس کے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتی رہی تھی۔ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا...... حاتی دادا نے نہیں بتایا تھا۔ ایک لفظ بھی اس کے منہ سے نہیں نکلا تھا لیکن اس کا انجانا درد شاہجہان کے دل میں اتر آیا تھا...... پھر وہ یونہی روتے، روتے اس کی گود میں سر رکھے، رکھے سو گیا تھا...... جانے کتنی راتوں کا رت جگا تھا، جانے کتنے زخم سینے پر لگے ہوئے تھے۔ شاہجہان بیگم نے بہت احتیاط سے اس کا سر تکیے پر رکھا تھا...... ٹانگیں سیدھی کی تھیں اور خود بھی برابر میں لیٹ گئی تھی...... یہ رات اس کی زندگی کی سب سے خوب صورت رات تھی۔ اس رات کا جادو سر چڑھ کر بولتا تھا۔ ایسی رات پھر اس کی زندگی میں کبھی نہیں آئی تھی...... اس ایک رات کا نشہ پوری زندگی اسے مخمور کیے رہا...... پوری رات وہ جاگی تھی اور حاتی دادا کے ایک، ایک نقش کو انگلیوں سے چھو کر دل میں اتارتی جاتی تھی۔ صبح سویرے نہا دھو کر وہ سنگار میز کے آئینے کے سامنے کھڑی بال سلجھا رہی تھی جب موراں دستک دے کر اندر آئی تھی۔ موراں نے بیڈ پر گہری نیند سوئے حاتی دادا کی طرف دیکھا تھا اور پھر گیلے بال سلجھاتی شاہجہان کو اور ایک معنی خیز سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر ٹھہر گئی تھی۔

''ناشتا ادھر کمرے میں ہی کرو گی ناں......؟''

"ہاں...... لیکن کچھ دیر بعد لانا...... ابھی دادا سو رہے ہیں۔" شاہجہان کے چہرے پر ایک انوکھی سی چمک تھی آنکھوں میں بن پیے ہی خمار چھایا ہوا تھا۔ موراں نے سر ہلایا۔

"کنگھی کرلو تو ذرا اس سنہری کے کان کھینچو...... کب سے موتیا سے جھگڑا کررہی ہے۔ ادھر استاد جی دونوں کے انتظار میں سوکھ رہے ہیں۔ یہ بالشت بھر کی لڑکی اور زبان ایسے چلتی ہے جیسے قینچی......" شاہجہان نے ناگواری سے موراں کی طرف دیکھا۔

"کیا ہے موراں...... یہ ذرا سی لڑکی تم سے نہیں سنبھلتی۔"

"ارے لڑکی ہے یا پوری فتنہ......؟" موراں بڑبڑاتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔ وہ بھی ہار سنگار کر کے سنہری کے کان کھینچنے آئی تو سنہری، موتیا کے گلے سے لپٹی اس کے کانوں میں سرگوشیاں کررہی تھیں اور دونوں ہنس رہی تھیں۔

"یہ موراں بھی ناں بات کا بتنگڑ بناتی ہے۔" وہ سر جھٹک کر واپس کمرے میں آئی تو حاتی دادا بیڈ پر پاؤں لٹکائے بیٹھا تھا۔ آنکھوں میں ویرانی اور وحشت تھی۔

"منہ ہاتھ دھو لو دادا اور کچھ کھا پی لو......" شاہجہان نے واش روم کی طرف اشارہ کیا اور خود موراں کو آواز دے کر ناشتا لانے کے لیے کہا۔ حاتی دادا اٹھ کر واش روم میں چلا گیا...... کچھ دیر بعد ہی وہ ہاتھ منہ دھو کر آگیا...... اس کے چہرے پر ایسا کرب تھا کہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے شاہجہان کا دل پھٹتا تھا۔

"میں نے ناحق رات آپ کو تکلیف دی شاہجہان بیگم...... بس بے خبری میں چلا آیا۔"

"تمہارا اپنا گھر ہے دادا، جم جم آؤ...... سیکڑوں بار آؤ...... ہزار بار آؤ۔" شاہجہان کی وارفتہ نظروں نے اس کا چہرہ چھوا تھا لیکن وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ خاموش، اپنے آپ میں گم...... اندر ہی اندر کسی گہرے غم سے لڑتا ہوا...... موراں ناشتا لے آئی تھی۔ گرم، گرم خستہ پراٹھے، آملیٹ اور اچار کے ساتھ آلو کی کراری بھجیا...... پتا نہیں کتنے دنوں سے حاتی دادا نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ خوب صورت آنکھوں کے نیچے گہرے حلقے...... صبیح چہرے پر کھنڈی زردیاں......

"بھوک زندگی کی سب سے بڑی سچائی ہے دادا...... غم کتنا بھی بڑا کیوں نہ ہو پیٹ روٹی مانگتا ہے۔"

شاہجہان نے خود ہی پلیٹ میں آملیٹ اور بھجیا ڈال کر زبردستی پلیٹ اس کے ہاتھ میں دی...... اور حاتی دادا نے بیگانگی انداز میں پکڑ لی اور پراٹھے کی طرف ہاتھ بڑھایا...... تب ہی دروازہ زوردار آواز سے کھلا تھا اور وہ دوڑتا ہوا اندر آیا تھا اور اب کمرے کے وسط میں کھڑا دونوں کو باری، باری دیکھ رہا تھا۔ حاتی دادا نوالہ منہ میں ڈالنا بھول گیا تھا اور اس نے ہاتھ میں پکڑا نوالہ پلیٹ میں رکھ دیا تھا۔ اس کی آنکھوں کی بناوٹ بالکل روحان اور قرچی کی طرح تھی۔ اس کی گھنی پلکیں، اس کے دیکھنے کا انداز...... یہ اس نے بعد میں شاہجہان کو بتایا تھا...... وہ اسے حیران سا دیکھ رہا تھا جب سنہری بھاگتی ہوئی اندر آئی تھی۔

"اماں...... اماں یہ کاکا، موتی کی لپ اسٹک اٹھا کر لے آیا ہے۔" شکایت لگا کر اس نے زبردستی اس کی مٹھی کھول کر اس میں سے لپ اسٹک نکالی تھی اور پھر فاتحانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر اپنی شکایت میں اضافہ کیا تھا۔ "اماں سمجھا لے اسے، کل اس نے موتیا کی نیل پالش توڑ دی اور شہزادی کی پوڈر کی ڈبیا اٹھا کر سارا پوڈر گرا دیا اور......"

"ادھر آ تیرے کان کھینچوں منحوس نہ ہو تو......" اس سے پہلے کہ سنہری کا شکایت نامہ طویل ہوتا اس نے ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچا تھا۔ اس کی سنہری آنکھوں میں خوف کے سائے لرزنے لگے تھے اور اس نے سہمی، سہمی نظروں سے حاتی دادا کی طرف دیکھا تھا اور پھر شاہجہان سے ہاتھ چھڑا کر بھاگ کر حاتی دادا کے بازو سے لپٹ گیا۔ حاتی دادا نے بے اختیار اسے اٹھا کر گود میں بٹھاتے ہوئے ایک بازو اس کے گرد حمائل کرلیا...... وہ چہرہ اٹھائے اب حاتی دادا

کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی سنہری آنکھوں کا سہم جا تا رہا تھا۔ اور وہ متجسس نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔
''تم کون ہو؟'' لمحہ بھر بعد ہیں نے سوال داغ دیا تھا...... وہ تقریباً روحان کا ہم عمر تھا۔ لیکن اس کی زبان صاف تھی اور اس نے پورا جملہ بولا تھا جبکہ روحان ایک، ایک لفظ بولتا تھا...... اور وہ بھی اس نے بہت لیٹ بولنا شروع کیا تھا۔
''میں......'' وہ شپٹایا تھا۔
''تم پاپا ہو؟'' اس نے اپنے ننھے سے ہاتھ کی انگلی اس کے سینے پر رکھی تھی۔ ''میرے پاپا......'' اس کی آنکھوں میں چمک سی لہرائی تھی اور اس نے بہت فخر سے حاتی دادا کو اور پھر شاہجہان کو دیکھا تھا جیسے سوال بوجھ جانے کا فخر...... شاہجہان نے دانت پیسے تھے...... یہاں اس گھر میں ٹی وی موجود تھا اور وہ سنہری کے ساتھ بیٹھا ہر وقت ٹی وی دیکھتا رہتا تھا۔ یہ لفظ یقیناً اس نے ٹی وی سے سیکھا تھا۔ ورنہ ان کی زندگیوں میں اس لفظ کا وجود نہیں تھا۔
''تم نہیں...... آپ بولتے ہیں۔'' حاتی دادا نے اس کا رخسار چوما تھا اور وہ جز بز ہو رہی تھی۔ حاتی دادا، شاہجہان کے بیڈ روم میں اس کے ساتھ بیٹھا ناشتا کر رہا تھا۔ ایسا منظر تو اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ اس منظر کو اپنی آنکھوں میں مقید کر لینا چاہتی تھی اور دل میں سمو لینا چاہتی تھی اور اس منظر میں کاکے کا وجود رقیب جیسا لگ رہا تھا۔
''سنہری جاؤ اور اسے بھی لے جاؤ اور یہ اس کے پیچھے کدکڑے لگانے کے بجائے جا کر استاد جی سے اپنا سبق لو...... اُدھر تو دماغ نہیں چلتا بس شرارتوں میں خوب چلتا ہے۔'' سنہری نے غصے سے کاکے کا بازو پکڑ کر کھینچا۔
''چل تیری تو میں اچھی طرح دھنائی کرتی ہوں۔'' وہ دونوں ہاتھ حاتی دادا کی کمر کے گرد پھیلا کر اس سے چمٹ گیا تھا۔
''تم جاؤ سنہری، اسے میرے پاس رہنے دو۔'' حاتی دادا نے اسے جانے کا اشارہ کیا تو شاہجہان نے اس کا دھیان ناشتے کی طرف کروایا۔
''ناشتا ٹھنڈا ہو رہا ہے دادا تم ناشتا کرو اور اسے بھیج دو۔''
''تم نہیں آپ......'' وہ کھل کھل کر کے ہنسا تھا۔
کمبخت نے کیسے دادا کی بات اچک لی تھی۔ شاہجہان نے بہ مشکل اپنی ناگواری چھپائی...... حاتی دادا نے مسکرا کر اس کے منہ میں نوالہ ڈالا تھا۔ وہ لقمے بنا، بنا کر اس کے منہ میں ڈال رہا تھا اور شاہجہان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس ننھے فتنے کا گلا گھونٹ دے...... کمبخت بابر بھی اسے بھجوا کر بھول گیا تھا...... کہتا تھا روٹی، پانی کا خرچ دوں گا پر کبھی ایک روپلی تک نہیں بھجوائی...... کاکا کبھی، کبھی دادا کے ہاتھ سے لقمے لے کر اس کے منہ میں ڈال دیتا تو حاتی دادا کا چہرہ چمک اٹھتا۔
''یہ بچہ کون ہے شاہجہان بیگم؟'' یہ دوسری بات تھی جو کل سے اب تک اس نے براہ راست شاہجہان بیگم سے کی تھی۔ اس وقت شاہجہان بیگم کو اس کے چہرے پر وہ اضطراب نظر نہیں آ رہا تھا جو صبح سے دیکھ رہی تھی۔
''تھا ایک امیر زادہ بابر نوید کسی دشمن کا بچہ اٹھا کر میرے در پر پھینک گیا کہ بڑا ہو کر تیرے کام کر دے گا۔''
حاتی کا رنگ زرد سا پڑ گیا تھا اور آنکھوں سے کرب جھانکنے لگا تھا۔
''بتایا کہ کون تھا اس کا دشمن......؟''
''نہیں......'' شاہجہان نے نفی میں سر ہلایا۔
''ایک دن کے بچے کو اسپتال سے لڑکی کے دھوکے میں اٹھا لیا بابر نوید نے...... میں نے بھی ترس کھا کر رکھ لیا ہے۔ اس نے تو تین سال سے مڑ کر دیکھا تک نہیں اِدھر...... کئی دفعہ سوچا کسی یتیم خانے میں داخل کر دوں پر پھر اس

خیال سے رکھ لیا کہ چلو چند سال کی بات ہے پھر تو چوبارے کے کام جوگا ہو جائے گا۔" شاہجہان کو اس وقت وہ زہر سے بھی برا لگ رہا تھا۔ جس نے حاتی دادا کی ساری توجہ کھینچ لی تھی...... حاتی دادا نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

"جانے کس گھر کا چراغ ہو گا...... اور بیچارے والدین کا کیا حال ہو گا؟" اس نے بہت آہستگی سے کہا۔

"شکر ہے کہ مروایا نہیں یہاں پھینک گیا ورنہ دشمنی میں تو گھر کے گھر ختم کر ڈالتے ہیں ظالم......" شاہجہان نے بھی جیسے خود کلامی کی تھی لیکن حاتی دادا کی آنکھوں سے غم چھلکنے لگا تھا۔

"پاپا......" کاکے نے اس کے رخسار پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔

"سنہری مارتی ہے۔"

"چل چپ کر کمبخت...... ایک ہاتھ کا ہے اور زبان دیکھو......"

"شاہجہان بیگم اس بچے کو مجھے دے دو...... اس کی آنکھیں بالکل فرحی اور روحان کی طرح ہیں۔" حاتی دادا نے التجا کی تھی۔ "عمر بھر تمہارا ممنون رہوں گا۔"

"دادا تم جان بھی مانگو تو شاہجہان دیتے ہوئے لمحہ بھر بھی نہیں ہچکچائے...... یہ تو ایک بچہ ہے وہ بھی کسی غیر کا...... خواہ مخواہ کا بوجھ...... شاہجہان کا اپنا بھی ہوتا تو تیرے قدموں میں ڈال دیتی۔" شاہجہان نے بے اختیار کہا تھا۔

"بہت شکریہ شاہجہان بیگم...... اور اس کا نام کیا ہے؟"

"نام تو کوئی نہیں رکھا بس سب اِدھر اس کو کاکا کہتے ہیں...... سنہری نے پہلے کہا تھا ناں اس کی دیکھا دیکھی سب کاکا کہنے لگے۔"

"میرا نام ہے۔" بچہ حاتی دادا کی گود سے اتر کر کھڑا ہو گیا تھا۔ شاہجہان نے دیکھا اس کے چہرے پر خفت سی تھی۔ جیسے نام نہ ہونا کوئی بڑی شرمندگی کی بات ہو۔

"اچھا تو پھر کیا نام ہے ہمارے بیٹے کا؟"

"عظمی۔" اس نے فوراً جواب دیا تھا۔

"ہر وقت ٹی وی کے آگے بیٹھا رہتا ہے جو نام سنتا ہے اسے ہی اپنا سمجھنے لگتا ہے۔" شاہجہان کو خواہ مخواہ ہی اس سے چڑ ہو رہی تھی۔ حاتی دادا کو کسی کندھے کی ضرورت تھی جس پر سر رکھ کر وہ آنسو بہا سکے یہ بات شاہجہان نے محسوس کر لی تھی...... اسے حاتی دادا کے لیے وہ کندھا بننا تھا اسے دلداری بھی آتی تھی اور وہ ناز اٹھانا بھی جانتی تھی...... ٹوٹے بکھرے ہوئے مرد کو سنبھالنے کا ہنر بھی آتا تھا اسے...... لیکن اس فتنے نے آ کر سارا منظر بدل ڈالا تھا...... حاتی دادا کو شاید اب کسی کندھے کی ضرورت نہیں رہی تھی...... وہ بچے کو گود میں اٹھائے اٹھ کر کھڑا ہوا تھا۔

"اگر خان دادا اِدھر آئیں میرے بارے میں مت بتانا کہ میں یہاں آیا تھا۔" اس نے شاہجہان بیگم کو تاکید کی تھی۔

"تو کیا تم خانو دادا کے پاس نہیں جاؤ گے؟" شاہجہان نے پوچھا تھا یہ الگ بات کہ حاتی دادا نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا تھا...... اس نے اس کے جانے کے بعد سب کو سختی سے منع کر دیا تھا کہ خانو دادا سے کوئی بھی حاتی دادا کے یہاں آنے کا ذکر نہیں کرے۔

موراں نے بہت واویلا مچایا تھا بلکہ دو چار آنسو بھی بہائے تھے کہ ایک دن کے بچے کو اس نے راتیں جاگ کر پالا اور شاہجہان نے اٹھا کر حاتی دادا کو دے دیا۔

"اچھا تیری کوکھ کو جنا تھا جو تجھے اتنی تکلیف ہو رہی ہے......؟ میں نے ہی تیری جھولی میں ڈالا تھا ناں......" موراں خاموش ہو گئی تھی لیکن شاہجہان دیکھتی تھی کہ وہ بہانے، بہانے سے اسے یاد کرتی تھی۔ اور آج یہ موراں نے کیا یاد دلا دیا تھا کہ کئی یادوں کے در کھل گئے تھے۔ اس نے سامنے صوفے پر تیل کی شیشی ہاتھ میں پکڑے

بیٹھی موراں کی طرف دیکھا جو کھوجتی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی...... جس صبح حاتی دادا کاکے کو لے کر گیا تھا۔ اسی رات خانو دادا بھی چلا آیا تھا...... پریشان حال تھکا ہارا نڈھال سا...... آتے ہی لابی میں پڑے صوفے پر گر سا گیا تھا۔

''ارے خانو دادا آپ......'' وہ اس کے سامنے جھک سی گئی تھی۔ خانو دادا کے اس پر بڑے احسان تھے۔ ''کتنے سالوں بعد شکل دکھائی ہے۔''

''میں بہت پریشان ہوں شاہجہان......''

''ہائے...... ایسا کیا ہو گیا دادا...... اندر چلیں کمرے میں آ کر آرام سے بیٹھیں...... یہاں اس چھوٹے صوفے پر تو بہت بے آرام ہو رہے ہیں۔''

''ثمر حیات تو نہیں آیا تھا ادھر......''

''کون ثمر حیات؟'' وہ لمحہ بھر کو حیران ہوئی تھی لیکن پھر اسے یاد آیا تھا ایک بار شیر خان نے اسے اسی نام سے پکارا تھا۔ تب اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''اس گھر میں چھوڑ کر گیا پھر مڑ کر خبر تک نہیں لی......'' وہ خانو دادا کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے روم میں لے آئی تھی۔ ''دادا ہم کب واپس اپنے چوبارے پر جائیں گے۔''

''جب دل چاہے...... جی کرے تو صبح ہی چلی جاؤ......'' خانو دادا بیڈ پر بیٹھ گیا تھا۔ ''تیرا مٹھا سائیں تو ملک سے بھاگ گیا...... اس کے باپ کی مخالف پارٹی کے لیڈر نے اس کے خلاف اپنے دو بندوں کے قتل کی ایف آئی آر کٹوا دی تھی۔ انہیں گرفتاری سے قبل ہی پتا چل گیا تھا...... سو بھاگ گیا اب جب تک یہ پارٹی اقتدار میں ہے سمجھو وہ باہر ہی رہے گا...... تم بے فکر ہو کر جاؤ۔'' اور خانو دادا کی بات سن کر شاہجہان بیگم کھل اٹھی تھی۔

''شکر ہے دادا...... وقعان ہوا لڑکیاں بیچاری اِدھر تو گھٹ کر رہ گئی ہیں۔''

''وہ تو چلا گیا شاہجہان بیگم لیکن جانے سے پہلے میری بیٹی کا گھر برباد کر گیا۔'' اس نے ساری تفصیل بتائی تو شاہجہان پچھتاوے میں گھر گئی تھی۔ کیا تھا اگر وہ صبر کر لیتی...... چار دن بعد چاؤ اتر جاتا...... یہ امیر زادے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ نیا، نیا جوان ہوا تھا تو دیوانہ ہو رہا تھا...... اور اسے بھی کونل کی بے بسی کی موت نے آگ لگا دی تھی، وہ مٹھا سائیں کو مزہ چکھانا چاہتی تھی لیکن کیا ظلم کمایا تھا اس نے محبوب کے دل کو ٹکڑے، ٹکڑے کر ڈالا تھا...... خانو دادا کی آنکھیں یوں سرخ ہو رہی تھیں جیسے اُن سے ابھی، ابھی خون ٹپک پڑے گا۔

''تین چار دن ہو گئے اسے ڈھونڈتے...... بہت عزیز تھا مجھے...... میری بیٹی کا سہاگ تھا...... جانے کہاں نکل گیا۔''

''دادا......'' احساسِ شرمندگی میں گھری شاہجہان نے اسے زبردستی بیڈ پر لٹایا تھا۔ اس کے جوتے اتارے تھے اور پھر اس کے پاؤں دبانے لگی تھی۔ یہ کیا ہو گیا تھا اس سے نادانستگی میں...... اس نے خانو دادا کو ہی دکھ نہیں پہنچایا تھا بلکہ اپنے محبوب کا دل بھی نوچ ڈالا تھا۔ وہ محبوب جس کی خبر صرف اس کے دل کو تھی اور جس کے لیے وہ دعائیں مانگتے نہ تھکتی تھی...... خانو دادا جانے کب سو گیا تھا، وہ بھی کھانا کھا کر ایک طرف پڑ گئی تھی۔ موراں کو اس نے کہہ دیا تھا کہ لڑکیوں کو بتا دے صبح، صبح واپس جانے کی تیاری کر لیں...... لڑکیوں کے ہنسنے کھلکھلانے کی آوازیں سنتے، سنتے جانے وہ بھی کب سو گئی تھی...... جانے رات کا کون سا پہر تھا جب خانو دادا کے رونے سے اس کی آنکھ کھلی تھی...... وہ بیڈ پر بیٹھا گھٹنوں پر سر رکھے رو رہا تھا۔

''دادا......'' وہ اٹھ کر اس کے پاس آئی تھی...... ''کیا ہوا؟'' اس نے اس کا سر سینے سے لگایا تھا...... تسلی دی تھی۔

''وہ میری بیٹی جیسی تھی شاہجہان بلکہ بیٹی ہی تھی جسے ظالموں نے گولیوں سے چھلنی کر دیا اور وہ میرا تو اسا تھا۔ بہت پیارا لگا تھا مجھے...... وہ جانے کہاں بھٹک رہا ہو گا اور اس کا باپ...... میں تو خود کو سخت دل آدمی سمجھتا تھا لیکن میرا

دکھ کم نہیں ہو رہا...... ایسا لگتا ہے جیسے دل پھٹ جائے گا اور وہ شیر خان میرا جگر، میرا یار وہ بھی تو...... شاہجہان کچھ ایسا دے دو مجھے کہ یہ غم بھول جاؤں...... کچھ بھی یاد نہ رہے۔'' شاہجہان اسے تسلی دے کر ابھی تو ظہورے کے پاس سے ولایتی شراب کی بوتل اٹھا لائی تھی...... کبھی کوئی شوقین آ جاتا تھا اور طلب کرتا تھا سو ظہورے کے پاس کچھ نہ کچھ ہوتا تھا...... خانو دادا شاید عادی نہ تھا سو جلد ہی نشہ چڑھ گیا تھا...... کبھی شاہجہان کا ہاتھ پکڑتا تو کبھی اسے گلے سے لگاتا۔

''اے لو شاہجہان بیگم کن بھول بھلیوں میں گم ہو گئی ہو...... منہ سے کچھ پھوٹو تو...... اگر لڑکے کی تلاش میں نہیں آیا تھا تو کیوں ڈھونڈتا پھر رہا تھا تجھے۔'' موراں نے پوچھا۔

''اپنی غلطی کا کفارہ ادا کرنا چاہتا تھا۔ بول رہا تھا...... لڑکی لے کر آئے گا...... بتایا تو ہے پہلے بھی۔'' شاہجہان مسکرائی۔

''بوڑھی ہڈیوں میں جان نہیں ہے شاہجہان بیگم کسی ننھی چوزی کو پالنے کی جب تک جوان ہو گی ہم تم تو چل بسیں گے۔'' موراں نے ہاتھ میں پکڑی تیل کی شیشی ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل کی۔

''موراں......'' شاہجہان خوش دلی سے ہنسی۔ ''کوئی ننھی چوزی نہیں لا رہا...... جوان جہان لڑکی ہے۔ ارے وہی اس کمبخت کی بہن جس کے مغالطے میں بھائی کو اٹھا لایا تھا...... وہ دسو آیا تھا صبح کہہ رہا تھا چاند کا ٹکڑا ہے لڑکی، وارے نیارے ہو جائیں گے۔''

''لڑکا بھی تو کچھ کم خوب صورت نہیں تھا۔'' موراں کے کلیجے پر ہاتھ پڑا تھا۔

''اسی جیسی ہو گی...... میرے کھوٹے نصیب۔''

''ارے چار دن کیا پالا ماں ہی بن بیٹھی ہو اس کی جہاں بھی ہو گا اِدھر سے اچھا ہو گا۔'' شاہجہان کو اس کی ٹھنڈی آہ بھرنے پر تپ چڑھی۔

''ٹھیک کہتی ہو شاہجہان، بول کب لا رہا ہے لڑکی کو۔'' موراں نے پھر ٹھنڈی سانس بھری تھی۔

''آج کل میں ہی لانے کا کہا ہے اس نے، تجھے نہیں پتا موراں کتنی پریشان تھی میں۔'' شاہجہان نے موراں کو پوری بات بتانے کا ارادہ کیا۔

''ارے تو بتاتی تو پتا چلتا ناں...... پر تیری مرضی دل چاہے تیرا تو دل کھول کر رکھ دے...... نہ بتانے والی بات بھی اگل دے...... اور نہ چاہے تو ہونٹ سل جائیں۔'' موراں کی زبان بھی آج خوب چل رہی تھی۔

''بس موراں کیا بتاتی، وہی صاحبزادہ صاحب نے جان عذاب میں ڈال رکھی تھی۔ بڈھا کھوسٹ اپنی بجو پر نظر جمائے بیٹھا تھا...... ایک ہی ضد مہینے بھر کے لیے ساتھ بھیج دو باہر لے جاؤں گا...... اور میں نے بجو کے باپ سے وعدہ کر رکھا تھا کہ کسی سے نکاح پڑھوا کر رخصت کروں گی اور......''

''اچھا تو اس لیے حاتی دادا کو ڈھونڈا جا رہا تھا چپکے چپکے......'' موراں نے شاہجہاں کی بات کاٹی تو شاہجہان مبہم سا مسکرائی اسے اچھا لگتا تھا جب ظہورا یا موراں حاتی دادا کو بجو کا باپ کہتے تھے اندر چراغاں سا ہو جاتا تھا۔

''موراں بار، بار ایک بات میرے دماغ میں آتی ہے...... کیوں نہ بجو کے بجائے اس آنے والی لڑکی کو صاحبزادہ صاحب کے حوالے کر دوں...... اور کہہ دوں بجو کو اس کا باپ لے گیا اور نکاح کر دیا...... اس طرح صاحبزادہ صاحب بھی ناراض نہیں ہوں گے اور موتیا کی جگہ......'' شاہجہان نے بات ادھوری چھوڑ کر تائیدی نظروں سے موراں کی طرف دیکھا۔

''ارے واہ، ہم کیوں اپنی کوئی لڑکی دیں بڈھے کھوسٹ کو...... کیسے دم بھرتا تھا موتیا کا چار دن میں چاؤ اتر گیا...... میں تو کہتی ہوں شاہجہان واپس لاہور چلو۔''

"پر وہاں جا کر کیا کریں گے؟" شاہجہان نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"وہی جو برسوں سے کرتے چلے آ رہے ہیں۔" موراں نے چمک کر کہا۔ "موتیا کو تو یہاں کا پانی ہی راس نہیں آیا اور سنہری بھی گھٹ کر رہ گئی ہے۔ بن پانی کی مچھلی کی طرح تڑپتی ہے۔ سچ پوچھو تو بندے کی عزت اپنے گھر میں ہی ہوتی ہے۔ صاحبزادہ صاحب نے کون سا قارون کا خزانہ لٹا دیا ہے۔ ایک یہ گھر دے کر پابند کر دیا...... کرن وغیرہ لاہور گئیں تو رادھا کے چوبارے کو آباد کر کے بیٹھ گئیں۔ تم جا کر رہو گی تو دوڑی چلی آئیں گی۔ جتنا خیال تم کرتی تھیں، رادھا نے بھلا کیا رکھا ہوگا...... لڑکی چاند کا ٹکڑا ہے تو لاکھوں کما لوگی...... میں کہتی ہوں شاہجہان بیگم زیادہ مت سوچو...... بھینس اپنے کھونٹے پر ہی اچھی لگتی ہے۔ یاد ہے ناں جب اُدھر وحدت روڈ پر جا کر رہے تھے تو کیسا دم گھٹتا تھا۔ نہ وہ پھول گجرے، نہ رات کی رونقیں، مانو قید میں پڑے ہوں۔" موراں بقول سنہری کے آج سچ مچ فل فارم میں تھی۔

"صاحبزادہ صاحب کی عنایتیں منہ پر مارو شاہجہان بیگم اور بوریا بستر باندھ لو...... ایک گاڑی تک تو لے کر نہ دی موتیا کو اور زبردستی کی دھونس...... محفل نہیں سجانا...... نجی محفلوں میں جا کر گانا نہیں...... واہ بھئی واہ گائیں گے نہیں تو کھائیں گے کیا؟" موراں نے ہاتھ نچایا۔ شاہجہان نے ایک گہری سانس لی۔

"ٹھیک کہتی ہو تم موراں...... لڑکی ہاتھ آ جائے تو بجو کا نکاح پڑھا کر سرخ رو ہو جاؤں، اپنے تئیں تو چلتے ہیں واپس...... تو شیدے کو کہنا لاہور نکل جائے اور سارے گھر کو صاف ستھرا کروا کے رنگ روغن کروا کے چاندنیاں گاؤ تکیے دھلوا کر رکھے...... دیکھ میں بھی کیسے صاحبزادہ صاحب کی عنایتیں ان کے منہ پر مارتی ہوں...... اب یہ تیل کی شیشی رکھ...... کل لگا دینا اور جا کر بجو سے پوچھ اس نے کر دیا تھا فون...... کہنا اسے کہے کہ آرزومند ہے تو جلدی باپ کو بھیجے دیر نہ کرے۔" اور لاہور جانے کے خیال سے ہی تو موراں کو گدگدی ہونے لگی وہ تیل کی شیشی اٹھائے لاؤنج سے چلی گئی تو شاہجہان پھر دسو کے انتظار میں ٹہلنے لگی۔

☆☆☆

ثمر حیات ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا برش کر رہا تھا جب عظام کھلے دروازے سے اندر آیا...... اور آئینے میں اس کا عکس دیکھ کر ثمر حیات ہیئر برش ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ کر اس کی طرف مڑا۔

"واؤ......" عظام نے سیٹی کے انداز میں ہونٹ سکیڑے۔ "بہت زبردست تیاری ہے پاپا۔" آج بہت دنوں بعد اس نے ثمر حیات کو تھری پیس سوٹ میں دیکھا تھا۔

"اپنے بیٹے کی سسرال جا رہا ہوں تیاری تو زبردست ہونی چاہیے ناں......" وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے سے ہٹ آیا۔

"رئیلی پاپا...... بہت شاندار لگ رہے ہیں آپ۔" عظام ستائشی انداز میں اسے دیکھتے ہوئے قریب آیا اور اس کی ٹائی کی ناٹ درست کی یک دم فری اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ وہ جب بھی اس طرح کہیں جانے کے لیے تیار ہوتا تھا تو فری اس کی ٹائی کی ناٹ درست کرتی تھی اور اپنے اتنے قریب کھڑے ہو کر اس کا اس طرح ٹائی کی ناٹ درست کرنا اسے بڑا رومینٹک سا لگتا تھا۔ دل کے اندر درد سا اٹھا اور آنکھوں میں غبار سا چھا گیا۔ بہ مشکل دل کا درد دبا کر اس نے عظام سے پوچھا۔

"میں تو تیار ہوں کب چلنا ہے؟"

"بس پاپا میں تیار ہو کر آتا ہوں تو نکلتے ہیں۔"

"اچھی طرح تیار ہونا، میرے بیٹے کو مجھ سے زیادہ شاندار نظر آنا چاہیے۔" ثمر حیات نے مسکرانے کی کوشش کی۔

"اول تو یہ کہ مجھے ہمیشہ آپ سے پیچھے رہنا پسند ہے اور دوم یہ کہ میں آپ کو گیٹ پر اتار کر خود رواحہ کی طرف چلا جاؤں گا۔" وہ جاتے، جاتے رکا۔

"کیوں......؟" ثمر حیات نے بے دھیانی سے پوچھا۔

"رواحہ کہہ رہا تھا میرا آپ کے ساتھ جانا مناسب نہیں ہے۔ ہاں اگر بابا کی آج میٹنگ نہ ہوتی تو وہ آپ کے ساتھ چلے جاتے۔"

"یہ رواحہ بڑا استاد ہے بھئی۔" وہ پھر زبردستی مسکرایا۔ اندر جھکڑ چل رہے تھے۔ طوفان بپا تھے۔ عظام کی ایک چھوٹی سی حرکت نے ماضی کے در کھول دیے تھے۔ "سوری فرحی، میں ایسی زندگی نہیں گزار سکا جیسی تم چاہتی تھیں۔ میں ہر آزمائش میں ناکام ہو گیا لیکن اب ایسا نہیں ہوگا فرحی...... اب میں تنہا نہیں ہوں میرے ساتھ عظام ہے۔ لڑکھڑانے لگوں گا تو تھام لے گا...... ہمت ہاروں گا تو حوصلہ بڑھائے گا...... میں نے عظام کی شادی کے بعد خانیوال جا کر زندگی نئے سرے سے گزارنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔" دل ہی دل میں فرحی کو مخاطب کرتا ہوا وہ بیڈ پر بیٹھ گیا۔ عظام جا چکا تھا۔ اس زندگی کو اختیار کرنے میں وہ خود کتنا قصوار تھا وہ جب بھی اپنا احتساب کرنے بیٹھتا تو خود کو بے قصور ہی سمجھتا تھا...... وہ خود اس زندگی میں نہیں آیا تھا بلکہ اسے اس زندگی میں دھکیلا گیا تھا۔ جب بھی اس نے اسے چھوڑنا چاہا حالات نے پھر اسے واپس اسی زندگی میں لا پٹخا...... اس روز جب وہ اس بچے (عظام) کو لے کر شاہجہان کے گھر سے نکلا تھا تو اس کے سامنے راستے صاف اور واضح تھے۔ اس کی جیب میں اتنی رقم تھی کہ وہ عظام کو لے کر خانیوال پہنچ گیا...... جلیل خان کو وہ زبردستی اپنے ساتھ باندھنا نہیں چاہتا تھا۔ جانتا تھا کہ اس کی راہیں الگ ہیں اور وہ صرف فرحی کی وجہ سے مجبور ہوا تھا۔ ابھی وہ جلیل خان کو اپنے متعلق نہیں بتانا چاہتا تھا۔ ایک بار وہ سیٹ ہو جائے، اسٹور چل پڑے تو وہ جلیل خان کو بتا دے گا پھر اگر وہ آنا چاہے گا تو یہ اس کی خوش نصیبی ہوگی...... لاہور سے خانیوال تک وہ خواب دیکھتا اور پلان بناتا آیا تھا...... اسٹور والی جگہ کی باقی رقم کی ادائیگی کر کے جگہ کا قبضہ لینا تھا۔ اسٹور کے حساب سے تعمیر و مرمت کرنا تھی۔ زیتون خالہ کے بھانجے کی بیوی سے مل کر کسی ایسی عورت کا بندوبست کرنا تھا جو عظام کی دیکھ بھال کر سکے وہ ذرا بڑا ہوا تو وہ اسے کسی اچھے ہاسٹل والے اسکول میں داخل کروا دے گا...... وہ اس کی اچھی تعلیم و تربیت کرے گا تو کیا خبر خدا اس پر مہربان ہو جائے، اس کا روحان اسے مل جائے۔ خانیوال کی گلیوں میں چلتے پھرتے کہیں نظر آ جائے وہ اپنے خیالوں میں گم اپنے گھر کے دروازے پر پہنچا تو محلے کے چند افراد نے اسے گھیر لیا اور ایک بار پھر اس سانحے پر افسوس کا اظہار کرنے لگے...... گھر میں تالا لگا تھا...... چابی یقیناً جلیل خان کے پاس ہوگی وہ تالا توڑنے کا سوچ رہا تھا کہ ایک بچہ چابی لے کر آیا۔ "اماں نے دی ہے۔ روحان کے نانا جان دے گئے تھے۔ اور دادی اماں کہہ رہی ہیں وہ کھانا وغیرہ دے جائیں گی۔" بچہ چلا گیا، وہ سب سے مل کر گھر میں داخل ہوا تو فرحی کی یادوں نے یلغار کر دی۔ آنسو بے اختیار اس کی آنکھوں سے بہنے لگے تو عظام اپنے ننھے، ننھے ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھنے لگا۔

"پاپا باپئے ہو گئی ہے...... نہ روئیں ناں...... آپ روئیں گے تو کاکا...... نہیں عظمی بھی روئے گا۔" اور اس نے عظمی کی خاطر آنسو پونچھ لیے۔ بچے ایسے ہی جادوگر ہوتے ہیں رُلاتے ہیں، ہنساتے ہیں اور جینے کا آسرا بن جاتے ہیں...... عظمی کو پیار کرتے ہوئے اسے بھی لگا تھا کہ اس کے پاس زندہ رہنے کا جواز ہے...... کچھ ہی دیر بعد پڑوسن خالہ چائے اور کھانا لے آئی تھیں۔

"آپ نے خواہ مخواہ تکلیف کی۔" وہ ممنون ہوا تھا۔

"تکلیف کیسی بیٹا...... فرحی میری بیٹیوں جیسی تھی اور سچ پوچھو جب سے تم گھر سے نکلے ہو، ہر وقت تمہارے لیے دعا گو رہتی تھی۔ بچے کا کچھ پتا چلا؟" انہوں نے تجسس نظروں سے بچے کی طرف دیکھا۔

"نہیں......" اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے ان کا تجسس بھی ختم کیا۔

"میرا بھانجا ہے اپنی تنہائی کے خیال سے لے آیا ہوں۔"

"یہ اچھا کیا......" وہ خوش ہوئی تھیں۔

"بچے سے تمہارا دل بہلا رہے گا......ورنہ اکیلا گھر تو کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔" پڑوسن خالی چلی گئیں تو اس نے عظمی کو کھانا کھلا کر ٹی وی لگا دیا......شاہجہان نے بتایا تھا کہ وہ ٹی وی بہت شوق سے دیکھتا ہے۔ اسے مصروف کر کے وہ بیڈ روم میں آ گیا تھا۔ ہر طرف فرحی کی خوشبو تھی۔ ڈریسنگ ٹیبل پر اس کا برش تھا اور ایک دو پرفیوم اور ایک لپ اسٹک، وہ میک اپ نہیں کرتی تھی بیڈ پر اس کا دوپٹا پڑا تھا جو لاہور جانے سے پہلے اس نے اوڑھ رکھا اسے لگا جیسے اس کا دل پھٹ جائے گا......اگر باہر ٹی وی روم میں عظمی بیٹھا ٹی وی نہ دیکھ رہا ہوتا تو وہ دہاڑیں مار، مار کر روتا......نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے سختی سے دبائے وہ بیڈ پر بیٹھ کر ضبط کی کوشش میں نڈھال ہو رہا تھا۔ جب وہ دوڑتا ہوا کمرے میں آیا تھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر کھینچنے لگا......وہ خاموشی سے اٹھ کر اس کے ساتھ آ گیا......اس نے......

ٹی وی کی طرف اشارہ کیا۔ ایک چھ سات سال کا بچہ سیڑھیوں پر ہونٹ لٹکائے بیٹھا تھا۔

"عظمی۔" اس نے ٹی وی کی طرف اشارہ کیا اور پھر اپنی طرف......

"عظمی......عظام بیٹا کہاں ہو۔" ایک شخص اسے پکارتا ہوا سیڑھیوں سے اتر رہا تھا۔ یہ بچوں کی کوئی ڈراما سیریز تھی......اور غالباً کاکے نے اپنا نام یہاں سے ہی اخذ کیا تھا......یوں اس کو عظمی کا مکمل نام معلوم ہو گیا تھا۔

"عظمی بیٹا چلو سو جاؤ۔"

"عظام......میرا نام عظام......" وہ دنیا کا شاید واحد بچہ تھا جس نے اپنا نام خود رکھا تھا۔ اب وہ انگلی اپنی طرف کر کے تصحیح کر رہا تھا۔ شاید وہ اسی لیے اسے لایا تھا۔ عظمی کے مقابلے میں عظام کا تلفظ ادا کرنا اسے ذرا مشکل لگا تھا۔

"ہاں، عظام میرے بیٹے کا نام بہت پیارا ہے......" عظمیٰ، عظام کو خوش ہو گیا تھا۔

"بیٹا یہ ٹی وی بند کر دیں۔ پاپا کے سر میں درد ہے اور انہیں ٹی وی کی آواز اچھی نہیں لگ رہی۔" اس نے فرمانبرداری کے ساتھ ٹی وی بند کر دیا اور بیڈ پر جا کر لیٹ گیا اور جلد ہی سو گیا تھا۔ بچے کے سونے کے بعد وہ پورے گھر میں چکراتا پھرا تھا۔ ایک، ایک چیز کو دیکھتا اور خاموش آنسو بہاتا رہا تھا۔ جلیل خان کہتا تھا وقت ہر زخم کا مرہم ہے تو کیا یہ زخم بھی بھر جائے گا شاید نہیں۔ اس نے چیک بک نکال کر سامنے رکھی تھی صبح اسے اپنے اور فرحی کے مشترکہ بینک اکاؤنٹ سے رقم نکلوانی تھی اور بہت سے کام کرنے تھے۔ اسے نہائے ہوئے کپڑے تبدیل کیے نہ جانے کتنے دن ہو گئے تھے۔ سونے سے پہلے اس نے ہاتھ لے کر کپڑے تبدیل کیے تھے اور پھر عظام کے پاس لیٹ گیا تھا......اور بہت دیر بعد آخر اسے نیند آ ہی گئی تھی۔

صبح اٹھ کر وہ باہر سے انڈے، دودھ اور ڈبل روٹی لایا تھا...... عظام کو ناشتا کروا کے اور منہ ہاتھ دھلا کر اس نے روحان کے کپڑے پہنائے تھے جو اسے آ گئے تھے۔ اور اسے پڑوسن خالہ کے پاس چھوڑ کر گھر سے نکل پڑا تھا۔ اسے دوسرے کاموں کے علاوہ عظام کے لیے شاپنگ بھی کرنا تھی وہ پہلے اس شخص کے پاس گیا تھا جس سے جگہ کا سودا ہوا تھا۔ مالک مکان اچھی طرح ملا...... فرحی کی تعزیت کی اور رقم ملنے کے فوراً بعد قبضہ دینے کا وعدہ کیا تو وہ شام تک رقم پہنچانے کا وعدہ کر کے وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ابھی تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ ایک بڑی، بڑی مونچھوں والے بدمعاش ٹائپ آدمی نے اسے روک لیا۔

"حاجی منظورے کا مکان تم خرید رہے ہو؟" اس نے صرف اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"اسٹور بناؤ گے...... منظورا کہہ رہا تھا۔" اس کی نظریں اس پر گڑی تھیں۔

"ارادہ تو ہے اللہ کامیاب کرے۔" اس وقت وہ حیرت انگیز حد تک پُرسکون تھا۔ رات والی بے چینی اور بے قراری نہیں تھی۔

"دیکھو بھائی اس علاقے میں پہلے ہی دو جنرل اسٹور ہیں مزید کی گنجائش نہیں۔ تم اِدھر اسٹور بنانے کا خیال چھوڑ دو...... دوسروں کی روزی پر لات نہ مارو۔"

"ہر بندے کو اس کے حصے کا رزق ملتا ہے۔"

"زیادہ فلسفہ نہ بول جو بولا ہے اسے سمجھ لے۔"

اس نے اس کے سینے پر ہاتھ مارا تھا۔ ثمر حیات نے بہ مشکل خود کو روکا تھا......اور خاموشی سے ایک طرف ہو کر اپنے راستے پر چل پڑا تھا۔ بینک سے اس نے پانچ لاکھ نکلوائے تھے اس زمانے میں زمین اتنی مہنگی نہیں تھی تین لاکھ میں سودا ہوا تھا جو اسے ادا کرنا تھا...... باقی کے دو لاکھ اس نے دوسرے مقاصد کے لیے نکلوائے تھے۔ اسٹور کو سیٹ کرنا تھا، مال ڈلوانا تھا۔ وہ رقم جیب میں ڈال کر زیتون خالہ کے عزیزوں کے گھر کی طرف چل پڑا تھا۔ وہ ہر روز عظام کو پڑوس میں نہیں چھوڑ سکتا تھا اسے فوری طور پر کسی قابلِ اعتبار عورت کا انتظام کرنا تھا...... وہ ایک تنگ گلی تھی، شارٹ کٹ کے خیال سے وہ اس میں گھسا تھا۔ گلی میں آمد و رفت نہ ہونے کے برابر تھی۔ وہ اپنے دھیان میں مگن چلا جا رہا تھا کہ یک دم کسی نے پیچھے سے اسے قابو کیا تھا اور ایک لڑکا پہلو سے گزر کر اس کے سامنے آیا تھا۔ یہ غالباً بینک سے ہی اس کے پیچھے لگے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنا دفاع کر پاتا پیچھے والے نے ایسی جگہ لات ماری کہ وہ تکلیف سے دُہرا ہو گیا اور ابھی سنبھلنے بھی نہیں پایا تھا کہ چاقو والے نے ایک زوردار ٹھوکر ماری، وہ گر گیا تھا۔ وہ جب بھی اٹھنے کی کوشش کرتا ایک زوردار ٹھوکر لگتی...... وہ اتنا کمزور ہرگز نہیں تھا کہ ان سے مار کھا جاتا لیکن اتنے دنوں کی پریشانی، بھوک پیاس سے بے نیاز وہ جو مارا، مارا پھرتا رہا تھا اس نے اندر سے کمزور کر دیا تھا......

آخری بار اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو ایک مکا اس کی کنپٹی پر پڑا تھا اور وہ کچھ دیر کے لیے بے حواس ہو گیا تھا۔ اس دوران لڑکے اس کی جیب سے رقم نکال کر چمپت ہو گئے تھے۔ جب اس نے سر اٹھایا تو دو تین بندے اس کے اطراف کھڑے تاسف سے دیکھ رہے تھے۔

"کتنی رقم تھی؟ شکر کرو جان بچ گئی۔"

"ظلم ہے ظلم......"

مختلف آوازیں اس کے کانوں میں پڑ رہی تھیں اور اس کی آنکھوں کے سامنے بار، بار وہ منظر آ رہا تھا...... سالوں پرانا منظر، یہ منظر لاہور والے گھر کا تھا...... ماموں اسے مار رہے تھے۔ محلے والے لعن طعن کر رہے تھے جب شیر خان کی ایک ہی للکار نے نہ صرف ماموں کے ہاتھ روک دیے تھے بلکہ تماشا دیکھنے والے بھی سہم گئے تھے۔ تب اس نے سوچا تھا اس دنیا میں زندہ رہنے کے لیے شیر خان بننا پڑتا ہے اور آج بھی وہ منتقی انداز میں سوچ رہا تھا۔ وہ بہ مشکل اٹھا تھا اور لڑکھڑاتے قدموں سے روڈ تک آیا تھا۔ اور پتا نہیں کیسے گھر تک پہنچا تھا۔ پڑوسن خالہ کا لڑکا گلی میں تھا، اسے گھر کا دروازہ کھولتے دیکھ کر عقام کو چھوڑ گیا تھا۔

"پاپا......" عقام اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اور سہمی نظروں سے اس کے پھٹے ہوئے ہونٹ اور سوجا ہوا چہرہ دیکھنے لگا تھا پھر اس نے اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا تھا۔ پھر یک دم وہ اس سے لپٹ گیا تھا...... اپنے ننھے، ننھے ہاتھ اس کے چہرے اور ہونٹوں پر لگا رہا تھا۔ اسے چوم رہا تھا۔

"پاپا چوٹ لگی ہے...... ہائے ہے۔"

بے اختیار اس نے اسے اپنی بانہوں میں بھینچ لیا۔

"پاپا کی جان......" دل کے اندر سے عقام کے لیے محبت کے سوتے پھوٹ پڑے تھے۔ اس رات اس نے پھر ایک فیصلہ کیا تھا۔ اسے شیر خان بن کر جینا تھا...... وہ ایک بار پھر حتمی انداز میں سوچ رہا تھا، ایک بار پھر وہ اس آزمائش پر پورا نہیں اترا تھا...... اور ایک بار پھر اس نے جلیل خان کے پاس پناہ لینے کا فیصلہ کر لیا تھا اور دوسرے ہی دن عقام کو لے کر وہ لاہور آ گیا تھا۔

"خان بابا میں واپس آ گیا ہوں آپ کے پاس، یہ زندگی آپ کی ہے۔" جلیل خان نے اسے گلے لگایا تھا۔ آنسو پونچھے تھے۔ اس پر جو بیتی تھی سب سنی تھی اور اسے آرام سے سوچ کر فیصلہ کرنے کو کہا تھا۔

"اگر خانیوال میں رہنا ہے تو میں ان کو بھی دیکھ لوں گا۔ تیرے اسٹور کی حفاظت کے لیے بھیج دوں گا بندوں کو......" لیکن اس نے ہتھیار پھینک دیے تھے...... وہ فیصلہ کر چکا تھا۔

"چل ٹھیک ہے، کچھ دن آرام کر صحت بنا، جیدا، گلابو اور صابرہ ہیں ادھر جی بھر کر خدمات کروا...... اور ہو سکے تو بچے کو واپس کر دے کیسے سنبھالے گا اسے۔"

"نہیں، بچہ میرے پاس ہی رہے گا۔" اس کا لہجہ حتمی تھا۔

"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی......" جلیل خان نے زیادہ بحث نہیں کی تھی۔

"مجھے کچھ دنوں کے لیے کراچی جانا ہے۔ اُدھر جیل میں ایک بندہ ملا تھا بندو خان...... کیا جی دار آدمی تھا۔ بڑی ہی اونچی شے...... بہت کام پھیلا رکھا ہے، اس نے مجھے بھی اپنے ساتھ شامل ہونے کو بولتا تھا پر تب اپنی فرحی بٹی سے وعدہ کر بیٹھا تھا۔ لیکن اب کل ہی اسے فون کر کے وعدہ کر بیٹھا ہوں تو پہلے آ جاتا تو چلتا تیرے ساتھ اسٹور پر بیٹھتا اور پھر دیکھتا کون مائی کا لال اٹھاتا تمہیں اسٹور سے...... پر اب وعدہ کر لیا اور جلیل خان وعدہ کر کے پیچھے نہیں ہٹتا۔" اس نے جلیل خان کی معذرت پر سر ہلا دیا تھا۔ بندو خان کا بزنس بہت پھیلا ہوا تھا...... جلیل خان تو زیادہ

تر کراچی ہی رہتا تھا۔ البتہ وہ آتا جاتا رہتا...... کبھی ہانگ کانگ اور کبھی سنگاپور کے چکر بھی لگ جاتے...... عظام اسکول جانے کے قابل ہوا تو اس نے اسے اسکول داخل کروادیا...... جلیل خان کے گھر ہر طرح کے لوگ آتے سو وہ گھر چھوڑ کر گلبرگ چلا گیا تھا۔ ذرا سمجھدار ہوا تو ہاسٹل بھیج دیا...... اب تو کئی، کئی مہینے اسے باہر رہنا پڑتا تھا۔ بندو خان مر گیا تو خود بخود جلیل خان نے اس کی جگہ لے لی...... جلیل خان نے بہت ہاتھ پاؤں پھیلا لیے...... غیر ملکیوں سے بھی اس کے رابطے ہو گئے تھے۔ وہ اب بگ باکہلانے لگا تھا اور ثمر حیات کو سب باس کہنے لگے تھے...... وہ جیسے ایک دلدل تھی جس میں وہ اتر چکا تھا...... کبھی، کبھی اسے خیال آتا تھا کہ شاید وہ غلط تھا، وہ ہمیشہ گھبرا جاتا تھا' وہ بھی کسی آزمائش پر پورا نہیں اترا تھا۔ معاشرے میں عزت سے سر اٹھا کر جینے کے لیے تھوڑی ہمت اور حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ جو ہوا تھا سب کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا۔ زخموں کے ٹانکے کھلنے لگے تھے۔ ایک بار پھر وہ خود کو بے قصور گردان رہا تھا۔ اگر وہ جرائم پیشہ گروہ کا حصہ بنا تھا تو اسے اس زندگی کی طرف دھکیلا گیا تھا۔

پاس پڑا اس کا فون جانے کب سے بج رہا تھا۔ اس نے چونک کر اٹھایا۔

''بگ باکالنگ......'' اسکرین پر چمک رہا تھا۔

''یس بگ با......'' اس نے بھاری آواز میں کہا۔

''ثمر حیات مجھے کل کی میٹنگ کے متعلق تم سے بات کرنا تھی کیا سوچا تم نے؟'' جلیل خان پوچھ رہا تھا۔ کل شام جلیل خان نے اس کے علاوہ اپنے گروہ کے چیدہ، چیدہ بندوں کو بلایا تھا۔ اور انہیں ایرک اور ولسن کی پیشکش کے متعلق بتایا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ ان کے لیے کام کریں اور اس کے لیے انہوں نے کثیر رقم دینے کا وعدہ کیا تھا...... کام کی نوعیت کے متعلق جلیل خان نے کچھ نہیں بتایا تھا۔

''میرا ذہن بہت الجھا ہوا ہے بگ با اور یوں بھی میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ میں یہ زندگی چھوڑنا چاہتا ہوں۔'' اس نے محتاط انداز میں بات کی۔

''تمہیں کچھ شکوک ہیں تو تم وضاحت لے سکتے ہو ان سے...... ایرک تو تمہیں بہت پسند کرتا ہے۔''

''بگ با میں اس وقت عظام کی ہونے والی سسرال جا رہا ہوں، ہم اس موضوع پر پھر بات نہیں کر سکتے؟'' اس نے جیسے التجا کی تھی۔

''او کے، تم واپس آجاؤ تو تفصیل سے بات کرتے ہیں۔ میرے اپنے ذہن میں کچھ الجھنیں ہیں جو باقی سب کی موجودگی میں کل رات تم سے ڈسکس نہیں کر سکا تھا۔ اُدھر سے فارغ ہو کر ڈی ون میں آجانا...... کیونکہ چند دنوں تک مجھے ایک بڑی ڈیل کے سلسلے میں بنکاک جانا ہے اس سے پہلے ایرک اور ولسن کے ساتھ فائنل بات ہو جائے تو بہتر ہے۔''

''یس بگ با......'' اس نے فون بند کر دیا اب وہ ایرک اور ولسن کے متعلق سوچ رہا تھا۔ وہ آخر ان سے کیا کام لینا چاہتے تھے۔ کم از کم وہ ان کے لیے کوئی ایسا کام کرنے کو تیار نہیں تھا جس سے اس کے ملک کو کوئی نقصان ہو...... اسے ان سے اپنی پہلی ملاقات یاد آئی جب انہوں نے کچھ ینگ لڑکے ہائیر کیے تھے۔ بظاہر شمالی علاقہ جات میں فلاح و بہبود کے لیے لیکن پس پردہ کیا مقصد تھا، وہ نہیں جانتا تھا۔ ان لڑکوں سے پھر کبھی اس کی ملاقات نہیں ہوئی تھی تاہم ایک بار اس نے جلیل خان سے سنا تھا کہ ولسن وغیرہ نے یہاں سے کچھ دلیر اور جی دار لڑکوں کو بلیک کیٹ نامی کسی فورس میں شمولیت کے لیے بھرتی کیا ہے...... بلیک کیٹ کے متعلق جاننے کے لیے اس نے گوگل کو کھنگالا تھا اور حیران رہ گیا تھا۔

''پاپا آجائیں میں تیار ہوں۔''

عظام نے دروازہ کھول کر جھانکا تو وہ اپنے خیالات سے چونک کر اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆☆

سنہری نے لاؤنج میں کھڑے ہو کر چاروں طرف تنقیدی نظروں سے دیکھا اور ماتھے پر تیوری چڑھا کر شاہجہان بیگم کے پاس کھڑی موراں کو گھورا جو شاہجہان بیگم کے کان میں نہ جانے کیا سرگوشیاں کر رہی تھی......اور شاہجہان بیگم سر ہلا رہی تھیں۔

''موراں یہ کشن تم نے یہاں رکھا ہے کس قدر برا لگ رہا ہے۔'' اس نے کشن اٹھا کر موراں کی طرف پھینکا، یہ گھر صاحبزادہ صاحب نے فرنشڈ ہی دیا تھا۔ فرنیچر وغیرہ استعمال شدہ ہی تھا جانے ان سے پہلے یہاں کون رہتا تھا۔ سامنے تھری سیٹر صوفے پر دو چھوٹے کشن پڑے تھے...... میرون صوفے پر میرون اور آف وائٹ امتزاج کے جبکہ موراں نہ جانے کہاں سے یہ میلا بدرنگ سا کشن اٹھا لائی تھی اور بیچوں بیچ رکھ دیا تھا۔

''آئے ہائے دو تھے صرف یہ اسٹور سے ملا تو میں نے کہا چلو تین ہو جائیں گے۔'' موراں نے زمین پر گرے کشن کو اٹھا لیا تھا۔

''بس...... رونے سے نہ رونا اچھا ہوتا ہے۔'' سنہری نے ایک ناراض نظر موراں پر ڈالی، وہ کل سے بہت ایکسائٹڈ ہو رہی تھی۔ عقام کا باپ بجل کا رشتہ مانگنے آ رہا تھا اور یہ ایک انہونی ہی تھی۔ اس نے اپنی نگرانی میں نیچے والا پورشن صاف کروا دیا تھا۔ خود ساتھ لگ کر جھاڑ پونچھ کی تھی کہ جب عقام کا باپ آئے تو وہ اپنے تام جھام کے ساتھ اپنے کوارٹر میں ہی رہیں۔

''کیوں، کیا وہ ہمیں دیکھ کر بھاگ جائے گا۔'' ظہورا سر نیچا کیے مسکرا رہا تھا۔

''بھاگ بھی سکتا ہے، تمہاری یہ بھانڈوں اور طبلچیوں والی شکلیں دیکھ کر۔'' ادھر بھی سنہری تھی۔ استاد جی کے بیٹے کو تاکید کی تھی کہ وہ گیٹ پر رہے۔ استاد جی تو مر گئے تھے البتہ تھوڑا بہت ہنر بیٹے کو سکھا گئے تھے سو شاہجہان اسے بھی ساتھ لے آئی تھی۔

''اس لڑکی کا تو دماغ چل گیا ہے۔ کل سے دیوانی ہو رہی ہے جیسے کسی سلطنت کا حکمران آ رہا ہو۔'' موراں بڑبڑائی تو اس پر ایک غصیلی نظر ڈالتی ہوئی سنہری، شاہجہان کے قریب آ گئی۔ شاہجہان نے موراں کو جانے کا اشارہ کیا۔

''یہ تم دونوں کیا کھسر پھسر کر رہی تھیں۔'' سنہری ایک ہاتھ کمر پر رکھ کر شاہجہان کو کھوجتی نظروں سے دیکھنے لگی۔ شاہجہان نے اطمینان سے ہاتھ میں پکڑی پان کی گلوری منہ میں ڈالی اور اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے طنز کیا۔

''لڑکی تو کیوں باؤلی ہو رہی ہے۔ تجھ کا رشتہ آ رہا ہے تیرا نہیں۔'' سنہری چند لمحے یوں کمر پر ہاتھ رکھے اسے انہی کھوجتی نظروں سے دیکھتی رہی۔

''اماں بات نہ ٹال...... یہ بتا اوپر بڑے کمرے میں کس کو بند کر کے رکھا ہوا ہے۔'' اس نے برخ موڑ کر اوپر سیڑھیوں پر چڑھتی موراں کی طرف دیکھا۔

''چل جائے گا پتا تجھے بھی...... پہلے ایک معاملہ تو نبڑ جائے۔''

''خرید کا مال ہے یا اغوا کر کے لایا ہے ظہورا۔'' سنہری بھی اپنے نام کی ایک ہی تھی۔

''میں نے کہا ناں تو مت دماغ کھپا...... تجھ کا رشتہ طے ہو جائے تو سب جان لینا پھر......''

''ہائے اماں......!'' سنہری کا موڈ حسبِ معمول لمحوں میں بدلا تھا۔ ''تجھ کا رشتہ طے ہو جائے ناں تو پھر ہم سب فنکشن کریں گے۔ مایوں، مہندی، ڈھولکی سب۔''

''ہاں تیرے باپ کی ملیں لگی ہیں ناں، میں تو دو بول پڑھا کر رخصت کر دوں گی۔'' شاہجہان کو اس کی

فرمائش ایک آنکھ نہ بھائی۔
"میرے باپ کی نہ سہی کیا خبر اس کے باپ کی لگی ہوں...... ڈھونڈ لے ناں اس کو......" سنہری نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔
"ہاں میرے پاس الہ دین کا چراغ ہے ناں جو رگڑوں گی تو حاضر ہو جائے گا۔"
"ہوتا بھی تو چراغ رگڑے سے جن حاضر ہوتا، بجو کا باپ نہیں۔" سنہری ہنسی۔ "چل چھوڑ اماں...... میرے اور موتیا کے پاس کچھ پیسے ہیں ناں...... سارے فنکشن نہ سہی مہندی تو کروا لیں گے۔"
شاہجہان نے تاسف سے اسے دیکھا۔ کوٹھے کی پیداوار تھی پر دل تو اس کا بھی تھا۔ ٹی وی ڈرامے دیکھ دیکھ کر جانے کیسی کیسی خواہشیں پال لی تھیں اس نے۔ شاہجہان نے دل ہی دل میں اپنی جمع پونجی کا حساب لگایا۔ مستقبل میں ہونے والی کمائی کے متعلق سوچا اور ایک نرم سی نظر اس پر ڈالی۔
"اچھا چل کر لینا اپنے شوق پورے۔"
"سچ اماں......" سنہری نے جھٹ اس کے گلے میں باہیں ڈال کر اس کے رخساروں پر دائیں بائیں پیار کیا۔
"اب جا تیار ہو جا...... ابھی تک سر جھاڑ منہ پھاڑ پھر رہی ہے اور بجو کو بھی کہہ تیار ہو جائے...... عقام کا باپ آنے والا ہو گا۔"
"ہاں......" سنہری نے اپنے سر پر ہاتھ مارا۔ "عقام نے گھر سے نکلتے ہوئے فون کیا تھا کہ وہ لوگ نکل رہے ہیں۔ رش نہ ہوا تو آدھے گھنٹے تک پہنچ جائیں گے۔" وہ یہی بتانے آئی تھی اور یہاں میلا کشن دیکھ کر بھڑک گئی تھی۔
"شیدے......" اس نے لاؤنج کا دروازہ کھول کر گیٹ کے پاس کرسی پر بیٹھے شیدے کو آواز دی۔ "چل جا اپنے کوارٹر میں اور ننھے خان کو باہر گیٹ پر بھیج دے۔" پھر دروازہ بند کر کے مڑی۔
"پکی بات ہے ناں اماں مہندی ہو گی ناں......"
"پہلے رشتہ تو ہونے دے۔" شاہجہان اس کے بچکانہ انداز پر مسکرائی تو وہ گنگناتی ہوئی سیڑھیاں چڑھنے لگی...... شاہجہان نے کھلے پاندان کا ڈھکن بند کیا...... وسو رات کو لڑکی چھوڑ گیا تھا۔ لڑکی واقعی چاند کا ٹکڑا تھی، لگتا تھا وسو نے کچھ زیادہ ہی کلوروفارم سونگھا دیا۔ موراں رات کو اسی کے کمرے میں سوئی تھی۔ صبح اٹھ کر اس نے واویلا کیا تھا اور کچھ ہاتھ پاؤں مارے تھے لیکن موراں نے خاموش کروا دیا تھا۔ وہ ایسی لڑکیوں کو سدھانے میں ماہر تھی۔ عقام کا باپ آنے والا تھا۔ اس لیے اس نے موراں کو اوپر بھیج دیا تھا کہ اگر وہ شور وغل کرے تو اسے سنبھال لے۔ لڑکی دیکھتے ہی اس نے لاہور واپسی کا پروگرام پکا بنا لیا تھا اور وسو سے بات بھی کر لی تھی کہ وہ لڑکی کو لاہور لے جانے کے لیے مدد کرے گا اور وسو نے وعدہ بھی کر لیا تھا البتہ یہ واضح کر دیا تھا کہ پیسے خرچ ہوں گے۔ ملتان تک پرائیویٹ گاڑی میں جائیں گے اور شاہجہان نے اعتراض نہیں کیا تھا۔ ایسے ہیرے کے بدلے میں چار پیسے خرچ بھی ہو جائیں تو کیا حرج ہے۔ آنے والے دنوں کے تصور سے اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ تب ہی باہر کسی گاڑی کے رکنے کی آواز آئی اور ساتھ ہی گیٹ کھلا اور گاڑی اندر پورچ میں آگئی۔ شاہجہان نے اپنا دوپٹا درست کیا...... کان کے جھمکوں کو چھوا۔ چوڑیوں کو یونہی آگے پیچھے کیا اور ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر ذرا گردن اونچی کر کے بیٹھ گئی۔
"مہمان آگئے ہیں۔" لاؤنج کا دروازہ کھلا ننھے خان نے اندر جھانک کر کہا۔ وہ وہاں سے ہی پلٹ گیا تھا۔ یہ سنہری کی ہدایت تھی کہ مہمان کے ساتھ اندر ہی آ کر نہ کھڑا ہو جائے۔ شاہجہان استقبال کے لیے کھڑی ہو گئی۔
"جم جم آئیں اور......" باقی کے جملے اس کے ہونٹوں پر ہی رہ گئے۔
"دادا تم......!" چند لمحوں بعد اس کے لبوں سے نکلا۔

آخری قسط انشاء اللہ اگلے ماہ



سلوشن

ہاجرہ ریحان

”ہمارے کتے (باس) تو ہر مسئلے کے دو ہی سالوشن ہوتے ہیں استانی جی......“ اس نے پان بھرے منہ سے بھاری آواز میں بتایا......اور ساتھ کے ساتھ دو چھوٹے سائز کی شیشے کی بوتلیں جیب سے نکال کر میری آنکھوں کے آگے لہرانی شروع کر دیں۔

”اب میں تنے ایکسپیرمنٹ کر کے دکھاتا ہوں...... ایسے ہی تو بچے سیکھے ہیں...... کیوں؟“ اس نے بھونڈے پن سے اپنے دو ساتھیوں کی طرف پلٹ کر دیکھا تو وہ سر ہلانے لگے......ان دونوں میں سے ایک نے آگے بڑھ کر میرے ایک جوتے کو اپنے جوتے کی نوک سے سرکا کر آگے بڑھا کر ”باس“ کے قریب کر دیا...... میری عادت تھی کہ میں کلاس میں جاتے کے ساتھ ہی اپنی چپل، سینڈل یا جوتے جو بھی میرے پیر میں ہوتا میز کے نیچے اتار کر کرسی پر پالتی مار

فرمائش ایک آنکھ نہ بھائی۔

"میرے باپ کی نہ سہی کیا خبر اس کے باپ کی لگی ہوں...... ڈھونڈ لے ناں اس کو......" سنہری نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

"ہاں میرے پاس الہ دین کا چراغ ہے ناں جو رگڑوں گی تو حاضر ہو جائے گا۔"

"ہوتا بھی تو چراغ رگڑنے سے جن حاضر ہوتا، بجو کا باپ نہیں۔" سنہری ہنسی۔ "چل چھوڑ اماں...... میرے اور موتیا کے پاس کچھ پیسے ہیں ناں...... سارے فنکشن نہ سہی مہندی تو کروالیں گے۔"

شاہجہان نے تاسف سے اسے دیکھا۔ کوٹھے کی پیداوار تھی پر دل تو اس کا بھی تھا۔ ٹی وی ڈرامے دیکھ، دیکھ کر جانے کیسی، کیسی خواہشیں پال لی تھیں اس نے۔ شاہجہان نے دل ہی دل میں اپنی جمع پونجی کا حساب لگایا۔ مستقبل میں ہونے والی کمائی کے متعلق سوچا اور ایک نرم سی نظر اس پر ڈالی۔

"اچھا چل کر لینا اپنے شوق پورے۔"

"سچ اماں......" سنہری نے جھٹ اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر اس کے رخساروں پر دائیں بائیں پیار کیا۔

"اب جا تیار ہو جا...... ابھی تک سر جھاڑ منہ پھاڑ پھر رہی ہے اور بجو کو بھی کہہ تیار ہو جائے...... عقام کا باپ آنے والا ہو گا۔"

"ہاں......" سنہری نے اپنے سر پر ہاتھ مارا۔ "عقام نے گھر سے نکلتے ہوئے فون کیا تھا کہ وہ لوگ نکل رہے ہیں۔ رش نہ ہوا تو آدھے گھنٹے تک پہنچ جائیں گے۔" وہ یہی بتانے آئی تھی اور یہاں میلا کشن دیکھ کر بھڑک گئی تھی۔

"شیدے......" اس نے لاؤنج کا دروازہ کھول کر گیٹ کے پاس کرسی پر بیٹھے شیدے کو آواز دی۔ "چل جا اپنے کوارٹر میں اور ننھے خان کو باہر گیٹ پر بھیج دے۔" پھر دروازہ بند کر کے مڑی۔

"پکی بات ہے ناں اماں مہندی ہو گی ناں......"

"پہلے رشتہ تو ہونے دے۔" شاہجہان اس کے بچکانہ انداز پر مسکرائی تو وہ گنگناتی ہوئی سیڑھیاں چڑھنے لگی...... شاہجہان نے کھلے پاندان کا ڈھکن بند کیا...... وسورات کو لڑکی چھوڑ گیا تھا۔ لڑکی واقعی چاند کا ٹکڑا تھی، لگتا تھا وسو نے کچھ زیادہ ہی کلوروفارم سونگھا دیا۔ موراں رات کو اسی کے کمرے میں سوئی تھی۔ صبح اٹھ کر اس نے واویلا کیا تھا اور کچھ ہاتھ پاؤں مارے تھے لیکن موراں نے خاموش کروا دیا تھا۔ وہ ایسی لڑکیوں کو سدھانے میں ماہر تھی۔ عقام کا باپ آنے والا تھا۔ اس لیے اس نے موراں کو اوپر بھیج دیا تھا کہ اگر وہ شور و غل کرے تو اسے سنبھال لے۔ لڑکی دیکھتے ہی اس نے لاہور واپسی کا پروگرام پکا بنا لیا تھا اور وسو سے بات بھی کر لی تھی کہ وہ لڑکی کو لاہور لے جانے کے لیے مدد کرے گا اور وسو نے وعدہ بھی کر لیا تھا البتہ یہ واضح کر دیا تھا کہ پیسے خرچ ہوں گے۔ ملتان تک پرائیویٹ گاڑی میں جائیں گے اور شاہجہان نے اعتراض نہیں کیا تھا۔ ایسے ہیرے کے بدلے میں چار پیسے خرچ بھی ہو جائیں تو کیا حرج ہے۔ آنے والے دنوں کے تصور سے اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ تب ہی باہر کسی گاڑی کے رکنے کی آواز آئی اور ساتھ ہی گیٹ کھلا اور گاڑی اندر پورچ میں آئی۔ شاہجہان نے اپنا دوپٹا درست کیا...... کان کے جھمکوں کو چھوا۔ چوڑیوں کو یونہی آگے پیچھے کیا اور ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر ذرا گردن اونچی کر کے بیٹھ گئی۔

"مہمان آگئے ہیں۔" لاؤنج کا دروازہ کھلا ننھے خان نے اندر جھانک کر کہا۔ وہ وہاں سے ہی پلٹ گیا تھا۔ یہ سنہری کی ہدایت تھی کہ مہمان کے ساتھ اندر ہی آ کر نہ کھڑا ہو جائے۔ شاہجہان استقبال کے لیے کھڑی ہو گئی۔

"جم جم آئیں اور......" باقی کے جملے اس کے ہونٹوں پر ہی رہ گئے۔

"داوام......!" چند لمحوں بعد اس کے لبوں سے نکلا۔

آخری قسط انشاءاللہ اگلے ماہ



سلوشن

ہاجرہ ریحان

"ہمارے کنے (پاس) تو ہر مسئلے کے دو ہی سالوشن ہوتے ہیں استانی جی......" اس نے پان بھرے منہ سے بھاری آواز میں بتایا......اور ساتھ کے ساتھ دو چھوٹے سائز کی شیشے کی بوتلیں جیب سے نکال کر میری آنکھوں کے آگے لہرانی شروع کر دیں۔

"اب میں تنے ایکسپیرمنٹ کر کے دکھاتا ہوں...... ایسے ہی تو بچے سیکھے ہیں...... کیوں؟" اس نے بھونڈے پن سے اپنے دو ساتھیوں کی طرف پلٹ کر دیکھا تو وہ سر ہلانے لگے......ان دونوں میں سے ایک نے آگے بڑھ کر میرے ایک جوتے کو اپنے جوتے کی نوک سے سرکا کر آگے بڑھا کر "باس" کے قریب کر دیا...... میری عادت تھی کہ میں کلاس میں جاتے کے ساتھ ہی اپنی چپل، سینڈل یا جوتے جو بھی میرے پیر میں ہوتا میز کے نیچے اتار کر کرسی پر پالتی مار

کر بیٹھ جاتی اور اپنے اسٹوڈنٹ کو بھی اجازت دے رکھی تھی کہ وہ چاہیں تو ایسا ہی کچھ کر سکتے ہیں..... شروع میں تو میری دیکھا دیکھی اکثر اسٹوڈنٹس جوتے موزے اتار کر کرسی کے نیچے کھسکا کر خود کرسی پر چڑھ بیٹھتے تھے مگر پھر میرا پیریڈ ختم ہونے پر ان کو دوبارہ سے جوتے موزے پہننے پڑتے اور اس وجہ سے میرے بعد آنے والی ٹیچر کی ناراضی کی بنا پر تھوڑے ہی دنوں میں سب ویسے ہی ٹھسے بیٹھے رہتے اور میں مزے میں کرسی پر چڑھی ان کو لیکچر دیتی رہتی..... لہٰذا اس روز اس شخص کے اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ اچانک یوں نمودار ہونے پر میں گھبرا کر جو کرسی سے اٹھ کر اس کی طرف لپکی تھی تو جوتے میں پیر ڈالنا بھول ہی گئی تھی۔

اس نے ایک بوتل کا منہ کھولا اور اس میں سے اڑتی باہر لپکتی بھاپ کو دیکھ کر ہی مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کیا شے ہے..... اس نے میرے جوتے پر بوتل کو خالی کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے میرا جوتا کسی مکڑی کے جالے کی طرح جس پر پانی پھینکا جائے سٹ گیا..... تیزاب اتنا تیز تھا کہ جوتے کو لیے کھردرے فرش کے اندر تک دھنس گیا..... اسی اثنا میں میرا دوسرا جوتا بھی حاضر کر دیا گیا..... اس نے دوسری بوتل کھول کر اس پر چھڑکاؤ کیا اور پھر جیب سے ماچس کی ڈبیا نکال کر تیلی جلا کر جوتے پر پھینک دی، پٹرول جھٹ آگ پکڑ کر غضب ناک طریقے سے جوتے کو جلانے لگا..... نویں جماعت کی یہ طالبات میری نظر میں ابھی چھوٹی بچیاں ہی تھیں..... وہ دم بخود تماشا دیکھ رہی تھیں..... تو کچھ کی آنکھوں میں ڈر اور کچھ کی آنکھوں میں آنسو صاف دکھائی دے رہے تھے..... میں اپنے جوتوں کا یہ حال دیکھ کر خود بھی شاید پیلی پڑ چکی تھی..... اور یہی بات اس شخص کو اور بھی مسرور کر گئی تھی۔ "امید ہے کہ یہ سبق یاد رہے گا۔" وہ چند لمحے مجھے بغور دیکھتا رہا اور پھر یہ کہتا ہوا چل پڑا میں اس کے پیچھے، پیچھے ننگے پیر کلاس سے باہر نکل آئی، دیکھا تو اسکول کی پرنسپل اور چپراسی سمیت دو چار ٹیچرز بھی کھڑی تھیں۔ ہمیں باہر آتا دیکھ کر سب اِدھر اُدھر بکھرنے کی کوشش کرنے لگے مگر کاریڈور اتنا وسیع نہیں تھا لہٰذا نظروں سے بچنے کی کوشش ناکام ہی تھی..... وہ سب پر ایک قہر انداز نظر ڈالتا تیز تیز قدموں سے چلتا کاریڈور سے نکل گیا..... پرنسپل اس کے نظروں سے اوجھل ہوتے ہی مجھے میرے بازو سے پکڑ کر تیزی سے اپنے کمرے کی طرف چل پڑیں..... میرے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا..... میں کلاس میں بچوں کو دلاسا دینا چاہتی تھی مگر مجھے ابھی خود کا ہوش نہیں تھا..... سچ بات تو یہ تھی کہ میں خود بھی حد سے زیادہ سہم چکی تھی۔

"وہ بوتلیں مجھ پر..... میرے جسم پر میرے چہرے پر بھی انڈیل سکتا تھا..... اور اسے یہاں روکنے والا تھا ہی کون......؟"

"پلیز..... کل سے آپ نہیں آئیں گی..... یہ میری غلطی سمجھیں کہ میں نے آپ سے مدد مانگی مگر میں کسی بھی طرح کا اور رسک نہیں لینا چاہتی آج حد ہو چکی ہے..... آپ ابھی فوراً گھر چلی جائیں اور دوبارہ اس اسکول میں تشریف نہ لائیں۔" پرنسپل نے سخت تو کبھی التجائی لہجے میں مجھ سے درخواست کی۔

میں ابھی تک دم بخود تھی لہٰذا اٹھ کر ننگے پیر اسٹاف روم میں آ گئی..... حامد (چپراسی) میرے لیے جھٹ سے ٹھنڈا پانی لے آیا اور کسی ٹیچر نے مجھے نرمی سے کندھوں سے پکڑ کر صوفے پر بٹھا دیا۔ مجھے پتا بھی نہیں چلا کہ میں کب منہ بسور کر باقاعدہ آنسوؤں سے مگر بے آواز رونے لگی تھی۔ کسی نے میرے ہاتھ میں دو چار ٹشو تھما دیے تھے اور پھر سب میرے اردگرد سے اچانک غائب ہو گئے۔ مجھے اسی طرح بیٹھے، بیٹھے پتا نہیں کتنا وقت گزرا بہر حال چھٹی ہو چکی تھی اور ایک دو کر کے اسٹاف روم تقریباً خالی ہو چکا تھا۔ میں بھی کسی چابی بھرے کھلونے کی طرح اٹھ کر الماری سے اپنا بیگ نکال کر اسٹاف روم سے نکلی ہی تھی کہ میرے ننگے پیر ایک ڈبے سے ٹکرائے۔ وہ جوتے کا ڈبا تھا جو یقیناً میرے لیے ہی رکھا گیا تھا۔ میں نے جھک کر اسے

ہاتھوں میں اٹھائے بغیر زمین پر پڑے، پڑے ہی کھول کر دیکھا تو اس میں میرے ہی سائز کی استعمال شدہ چپل پڑی تھی۔ اور مجھے پہلی بار یاد آیا کہ میرے پاؤں ابھی تک برہنہ تھے۔ میں نے وہ چپل پہن کر سر اٹھایا تو دیکھا سامنے صالحہ کھڑی تھی۔ وہ اسی طرح پورے برقعے میں تھی اور ہمیشہ کی طرح صرف اس کی آنکھیں بات کر رہی تھیں...... مجھے اپنی اس طالبہ سے بڑا پیار تھا۔ مگر وہ عام طور پر ذرا جھجکی ہوئی رہتی تھی اور قریب آکر بات کرنے یا کام کی بات کے علاوہ کسی بھی قسم کی بات کرنے سے کترائی رہتی...... اور کیونکہ میں ایک عام ٹیچر نہیں تھی لہٰذا میرا ہمیشہ دل ہوتا کہ صالحہ سے کچھ دیر بیٹھ کر گپ لگا لیا کروں۔ اس کی فلسفیانہ سوچ اور دور اندیش نظریوں کو سن کر میں اکثر پریشان ہو جاتی تھی...... وہ اتنی عمر کی تھی نہیں جتنی اس نے خود پر طاری کر لی تھی...... بقول کچھ ہم جماعتوں کے وہ اپنے گھر کی بڑی تھی...... چار چھوٹے بھائی بہنوں کے ساتھ اپنے سبزی بیچنے والے باپ کی بھی دیکھ بھال کرتی تھی...... ماں کا کئی سال پہلے انتقال ہو گیا تھا...... سوتیلی ماں تھی مگر وہ صرف آرام کرتی تھی...... میں چپل پہن کر احسان مندی ہو کر اس کی طرف بڑھی...... وہ دو قدم پیچھے ہٹ گئی...... یعنی جو حدود اس نے اپنے ارد گرد قائم کر رکھی تھیں میں اس کو توڑنے والی تھی...... میں بھی اپنی جگہ وہیں جم گئی۔ جس پر اس کی آنکھوں کے اظہار سے پتا چلتا تھا کہ وہ مسکرائی تھی۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا...... اب آپ سکون سے گھر جائیں اور کچھ دن چھٹیاں منالیں...... آپ کو اس کی شدید ضرورت ہے۔" اس نے دھیمے لہجے میں مجھ سے کہا۔

میں بھی تھک گئی تھی اور میرا دل نہیں تھا کہ کسی سے کوئی بھی بات کروں لہٰذا میں اس کو وہیں کھڑا چھوڑ کر اسکول کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

مجھے اس اسکول میں پڑھاتے یہ چوتھا مہینہ تھا...... میں کوئی باقاعدہ ٹیچر نہیں تھی، نہ ہی مجھے یہاں بطور ٹیچر رکھا گیا تھا۔ یہ ہمارے محلے کا گورنمنٹ اسکول تھا اور ایک دن جب میں اپنے کچھ کاغذات اٹیسٹ (تصدیق) کروانے یہاں کی پرنسپل کے پاس آئی تھی تو انہوں نے بتایا تھا کہ ٹیچر آتے ہی نہیں اور بیچارے بچے کلاس میں بیٹھے مکھیاں مارتے رہتے ہیں...... جس کی وجہ سے جو ایک دو دیانت دار ٹیچر ہیں ان کے اوپر ہی پورے اسکول کا بوجھ تھا مگر وہ بھی کتنی کلاسیں لیتے...... میں اس زمانے میں ایک انٹرنیشنل آرگنائزیشن میں نوکری کرتی تھی لہٰذا میرے ذہن میں بھی یہ بات نہ آئی کہ میں اپنی خدمات پیش کر دوں...... مگر پھر میں نے اونچی دکان اور پھیکے پکوان کے مصداق پریشان ہو کر نوکری چھوڑ دی اور پہلا خیال جو مجھے آیا وہ یہی تھا کہ میں اس اسکول میں کم از کم اس وقت تک پڑھا دوں جب تک میں کوئی دوسری نوکری تلاش نہ کر لوں...... مگر اس پڑھانے میں بچوں کے ساتھ مجھے کچھ ایسی انسیت ہوگئی کہ میں نے چار مہینے گزر جانے کے باوجود بھی اسکول سے چھٹکارا حاصل کرنے کا ارادہ ختم ہی کر دیا تھا...... نہ مجھے تنخواہ ملتی تھی...... نہ ہی میں کسی امتحان میں کلاس وغیرہ میں جا سکتی تھی...... مگر پھر بھی میں اسکول میں بہت اچھے نام سے پہچان کرا چکی تھی اور طالب علم مجھے دیکھتے کے ساتھ ہی ادب سے سلام دعا کرتے تھے۔ مجھے بھی یہ سب اب اچھا لگنے لگا تھا زندگی میں پہلی بار اپنی زندگی کا کوئی مقصد کوئی جواز مل گیا تھا...... مگر پھر کسی دلن کی طرح "باس" آن ٹپکا۔

شروع کے چند دنوں میں ہی مجھے پتا چلا گیا تھا کہ آدھے سے زیادہ اسکول پر قبضہ ہے...... ایسی کلاسیں جن کی چھت ٹپکتی تھی بس وہی بچوں کے لیے رہ گئی تھیں باقی تمام مضبوط چھت والی کلاسیں اور اسٹور روم یہاں تک کہ لائبریری سب کے سب اس کے قبضے میں تھا جو علاقے میں "باس" کے نام سے مشہور تھا...... اس نے چند ایک گینڈے نما نوکر رکھے ہوئے تھے...... تھانے میں ہفتہ وار بھتا دیتا تھا اور اُن کے ہی

بل بوتے پر وہ محلے میں من مانی کرتا تھا...... اسکول کی کلاسز جو باس نے قبضہ کر رکھی تھیں ان کو اس نے مختلف اداروں اور لوگوں کو کرائے پر دے رکھا تھا...... کسی میں کسی سپر اسٹور کا مال لا کر رکھا جاتا تھا...... کسی میں شادی بیاہ میں ٹینٹ اور کھانے لگانے والے اپنی چیزیں ٹینٹ، پردے، کرسیاں وغیرہ لا کر ڈھیر کرتے تھے اور کسی میں تین چار دوسرے شہروں سے آئے ہوئے چور اچکے ٹائپ کے مرد قیام پزیر تھے...... ان سب میں مشترکہ بات یہ تھی کہ یہ اسکول کھلنے سے پہلے اور بند ہونے کے بعد ہی اسکول میں دندناتے پھرتے تھے...... لہٰذا کسی کو بھی ان کرایہ داروں کے کوائف کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا...... (چپراسی) ماجد کچھ، کچھ جانتا تھا مگر زبان کھولنے سے ڈرتا تھا...... میں نے جب دیکھا کہ ایک ہی کمرے میں دو چار جماعتوں کے بچے بیٹھ کر سبق لیتے ہیں تو پرنسپل کو غیرت دلائی کہ اپنا اسکول ان غنڈوں سے خالی کروائیں...... وہ بیچاری کہاں ان سب میں شامل تھیں لہٰذا وہ تو بار، بار اپنے چھوٹے، چھوٹے بچوں کا واسطہ دے کر دور ہو چکی تھیں۔

میں نے پھر بھی ہمت نہ ہاری اور ایک دن جا کر محلے کے ناظم کو درخواست دے دی...... جس پر ایک ٹیم اسکول کا معائنہ کرکے جا چکی تھی اور اس کے بعد وہ ”باس“ بلبلاتا ہوا سیدھا میری کلاس میں آ دھمکا تھا۔ جو ٹیم آئی تھی اس میں باس کا کوئی حامی یا راز دار تھا جس نے اسے یہ بتا دیا تھا کہ فساد کی اصل جڑ میں ہوں۔

میں جو دو تین دن کے آرام کے بعد اپنے ہوش و حواس میں آ چکی تھی...... اب خود سے سوال کر رہی تھی۔

”تو بس...... کیا اسی سب کے لیے میں وہاں گئی تھی؟ تو کیا میرا کردار بس اتنا ہی تھا؟“ میں افسوس میں مبتلا تھی اور کوئی راستہ ہی نہیں سوجھ رہا تھا۔

تیسرے دن میرے موبائل پر فون آیا...... پہلے تو کسی نے میری آواز سن کر بند کر دیا پھر ایک قطار میں تین چار مختلف نمبروں سے فون آنے لگے مگر ہر بار میری آواز سن کر فون بند کر دیا جاتا...... میں سمجھ رہی تھی کہ شاید اسکول سے کوئی میری خیریت معلوم کرنے کی کوشش کرے گا ہی اس امید پر ہر بیل پر، ہر نمبر سے آنے والی کال ریسیو کر لیتی تھی...... آخر کار ایک آواز نے مجھ سے میرے ہی کوائف بتانے شروع کیے...... جیسے کسی مریض کو ڈاکٹر سپاٹ آواز میں اس کی بیماری کے بارے میں احتیاط گنوانا جائے...... میں بھی ہر ایک سوال پر ہاں کی گردان کیے جا رہی تھی...... پھر سب کچھ معلوم کر لینے کے بعد ریسیور کسی اور کو دیا گیا...... اب کی بار کوئی خاتون تھیں...... انہوں نے اپنا تعارف کسی نیوز ٹی وی چینل کی کمپیئر کے طور پر کروایا...... اور بتایا کہ میری جو ایک ویڈیو فیس بک پر گردش کر رہی ہے کیا میں اس کی سچائی کی تصدیق کر سکتی ہوں؟

میں بڑی حیران ہوئی...... میں نے خاتون کو بتایا۔ ”میں ایسی کسی وڈیو کی سچائی کیسے بیان کروں جو میں نے دیکھی ہی نہیں......“ اب حیران ہونے کی باری خاتون کی تھی۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ فیس بک میں اب تک اس ڈھائی منٹ کی ویڈیو کو چالیس ہزار تک کمنٹس مل چکے ہیں اور ویڈیو میں صاف، صاف اسکول اور آپ کا نام لکھا دیا گیا ہے...... زیادہ تر کمنٹس ویڈیو کی تصدیق کرانے پوچھتی ہیں۔“

میں اب بیزاری محسوس کرنے لگی تھی۔ میں نے اسی بیزاری سے خاتون کو سمجھایا کہ میں چار پانچ دن سے فیس بک پر جا نہیں سکی ہوں اور نہ ہی میں نے کوئی ویڈیو اپ لوڈ کی ہے۔

خاتون نے مجھے اسی وقت فیس بک پر جا کر ویڈیو لنک چیک کرنے کو کہا اور تھوڑی دیر بعد فون کرنے کا کہہ کر بند کر دیا...... گو میرا دل بالکل بھی نہیں تھا مگر میں کسی نہ کسی طرح بستر سے نکل کر اپنا لیپ ٹاپ کھول کر بیٹھ گئی جس کی بیٹری ختم ہو جانے کے باعث اب وہ بھی ایک کمپیوٹر کی طرح بس بجلی آنے تک چلتا تھا...... میں نے اپنا فیس بک اکاؤنٹ کھولا اور خاتون نے جو مجھے ویڈیو لنک لکھوایا تھا وہ جیسے ہی ٹائپ کیا تو میری

آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔
باس نے جو کلاس میں میرے جوتوں پر تیزاب اور پٹرول چھڑک کر آگ لگائی تھی وہ پورا واقعہ ویڈیو کی شکل میں بار بار میرا لیپ ٹاپ چلاتا جارہا تھا۔ پہلے میں نے باس کی حرکات کا جائزہ لیا...... پھر خود کو پیلی رنگت کے ساتھ کانپتے دیکھا۔ کچھ لوگ کلاس کی کھڑکیوں اور دروازے سے جھانکتے ہوئے بھی نظر آرہے تھے مگر کیمرے کی آنکھ جس سمت سے سب کچھ دیکھ رہی تھی اس سے اندازہ ہورہا تھا کہ کیمرا کلاس میں بیٹھے کسی بچے کے ہاتھ میں تھا اور اس نے بڑے اطمینان سے تمام ہی مناظر فلم بند کرلیے تھے۔ میں نے دیکھا کہ مسلسل اس ویڈیو کو لائک ملتے چلے جارہے تھے...... کسی انجان سے نام کی آئی ڈی سے اپ لوڈ کی ہوئی ویڈیو لاکھوں لوگوں کی نظروں میں آچکی تھی اور تعداد مسلسل بڑھ رہی تھی۔ جبھی میں فون کی گھنٹی سے چونک پڑی...... میں نے مرے مرے انداز میں فون ریسیو کیا...... وہی خاتون کمپیئر تھیں اور انہوں نے پھر وہی سوالات دُہرانے شروع کردیے۔
"پلیز مجھے اس سب سے دور رکھیں میں اب اس پر کوئی بات نہیں کرانا چاہتی۔" میں نے ان سے التجا کی کہ جس پر خاتون نے مجھے اتنا ہی بتایا کہ وہ اس وڈیو کو آج رات اپنے پروگرام میں استعمال کرنے والی ہیں اور فوٹو شاپ کی مدد سے میری شکل کو دھندلا کروادیں گی تاکہ میری ذاتی زندگی پر اس کا اثر نہ پڑے...... میرے پاس انکار کی کوئی صورت نہیں تھی، یہ تو ان کا ہی احسان تھا کہ انہوں نے مجھے ڈھونڈ نکالا اور پھر مجھ سے اجازت لے رہی تھیں یا کم از کم اطلاع تو دے ہی رہی تھیں...... میں چپ سادھ کر بیٹھ گئی۔ پھر میں نے اسی رات کو ان کا پروگرام کانپتے، کانپتے دیکھا اور خاتون نے دو ایک گورنمنٹ افسران، پولیس کے اعلیٰ عہدیداران بلائے ہوئے تھے ان سب کے اعتراضات اور خیالات سنتی رہی...... بہرحال پروگرام میں طے یہ پایا گیا کہ کل صبح خاتون اپنی پوری ٹیم کے

مذاق مذاق میں

دونوں کولیگ تھیں آرمی پبلک اسکول میں سائنس پڑھاتی تھیں۔ کولیگ سے بڑھ کر اچھی دوست۔ ان میں سے ایک سرجن نعیم کی بیگم شہید کا درجہ پاچکی ہیں، وہ اپنے گھر میں اکثر اس غیر شادی شدہ کولیگ کا ذکر کرتیں، ان کی تعریفیں کرتیں، شوہر کے سامنے بھی اور مذاق میں ایک دن ان کے شوہر نے ہنستے ہوئے کہا کہ کیوں نہ ان کو گھر لے آؤں؟ مطلب جان کر بیگم ہنس دیتیں، مذاق کی بات مذاق میں ختم ہوجاتی۔
بیگم نعیم کی شہادت کے بعد گھر کا نظام درہم برہم...... بچے چھوٹے، ساس ضعیف، ملازمائیں کب تک بچوں کو دیکھتیں...... بھائی اپنے بچوں کے ساتھ ان کا بھی خیال رکھتیں۔ مگر کب تک...... حالات و حادثات سے فرار پانے کے لیے ڈاکٹر صاحب شمالی علاقہ جات نکل جاتے ان کا واحد ساتھی ان کا کیمرا ساتھ ہوتا۔ واپس آتے تو والدہ اور رشتے داروں کی تکرار شروع کہ کب تک اکیلے رہوگے حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرو...... تمہاری ہنسی کو تو ہم واپس نہیں لاسکتے مگر تمہارا اجڑا گھر آباد کرسکتے ہیں۔ ایک ہی جواب ہوتا اس جیسی کہاں ہوگی؟ آخر والدہ کے آگے سرِ تسلیم خم کیا اور اب دلہن کی تلاش شروع ہوگئی کہ پختہ ذہن کی مالک ہو جو میاں کے ساتھ، ساتھ بچوں کو بھی اپنائے۔ تلاشِ بسیار کے بعد نظرِ انتخاب پڑی تو اسی کولیگ پر جن سے سب واقف تھے پہلے تو اس نے بدک کر انکار کیا کہ یہ کیسے ممکن ہے؟ میری تو وہ بہن تھیں آخر بہت زیادہ سمجھانے بجھانے پر راضی ہوئیں اور انتہائی سادگی سے نکاح کے دو بول پڑھا کر ڈاکٹر صاحب نے ان کو اپنی زندگی میں شامل کرلیا۔ مذاق میں کہی گئی بات سچ ثابت ہوگئی۔
گزشتہ دنوں شادی میں ان سے ملاقات ہوئی، اچھی خوش اخلاق خاتون ہیں، میری بھابی کی بھابی ہیں...... سب ان سے بہت خوش ہیں۔
از: فریدہ افتخار، اسلام آباد

ساتھ اسکول جائیں گی اور پولیس اور گورنمنٹ افسران کی موجودگی میں اسکول کو باس کے ناجائز قبضے سے خالی کروا دیا جائے گا...... اور پھر یہی ہوا...... دوسرا پورا دن اس نیوز چینل میں بس یہی سب دھما چوکڑی دکھائی جاتی رہی اور کیونکہ یہ قدم صرف اسی نیوز چینل نے اٹھایا تھا تو سارا دن بریکنگ نیوز بنا کر نیوز چینل اپنا بھی پرچار کرتا رہا...... خیر اسکول میں گورنمنٹ افسران، پولیس اور نیوز چینل کے کیمرا مین خاتون کمپیئر کے ساتھ مزدوروں کی ایک ٹولی بھی تھی جس نے ایک، ایک بند کمرے پر پڑے تالے کو سب کے سامنے توڑ کر سامان اسکول سے باہر نکال، نکال کر پھینک دیا...... ایسے میں جو کرایہ دار تھے وہ ڈر کے مارے سامنے نہیں آرہے تھے اور کیمرا بھی دکھا رہا تھا کہ سپر اسٹور کا مال جو باہر پھینکا جا رہا تھا اس کو اچکے اٹھا، اٹھا چلتے بن رہے تھے میں جو رات تک عجیب کشمکش میں تھی اب خوشی سے پھولی نہیں سما رہی تھی...... اور دل ہی دل میں ایک طرح کی فتح محسوس کر کے خود میں بڑی مگن تھی۔

رات کافی دیر کے بعد میرے پاس انہی خاتون کا فون آگیا۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ آیا میں نے سب کچھ دیکھا یا نہیں اور یہ بتایا کہ پرنسپل نے ان کو میرے بارے میں بتایا تھا اور فون نمبر بھی دیا تھا...... ساتھ میں انہوں نے مجھے کافی سراہا کہ میں ایک عورت ہو کر بھی اس طرح باس جیسے لوگوں سے لڑ پڑی تھی اور یہ بھی کہ اسکول پر کچھ مہینوں کے لیے پولیس خاص طور پر نظر رکھے گی کہ باس دوبارہ نہیں آسکے۔

"اور اگر آ بھی گیا تو ہم پھر اس کو نکال باہر کر دیں گے......" میں نے بھی اب کی بار خاتون کو شاباشی دی کہ انہوں نے اس طرح ویڈیو پر نظر کی اور ان کی ذرا سی توجہ سے اسکول کا بھلا ہو گیا...... ہم دونوں ایک دوسرے کی خوشی، خوشی ڈھیر ساری تعریف کرتے رہے اور یوں آخر کار دونوں طرف سے فون بند کر دیا گیا۔

دوسری صبح میرے پاس پرنسپل کا فون آگیا کہ اب بھی اسکول ٹیچر نہیں ہے اور اسکول میں بدستور ٹیچر کی اشد ضرورت ہے تو اگر میں اسکول کی مدد کر سکوں اور اپنا کچھ وقت اسکول میں بچوں کی کلاسز لے لوں تو میں بھی خوشی، خوشی راضی ہو گئی۔

اس کے دو دن بعد جب میں اسکول گئی تو دل میں بہت فخر محسوس کر رہی تھی اور دل کافی مطمئن تھا۔ اسکول جاتے کے ساتھ ہی میں پرنسپل کے آفس پہنچ گئی...... انہوں نے مجھے پہلے تو گرم جوشی سے گلے لگایا اور پھر چائے ان کے ساتھ پی کر ہی کلاس میں جانے کا کہا...... میں ان کی پوری روداد بڑے انہماک سے سن رہی تھی۔

"ہاں یاد رہے کہ آپ صالحہ کو ایک دو دن ذرا زبردست قسم کی سزا دیں گی......" وہ مجھ سے پوری بات ختم کر کے پھر یہ جملہ بولیں۔

"صالحہ کو......؟ مگر کیوں......؟" میں حیران ہو گئی۔

"ارے اسکول میں بچوں کا موبائل لانا منع ہے ناں...... پھر بھی وہ اس دن موبائل لے کر آئی تھی اور باقاعدہ دھڑلے سے مووی بھی بنائی تھی...... لہٰذا آپ اسے ذرا سخت سی سزا دے دیجیے گا تاکہ دوسروں کو بھی سبق مل سکے۔"

میں سر ہلاتی خاموش ہو گئی...... پھر اچانک مجھے کچھ خیال آیا۔

"صالحہ تو اتنی غریب سی بچی ہے اس کے پاس مووی بنانے والا موبائل کہاں سے آیا اور مجھے تو یقین نہیں آرہا کہ وہ مووی اس نے ہی فیس بک پر ڈالی تھی؟" میں نے پرنسپل سے چونک کر پوچھا۔

پرنسپل اب زیر لب مسکرانے لگیں...... اور مجھے کچھ شک سا ہونے لگا...... پھر وہ مسکراتی ہوئی گویا ہوئیں۔

"بھئی میں کیا کہہ سکتی ہوں میرے تو چھوٹے، چھوٹے بچے ہیں...... آپ تو جانتی ہی ہیں میں ان سب باتوں سے کتنا دور بھاگتی ہوں۔"

میں پہلے تو ان کی بات سمجھنے کے لیے چپ ہو گئی پھر اچانک ہم دونوں نے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھا اور دونوں ہی کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

کنگن کے ٹکڑے

شیریں حیدر

ولیمہ میری نند کے بیٹے کا تھا۔ تھوڑی ہی دیر پہلے تک تو میں مسکرا، مسکرا کر لوگوں سے مبارک بادیں اور تعریفیں سمیٹ رہی تھی کہ لال ساڑی میں میرا دراز سراپا زیادہ ہی نمایاں نظر آ رہا تھا۔ میں اسٹیج کے قریب جاتی تو ہلکے رنگ کے لباس میں ملبوس دلہن بھی میرے سامنے ماند پڑنے لگتی، تبھی میں نے داخلی راستے سے اپنے بھائی فہیم اور اس کے ساتھ اس کی بیوی روبی کو آتے دیکھا تو ان کے استقبال کو لپکی، بڑی گرم جوشی



سے میں ان کی طرف بڑھی، ان کا استقبال کیا اور انہیں اسٹیج کی طرف لے چلی کہ ان کی تصویر دولہا اور دلہن کے ساتھ بن جائے...... اسٹیج کے قریب پہنچ کر روبی نے اپنے بالوں کی ایک شریر لٹ کو کان کے پیچھے اڑسا اور اسے ایسا کرتے دیکھ کر میرے چہرے پر ایک تاریک سایہ لہرایا، میں خود بھی اس وقت کیمروں کی زد پر تھی اور پوری کوشش کی کہ چہرے کی لو ماند پڑتی کسی اور کی نظر میں نہ آئے مگر کیا کرتی......؟

روبی کے ہاتھ میں اماں مرحومہ کے دس، دس تولے کے دو کنگن دیکھ کر میرے دل کی کئی دھڑکنیں تھم گئیں...... یہ وہی کنگن تھے جن پر میری اور سارہ دونوں کی نظر تھی مگر اللہ اماں کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے کہ جب ان کی طبیعت زیادہ ناساز ہوئی تو انہوں نے ہم دونوں بہنوں کو بلالیا اور فہیم کے سامنے انہوں نے ہم دونوں بہنوں سے کہا۔ ''یہ میرا سارا زیور ہے بیٹا، میری عمر بھر کی جمع پونجی، تمہارے ابا کے مرنے کے بعد میں نے اسے سینت، سینت کر رکھا یہی سوچ کر کہ جانے عمر کے کس حصے میں مجھے اس کی ضرورت پڑ جائے، مجھے علم ہے کہ فہیم نے اپنے فرائض اچھی طرح نبھائے اور دونوں بہنوں کو مقدور بھر جہیز بھی دیا مگر مہنگائی کے اس زمانے میں زیادہ زیور نہ دے سکا۔ اس وقت بھی میں نے سوچا تھا کہ تم لوگوں کو یہ سارا زیور برابر بانٹ دوں مگر پھر دل ہی دل میں عدم تحفظ کا شکار ہوگئی اور اسے اپنے پاس ہی رکھ لیا......''

ہم سب اماں کی باتوں کو سنتے ہوئے کوئی نتیجہ نکالنے کی کوشش کر رہے تھے کہ اماں وہ ساری تمہید کس لیے باندھ رہی تھیں...... جبھی روبی چائے کے ساتھ لوازمات لے کر آئی تو اماں نے اسے بھی بیٹھ جانے کو کہا۔

''تم بھی سارہ اور عمارہ جیسی ہی ہو بیٹا!'' روبی ہچکچاتے ہوئے بیٹھ گئی۔ کچھ چھوٹی ہونے کے باعث اور کچھ ہم بہنوں کے تنقیدی رویے کی وجہ سے وہ یونہی دبی، دبی دبی سی رہتی تھی اور جب ہم دونوں میکے آئی ہوتیں تو وہ خود کو زیادہ تر باورچی خانے تک ہی محدود کرلیتی۔

''بیٹھ جاؤ...... آج اماں کا کچھ سخاوت کا موڈ لگ رہا ہے، شاید تمہیں بھی کچھ نصیب ہوجائے!'' فہیم نے اپنے لہجے کو بشاش رکھنے کی کوشش کی مگر اس کے انداز میں چھپا طنز ہم دونوں کو محسوس ہوا تھا۔ سارہ چھوٹی ہونے کے باعث اتنے دھڑلے سے بات نہیں کرتی تھی جس طرح میں کرلیتی تھی، کچھ سارہ کی طبیعت تھی بھی مصالحت پسند میں اسے روبی کو انگوٹھے تلے دبا کر رکھنے کا مشورہ دیتی تو اس کی ہمدردی کی رگ پھڑک اٹھتی۔

''ایک ہی ایک بھائی ہے ہمارا آپی اور اسی کے دم سے ہمارا میکا ہے...... پھر روبی اتنی اچھی ہے، اماں کا خیال رکھتی ہے، اسے ہم کیوں دبا کر رکھیں، ہماری نندیں یوں ہم پر رعب ڈالیں تو ہمیں اچھا لگے گا؟'' وہ کہتی۔

''ایک تو اماں کا دماغ بھی جانے کس نوعیت کا ہے...... میں اپنے گھر میں بڑی تھی تو انہیں سوچنا چاہیے تھا کہ میری تربیت میں دبدبہ اور اپنے بڑے ہونے کا احساس کتنا مضبوط ہے کہ میرے لیے کسی کے ماتحت رہنا آسان نہیں ہے...... لے کے مجھے گھر کی چھوٹی بہو بنادیا اور تمہیں چھوٹی ہونے کے باوجود گھر کی بڑی بہو!'' سارہ ہنس دیتی اور مذاق سے مجھے کہتی کہ ہم دونوں اپنی پوزیشن بدل لیتی ہیں، اس مذاق پر میں اسے ایک جھانپڑ دیتی مگر جانتی تھی کہ وہ تو کیا، کوئی بھی میرے مسئلے کو نہیں سمجھ سکتا تھا۔

ہاں تو میں آپ کو بتا رہی تھی کہ اماں کیا کہہ رہی تھیں......

''روبی بیٹا، یہ وہ انگوٹھی ہے جو میری ساس نے مجھے منہ دکھائی میں دی تھی، یہ میں بھی تمہیں منہ دکھائی میں دینا چاہتی تھی مگر اس وقت یہ......'' اماں بولتے بولتے رکیں، ہم دونوں کی طرف دیکھا اور...... ''اس وقت یہ مجھے ملی ہی نہیں، جانے کہاں رکھ بیٹھی تھی!'' اماں کو بہانہ سوجھ گیا اور شکر ہے کہ ہمارا...... بلکہ میرا بھرم رہ گیا۔

ہماری شادیوں سے فارغ ہوتے ہی اماں نے فہیم کے لیے لڑکیاں دیکھنا شروع کردی تھیں، وہ کوئی گوہرِ نایاب ڈھونڈنے میں مصروف تھیں، ہمیں بھی اپنی

تلاش سے بے خبر رکھتیں۔ پہلی بار وہ ہمیں رباب کے گھر لے کر گئیں، اس سے پہلے ظاہر ہے کہ وہ فہیم کو بھی دکھا چکی تھیں اور خود بھی مطمئن تھیں اسی لیے ہم دونوں کو ساتھ لے کر گئیں کہ ہم بھی لڑکی ''پسند'' کرلیں جو کہ دل ہی دل میں وہ پہلے سے پسند کر چکی تھیں۔ فہیم بھی ہمیں مطمئن نظر آتا تھا اور یہی اطمینان مجھے خطرے کی گھنٹی لگا جسے اماں محسوس نہ کر پائیں۔ میں نے سارہ کو اپنا ہم خیال بنانا چاہا تو اس کا جواب الٹا تھا کہ فہیم خوش تھا تو اچھا تھا کہ اماں کو سکون ہوگا جب بیٹا اور بہو آپس میں خوش ہوں گے، جس بات کا خوف مجھے تھا اسے سارہ اپنی کم عقلی کے باعث سوچ بھی نہیں پا رہی تھی۔

میں جانتی تھی کہ من چاہی بیویاں اپنے شوہروں کو کس طرح ان کے گھر والوں سے جدا کر دیتی ہیں۔

''ایک ہم دونوں ہیں کہ بھری پری سسرالوں میں، چاؤ چونچلے تو کیا، دن بھر شوہروں سے بات کرنے کو دل ترستا ہے اور ایک یہ ہوگی کہ بے ضرر اور چاؤ چونچلے کرنے والی ساس، نہ کوئی دیور نہ سسر نہ کنواری نندیں، ان کے لیے دن عید ہوگا اور رات شب برات......'' میں نے چڑ کر کہا۔

''کچھ جلنے کی بو آ رہی ہے آپی!'' سارہ نے ہنس کر کہا تھا۔

''شرم کرو......'' وہ کوشش کے باوجود میرے جھانپڑ سے نہ بچ سکی۔

بات کہاں کر رہی ہوتی ہوں اور کہاں جا نکلتی ہے...... ہاں تو میں بتا رہی تھی کہ اماں نے وہ انگوٹھی روبی کو دی، اس انگوٹھی میں بیس چھوٹے ہیرے تھے اور ان کے درمیان میں ایک خوب صورت یاقوت جڑا تھا۔ روبی نے شکریہ کہہ کر وہ انگوٹھی اپنے بائیں ہاتھ کی انگلی میں پہنی، اسے وہ انگوٹھی کتنی بچی تھی، میں سوچ رہی تھی اور سارہ نے فوراً کہہ بھی دیا، مجبوراً میں نے اس کی تائید کی حالانکہ میں ایسے خیالات نہیں رکھتی کہ بھابیوں کی تعریف وغیرہ کی جائے، نہ ہی میرے سسرالیوں میں سے کوئی میری تعریف کرتا ہے خواہ میں پری بن جاؤں...... بلاشبہ وہ ایک خوب صورت انگوٹھی تھی اور قیمتی بھی......

''اس کے علاوہ جو کچھ میرے پاس ہے وہ ان دو ڈبوں میں میں نے برابر تقسیم کر دیا ہے اور تم دونوں کو بند ڈبوں میں سے ایک، ایک پکڑا رہی ہوں، جس کے نصیب میں جو بھی ہو۔'' اماں نے وہ دونوں لال ڈبے ہم دونوں کی طرف بڑھائے۔ ''اصولاً تو مجھے تم دونوں کو اس کا نصف دینا چاہیے جتنا میں فہیم، یعنی اس کی بیوی کو دیتی مگر میں نے تحفہ دیتے وقت اپنے اختیار کو استعمال کیا ہے اور تم دونوں کو بیس، بیس تولے کا زیور دیا ہے اور اتنا ہی روبی کو دے رہی ہوں، اماں نے اپنے ہاتھ سے اپنے دونوں کڑے اتار کر اپنے ہاتھوں سے روبی کو پہنائے، میرے تو تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اتنے خوب صورت اور بھاری، ٹھوس سونے کے کڑے اس غیر عورت کو دیتے وقت اماں کو اپنے پیٹ کی جنی ہوئی بیٹیاں سوتیلی لگی تھیں؟ میری سوچ نے میرے دماغ پر اس قدر قابو پالیا کہ میں نے اپنے والا ڈبا واپس اماں کو لوٹایا۔

''یہ بھی روبی کو دے دیتیں اماں، ہم تو اپنے جہیز کا زیور لے کر اس گھر سے چلی گئیں، یوں بھی جو کچھ آپ روبی کو دیں گی وہ تو اسی گھر میں رہے گا ناں!'' میں نے کئی برس پہلے کے کہے ہوئے اماں کے الفاظ دہرائے تو اماں نے چونک کر مجھے دیکھا، میری نظروں کے سامنے ماضی کا وہ وقت آ گیا۔

''ذرا مشورہ تو دو مجھے تم دونوں بہنیں کہ اس میں سے کیا، کیا روبی کو شادی پر پہناؤں؟'' روبی کی بری دکھاتے ہوئے اماں نے اپنے زیورات کا ڈبا ہم دونوں بہنوں کے سامنے رکھا تھا۔

''واؤ اماں!'' سارہ نے ایک چوکر اٹھا کر اپنے گلے کے ساتھ لگایا۔ ''کس قدر خوب صورت ہے...... اس کے موتی تبدیل کروالیں اماں اور فیروزے کی جگہ زمرد لگوا کر یہ اسے ولیمے کے سبز سوٹ کے ساتھ پہنا لیں اور ساتھ یہ بارہ چوڑیاں!''

''رہنے دو تم اپنے قیمتی مشورے اپنے پاس......''

میری امی جی ....یاسمین کنول، پسرور

دسمبر کی چھٹیوں میں اچانک امی جی کا پروگرام لاہور والی بہن کے ہاں جانے کا بن گیا اور چھ جنوری 2016ء کو واپسی ہوئی۔ بچوں کے ساتھ پارکوں کی سیر کی، شاہی قلعہ، بادشاہی مسجد اور ان کے قریب عمارتوں کے نظارے بھی کیے۔ گھریلو کام کاج بھی کیے گاجر کی کھیر بھی بنائی اور لاہور میں موجود دوست احباب سے مسلسل ملاقات بھی جاری رکھی۔ واپسی پر واش روم میں گرنے کی وجہ سے کولہے کا ماس پھٹ گیا جس کی وجہ سے چلنے پھرنے میں شدید نوعیت کی دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ وہ وقت تھا جب ان کو جذباتی سہارے کی ضرورت تھی علاج معالجے کے علاوہ اچھی خوراک کی بھی ضرورت تھی۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے میرے ذہن میں ڈالا اور میں صبح سویرے نماز، قرآن کے فوراً بعد ان کی خدمت میں حاضری دینے لگی۔ میں جون 2015ء سے بلاناغہ صبح صبح امی جی کے پاس جاتی کھلاتی، پلاتی، باتیں کرتی اخبار کی چند اچھی سرخیاں پڑھ کر سناتی اور چلی آتی۔ آدھا گھنٹہ ان کے لیے مختص تھا...... ان کو ہر روز تسلی دیتی، ہر روز امید دلاتی...... وہ خود بھی اسٹک کے سہارے چلنے کی کوشش کرتیں اور خود واش روم سہارے سے آتی جاتیں، وضو کرتیں، نمازیں کرسی پر بیٹھ کر پڑھتیں۔ چھوٹی بھابی اور بھائی ان کا بے حد خیال رکھتے جبکہ ان کی تین عدد بھابیاں ان کو مسلسل نظر انداز کرتیں جنھیں بڑے چاؤ سے وہ اپنے تین کبرو جوان بیٹوں کے لیے بیاہ کر لائی تھیں۔ میں ان کے لیے موسم کا فروٹ، شہد اور دہی شکر ڈال کر لے جاتی تو بے حد خوش ہوتیں۔ کبھی کبھی مجھے ایسا لگتا جیسے وہ میرا انتظار کررہی ہوں۔ مجھے بھی ایک روحانی خوشی ملتی وہ آہستہ آہستہ کھاتیں، میں قریب بیٹھ کر اخبار پڑھتی بس سرسری سی اور کبھی کبھار کوئی اچھی خبر نہیں سناتی، اپنے شہر کی اگر کوئی خبر ہوتی تو ضرور سناتی۔ کبھی وہ تبصرہ کرتیں اور کبھی خاموشی اختیار کرتیں...... دوائیں، دعائیں...... توجہ اور خوراک سے امی جی چلنے پھرنے کے قابل ہو گئیں اور مجھے کہنے لگیں پانچ سو روپے کے دس، دس والے نوٹ لاؤں تاکہ تمام پوتے، پوتیوں میں تقسیم کرسکوں۔ اتفاق سے میں نے فوراً مہیا کردیے بڑی خوش ہوئیں۔ امام صاحب کے دربار پر گئیں اور ایک دن چلتے چلتے میرے گھر آگئیں۔ امی جی کا گھر امام صاحب کے شروع میں ہے جبکہ میرا اختتام پر...... وہ بڑا ہی پرمسرت دن تھا جب میری

میں نے اس سے دونوں چیزیں جھپٹیں۔ ”بہوؤں کو اتنا سر چڑھانے کی کیا ضرورت ہے، زیادہ دینے دلانے کی ضرورت نہیں، ہمیں کیا دیا فہیم نے ہماری شادی پر، پانچ، پانچ تولے کے سیٹ...... چوڑیاں تک نہ تھیں۔“ میں نے اپنے لہجے میں شکوہ ہی شکوہ گھولا تھا۔

”اچھا یوں کرو کہ یہ بارہ چوڑیاں تم دونوں بہنیں بانٹ لو......“ اماں نے سخاوت کا مظاہرہ کیا۔ ”باقی سب کچھ میں روبی کو دے دیتی ہوں۔“

”آپ ہمارے وہ پانچ، پانچ تولے کے زیورات بھی واپس لے لیں اور وہ بھی ساتھ ہی شامل کرلیں۔“

”بیٹا...... کیا ہو گیا ہے تمہیں، ایک ہی ایک میری بہو ہے، یہ سب کچھ اسی کا تو ہے، اور جو کچھ بہو کو دیا جاتا ہے وہ اسی گھر میں تو رہتا ہے، وہ کون سا اپنے پچھلوں کو دے آئے گی، میں چاہتی تو اس وقت تم لوگوں کے لیے یہ زیور نکال کر استعمال کرلیتی مگر تم نے ہی مجھے ہمیشہ اس بات سے ڈرایا کہ بہو آتی ہے تو بیٹا پرایا ہو جاتا ہے......“

مجھے احساس عدم تحفظ تھا کہ اگر میرا زیور بھی میرے پاس رہتا تو...... اور یوں بھی فہیم نے قرضے لے لے کر اور اپنی سکت سے بڑھ کر تم لوگوں کی شادیوں پر خرچ کیا ہے، اس بات پر مجھے کوئی گلہ نہیں ہے اس سے۔“ اماں تو اپنی بہو کے اس گھر میں آنے سے قبل ہی اس کی محبت میں گوڈے، گوڈے دھنسی جارہی تھیں۔

”یہ زیور آپ کے بڑھاپے کا سہارا ہے اماں، اسے آپ سنبھال کر رکھیں......“ میں نے اماں کے سارے زیورات کو دوبارہ سمیٹا اور ان کے حوالے کیا۔ ”جب تک آپ ہیں اسے اسی طرح رہنے دیں، جانے کب انسان پر برا وقت آجائے۔“ میں نے اماں کو نصیحت کی اور ان کے بیٹے کے بجائے ان کے اس مادی سامان کو ان کے بڑھاپے کا سہارا قرار دیا۔

”کیا برا وقت آجائے گا آپی؟“ سارہ نے منہ بسورا۔ ”اچھا خاصا اماں ہمیں چھ، چھ چوڑیاں دے رہی تھیں، کیا فرق پڑتا ہے اگر وہ فہیم کی بیوی کو بھی اس میں سے کچھ زیور دے دیں، اب اس عمر میں اماں یہ سب کچھ خود تو پہننے سے رہیں۔“ سارہ نے ہاتھ میں

امی جنوری کے آخری ہفتے شام کے وقت میرے دروازے پر کھڑی تھیں اور میں کبھی ان کو اور کبھی اپنے غریب خانے کو دیکھ رہی تھی۔ پورے چالیس دنوں بعد امی جی میرے گھر تشریف لائی تھیں۔ میں خوشی سے اڑی جا رہی تھی۔ میرے پاؤں زمین پر نہ ٹکتے تھے۔ دو چار دن امی جی آتی جاتی رہیں تو چھوٹے بھائی نے سوچا امی جی اب چلنے پھرنے کے قابل ہو گئی ہیں، ان کا مکمل چیک اپ کرایا جائے چنانچہ سیالکوٹ کے ایک اسپتال میں ان کے ٹیسٹ ہوئے اب ان میں سے ٹائیفائیڈ کے جراثیم ختم ہو چکے تھے جس کی وجہ سے ان کی صحت خراب ہوئی تھی جبکہ دل کے دو وال لیک پائے گئے اور سانس کی نالی بھی سکڑتی پائی گئی، خون کی شدید کمی اور خون گاڑھا ہوتا پایا گیا ہے۔ علاج شروع ہوا امی جی باقاعدگی سے دوائی کھانے لگیں۔ 5 فروری کو چھوٹے بھائی نے انہیں اپنا تازہ خون دیا اور اگلے مہینے پھر خون لگنا تھا کہ امی جی چلتی پھرتی کسی کی محتاج ہوئے بغیر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملیں۔ 20 فروری کا دن ہماری امی کو اپنی آغوش میں لے کر چاند تاروں کے پار لے گیا...... سوچتی ہوں تو کتنی باتیں یاد آتی ہیں۔ مائیں تو سب کی اچھی ہوتی ہیں مگر ان جیسی ماں کسی، کسی ...... کے نصیب میں آتی ہے۔ بیوگی کے بیس سال انہوں نے صبر و استقلال سے گزارے۔ سب بچوں کی شادیاں کیں اور ان سب کی اولادوں کی خوشی دیکھی سب کو اللہ نے صاحب اولاد کیا۔ امی جی ملنسار، اخلاق کا مجسمہ، عفو و درگزر کی مورت، صبر و برداشت کا پیکر، امی جی اکثر دھوپ میں بیٹھ کر مجھ سے دنیا جہاں کی باتیں کرتیں، وہ کمزور اور ناتواں تھیں مگر ان کے حوصلے بلند تھے۔ جس کام کا ارادہ کر لیتیں پورا کر کے چھوڑتیں۔ چھوٹی بہن کی ڈیڑھ ماہ کی بچی کے موزے ٹوپی جرسی سوئیٹر سب اپنے ہاتھ سے بنائے اور کہنے لگیں کبھی یاد کرے گی۔ ہم انہیں بھولیں گے کب؟ چھوٹے بھائی نے انہیں پہلے عمرہ اور بعد ازاں حج کروایا خوش تھیں کہ تمام بچوں کی شادیاں ہو گئیں اور سب صاحب اولاد ہیں۔ وہ سب کا خیال رکھتے، رکھتے دنیا سے رخصت ہو گئیں... اے میری ماں میں تجھے کہاں تلاش کروں پتا نہیں کہاں چلی گئی...... نظر ہی نہیں آ رہی دل کہتا ہے یہیں ہو مگر آنکھ کچھ نہیں دکھاتی اے میری ماں تو جہاں بھی رہے خوش رہے ایسے ہی جیسے تو ہم سب کو خوش رکھتی تھی اور اللہ تجھے خوش رکھے تجھ پر اللہ رحمت کا سایہ فگن رکھے، آمین ثم آمین۔

پکڑی ہوئی چیزیں چھننے پر بے دلی سے کہا۔

”برا وقت...... تم کیا جانو پیاری، بہوئیں کیا، کیا نہیں کرتیں اپنی ساسوں کے ساتھ!“ میں نے اماں کو ڈرایا۔ ”ان کے ساتھ مل کر تو بیٹے بھی پرائے بن جاتے ہیں، انہیں وہ سب کچھ ٹھیک لگتا ہے جو ان کی بیویاں کرتی ہیں۔ کل کلاں کو وہ اگر اماں کو گھر سے نکال باہر کریں تو؟“

”اللہ نہ کرے آپی......“ سارہ نے فوراً کہا۔

”یہ گھر اماں کا ہے، کوئی اماں کو یہاں سے کیوں باہر نکالے گا؟“

”اور ہاں اماں...... بھولے سے بھی کبھی اس گھر کے کاغذات فہیم کے حوالے نہ کرنا...... سو بہانوں سے بیٹے اپنے والدین سے گھروں کی ملکیت کے کاغذات ہتھیا لیتے ہیں۔“ میرے کھینچے گئے خوفناک مستقبل کے نقشوں کی وجہ سے اماں ہولے، ہولے لرز رہی تھیں، مجھے یقین ہے کہ وہ دل ہی دل میں سوچ رہی ہوں گی کہ وہ اب بھی فہیم کی شادی ملتوی کر دیں اور یہ التوا

ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے ہو۔ ”بس اماں یہ ایک چھوٹا سیٹ اصل سونے کا رکھ لیں۔“ میں نے اماں کے زیورات میں سے ایک پینڈو سا سیٹ نکالا جو اماں شاید اپنی کام والی کو بھی دیتیں تو وہ منہ بناتی، مجھے وہی سیٹ سب سے ہلکا دکھا تھا اور ایسی چیز دیں تو بہوؤں کو اپنی اوقات کا علم پہلے دن سے ہو جاتا ہے۔

”یہ تو بہت فضول سا سیٹ ہے......!“ سارہ نے اپنی رائے بے مانگے دے دی۔

”ہاں بیٹا، یہ تو مجھے تمہارے ابا کی دادی نے منہ دکھائی میں دیا تھا، کم از کم بھی سو سال پرانا سیٹ ہو گا، میں نے تو کبھی اسے اپنے بدن سے چھوایا تک نہیں، مجھے خود پسند نہیں ہے یہ سیٹ اور پھر ہلکا بھی کتنا ہے۔“ اماں ہولے سے بڑبڑائیں۔

”سو سال پرانا سیٹ اماں...... اسے پرانا نہیں بلکہ اینٹیک کہتے ہیں اماں اور اسے کسی ڈیزائنر کو دکھائیں تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹ جائیں۔ پھر آپ

کہہ رہی ہیں کہ یہ بھی ان چھوا!'' میں نے اماں کو سمجھانے کی کوشش کی تو اماں کچھ متاثر دکھائی نہ دیں۔

''ایسا کیوں نہ کریں آپی کہ یہ اینٹیک سیٹ اماں آپ کی بڑی بیٹی کو اس کی شادی پر تحفے میں دے دیں، اماں کو تو علم نہیں مگر حنا (میری بیٹی) کو تو اس کی قدر ہوگی ناں!'' سارہ نے فضول سی بات کی۔

''تم تو اپنی بکواس بند ہی رکھو، کوئی نہ کوئی فضول بات کر دیتی ہو، حنا ابھی صرف بارہ برس کی ہے اور اس کی شادی کا وقت آنے تک تو...... (میں کہتے کہتے رک گئی کہ جانے اماں زندہ ہوں یا نہ ہوں) اس وقت تک تو چیزیں جانے کتنی مختلف ہو چکی ہوں گی، بچیاں زیورات پہننا چاہیں گی بھی کہ نہیں!'' میں نے بودی سی دلیل دی تھی۔ بہر حال کافی دیر کی بے مقصد بحث کے بعد فیصلہ ہوا کہ روبی کو سونے کے تین تولے کے دو کڑے بنوا کر اس کے بیچ میں بارہ چوڑیاں جو کہ مصنوعی ہوں گی، ذرا واہ، واہ ہو جائے گی شادی کے موقع پر، اور بعد ازاں صرف روبی کو بتا دیا جائے گا کہ وہ مصنوعی تھیں، اسی طرح وہ ''اینٹیک سیٹ'' تڑوا کر اس میں تھوڑی سی اور رقم ڈال کر تین تولے تک کا ایک سیٹ بنوا لیا جائے جو وہ بعد میں بھی کسی موقع پر پہن سکے گی جب کہ ولیمے کے دن کے لیے کوئی ایسا سیٹ لے لیا جائے جو کہ بنا ہوا تو چاندی کا ہو مگر اس پر سونے کا پانی چڑھا ہوا ہو۔

بات پھر کہاں سے کہاں نکل جاتی ہے، ہاں تو میں بتا رہی تھی کہ......

''ارے نہیں اماں، مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں، آپ مجھے کچھ بھی نہ دیں۔'' روبی نے فوراً اپنی کلائیوں سے کڑے اتارے تھے، میرے دل کو کمینی سی خوشی ہوئی کہ اب یہ کڑے بھی ہم دونوں بہنوں کو مل جائیں گے۔

''کیوں بیٹا؟'' اماں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''میں تمہیں تحفہ دے رہی ہوں اور تم لوٹا رہی ہو، کیا پسند نہیں آیا تمہیں یا تم ان دونوں کے لیے یہ بھی دے رہی ہو؟ میں نے ان دونوں کو بھی تمہارے برابر ہی حصہ دیا ہے......''

''نہیں اماں، بہت خوب صورت کڑے ہیں، آپ خود پہنیں اور مجھے تو علم ہی نہیں تھا کہ آپ کے پاس اتنا زیور رکھا ہوا ہے...... جانے کب سے ہے یہ اور کیا آپ اس پر زکوٰۃ دیتی ہیں؟'' روبی نے انوکھی بات کی تھی۔

''میں نے کون سا یہ زیور خود خریدا ہوا ہے بیٹا، یہ تو میرے ماں باپ اور ساس سسر کی طرف سے ہے اور کچھ ہمارے خاندان کے زیورات جو روایتاً نسل در نسل بڑی بہوؤں کو ملتے چلے آ رہے ہیں۔''

''یعنی آپ کے کہنے کا مطلب ہے کہ یہ سب کچھ آپ کے پاس لگ بھگ پینتیس برس سے ہے؟'' روبی نے شاید میری عمر سے حساب لگایا تھا کہ اماں کی شادی کو پینتیس برس ہوئے ہوں گے۔

''چالیس برس بیٹا!'' اماں نے اس کی تصیح کی۔ ''اڑتیس کی تو عمارہ ہو گئی ہے، شادی کے دو سال کے بعد پیدا ہوئی تھی۔'' اماں کو جانے کیا ضرورت تھی فوری تصدیق کی، اگر وہ مجھے چونتیس کا سمجھ رہی تو...... سارہ کو ہنسی آ گئی اور میں نے اسے گھوری ماری۔

''ابا کی زندگی تک تو آپ زکوٰۃ دیتی رہی ہوں گی ناں اماں؟'' روبی نے پوچھا۔ ''کتنے برس ہو گئے ہیں ابا کو فوت ہوئے نہیں؟''

''ارے بیٹا، ہمارے ہاں تو غریبوں کا بہت خیال کیا جاتا تھا اور میرے ساس سسر، اللہ بخشے دونوں بہت دیا لو تھے......''

''آپ نے کبھی اپنے پاس موجود اس تمام زیور کو وزن کروا کر اس حساب سے زکوٰۃ کا تخمینہ لگوایا اماں؟'' روبی نے پھر سوال داغا۔

''نہیں بھئی، ہمارے گھر سے تو بے حساب دیا جاتا تھا، یہ وزن اور حساب کر کے دینا تو آج کل کے چونچلے ہیں، کھانا، کپڑا لتا، پیسے اور اناج...... سب کچھ ان گنت اور بے حساب دیا جاتا تھا ضرورت مندوں کو، اسے صدقہ کہہ لو، خیرات یا زکوٰۃ!''

''اماں یہ چونچلے نہیں، زکوٰۃ تو فرض ہے ناں۔''

"زیادہ ملائی نہ بنو روبی...... ہماری اماں کا ہاتھ بھی کافی کھلا ہے، وہ بھی بہت دیتی دلاتی ہیں، جو پڑھی لکھی ہوتیں تو گن گن کر دیتیں، یہ سب زکوٰۃ ہی تو ہے۔" میں نے فوراً مداخلت کر کے اماں کا دفاع کیا۔

"تم کیوں یہ زیور واپس کر رہی ہو عمارہ آپی؟" فہیم اس سارے قصے میں پہلی بار بولا تھا۔

"اماں کا زیور ہے، اپنے پاس رکھیں......" میں نے بات بنائی۔

"اماں نے کون سا ان زیورات کو پہننا ہے اب!" اس نے کہا۔ "اماں اپنے ہاتھوں سے آپ دونوں کو...... بلکہ تینوں کو تحفتاً دے رہی ہیں تو اسے قبول کر لو! اماں اپنی مرضی سے آپ تینوں کو لگ بھگ بیس، بیس تولے دے رہی ہیں جبکہ اماں کے بعد وراثت میں تو آپ کو ساڑھے پندرہ تولے ملتا اور مجھے یعنی روبی کو تیس تولے!" فہیم دور کی کوڑی لایا تھا۔

"مجھے کوئی شوق ہے نہ ضرورت، میری طرف سے چاہے تم یہ بھی رکھ لو۔" میں نے تلملا کر کہا۔

"صرف بتا رہا ہوں آپ کو آپی، مجھے لگا کہ آپ کو اپنے حصے کے زیورات پا کر کوئی خوشی نہیں ہوئی، بلکہ......"

وہ رک گیا اور میں نے اس سے اس بلکہ کی وضاحت بھی نہ مانگی کہ کہیں وہ حقیقت ہی نہ بیان کر دے۔

"بہت شکریہ اماں!" سارہ نے جھٹ کئی بوسے اماں کے گالوں کے لیے اور مجبوراً مجھے بھی ایسا ہی کرنا پڑا۔

"آپ کے پیار کا بہت شکریہ اماں!" روبی نے ہم دونوں کی تائید کی۔ "لیکن میں یہ کنگن نہیں لے سکتی، میں یہ انگوٹھی رکھ سکتی ہوں، یہ مجھے ہر زیور سے بڑھ کر پیاری ہوگی۔" اس نے دونوں کنگن فہیم کو پکڑائے۔ "یہ دونوں کنگن بیچ کر آپ اماں کے ان سب زیورات کی زکوٰۃ ادا کر دیں، میرا اندازہ ہے کہ اس سے کچھ اوپر ہی حساب بنتا ہوگا مگر باقی ہم کسی نہ کسی طرح نقد میں دے دیں گے۔"

"ارے نہیں...... یہ میرے خاندانی کنگن ہیں اور اتنے بھاری!" اماں نے فوراً احتجاج کیا۔ "کیا میری زکوٰۃ اتنی زیادہ ہے، غضب خدا کا، بیس تولے کے کنگن زکوٰۃ میں دے دو، تو میرے پاس رہا ہی کیا؟"

"رہا تو آپ کے پاس اب ویسے بھی کچھ نہیں اماں، آپ نے تو سب کچھ اپنے ہاتھوں اور اپنی خوشی سے ہمیں دے دیا، اب ہم اس کا جو بھی مصرف کریں۔" روبی نے تاویل دی۔

"اس لیے تو نہیں دیا کہ سارا اس طرح ضائع کر دو...... تمہاری کلائیوں میں سجانے کو دیے ہیں بیٹا!" اماں نے تلخی لہجے میں کہا، میرا تو دل چاہا کہ فہیم کے ہاتھوں سے وہ کنگن چھین کر اپنی کلائیوں میں سجا لوں، مجھے اپنے سارے زیور کی خوشی کم اور ان کنگنوں کا روبی کو دیے جانے کا دکھ کہیں زیادہ تھا۔

"اماں...... جو کچھ وہ کرنا چاہ رہی ہے وہ اسی لیے ہے کہ آپ پر روزِ قیامت اس کا بوجھ نہ ہو، جو زکوٰۃ نہیں دیتے، ان کا سونا ان کے جسموں پر پگھلا کر ڈالا جائے گا، کیا وہ ٹھیک ہے؟" فہیم کے کہنے پر مجھے بھی جھرجھری سی آ گئی، اماں نے کبھی خود زکوٰۃ نہ دی تھی تو ظاہر ہے کہ ہم بیٹیوں کو کہاں سکھاتیں۔ جب بھی میری ساس پوچھتیں کہ میں نے زکوٰۃ دے دی ہے تو میں آئیں بائیں شائیں کرنے لگتی، میرے پاس کہاں سے اتنی رقم آتی کہ میں زکوٰۃ دیتی، اس پر وہ کہتیں کہ اگر رقم نہیں تو زیورات میں سے ہی کچھ زکوٰۃ میں دے دوں! لو، میرے پاس تھا ہی کتنا جو میں اسی میں سے کانٹ چھانٹ شروع کر دیتی، لے دے کے اٹھارہ تولے!

ہاں تو فہیم نے وہ دونوں کنگن روبی سے لے کر اپنی جیب میں ڈال لیے...... "فہیم لگ بھگ پچاس ساٹھ تولے زیور تو اماں کے پاس چالیس سال سے رہا ہوگا، کبھی کم اور کبھی زیادہ، تو اس پر تقریباً ڈیڑھ تولہ سال کی زکوٰۃ بنتی ہے، یہ کنگن اماں کی لگ بھگ پندرہ سال کی زکوٰۃ کی مد میں چلے جائیں گے، باقی ادائیگی ہم نقد میں آہستہ آہستہ کر دیں گے......"

"ایسا کیوں نہ کریں کہ میں اور آپی بھی اپنے

حصے میں سے پانچ، پانچ تولے اماں کی زکوٰۃ کی مد میں دے دیں اور باقی اگر مزید کچھ بچ جائے تو فہیم تم نقد میں دے دو اور اماں کی ساری زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی!" سارہ نے تجویز دی تو میرا دل چاہا کہ اس کا سر پھوڑ دوں۔

"ہوں......" فہیم نے کہا۔

"نہیں فہیم!" روبی نے فوراً کہا۔ "جیسا میں نے کہا ہے، آپ ویسا ہی کریں۔" روبی کی بروقت مداخلت نے مجھے کچھ بھلا برا کہنے سے بچالیا۔

"آپی کا تو مجھے علم نہیں مگر میرے زیور میں سے تم دس تولے لے لو اور ایک کنگن روبی دے دے، دوسرا کنگن روبی کے پاس اماں کی خاندانی نشانی رہنے دیں......" سارہ نے اپنا زیور کا ڈبہ فہیم کو پکڑا دیا، وہ کسی سوچ میں تھا کہ روبی نے اس سے ڈبہ لے کر واپس سارہ کو دے دیا۔

"فہیم کی ذمے داری ہے کہ اماں کے اخراجات کا دھیان رکھیں، یہ آپ کا نہیں، ہمارا مسئلہ ہے اور اسے ہم سنبھال لیں گے۔" دل ہی دل میں میں اس کی بات پر اس کی معترف ہوئی مگر زبان سے ایک لفظ اس کی تعریف میں نہ کہا کیونکہ میرے اصولوں میں ہے کہ شادیوں کے نتیجے میں بننے والے رشتوں کو اتنی ہی اہمیت دینی چاہیے جتنی اہمیت کے وہ حقدار ہیں۔

☆☆☆

لیکن آج تو میں جیسے آگ میں جل کر بھسم ہی ہو گئی جب میں نے اپنی نند کے بیٹے کے ولیمے پر روبی کو ایک بھی نہیں...... وہی دو کنگن پہنے ہوئے دیکھا جو بقول اس کے وہ اماں کے زیورات کی زکوٰۃ کی مد میں دینے والی تھی، اس کا مطلب ہے کہ اماں پر اس کا بوجھ رہ گیا، اب وہ اس دنیا میں نہیں مگر اس نے کتنا دھوکا کیا ان کے ساتھ، جانے ان کے ساتھ وہاں کیا، کیا ہو رہا ہوگا...... میں چشم تصور سے اماں کو جانے کس، کس حال میں دیکھ رہی تھی کہ اس کا بیان بھی ممکن نہیں۔

اول تو میں چاہتی ہی نہ تھی کہ میری نند اپنے بیٹے کے ولیمے پر فہیم اور روبی کو بلاتیں، پہلی بات تو یہ کہ خواہ مخواہ ان کا سلامیوں میں خرچہ ہوتا، ان کے اپنے بچوں کی تو جانے کب شادیاں ہوتیں اور ایسی جگہوں پر اپنے بھائی سے میری ہمدردی جاگ اٹھتی۔ دوسرے میں نہیں چاہتی تھی کہ روبی میری نند کی بہو کو دیکھتی جس کے لیے انہوں نے بہت سے بھاری زیورات بنوائے تھے کیونکہ وہ ان کی اکلوتی بہو تھی اور وہ ہر ایک کو بتاتیں کہ ان کے اکلوتے بیٹے سے وابستہ ان کے دل میں بہت سارے ارمان تھے۔ روبی بھی اماں کی اکلوتی بہو ہی تھی اور شادی کے چند سال کے بعد ہی اسے علم ہو گیا تھا کہ اماں کے پاس ساٹھ پینسٹھ تولے سونا تھا جس میں سے انہوں نے بہ مشکل چھ سات تولے روبی کو اس کی شادی پر پہنایا تھا۔

"کیا بات ہے...... نیند کیوں نہیں آ رہی تمہیں؟" میرے شوہر نے کروٹ بدل کر کہا۔ "کروٹیں بدل، بدل کر مجھے بھی ڈسٹرب کر رہی ہو تم!" ان کی جھاڑ کھا کر بھی مجھے نیند نہ آئی، البتہ میں نے کوشش کی اس کے بعد ایک بھی کروٹ نہ بدلوں اور پوری رات جاگتے ہی کٹ گئی۔ صبح کا انتظار کر رہی تھی کہ سارہ کو کال کر کے پوچھوں گی، شاید اسے علم ہو کہ روبی نے کیا چالاکی کی تھی مگر اسے کال کر کے پوچھا تو اسے بھی علم نہ تھا۔

اب مجھ سے انتظار نہیں ہو رہا تھا کہ وہ وقت آئے جب میں فہیم اور سارہ کو اپنے روبرو بٹھاؤں اور ان سے اس "دھوکے" کی بابت سوال کروں۔

شادی کے بعد دعوتوں کا سلسلہ شروع ہوا اور میں لگ بھگ دو ہفتے تک اُدھر جا ہی نہ سکی، فارغ ہوتے ہی پہلا کام میں نے یہی کیا، چھٹی کا دن تھا، میں نے فہیم کی طرف جانے کا ارادہ کیا۔ "تم نے اماں کے کنگن......" میں نے روبی کے سلام کے جواب میں سوال داغا۔

"کیا حال ہے، سب ٹھیک ہیں ناں؟" فہیم نے سلام کے بعد پوچھا۔

"سب ٹھیک ہیں، تم لوگ میرے سوال کا جواب دو...... میں تو سمجھی تھی کہ روبی کے دل میں جانے کہاں

سے اماں کے لیے لیے تنگی آ گئی جو اُن کی زکوٰۃ دینے کا سوچ لیا۔ مجھے کیا علم تھا کہ وہ سب ہم دونوں بہنوں کو دکھانے کے لیے تھا...... سارہ کو بھی علم نہیں اور پھر کیسے دھڑلے سے اس نے وہ دونوں کنگن کل پہن رکھے تھے...... اماں کے مرنے کا اور اس کے بعد چار سال انتظار کیا اس نے کہ ہم بہنوں کو جلائے......" میری زبان پر جو کچھ آ رہا تھا وہ اس پکے ہوئے مواد کا نتیجہ تھا جو کس دن سے میرے دماغ میں تھا۔

"آپا کے لیے جوس لاؤ روبی اور پھر چائے بنالو، میرا بھی دل چاہ رہا ہے چائے پینے کو!" فہیم نے کہا تو میں اور بھی تپ گئی۔

"میں نے جو کچھ پوچھا ہے اس کا جواب چاہیے مجھے......" میں نے اپنے لہجے میں دنیا بھر کی تختی سمیٹتے ہوئے کہا تھا۔

"رہنے دو روبی!" فہیم نے اسے روکا۔ "تم کال کر کے سارہ کو بھی بلالو!" سارہ اور اس کی عمروں میں صرف ایک سال کا تفاوت تھا اس لیے وہ اسے نام سے ہی بلاتا تھا۔ "مجھے تھوڑا سا وقت دیں آپی، سارہ بھی پہنچ جائے تو میں دونوں کے ساتھ اکٹھے بات کروں گا تاکہ مجھے دوبار وضاحت نہ دینا پڑے......"

سارہ کے آنے تک میں پیچ و تاب کھاتی رہی، فہیم اس دوران تھوڑی دیر کے لیے اٹھ کر اپنے کمرے میں گیا اور لوٹا تو اس کے ہاتھ میں کچھ فائلیں تھیں، روبی نے میرے منع کرنے کے باوجود چائے کا اہتمام کر لیا۔

"واؤ...... پارٹی چل رہی ہے!" سارہ پہنچی تو چائے کے لوازمات دیکھ کر خوش ہو گئی۔ "مجھے پہلے سے کیوں نہیں بتایا؟"

"کوئی پارٹی وارٹی نہیں ہے، آپی ناراض ہیں اس لیے تمہیں بھی بلالیا کہ جس بات کی وجہ سے وہ ناراض ہیں اس کی وضاحت میں آپ دونوں کو ایک ہی بار کر دوں۔"

"آپی ناراض ہیں؟" سارہ نے حیرت سے پوچھا۔ "کوئی کسی سے ناراض ہو تو وہ اس کے گھر آ جاتا ہے کیا؟"

"اصل میں آپا کو ناراضی ہے کہ روبی نے اماں کے کنگن پہن رکھے تھے ان کی نند کے بیٹے کی شادی پر!"

"میں نے یہ نہیں کہا...... مجھے اس بات پر کیوں اعتراض ہو کہ وہ کیا پہنے اور کیا نہیں۔" میں نے فوراً دخل دیا۔ "مجھے اس بات کی تکلیف ہے کہ اس نے ہماری مری ہوئی ماں کو دھوکا دیا ہے......" میری آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو آ گئے۔

"میں نے کسی کو کوئی دھوکا نہیں دیا!" روبی منمنائی۔

"تم چپ رہو روبی!" فہیم نے اسے گھر کا۔

"مجھے بات کرنے دو!" مجھے فہیم کے اس لہجے سے خوشی ہوئی، آخر ہمارے شوہر بھی تو ہم سے اسی طرح بات کرتے تھے جبکہ میں اس کا اور روبی کا انداز دیکھ کر ہمیشہ کڑھتی تھی۔

"یوں کیوں بات کر رہے ہو روبی سے فہیم؟" سارہ نے اسے گھر کا۔

"تم بیچ میں نہ بولو...... میاں بیوی کا معاملہ ہے، جیسے چاہے وہ اپنی بیوی سے بات کرے۔" میں نے فہیم کو شہہ دی۔

"میرا ہرگز مطلب اسے ڈانٹنا نہیں تھا...... میں نے اسے اس لیے خاموش کروایا ہے کہ میں بات کرنا چاہتا ہوں، صاف اور کھری...... اس میں ممکن ہے کہ میری طرف سے کچھ تلخ کلامی بھی ہو جائے اور اس کی عادت ہے کہ وہ مجھے تختی سے بولنے پر ٹوکتی ہے، نہ کبھی اماں سے بلند آواز میں بات کرنے دیتی تھی اور آپ دونوں سے بھی تختی سے بات کرنے سے منع کرتی ہے......" فہیم کی اس بات پر بھی میرے دل میں نرمی پیدا نہ ہوئی۔

"آپی چائے لیں!" روبی نے چائے کا کپ میری طرف بڑھایا جسے میں نے یوں تھاما جیسے میں نے اس پر کوئی احسانِ عظیم کیا ہو۔

"ارے...... میں لے لیتی ہوں خود ہی۔" اس نے سارہ کی طرف چائے بڑھائی تو اس نے مسکرا کر

کہا۔ "تم رکھ دو!"

"آپی...... میں نے اسی روز آپ کی آنکھوں میں وہ خاص چمک دیکھ لی تھی جس روز اماں نے وہ کنگن روبی کو دیے تھے، اسی لیے میں نے کہا تھا کہ غنیمت سمجھیں کہ اماں نے اپنے ہاتھ سے آپ کو بیس تولے دے دیے ورنہ اماں کی وراثت میں آپ کو پندرہ تولے ملتا...... یاد ہے ناں؟" میں نے اس کی بات پر بیٹھے، بیٹھے پہلو بدلا۔

"کیا چمک دیکھ لی تھی تم نے میری آنکھوں میں؟" میں نے خفگی سے کہا۔

"آپ کی نظروں میں ان کنگنوں کی پسندیدگی......" فہیم نے کہا۔ "بعدازاں میں نے اماں سے کہا بھی کہ ہم آپ کو یہ کنگن دے دیتے ہیں اور اس کے بدلے وہ بیس تولے زیور زکوٰۃ کی مد میں دے دیتے ہیں مگر اماں کسی صورت ان کنگنوں کو کہیں جانے نہ دینا چاہتی تھیں، نہ زکوٰۃ کی مد میں، نہ آپ دونوں میں سے کسی کو دے کر خاندان سے باہر...... اسی لیے انہوں نے میری منت سماجت کی اور کوئی حل نکالنے کو کہا!" ہم دونوں بہنیں ہمہ تن گوش تھیں۔ "یہ فائل ہے...... اس میں سارے کاغذات موجود ہیں جو کہ ثبوت ہو سکتے ہیں آپ کے سارے سوالوں کے جوابوں کا!" فہیم نے فائل کھول کر ہم دونوں کے درمیان رکھ دی۔

"اماں نے ابا کی ان دکانوں میں سے جن کے کرائے کے ساتھ میری تنخواہ ملا کر گھر کا خرچہ چلتا تھا، ایک دکان بیچ دی...... یہ اس کے کاغذات ہیں، وہ دکان چونکہ کافی خستہ تھی اس لیے اس کا اتنا معاوضہ نہ ملا، تاہم بارہ لاکھ روپیہ مل گیا، اب بھی ہمیں چار پانچ لاکھ کی ضرورت تھی، جو زیور روبی کے پاس تھا وہ اس نے بیچا اور اس کے علاوہ یہ دونوں کنگن گروی رکھ دیے...... دکان اور زیورات کے بیچنے اور ان کنگنوں کے گروی رکھنے کے کاغذات......" فہیم نے اگلا صفحہ پلٹ کر دکھایا۔ "ایک دکان جو رہ گئی تھی اس کے کرائے کے ساتھ میری تنخواہ میں سے کچھ رقم ڈال کر اس گروی کی قسط جاتی گی، روبی نے دو ایک بیسیاں ڈال لیں کہ ان کی آمد سے یہ کنگن چھڑوا لیں گے...... مگر اماں کی اچانک وفات سے وہ ساری رقم ان اخراجات میں اٹھ گئی، حالات ایسے تھے کہ تنگدستی تھی مگر اماں کی ایک یہ خواہش مارے ڈالتی تھی، خدا خدا کر کے اسی مہینے یہ کنگن سنار سے چھڑوائے ہیں اور روبی سے کہا ہے کہ انہیں ہر وقت پہنے رکھا کرے کہ یہ اماں کی خواہش تھی...... اس فائل میں اس ساری زکوٰۃ کا حساب بھی ہے جو ہم نے اتنے سالوں میں اماں کے زیور پر ادا کی ہے۔" فہیم کی بات ختم ہوئی اور میری آنکھوں سے ٹپ، ٹپ آنسو گرنے لگے۔

"ارے کیا ہوا آپی؟" روبی نے ٹشو پیپر میری طرف بڑھایا اور مجھے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"اماں کی یاد آرہی ہے...... وہ ہوتیں تو تمہیں یہ کنگن پہنے ہوئے دیکھ کر کتنی خوش ہوتیں۔" میں نے اس کا اپنے آنسو پونچھتا ہاتھ پکڑ کر چوم لیا۔ "مجھے اس بدگمانی پر معاف کر دو پیاری!" میں نے اس کی طرف دیکھا۔

"آپی! آپ بڑی ہیں، میرے دل میں آپ کے خلاف کوئی بات نہیں...... یہ خدا آپ کی جگہ میں ہوتی تو شاید میں بھی یہی سوچتی، اچھا ہی سوچا ناں آپ نے کہ جانے میں نے اماں کی زکوٰۃ دی کہ نہیں اور مجھے یقین ہے کہ اب آپ بھی اپنے زیور پر زکوٰۃ دیتی ہوں گی؟"

"میری پیاری بہن......" میں نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ "ابھی تک تو میں بے پروائی کرتی تھی مگر اب پرانا حساب کر کے بھی دوں گی انشاء اللہ اور ہر سال باقاعدگی سے دیا کروں گی، یہ میرا وعدہ ہے......" سب کھلکھلا کر ہنس پڑے جیسے بارش کے بعد قوسِ قزح کے سارے رنگ بکھر گئے...... "ارے بھئی چائے ذرا دوبارہ بناؤ کڑک اور گرما گرم!" میں نے جوش سے کہا۔

"میں بناتی ہوں چائے آپی! آپ روبی سے بھرپور پیار کریں!" سارہ کہہ کر چائے بنانے کو چل دی۔

پونے بارہ بجے، ٹیلی ویژن پر ٹیبل ٹینس کے کھلاڑی کی فلم ختم ہوئی تو اس کا دل پہلے سے زیادہ رنجیدہ ہو گیا۔ "ایک وہ شخص تھا...... بہادر، جس کا نام بابر تھا کہ بارہ ہزار سپاہیوں کو ساتھ لے کر آیا اور فاتح رہا اور ایک یہ لوگ ہیں شہر دہشت گردی اور ٹارگٹ کلنگ کی لپیٹ میں ہے اور یہ ٹیبل ٹینس کھیلنے میں لگے ہوئے ہیں۔" وہ بھاری قدموں اور بوجھل دل سے اٹھی۔ دل سے اِک ہوک سی اٹھی، آنکھیں تھرا ئیں۔

درِ اُمید

نسیم سکینہ صدف



آج اس کا دوسرا بیٹا بھی گھر سے چلا گیا تھا۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی وہ کام آرام سے کر رہا تھا۔ دوپہر سے قبل اس کے ایک دوست یاسر کا فون آیا کہ وہ مالک مکان کے گھر بیٹھا کرائے نامے پر دستخط کرنے کے لیے باقی دوستوں کا انتظار کر رہا ہے۔ تو ماں نے جواب دیا کہ وہ تو ایک گھنٹا قبل جا چکا۔ تیسرے پہر وہ اپنے دوستوں کے ساتھ واپس آ گیا اور ماں سے پوچھنے لگا۔

"امی میں کچھ بھاری فرنیچر لے جا رہا ہوں کیونکہ آج ہفتہ ہے۔ ناصر ٹرک لے کر آ گیا ہے۔ کل بھی چھٹی ہے ہم گھر میں سامان جما لیں گے۔ ابھی ہم تینوں لینڈ لارڈ کے پاس جا کر کرائے نامے پر دستخط کر کے آ رہے ہیں۔" وہ تینوں بڑے پُرجوش نظر آتے تھے۔ جوانی اور پہلی مرتبہ آزادی سے شہر میں رہنے کے تصور سے ان کے چہرے تمتما رہے تھے۔ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ اوپر اپنے بیڈ روم میں گیا اور ایک، ایک کر کے سب سامان نیچے لے جانے لگے۔ کمرے کا دروازہ، گھر کا دروازہ اور گیراج سب دروازے کھلے پڑے تھے۔ وہ ایک طرف خاموش کھڑی انہیں اوپر، نیچے آتا، جاتا دیکھتی رہی۔ وہ ضرورت کا کافی سامان لے گیا تھا۔ لیکن اس نے کمپیوٹر اور اپنا اسٹیریو سسٹم کمرے میں یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ "اس علاقے میں چوریاں بہت ہوتے ہیں۔ یہ چیزیں میں نہیں لے جا رہا۔" وہ بہت مصروف تھا شاید خوش بھی۔ وہ انہیں بار، بار اوپر، نیچے آتا جاتا دیکھتی رہی۔ کمرے کا سامان اٹھانے کے بعد وہ گیراج میں گیا۔

"امی میں یہ پینگ پانگ ٹیبل بھی لے جاؤں۔"

"ہاں لے جاؤ، اب تم جا رہے ہو تو اب یہاں کون کھیلے گا۔" اور انہوں نے مل کر پینگ پانگ ٹیبل بھی ٹرک پر لاد دی۔ دونوں دوست سامان اٹھانے اور لادنے میں اس کی مدد کر رہے تھے۔ ایک صوفہ کم بیڈ جو ضرورت کے وقت بہت کام آتا تھا وہ بھی اس نے اٹھا لیا۔

ساجدہ کو وہ دن یاد آیا جب اسے اس ملک میں آئے چند سال ہی ہوئے تھے۔ سات سال قبل وہ ایک دن سلائی کی مشین خریدنے گئی۔ اس دکان پر وہ پہلے بھی آ چکی تھی یہ دیکھنے کہ کون سی مشین خریدنی ہے۔ وہاں کام کرنے والی عورت سے اس کی جان پہچان بھی ہو گئی تھی۔ مشین خریدنے کے لیے جب وہ دوبارہ گئی تو وہ عورت بہت اداس تھی۔ مشین کی فروخت کے علاوہ اس نے اپنی ذاتی باتیں بھی شروع کر دیں۔ وہ بڑے دکھ سے کہہ رہی تھی۔

"آج میری اٹھارہ سالہ بیٹی گھر چھوڑ کر چلی گئی۔ وہ شہر میں اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ رہ رہی ہے۔ میرا گھر خالی ہو گیا ہے۔" اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔

"تمہارے اور بچے تو تمہارے ساتھ ہوں گے؟" اس نے اس عورت سے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ آنکھوں سے آنسو پونچھ کر کہنے لگی۔

"بڑے بچے تو پہلے ہی جا چکے تھے۔ اب تو میں گھر میں اکیلی ہوں۔ شوہر کا انتقال تو پانچ سال قبل ہی ہو چکا تھا۔ ہم جب یوگوسلاویہ سے آئے تھے اور یہاں کے پُرسکون ماحول میں آ کر سکون کی سانس لی تھی۔ ہم خوش تھے کہ ہم بچوں کو ایک اچھے ملک میں لائے ہیں۔ ایک پُرسکون اور خوشحال ملک میں۔ مگر یہاں آ کر انہوں نے جہاں تعلیم حاصل کی ان کے ساتھ ہی یہاں کے طور طریقے بھی اپنا لیے۔ ہم نے یہ تو کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔"

وہ (ساجدہ) اس وقت جوان تھی۔ اس کے بچے بھی ابھی چودہ، سولہ سال کی عمروں کے تھے۔ اور وہ اس ادھیڑ عمر کی عورت کا یہ دکھ اتنا محسوس نہ کر سکی۔ اس وقت وہ سوچ رہی تھی کہ قاعدہ ہی یہی ہے کہ بچے جوان ہو کر گھر چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ اس میں کیا نئی بات ہے؟"

عمروں کے فرق نے احساس کا فرق بھی کم کر دیا تھا۔ ٹی وی لاؤنج سے اٹھنے کے بعد اور اپنے بیڈ روم میں جانے سے قبل اس نے پہلے غسل خانے کی کھڑکی اور دروازہ چیک کیا۔ پھر کچن کی کھڑکی بند کی جو کھلی ہوئی تھی۔ آج وہ کچھ زیادہ ہی محتاط تھی۔ پہلے تو اسے

اطمینان ہوتا تھا۔ اگر وہ کوئی کھڑکی بند کرنا بھول گئی تو بیٹا کردے گا۔ مگر آج وہ چلا گیا تھا۔ اس قدر تنہائی کا احساس ہو رہا تھا۔ چار بیڈ روم کے کشادہ گھر میں پہلے تین لوگ تھے۔ اب صرف دو رہ گئے تھے۔ گھر کی لائٹس بند کرتے، کرتے زینے پر چڑھنے سے پہلے جب وہ مین ڈور (صدر دروازہ) کے قریب آئی تو اس نے دیکھا کہ اس کے شوہر نے آج بھی ہمیشہ کی طرح زنجیر نہیں چڑھائی تھی۔ شاید وہ سمجھ رہا تھا کہ بیٹا رات کو دیر سے گھر واپس آئے گا۔ اس نے احتیاط سے بولٹ اور چٹخنیاں چڑھائیں، گھر کا گیراج میں کھلنے والا دروازہ بند کیا۔ جو اس کا بیٹا بار، بار کھول کر گیراج میں جا رہا تھا۔ تاکہ بڑا، بڑا جو سامان ٹرک میں جاتا ہے، گیراج سے چلا جائے۔ آج کیسی تنہائی تھی۔ غیر محفوظ ہونے کا احساس ہو رہا تھا۔ ”دیکھوں تو اس نے گیراج کا دروازہ بھی مقفل کیا یا یونہی چلا گیا۔“ اس کا شوہر جو زندگی کے پچپن سال پورے کر چکا تھا۔ دو گھنٹے قبل جا کر سو گیا تھا۔ وہ خود بھی پچاس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ان دونوں نے دل پر پتھر رکھ کر بیٹے کو الگ رہنے کی اجازت تو دے دی تھی لیکن ان کی کیفیت دل ہی جانتا تھا۔ اس کا شوہر کہہ رہا تھا۔

”ہم اس لیے اپنا ملک چھوڑ کر یہاں بچوں کے ساتھ آئے تھے کہ کم از کم ان کی شادی ہونے تک تو ساتھ رہ سکیں گے۔ مگر یہ تو پہلے ہی چھوڑ چھاڑ کر چلے گئے۔“ وہ بھاری قدموں سے سیڑھیاں چڑھتی اوپر آئی۔ آج بیٹے کے کمرے کی طرف دیکھنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ کافی سامان چلا گیا تھا اور کمرا اس کے دل کی طرح خالی خالی لگ رہا تھا۔ وہ کمرے میں دیکھنے بھی نہیں گئی کہ کیا، کیا سامان چلا گیا اور کیا باقی ہے۔ ویسے تو بیٹا چھٹیوں میں تقریباً روز ہی دوستوں کے ساتھ باہر جاتا تھا۔ روز ہی رات کو دیر سے گھر آتا تھا۔

اس کے کمرے کا دروازہ یونہی کھلا رہتا تھا۔ ہاں جب رات کو وہ آتا تو کمرے کا دروازہ بند کر لیتا تھا۔ رات میں ماں باپ میں سے جب کوئی باتھ روم جانے کے لیے اٹھتا اور دروازہ بند ہوتا تو انہیں پتا چل جاتا کہ وہ رات میں کسی وقت آ کر سو گیا ہے۔

انہیں بھی اطمینان ہو جاتا اور وہ بھی بے فکر ہو کر سو جاتے۔ جوان اکیس سال کا بیٹا جو بی ایس سی کر کے جاب کر رہا تھا۔ کئی سال سے اڑنے کے لیے پر تول رہا تھا۔ ایک کوشش اس نے دو سال قبل اس وقت کی تھی جب بڑا بھائی دو سال قبل اپنے دوستوں کے ساتھ ایک فلیٹ میں شہر منتقل ہو گیا تھا۔ مگر باپ نے سختی سے منع کر دیا تھا کہ بی ایس سی ختم کیے بغیر گھر سے باہر نہیں جا سکتے اور وہ پڑھائی میں لگ گیا تھا۔ مگر ساجدہ کو یاد تھا جب بڑا بیٹا گیا تھا تو دل اس دن اس طرح نہیں رویا تھا۔ شاید دل کو یہ ڈھارس تھی کہ ایک بیٹا تو ابھی گھر میں ہے اور بڑا بیٹا بھی ہفتے کے دن آ جاتا ہے تو پیر کی صبح گھر سے ہی دفتر جاتا ہے۔ اس کا ویک اینڈ شروع ہونے میں گھر پر ہی گزرتا تھا۔ اس وقت وہ اس کی پسند کی چیزیں بھی پکاتی تھی۔ کچھ نہ کچھ میٹھا بھی بناتی۔ وہ ہمیشہ آ کر ماں کو کو پیار کرتا۔ اس کے گلے میں بانہیں ڈال لیتا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کا گھر شہر سے دور ہونے کی وجہ سے بڑے بیٹے کو آفس آنے جانے میں تکلیف ضرور ہوتی تھی۔ وہ چونکہ ٹرین سے آتا جاتا تھا۔ اور دوستوں یا آفس کی طرف سے جو ڈنر پارٹیاں ہوتی تھی۔ ان میں بھی شریک نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر ڈیڑھ گھنٹا واپس آنے میں لگ جاتا تھا۔ اس سے کافی تھکن ہو جاتی تھی۔ اس کے علاوہ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ آپ کے ساتھ رہ کر مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ کرایہ نامہ کیسے تیار کرتے ہیں۔ بجلی کا بل کیسے دیتے ہیں۔ اب وہ شہر میں رہتا تھا۔ پندرہ منٹ میں بس آفس پہنچ جاتا تھا۔ اسے آرام ہو گیا تھا۔ اب ہفتہ بھر عجیب بے کیف و بے جان گزرتا تھا۔ جب چھوٹا بیٹا رات کو گھر آتا تو گھر میں کھانا کھاتا تھا۔ اس کا انتظار تو ہوتا تھا۔ دن میں کچھ اہتمام سے پکاتا تو ہوتا تھا۔ اب وہ چلا گیا تو کھانے کا لطف بھی جاتا رہا تھا۔

دو ادھیڑ عمر آدمیوں کا کھانا کتنا...... نہ وہ میٹھا بناتی، نہ کھانے کا اہتمام کرتی...... زندگی بس گھسٹ

رہی تھی۔ پہلا ہفتہ یونہی ویران، ویران گزر گیا۔ پھر وہ ایک تھیلے میں کپڑے بھرے ہفتے کے دن شام میں آیا۔ گھر میں پھر بہار لوٹ آئی۔

"تم صبح سے آجایا کرو بیٹا!" اس نے ماںتا سے بھرپور لہجے میں کہا۔

"ایک تو میں حسب معمول صبح میں دیر سے سو کر اٹھا۔ پھر ہر ہفتہ لین لارڈ کو کرایہ ادا کرنا میری ذمے داری ہے۔" وہ ہفتہ وار کرایہ لیتا تھا۔۔۔۔" وہاں گیا پھر آج کا دن صفائی کا بھی ہوتا ہے۔ مجھے باتھ روم وغیرہ صاف کرنا ہوتا ہے۔" اس نے ماں کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

"یاسر بہت صفائی پسند ہے۔ وہ تو آپ سے بھی زیادہ سخت ہے اس معاملے میں، میں فلیٹ سے پانچ منٹ میں آفس پہنچ جاتا ہوں۔" مگر اس نے یہ حساب نہیں لگایا کہ جو وقت بچتا ہے وہ گھر کی صفائی میں گزر جاتا ہے۔ اس نے باورچی خانے میں جا کر ایک بھگونا کھول کر دیکھا کہ کیا پک رہا ہے۔

"آپ کبھی ہمارا نیا گھر دیکھنے آیئے گا۔ بالکل نیا ہے۔ تین بیڈ روم اور ایک باتھ روم ہے۔ پنگ پانگ ٹیبل ہم نے ڈرائنگ روم میں ڈال لی ہے۔ صوفہ کم بیڈ جو میں لے کر گیا ہوں، وہ ابھی صوفے کا کام دے رہا ہے۔ کبھی کبھی کوئی چوتھا دوست رات میں آجاتا ہے تو وہ اس پر سو جاتا ہے۔"

"کھانا پکانے کا کیا ہوتا ہے۔؟" ماں نے پوچھا۔" وہ دور تھا تو کیا۔ ماں کو اب بھی اس کے کھانے کی فکر لگی تھی۔

"ہم باری، باری پکاتے ہیں۔ آپ مجھے قیمہ پکانے کی ترکیب بتایئے گا۔"

"میں کل تمہارے سامنے قیمہ پکاؤں گی یا تم ہی پکاؤ۔ میں ترکیب بتاؤں گی بیٹا۔"

"مگر میں کل رات کو نہیں ٹھہر سکتا۔ کل میری کھانا پکانے کی باری ہے۔ کل دوپہر میں قیمہ پکائیں گے اور کپڑے بھی ابھی مشین میں ڈال دوں گا۔ رات میں سوکھ جائیں گے۔" ماں اس کی باتیں سنتی رہی۔

"اماں یہاں آنے کی وجہ سے میرا ویک اینڈ خراب ہو جاتا ہے۔ ہفتہ بھر تو کام کرتا ہوں۔ اور ہفتہ، اتوار یہاں گزر جاتا ہے۔ پکچر، تھیٹر وغیرہ جانے کا وقت ہی نہیں ملتا۔" اب کے دو ہفتے بعد وہ آیا تو ماں سے کہنے لگا۔

"تو تم اتوار کا کھانا پکانا کسی اور ذمے کر دو ناں۔ اور خود کوئی اور دن لے لو۔ یہاں اتوار کی صبح آکر پیر کے دن دفتر یہیں سے چلے جایا کرو۔" پھر اس نے یہی طریقہ اختیار کیا۔ ہفتے کا دن دوستوں کے ساتھ گزارتا۔ اتوار کو بارہ ایک بجے آکر اپنے کپڑے دھو کر ڈالتا اور دوسرے دن تیار ہو کر دفتر جاتا۔ مگر اپنے دھوئے کپڑے بھی تھیلے میں ڈال کر دفتر لے جاتا اور شام کو دفتر سے اپنے فلیٹ۔

اب زندگی اسی ڈگر پر چل رہی تھی۔ اب ماں کو اتوار کا انتظار رہتا۔ وہ اس کی پسند کا میٹھا یا کوئی ڈش بنا کر رکھتی تھی۔ ہفتوں کے ہفتے اسی طرح گزرتے چلے گئے۔

وہ ماں کو اپنے گھر کے قصے مزے لے، لے کر سناتا۔

"ہمارے گھر میں صرف تین چمچ، تین کپ، تین پلیٹیں اور ہر چیز الگ، الگ رنگ کی ہے جو بھی استعمال کرے اپنے برتن خود دھو کر رکھے۔ جب چوتھا مہمان آتا تو اس کے برتن الگ ہیں۔" آہستہ آہستہ قلعی اترنے لگی اور حقیقت کھلنے لگی۔ وہ جب تک ساتھ رہتا تھا، ماں باپ نے اس پر بے جا پابندی کبھی نہیں لگائی۔ اسے آنے جانے کی پوری آزادی تھی۔ اس لیے سٹی میں رہنے سے اس کے کام بڑھ ہی گئے تھے۔ گھر جیسا مزے دار کھانا ملتا تھا اور نہ گھر کی سی بے فکری تھی۔ ذمے داریاں بڑھ گئی تھیں۔ اس لیے جو ٹائم ٹرین میں بیٹھ کر اور اخبار پڑھ کر یا اپنا کام کر کے صرف ہوتا تھا اب وہ گھر کی صفائی، کھانا پکانے یا باہر کے دوسرے کاموں میں صرف ہو جاتا تھا۔ پھر کیا فائدہ ہوا۔ پھر ساتھ رہنے سے دوستوں کے مزاج کا فرق بھی سامنے آنے لگا۔ ناصر نہاتا کم تھا اس لیے جدھر سے گزرتا بدبو

پھیلا جاتا۔ یاسر جو یونیورسٹی کا طالب علم تھا۔ اس کے قائدے، قوانین بہت سخت تھے۔ ایک دن وہ ماں سے روتی صورت بنا کر کہہ رہا تھا۔

"یاسر صفائی کے معاملے میں بہت سخت ہے۔ بالکل ناصر کے برعکس۔ جب میری باری ہوتی ہے تو میں محنت سے باتھ روم صاف کرتا ہوں، شاور دھوتا ہوں۔ ناصر اپنی باری میں سب گندا چھوڑ دیتا ہے۔"

وہ ماں کو ستاتا جاتا اور وہ دل مسوس کے سنتی جاتی۔

جب ناصر اور یاسر کے مزاج میں تناؤ آنے لگا تو یاسر نے ان سے الگ ہو جانا چاہا کہ وہ اپنی زمین خریدنا چاہتا تھا۔ اور اسے سلسلے میں اس نے ساجدہ کے بیٹے سے بھی پچاس ہزار روپے قرض لینا چاہا۔ وہ ماں سے پوچھنے لگا کہ وہ کیا کرے؟ وہ سوچ... بچار میں پڑ گئی۔

"دیکھو بیٹا فارسی کی ایک مثل ہے کہ "قرض مقراض محبت است" قرضہ محبت کا رشتہ توڑ دیتا ہے اور یہ ہمیشہ ہوتا ہے۔ وہ بینک سے قرضہ کیوں نہیں لے لیتا بیٹا؟"

"وہ اس پر سود ادا کرنا نہیں چاہتا۔ مجھ سے قرضہ لینے سے اس کا سود بچ جائے گا۔ ویسے ماں تم اس بات کے لیے بھی تیار رہو کہ وہ شاید ہی قرض بھی واپس کر سکے۔"

"اس سے دوستی تو ضرور ٹوٹ جائے گی بیٹا!"

"ماں میں بھی تو پیسے جمع کر کے کسی فلیٹ یا زمین میں انویسٹ کرنا چاہتا ہوں۔" ماں خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

"دراصل وہ ہمارا گھر دیکھ کر گیا ہے۔ وہ سمجھتا ہے ہم بہت امیر ہیں۔ اس کا باپ بچپن میں ہی فوت ہو گیا تھا۔ اس پر ماں اور چھوٹے بہن بھائیوں کی ذمے داری رہی ہے۔ وہ خود کو ہمیشہ مظلوم سمجھتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کے امیر دوستوں کو اس کی مدد کرنی چاہیے۔" یہ کہہ کر وہ چپ ہو گیا۔ ماں نے آخری فیصلہ اسی پر چھوڑ دیا۔

"ویسے تو تمہارا جو دل کرے فیصلہ کرو۔ وہ پیسہ تمہارا ہی ہے لیکن میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ زمین خریدنے کی اسے اتنی جلدی کیوں ہے۔ ابھی وہ یونیورسٹی میں پڑھ ہی رہا ہے۔"

"exactly" اس نے فوراً ماں کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"اور دوسری بات جو طے ہے... وہ یہ کہ یاسر سے تمہاری دوستی ختم ہو جائے گی چاہے تم قرضہ دو یا نہ دو۔ اگر تم قرضہ دو گے تو تمہاری رقم کبھی واپس نہیں ملے گی۔" ماں نے اپنی زندگی کا نچوڑ بتایا۔

پھر یہی ہوا کہ ان دونوں کے تعلقات خراب ہو گئے۔ اس کے بیٹے نے انکار کر دیا کہ وہ قرضہ نہیں دے سکتا۔ آہستہ آہستہ بیٹے پر یہ حقیقت واضح ہونے لگی کہ جب وہ ماں باپ کے ساتھ رہتا تھا تو گھر کے آرام اور کھانے کے علاوہ وہاں رہنے پر اس کی اپنی رقم بالکل خرچ نہیں ہوتی تھی۔ صرف ریل اور ریل کا کرایہ ہی اس کے ذمے تھا۔ لیکن شہر میں رہنے کی وجہ سے پانچ ہزار ماہانہ گھر کا کرایہ اور پانچ ہزار ماہانہ کھانے پر خرچ ہو جاتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فلیٹ جو چھ ماہ کے لیے کرائے پر لیا گیا تھا۔ لیکن تین ماہ بعد جب بادل چھٹے اور سورج نکلا تو حساب کتاب صاف اور نفع، نقصان واضح ہو گیا تھا۔ اور چار ماہ بعد وہ گھر واپس آنے کی باتیں کرنے لگا۔ ماں سوچ رہی تھی کہ یہ اچھا ہی ہوا کہ ان دونوں نے بیٹے کو اپنی تنہائی کا واسطہ دے کر جذباتی دباؤ کے ساتھ رہنے پر اصرار نہیں کیا۔ اور چونکہ وہ اپنی مرضی سے گیا تھا۔ تو اس کی آزادی کی تمنا اور الگ رہنے کی خواہش بھی یوں پوری ہو گئی تھی۔ سب ارمان پورے ہو گئے تھے۔ اب وہ آتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔ بڑے دھیمے، دھیمے لہجے میں کئی دفعہ پوچھتا۔

"آپ اجازت دیں تو میں واپس آجاؤں؟" کبھی کہتا۔ "میں واپس آجاؤں تو آپ کو تکلیف تو نہیں ہوگی......"

"یہ تمہارا گھر ہے بیٹا جب دل چاہے بلا تکلف آجاؤ۔ ہم تو چاہتے ہیں کہ تم ہمارے ساتھ رہو۔" اور پانچ ماہ ختم ہونے سے پہلے ہی وہ اپنے گھر واپس آ گیا تھا۔

ناولٹ

پتھر کا دیس

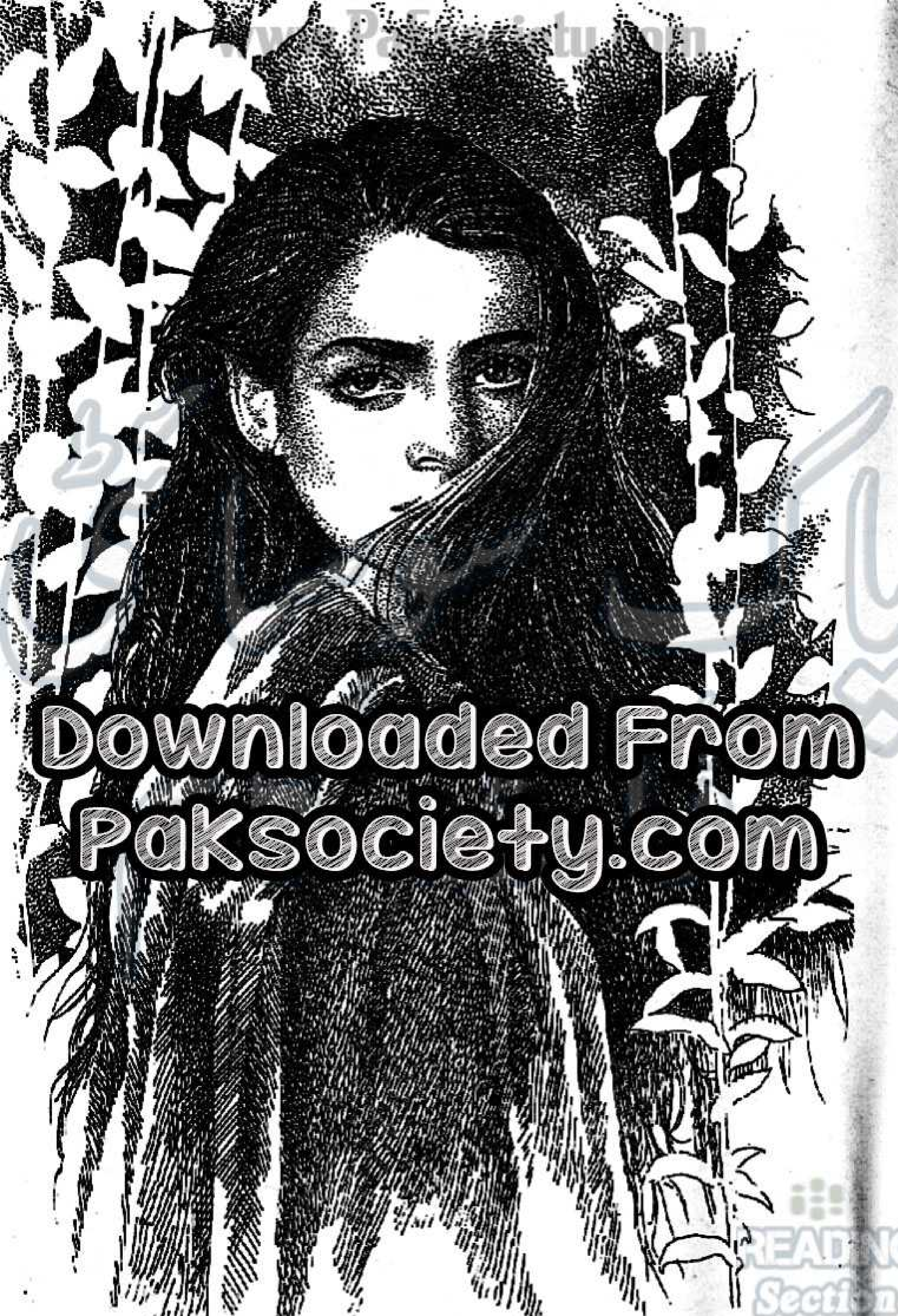
مدیحہ شاہد

دوسرا حصہ



کیا ضروری تھا کہ وہ لمحہ اس کی زندگی میں آتا جس لمحے رامین نے آنسو بھری آنکھوں سے اس کی سمت دیکھا تھا اور وہ اس کا اسیر ہوگیا۔ کاش کہ وہ رامین کو وہاں بیٹھے دیکھ کر ہرگز نہ رکتا...... اسے نظر انداز کرکے گزر جاتا، اس کا ذہن تھکا ہوا تھا۔ وہ یہی سب سوچتا کچھ دیر کو سو گیا تھا۔

جب وہ شام کو سو کر اٹھا تو احمر وہاں نہیں تھا۔ اس نے احمر پر دو حرف بھیجے۔ اب احمر کی جاسوسی سے



کہیں زیادہ دوسرے اہم کام تھے۔ اس نے ریسپشن سے احمر کے بارے میں پتا کیا...... اس نے ابھی تک چیک آؤٹ نہیں کیا تھا۔ وہ اپنا کمرا لاک کیے بغیر نیچے لان میں نکل گیا۔ تھوڑی دیر وہ لان میں بیٹھا رہا۔

افق کو رنگین کرتی شام اسے مسحور کرنے لگی...... وہ بلا ارادہ ہی سڑک پر نکل آیا...... گھومتا پھرتا یونہی اونچی نیچی سڑکوں پر چلتا رہا...... نہ جانے رامین کہاں ٹھہری ہوئی تھی۔ ایک سڑک کا موڑ مڑتے وہ یہی سوچ رہا تھا کہ دفعتاً وہ یک دم رک گیا۔ اس کے چہرے پر بڑی خوشگوار سی حیرت اتر آئی۔

کندھے پر ہینڈ بیگ لٹکائے رامین ڈھلوانی سڑک پر چلتی جا رہی تھی۔ وہ لمحہ ضائع کیے بغیر اس کی طرف لپکا۔ رامین نے اب اسے دیکھ لیا تھا۔ وہ بری طرح ٹھٹک گئی۔

''مس رامین! کہاں کی سیریں ہو رہی ہیں؟''

وہ تیزی سے قدم بڑھاتا اس تک جا پہنچا...... شہرام کا دل رامین کا اسیر ہو گیا تھا اور اب رامین کی ہر مشکل اس کی مشکل تھی۔ اس کا ہر غم، شہرام کا غم تھا۔

''میں واپس جا رہی ہوں۔'' اس نے کچھ حیرت کے ساتھ شہرام کو دیکھتے ہوئے مدھم آواز میں بتایا۔

شام گہری ہو رہی تھی۔ افق کے رنگ مدھم پڑ گئے تھے۔

''اس وقت؟'' وہ بے ساختہ فکرمندی سے بولا۔

''میں عادی ہوں، کوئی فرق نہیں پڑتا...... کیا یہ ضروری ہے کہ ہر جگہ آپ سے میرا اتفاقاً ٹکراؤ ہو جائے۔'' اس نے کاندھے پہ لٹکائے بیگ کا اسٹریپ مضبوطی سے تھامے ہوئے قدرے چڑ کر کہا۔ اس کی آنکھوں میں جھلستی دوپہر جیسی تپش تھی۔

''اسے حسین اتفاق سمجھ لیں......'' اس نے رامین کے صبیح چہرے کو دیکھتے ہوئے شوخ انداز میں کہا۔ وہ اس کی بات سن کر خاصا محظوظ ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر بڑی دلنشیں سی مسکراہٹ ابھر آئی تھی۔

''مجھے دیر ہو رہی ہے، آپ سیر کریں، میں چلتی ہوں۔'' اس نے آگے کی طرف قدم بڑھا دیے۔ لگتا تھا اسے بہت جلدی تھی شہرام بھی اس کے ساتھ، ساتھ چلنے لگا۔

''میں بس اسٹاپ تک آپ کو چھوڑ آتا ہوں۔'' وہ رامین کے ساتھ، ساتھ چلتے ہوئے اپنائیت سے بولا۔

''ارے نہیں...... میں چلی جاؤں گی......'' اس نے عجلت میں کہا۔

''تکلف نہ کریں رامین، میری بھی واک ہو جائے گی۔'' شہرام خوش دلی سے مسکرایا۔ اس کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔

رامین عاجز آ گئی، شہرام کسی صورت بھی پلٹنے کو تیار نہیں تھا۔

''میں تکلف نہیں کر رہی، مجھے یہ مناسب نہیں لگ رہا۔'' اس نے کچھ مضطرب انداز میں شہرام کو دیکھا۔

''اور شام ڈھلے اکیلے جانا آپ کو مناسب لگ رہا ہے؟'' شہرام نے اسے لاجواب کر دیا۔

رامین کے ہونٹ بھنچ گئے...... وہ خاموشی سے چلتی جا رہی تھی۔ شہرام جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اس کے ساتھ، ساتھ چل رہا تھا۔ زمین پر درختوں کے سائے مدھم ہو گئے تھے۔ سرسبز وادی کچھ ہی دیر میں جگنوؤں سے روشن ہونے والی تھی۔

رامین کو الجھن ہونے لگی۔ اسے محسوس ہونے لگا کہ شہرام بدل رہا ہے۔ اس کی نظریں، اس کا لہجہ، اس کا طرز تخاطب، سب بدل رہا ہے۔ نہ جانے یہ اس کا وہم تھا یا واقعی ایسا ہی تھا۔

وہ دونوں خاموشی سے چلتے بس اسٹاپ تک پہنچ گئے تھے...... ایک طرف مختلف شہروں کو جانے والی بسیں کھڑی تھیں۔ دوسری طرف ٹکٹ کاؤنٹر بنا ہوا تھا۔

''آپ کا ٹکٹ ہو گیا ہے؟'' شہرام نے پوچھا۔

''نہیں، ابھی لینا ہے......'' رامین نے سر نفی میں ہلاتے ہوئے کہا اور اپنا بیگ کھولنے لگی۔

''آپ یہیں رکیے...... میں آپ کا ٹکٹ لے کر آتا ہوں...... اس بھیڑ میں ہرگز اپنا بیگ نہ

کھولیں......" وہ اسے ہدایت دیتا ہوا تیزی سے وہاں سے ہٹ کر گیا اور ٹکٹ کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ رامین کا بیگ کی زپ کھولتا ہاتھ رک گیا۔ رش کی وجہ سے وہ ایک سائڈ پر کھڑی ہوگئی۔

تھوڑی دیر بعد شہرام ہاتھ میں ٹکٹ لیے آتا دکھائی دیا اور رامین کو لیے ایک بس کی طرف بڑھا۔

"یہ ہی آپ کی بس اور یہ رہا آپ کا ٹکٹ......" اس نے رامین کو ٹکٹ تھمایا اور بس پر سوار ہونے کا اشارہ کیا۔

"میں ٹکٹ کے پیسے ابھی آپ کو دیتی ہوں۔" وہ ٹکٹ لیتے ہوئے بولی۔

"اب مجھے اتنا بھی شرمندہ نہ کریں... چلیں بس چلنے ہی والی ہے۔" اس نے جلدی سے کہا۔ رامین بس میں سوار ہوگئی مگر یہ کیا......شہرام بھی اس کے ساتھ ہی بس میں سوار ہوگیا اور اس کی ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ رامین دم بخود رہ گئی......اور حیران پریشان انداز میں اسے دیکھنے لگی۔

"آپ......آپ یہاں کیوں بیٹھ گئے؟" اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں وہ تو اسے بس میں بٹھانے آیا تھا۔ اور اب خود بھی سوار ہوگیا تھا۔ بنا احمر کو بتائے بنا اپنا سامان لیے۔

"کیوں......! میں اس بس میں نہیں بیٹھ سکتا کیا؟" وہ جیب سے اپنا ٹکٹ نکالتے ہوئے مسکرایا۔

رامین چند لمحے کچھ بول ہی نہیں سکی۔ اس کا اندازہ درست تھا، شہرام واقعی بدل رہا تھا۔ بس آہستگی سے چلتی ہوئی سڑک پر آگئی تھی۔

"آپ کو صرف بس اسٹاپ تک چھوڑنے کا کیا فائدہ......آپ کو لاہور، آپ کے ہاسٹل تک چھوڑ کر آؤں گا......" اس کے انداز میں کچھ ایسی بات تھی جس نے رامین کو بری طرح چونکا دیا......وہ پلکیں جھپکائے بغیر ساکت انداز میں اسے دیکھتی رہی۔ اسے سمجھ نہیں آئی کہ شہرام سے کیا کہے۔

"کیا ہوا رامین......؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرایا۔ اس کی آنکھوں میں ایسی

پیارے پاکیزہ کے نام

میری محبت کا کوئی عنوان نہیں جاناں
نہ ہی کوئی افسانہ ہے
یہ تو بس محبت ہے
تم سے شروع ہوتی ہے اور تم پر ہی
ختم ہوتی ہے

انتخاب: امینہ عندلیب، سلانوالی

روشنی تھی جس نے رامین کی نظروں کو خیرہ کردیا تھا۔ وہ زیادہ دیر اس کی آنکھوں میں نہیں دیکھ پائی کتنا خوب صورت دن تھا آج......وہ رامین کے ساتھ سفر کررہا تھا۔ یہ اس کی زندگی کا یادگار ترین سفر تھا۔

"آپ کا سامان؟" رامین نے جیسے اسے یاد دلایا، وہ اس شاک سے نکلنے کی کوشش کرنے لگی جو اسے شہرام کو ساتھ والی سیٹ پر بیٹھے دیکھ کر لگا تھا۔

شہرام نے جیب سے موبائل نکالا اور احمر کو ٹیکسٹ کیا۔

"احمر ایک ایمرجنسی ہوگئی ہے۔ ہوٹل میں میرا کمرا لاکڈ نہیں ہے۔ تم آتے ہوئے اپنے ساتھ میرا بیگ بھی لے آنا۔ مجھے ایک لڑکی کو لاہور چھوڑنے......ایمرجنسی میں جانا پڑ رہا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آج کل تم مجھے اوائڈ کررہے ہو۔ شوق سے اوائڈ کرتے رہو۔ بس میرا بیگ لیتے آنا۔" شہرام میسج کرکے مطمئن ہوگیا۔ احمر چاہے اس سے جتنا بھی دور بھاگتا مگر تھا تو اس کے بچپن کا دوست......

چند لمحوں بعد احمر کا میسج آیا۔ شہرام نے فوراً پڑھا۔

"کون سی لڑکی کو چھوڑنے لاہور تک جارہے ہو؟ اور ایسی بھی کیا ایمرجنسی ہوگئی کہ اپنا سامان چھوڑ کر چلے گئے۔ کیا تمہارے پاس دس منٹ بھی نہیں تھے؟"

احمر نے ریپلائی کیا......وہ اس پر خفا ہو رہا تھا۔

شہرام بے ساختہ مسکرایا۔ رامین سیٹ کی بیک سے سر ٹکائے خاموش بیٹھی تھی۔

"ایک منٹ بھی نہیں تھا۔ وہی لڑکی جس کے

بارے میں، میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میری سفید مہران کی دعوے دار ہے۔" شہرام موبائل پر میسج ٹائپ کر رہا تھا۔

بس اپنے راستے پر گامزن تھی۔ رامین شیشے سے باہر تیزی سے گزرتے مناظر کو دیکھ رہی تھی۔ ایک آدھ بار شہرام کو بھی میسج ٹائپ کرتے اور پڑھتے دیکھ لیا۔

چند سیکنڈز بعد احمر کا جواب آیا۔

"کیا کہہ رہے ہو؟ میں تمہاری بات بالکل سمجھ نہیں پایا۔" احمر کے انداز میں بڑی بے چینی تھی۔

"بس تم میرا بیگ لے آنا، مہربانی ہوگی۔" شہرام نے اسے میسج کیا۔ اس کی آنکھیں کسی خیال سے چمک رہی تھیں۔

چند لمحوں بعد پھر احمر کا میسج آیا۔

"تم اس لڑکی کے ساتھ کیوں جا رہے ہو؟ وہ اکیلی نہیں جا سکتی کیا؟" احمر کے انداز میں محسوس کیے جانے والا اضطراب تھا۔

"اکیلی جا سکتی تھی مگر میرا دل نہیں مانا کہ اسے اکیلے جانے دوں...... اسی لیے ساتھ ہولیا۔" شہرام مسکراتے ہوئے ٹائپ کر رہا تھا۔

"شہرام! تم کس چکر میں پڑ گئے ہو؟ صاف، صاف بتاؤ؟" احمر نے لگی لپٹی بغیر میسج میں پوچھا۔

"اب سفر کے دوران کیا بتاؤں...... جب میرا بیگ لے کر آجاؤ گے تو سب بتادوں گا......" شہرام نے اطمینان سے میسج پر لکھا۔

اب احمر کی طرف سے مکمل خاموشی تھی۔ بس سفر کرتی جا رہی تھی اور راستے میں موبائل سگنلز ختم ہو گئے تھے۔ شہرام کو یقین ہو گیا کہ احمر نہ صرف رامین کے ان دھوکے باز رشتے داروں کو جانتا ہے بلکہ وہ رامین کو بھی جانتا ہے۔ تبھی تو اس قدر بے چین ہو گیا تھا...... اور شہرام کو یقین تھا کہ اب تو احمر کو اس کے پاس آنا ہی پڑے گا۔

"سفر بہت لمبا ہے، آپ کچھ دیر سو جائیں۔" شہرام کے انداز میں نرمی اور فکرمندی تھی۔

"مجھے لمبے سفر کی عادت ہے۔" رامین نے...... بے تاثر انداز میں کہا۔ ایک لمحے کے لیے دونوں کی نظریں ملیں پھر وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

"رامین...... میں آپ سے کوئی بھی پرسنل سوال نہیں کروں گا......" شہرام نے گویا اسے تسلی دی۔

"آپ کیوں آئے ہیں میرے ساتھ؟" رامین نے کچھ الجھ کر پوچھا۔ اس کی نظروں میں کئی سوال تھے۔

شہرام کے چہرے پر بے ساختہ مسکراہٹ آئی۔

"میرے دل نے کہا کہ آپ کو اکیلے نہ جانے دوں......" اس نے پُراعتماد انداز میں دل کی بات کہہ دی۔ رامین اس اعتماد پر چپ کی چپ رہ گئی۔

"کیوں......؟" اس نے چند لمحے خاموش رہنے کے بعد سوال کیا۔

شہرام مسکرایا۔ نظریں رامین کے سفید ہاتھوں کی طرف اٹھ گئیں۔ سفید گلاب جیسے نرم اور خوب صورت ہاتھ...... شہرام کے دل میں بے اختیار ان ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لینے کی خواہش پیدا ہوئی۔

"بس یونہی...... سوچا کہ راستے میں آپ کو کوئی مشکل نہ ہو۔" اس نے مدھم مگر جذبات سے بوجھل آواز میں کہا۔

"آپ نے مجھے وہ گاڑی دینے کا فیصلہ بھی اسی لیے کیا کہ میرے لیے وہ گاڑی بہت قیمتی ہے۔" اس نے بے ساختگی سے سوال کیا۔

"ہاں...... بالکل۔" شہرام نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"وہ گاڑی آپ ہی کی امانت ہے۔ میں آپ سے کوئی رقم بھی نہیں لوں گا۔ جب آپ فری ہوں تو میرے ساتھ چلیے گا...... میں وہ گاڑی آپ کے نام ٹرانسفر کروا دوں گا۔" اس نے رسانیت سے کہا۔

"مگر......" رامین کچھ کہنے لگی تو شہرام نے فوراً ٹوک دیا۔

"نو اگر مگر...... بس ڈن ہو گیا۔" اس کا لہجہ قطعی تھا۔

"مگر میرے پاس رقم ہے۔" وہ مدھم آواز میں بولی۔

"تو وہ رقم آپ اپنے پاس ہی رکھیں...... مجھے

ضرورت نہیں، میرے لیے آپ کی خوشی سب سے زیادہ اہم ہے۔" شہرام نے گویا فل اسٹاپ لگا دیا۔

"آپ یہ سب کیوں کر رہے ہیں؟" وہ خوفزدہ ہو گئی تھی۔ اس نے بے بسی سے گود میں رکھے اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔

"آپ کیوں، کیسے، کس طرح کے چکر میں نہیں پڑیں۔ سمجھ لیں کہ یہ میری طرف سے آپ کے لیے تحفہ ہے۔ اچھے دوست ایک دوسرے کے غم اور خوشیاں شیئر کرتے ہیں۔" شہرام نے جیسے اسے سمجھایا۔

"اگر آپ کا دوست آپ کا سامان نہ لایا...... یا آپ کا سامان چوری ہو گیا تو پھر آپ کیا کریں گے؟ پھر آپ کو میرے ساتھ آنے پر افسوس ہو گا ناں؟" اس نے جیسے شہرام کو ڈرانے کی کوشش کی تھی۔

"میرا سامان اتنا قیمتی نہیں ہے...... اور اگر قیمتی بھی ہوتا...... تو میں بخوشی نقصان اٹھا لیتا......" شہرام کے لہجے نے رامین کو لرزا دیا۔ اس نے کانپتی نظروں سے شہرام کو دیکھا۔

"میرا خیال ہے آپ کو بھی سائیکاٹرسٹ کی ضرورت ہے۔" اس نے دل کا خوف دبا کر جیسے اسے مشورہ دیا تھا۔ اس نے سلگتی نظروں سے اسے دیکھا شہرام کا دل چاہا کہ ایک زوردار قہقہہ لگائے مگر بس میں لوگوں کی موجودگی کے باعث اس نے اپنی ہنسی کو دبا لیا۔

یہ ایک یادگار سفر تھا جس میں کوئی تھکن نہیں تھی۔ لاہور پہنچ کر شہرام ٹیکسی میں اسے اس کے ہاسٹل تک چھوڑ کر آیا۔ رامین اس کے بدلتے ہوئے رویے سے نہ جانے کیوں خوفزدہ ہو گئی تھی۔

"آپ کیوں میری عادتیں خراب کر رہے ہیں؟" اس نے چڑ کر احتجاج کیا۔ وہ ان مہربانیوں کی عادی جو نہیں تھی۔

"آپ کی عادتیں ٹھیک کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" شہرام کے لہجے میں شرارت تھی۔ رامین کو جو کچھ محسوس ہو رہا تھا وہ اس پر یقین نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"مجھے یہ سب بالکل اچھا نہیں لگ رہا......" اس نے کچھ خفگی سے کہا۔

"کوئی بات نہیں...... کبھی کبھی اپنی خوشی کے علاوہ دوسروں کی خوشی کے بارے میں بھی سوچ لینا چاہیے۔" شہرام نے اس کی خفگی کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔

"اب آپ بہت عجیب ہو گئے ہیں۔" اس نے جھلاتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"آپ بھی تو پُراسرار ہو گئی ہیں۔" اس نے بے ساختہ

اسے جتایا۔

رامین لاجواب ہوگئی۔ شہرام نے رامین کو ہاسٹل کے دروازے تک چھوڑا اور پھر گھر آگیا۔

رامین، شہرام کے بدلتے رویے سے پریشان تھی۔ وہ ساری رات سو نہیں پائی۔ محبت کب اور کیسے ہوجاتی ہے بالکل پتا نہیں چلتا۔ محبت ارادے سے نہیں ہوتی...... یہ سوچ سمجھ کر بھی نہیں کی جاتی۔ اس میں سود وزیاں کا حساب نہیں رکھا جاتا۔ یہ تو بس ہوجاتی ہے۔ اچانک...... بلا ارادہ...... بے اختیار۔ شہرام اپنی کیفیات پر حیران تھا۔ وہ تو اس سے بیزار رہا کرتا تھا پھر اسے اس سے ہمدردی ہونے لگی مگر محبت کا انکشاف تو مری کی سرسبز وادیوں میں ہوا...... رامین کا چہرہ اس کے لاشعور کے پردے پر جگمگاتا رہتا...... اس کی بھیگی پلکیں جیسے اس کے دل میں اتر گئی تھیں۔ محبت اوس کی طرح قطرہ، قطرہ دل میں گرتی ہے۔ سورج کی طرح زندگی کی تاریک راتوں میں روشنی بکھیرتی ہے۔ محبت کتنی خوب صورت ہوتی ہے...... جیسے جھیل کے شفاف پانی میں جھلملاتا چاند کا عکس...... جیسے برف زاروں پر پڑتی سورج کی پہلی کرن...... جیسے کسی دلہن کے ہاتھوں میں کھنکتی دھنک رنگ چوڑیاں...... جیسے کسی جنگل میں اڑتی چمکیلے پروں والی تتلی......

شہرام نے رامین کو خوشیاں دینے کے لیے پہلا قدم اٹھالیا تھا۔

☆☆☆

''رامین! میں آپ کے ہاسٹل کے باہر کھڑا ہوں۔ آپ اپنا آئی ڈی کارڈ لے کر باہر آجائیں۔'' شہرام، رامین سے فون پر کہہ رہا تھا۔ رامین کا ماتھا ٹھنکا۔ وہ اس غیر متوقع اور اچانک افتاد پر ہڑبڑا کر رہ گئی۔

''کیوں، خیریت......؟'' وہ حواس باختہ انداز میں بولی اور ساتھ ہی اس نے جلدی سے جوتے پہنے۔

''جی...... آپ آرام سے آئیں...... میں انتظار کررہا ہوں۔'' وہ بے حد شائستگی سے بولا۔

''جی...... جی میں آرہی ہوں۔'' اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اس نے عجلت میں اٹھ کر پرس میں آئی ڈی کارڈ چیک کیا۔

''اوکے۔'' شہرام نے نرمی سے کہا اور فون بند کردیا۔

رامین نے سلیقے سے دوپٹا اوڑھا، بالوں کو برش کیا، پرس اٹھایا اور عجلت میں باہر آگئی۔ اس نے درخت کے نیچے کھڑی سفید مہران کو دیکھ لیا تھا۔ وہ خاموشی سے گاڑی میں آکر بیٹھ گئی۔ شہرام نے اس کے بیٹھتے ہی گاڑی چلادی۔

''ہم کہاں جارہے ہیں؟'' شہرام کو دیکھ کر اس نے کچھ حیرت سے پوچھا۔

''اپنا آئی ڈی کارڈ دیں۔'' شہرام کی طرف سے بالکل مختلف جواب آیا۔ رامین نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پرس سے آئی ڈی کارڈ نکال کر شہرام کو تھمایا۔

''رامین، آپ کو وہی کرنا ہے جو میں کہوں گا۔ آپ نے میری ہدایات پر عمل کرنا ہے۔ وہاں ہنگامہ کھڑا نہیں کرنا...... لوگوں میں میری کچھ عزت ہے۔'' شہرام نے اس کا آئی ڈی کارڈ جیب میں ڈالتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ رامین حواس باختہ انداز میں اسے دیکھنے لگی۔

''مگر...... میری بات تو سنیں......'' رامین نے کچھ کہنا چاہا تو شہرام نے نرمی سے اسے ٹوک دیا۔

''رامین...... میں بہت ضروری کام چھوڑ کر آیا ہوں...... پلیز میرے ساتھ تعاون کریں۔ میں جیسا کہوں، آپ نے ویسا ہی کرنا ہے، رائٹ......؟'' وہ سامنے سڑک کی طرف دیکھ کر کہہ رہا تھا۔

رامین سخت کنفیوز ہوگئی...... آخر کہے تو کیا کہے...... شہرام کا انداز قطعی اور بے لچک تھا۔ نہ جانے وہ کیا کرنے والا تھا۔ کہاں جارہا تھا۔ اس نے ایک عمارت کے پاس گاڑی روکی، رامین کو اترنے کا اشارہ کیا، وہ کچھ متذبذب سی اس کے ساتھ اس عمارت میں داخل ہوگئی۔

یہ عقدہ بھی جلد اس پر کھل گیا۔ شہرام سفید مہران

رامین کے نام ٹرانسفر کروا رہا تھا۔ وہ شاک کے عالم میں بیٹھی رہی۔ بس میں جب شہرام نے اسے اس بارے میں بتایا تھا تو اس نے اس کی بات کو سنجیدگی سے نہیں لیا تھا۔ وہ اسے شہرام کی وقتی جذباتیت سمجھی تھی مگر وہ اپنی زبان کا پکا نکلا...... اس نے دبے، دبے الفاظ میں شہرام کو منع کیا مگر اس نے اس کو سخت نظروں سے گھورا۔ سب کچھ پہلے سے طے تھا۔ اور بالآخر اس کے دبے، دبے احتجاج کے باوجود بھی گاڑی اس کے نام ہو ہی گئی...... وہ حیرت زدہ رہ گئی۔ یہ شہرام کی سخاوت تھی، دریا دلی یا پھر کوئی اور جذبہ......

ساری کارروائی مکمل کرنے کے بعد وہ دونوں واپسی کے لیے روانہ ہو گئے۔ رامین کو یقین ہی نہیں آیا کہ جس گاڑی کو وہ اپنا پلاٹ بیچ کر خریدنا چاہتی تھی اور پانچ لاکھ کے بجائے پندرہ لاکھ بھی دینے کو تیار تھی...... اسے وہ گاڑی بنا کوئی قیمت دیے یونہی مل گئی تھی۔ اس کے مرحوم ابو کی گاڑی، ان کی قیمتی نشانی...... یہ کوئی معجزہ تھا یا پھر قدرت کی طرف سے کوئی انعام...... وہ سمجھ نہیں پائی۔ اس کی پلکیں بھیگ گئیں۔

''پلیز رامین! آج کے دن مت روئیں......''

شہرام نے اس کی شبنم میں بھیگے پھولوں کی طرح نم پلکیں دیکھ کر بہت محبت سے کہا۔ اس نے ڈیش بورڈ پر پڑے ٹشو بکس میں سے ٹشو نکال کر رامین کو تھمائے۔

''میں کن الفاظ میں آپ کا شکریہ ادا کروں......! آپ نے تو مجھے اپنا قرض دار کر لیا ہے۔'' وہ ٹشو سے اپنی آنکھیں صاف کرتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''آپ خود کو میرا قرض دار سمجھیں اور نہ احسان مند......''

شہرام نے بہت نرمی سے کہا۔ وہ کچھ دیر اس پر سے نظریں نہیں ہٹا سکا۔ اس کا دل چاہا کہ رامین کی آنکھوں کے اشک اپنی انگلیوں کی پوروں سے چن لے۔

''آپ نے یہ سب کیوں کیا......؟ مجھے مری سے لاہور تک چھوڑنے آئے پھر ہاسٹل تک ساتھ آئے، اپنی گاڑی میرے نام کر دی، کیوں کر رہے ہیں آپ اتنا کچھ؟'' وہ جرح کرتے ہوئے سوال کر رہی تھی۔

غزلیں

اب کے احسان بھی جتانے نہیں آیا کوئی
میں جو روٹھا تو منانے نہیں آیا کوئی

اک وہ دور کہ سونے بھی نہیں دیتے تھے مجھے
اک یہ وقت کہ جگانے نہیں آیا کوئی

ڈگمگاتا تھا تو سو ہاتھ لپکتے تھے تھامنے کے لیے
گر گیا ہوں تو اٹھانے نہیں آیا کوئی

جانے احباب پہ کیا گزری خدا خیر کرے
اک عرصے سے نیا زخم لگانے نہیں آیا کوئی

ایسے اترا ہوں دلوں سے کہ ہنسانا تو دور
اک مدت سے رلانے نہیں آیا کوئی

یوں تو سو بار ٹوٹا جڑا مگر اب کے وصی شاہ
ایسا ٹوٹا کہ بنانے نہیں آیا کوئی

کلام: وصی شاہ
انتخاب: کرن ناز، کھاریاں

جانے کیسی خطا ہوئی مجھ سے
ساری دنیا خفا ہوئی مجھ سے

جس کو کوئی نبھا سکا نہ یہاں
رسم وہ بھی ادا ہوئی مجھ سے

جب گلے سے لگایا اس نے مجھے
روح میری جدا ہوئی مجھ سے

جشن کا اہتمام تھا کل شب
یاد اس کی رہا ہوئی مجھ سے

جس نے بھی دل دکھایا تمثیلہ
اس کے حق میں دعا ہوئی مجھ سے

شاعرہ: تمثیلہ لطیف، پسرور

"کیونکہ میں ایک بہت اچھا انسان ہوں۔" شہرام نے مسکراہٹ دبا کر کہا۔

"پتا نہیں لڑکیاں اتنی بے وقوف کیوں ہوتی ہیں۔ سامنے کی بات نہیں سمجھ پاتیں۔ جذبات محسوس نہیں کر پاتیں۔ شاید اس لیے کہ وہ واضح اظہار چاہتی ہیں۔ ان کے لیے الفاظ اہم ہوتے ہیں۔" شہرام نے دل ہی دل میں سوچا۔

"ہاں یہ تو ہے...... آپ واقعی بہت اچھے انسان ہیں۔" رامین نے بے ساختہ کہا۔ کاش کہ وہ اس کی آنکھیں پڑھ لیتی۔

"میں آپ کو بہت جلد اس کے پیسے....." رامین کی بات ادھوری رہ گئی۔

"رامین...... آئندہ ہرگز بھی پیسوں کا ذکر نہیں کیجیے گا...... ہر چیز کی قیمت نہیں ہوتی...... اور خبردار جو آپ نے اپنا پلاٹ بیچا...... پلیز آئندہ کبھی میں آپ کے منہ سے یہ بات نہ سنوں....." شہرام نے مان بھری سختی سے کہا۔ وہ رونا بھول کر شہرام کو دیکھنے لگی۔

"یہ شخص کتنا عظیم، کتنا بلند ہے۔ کیا انسان ایسے بھی ہوتے ہیں؟" وہ حیران ہوئی۔

"مجھے نظر لگانے کا ارادہ ہے؟" شہرام نے اس کا دیکھنا محسوس کر کے شرارت سے کہا۔

"میں حیران ہو رہی ہوں کہ اس دنیا میں آپ جیسے بے غرض لوگ بھی ہوتے ہیں۔" وہ شہرام سے سخت متاثر ہوگئی۔

"دنیا میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ بات صرف اتنی سی ہوتی ہے کہ ہمارا واسطہ کس قسم کے لوگوں سے پڑتا ہے...... آپ اپنے ذہن پر زیادہ زور نہ دیں...... ریلیکس کریں۔" شہرام نے مسکرا کر اسے سمجھایا۔ میٹھے پانی جیسا لہجہ اسے چھو گیا۔

گاڑی سڑک پر رواں دواں تھی۔

"یہ گاڑی اب آپ کی ہے، اگر آپ کی اجازت ہو تو میں کبھی کبھار استعمال کر لیا کروں؟" شہرام نے مصنوعی سادگی سے پوچھا تو رامین مسکرا دی۔

"آپ ایسی باتیں کر کے مجھے شرمندہ تو نہ کریں...... یہ گاڑی آپ اپنے پاس ہی رکھیے...... میں اسے کہاں رکھوں گی اور یہ گاڑی اصل میں تو آپ ہی کی ہے ناں....." رامین نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"اور جب آپ اپنا گھر خرید لیں گی تب اپنی امانت بھی لے جائیے گا......" اس نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

"آپ دعا کریں...... میں جلد اپنا گھر لے لوں...... آپ بہت نیک انسان ہیں، آپ دعا کریں گے تو ضرور قبول ہوگی۔" اس نے عقیدت سے اسے دیکھتے ہوئے احتراماً کہا۔

"ارے ...... بھئی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں کوئی ولی نہیں ہوں مگر آپ کے لیے دعا ضرور کروں گا۔" وہ کچھ شرمندہ ہو گیا۔ رامین نے اس کی تعریف میں مبالغے کی حد ہی کر دی تھی۔ وہ اسے بتا نہیں سکا تھا کہ انسان جس سے محبت کرتا ہے اس کے لیے بڑی سے بڑی قربانی بھی دینے کو تیار رہتا ہے...... یہ تو صرف ایک گاڑی تھی...... اگر اس کے پاس کوئی سلطنت ہوتی تو وہ بھی آرام سے رامین کے نام کر دیتا۔

"مگر کیا پتا...... آپ کی شادی ہو جائے...... آپ اپنا گھر لینے کے بجائے پیا دیس سدھار جائیں۔" شہرام نے شوخی سے کہا۔

رامین کے چہرے پر گہری سیاہ رات کی تاریکی چھا گئی۔ وہ اس شوخی کو سمجھ نہیں پائی۔ اس کی آنکھیں خزاں کی شام جیسی ویران ہو گئیں...... شہرام اس کے خطرناک حد تک سنجیدہ چہرے کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

"کیا ہوا رامین؟" اس نے بہت حیرت سے رامین کو دیکھ کر پوچھا۔

"میں کبھی شادی نہیں کروں گی۔" رامین نے لرزتی، کانپتی، ٹھٹھرتی آواز میں کہا۔ اس کی آنکھوں میں کسی انجانے خوف کے سائے تھے۔

"کیوں؟ یہ فیصلہ کس وجہ سے کیا آپ نے؟"
ایک لمحے کے لیے تو وہ دم بخود رہ گیا تھا...... رامین کی اس بات نے اسے پریشان کر دیا تھا، وہ تو نہ جانے کیا کچھ سوچ بیٹھا تھا اور یہاں محترمہ کے مزاج ہی نہیں مل رہے تھے۔

"بس...... میری زندگی کی پلاننگ میں شادی کہیں نہیں ہے۔" رامین کی آواز میں لرزش تھی۔ شہرام چپ چاپ اس کے دھواں، دھواں چہرے کو دیکھتا رہا۔ وہ اس کا مسئلہ سمجھ نہیں پایا تھا۔

"کیا میں اس فیصلے کی وجہ جان سکتا ہوں؟" اس نے چند لمحوں بعد سوال کیا۔

رامین اب اسے جھڑک نہیں سکتی تھی وہ اب اس سے یہ بھی نہیں کہہ سکتی تھی کہ وہ اپنے پرسنل کسی سے شیئر نہیں کرتی اور وہ اس کے معاملات اور فیصلوں میں دخل دینے والا کون ہوتا ہے...... وہ اس کا محسن تھا...... وہ اسے کوئی سخت بات نہیں کہنا چاہتی تھی۔

"بس مجھے شادی کا شوق نہیں......" اس نے بات بنا کر اسے ٹالا تھا۔ شہرام نے ایک گہری سانس لی۔ وہ جانتا تھا کہ رامین کا نفسیاتی علاج چل رہا ہے۔ یہ ضرور اس کا کوئی نفسیاتی مسئلہ ہے...... وہ رامین کی ذہنی حالت سمجھ کر پھر کچھ نہیں بولا۔

رامین کا ہاسٹل آ گیا تھا۔ وہ اپنا پرس سنبھالتی گاڑی سے نیچے اتر آئی...... شہرام بھی نیچے اتر آیا۔

"اگین تھینک یو شہرام!" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ وہ بے حد ممنون تھی آنکھیں تشکر سے جھک گئیں۔

"Always wellcome" اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ رامین ہاسٹل کے گیٹ میں داخل ہو گئی۔ شہرام اس وقت تک کھڑا رہا جب تک وہ ہاسٹل کے گیٹ کے اندر غائب نہیں ہو گئی۔

رامین حیران تھی، خوش بھی تھی اور آزردہ بھی...... اس نے تو کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ ابو کی گاڑی اسے یوں بیٹھے بٹھائے واپس مل جائے گی...... مگر شہرام کے سوال نے اسے یک دم سنجیدہ کر دیا تھا...... بعض سوالوں کے جواب انسان کسی کو نہیں دے سکتا...... مگر شہرام بیچارے کو اس کی زندگی کے متعلق کیا معلوم...... اس نے تو یونہی پوچھ لیا تھا...... اس نے فوراً شہرام کو مارجن دیا...... اسے شہرام کے رویے پر حیرت ہوئی تھی...... ایسا کون سا بندہ ہوگا جو اپنی گاڑی یونہی کسی کے نام کر دے...... اس لمحے اسے شہرام انسان نہیں فرشتہ لگا تھا۔ بھلا انسان اتنے بڑے ظرف کے مالک کب ہوتے ہیں۔

☆☆☆

احمر، شہرام کا بیگ لے کر اس کے گھر آیا تھا۔ وہ بے حد سنجیدہ تھا۔ اس کے چہرے کے نقوش تنے ہوئے تھے۔ ماتھے پر سوچوں کا جال تھا۔

"بہت، بہت شکریہ...... بڑی مہربانی......" شہرام نے بیگ کھول کر اپنا سامان چیک کرتے ہوئے ممنونیت سے کہا۔

"ایسی بھی کیا آفت آ گئی تھی جو تم آناً فاناً اس لڑکی کے ساتھ بس میں بیٹھ کر مری سے لاہور چلے آئے۔ ایک دن وہ لڑکی تمہیں پارکنگ میں ملی اور تمہاری اس سے اتنی دوستی بھی ہو گئی کہ اپنا سامان چھوڑ چھاڑ اس کے ساتھ روانہ ہو گئے؟" احمر نے اس کی خوب کلاس لی۔ وہ اس پر خفا ہو رہا تھا۔

"تم جو مجھ سے بھاگتے پھر رہے تھے۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ میں بچہ ہوں، کچھ محسوس نہیں کرتا......" شہرام نے اسے سرد نظروں سے گھورتے ہوئے شکوہ کیا۔

"پہلے تم مجھے اس لڑکی کے بارے میں بتاؤ اور پلیز مجھے تھوڑا سا وقت دو...... میں وقت آنے پر تمہیں ضرور بتاؤں گا۔ وعدہ کرتا ہوں......" احمر بے بسی سے بولا۔

شہرام چونک گیا...... نہ جانے احمر کون سا راز چھپائے پھر رہا تھا۔

"تم تو رامین کو جانتے ہی نہیں تھے؟" شہرام نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"ہاں...... میں یہ نہیں جانتا تھا کہ جن لوگوں سے میں نے وہ گاڑی لی تھی ان سے رامین کا کوئی تعلق ہے۔ میں رامین کو کسی اور حوالے سے جانتا ہوں۔" احمر نے سنجیدگی سے بتایا۔

"کس حوالے سے؟" شہرام کو جھٹکا لگا۔

"تمہیں میری منگیتر کا تو پتا ہے ناں......" احمر نے شہرام کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں، وہی جو اسلام آباد میں رہتی ہے۔" شہرام کو یاد تھا۔

"ہاں......رامین میری منگیتر......گڑیا کی کزن ہے۔" احمر نے نیا انکشاف کیا۔

شہرام بے یقینی کے عالم میں اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے رامین کی گفتگو یاد آئی جو وہ فون پر کسی گڑیا باجی سے کر رہی تھی جو شاید اس کی کوئی عزیزہ تھیں۔

"اوہ اچھا......بڑی حیرت انگیز بات ہے۔" شہرام نے کوشش کر کے اپنی حیرانی چھپائی۔ اسے لگا کہ وہ خود تو رامین کے بارے میں کچھ جانتا ہی نہیں بس محبت کر بیٹھا تھا۔

"مجھے بعد میں پتا چلا کہ وہ گاڑی رامین کی تھی۔ میں نے جن سے گاڑی خریدی تھی، سب کاغذات ان ہی کے نام تھے۔" احمر بتا رہا تھا۔

"اور وہ کون لوگ تھے؟" شہرام نے بے ساختہ پوچھا۔

"میں تمہیں ان کے بارے میں جلد بتاؤں گا۔ بس مجھے تھوڑا سا وقت دے دو......" احمر نے لجاجت سے کہا۔

شہرام نے گہری سانس بھر کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"او کے......میں تمہیں وقت دے رہا ہوں......" شہرام نے سنجیدگی سے کہا۔ "اگر احمر کچھ وقت لینے پر اصرار کر رہا ہے تو ضرور اس کی کوئی ٹھوس وجہ ہوگی۔" شہرام نے گویا کمپرومائز کر لیا۔

"رامین میری سسرالی رشتے دار ہے میری منگیتر گڑیا کی کزن اور دوست ہے وہ۔ شہرام! میں نہیں چاہتا کہ اس کے ساتھ کچھ برا ہو۔ گڑیا اس سے بہت کلوز ہے۔ تم اسے چھوڑنے مری سے لاہور آئے، یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ کیا تم رامین کو پسند کرتے ہو؟" احمر نے اس سے ڈائریکٹ ہی پوچھ لیا۔ وہ کچھ مضطرب اور بے چین سا نظر آ رہا تھا۔

"صرف پسند نہیں، مجھے اس سے محبت ہو گئی ہے۔" شہرام نے اعتراف کرتے ہوئے کہا اس کی آنکھوں میں چراغ جل اٹھے۔ احمر مسکرا کر بھی نہ سکا۔ ساکت نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ اس کا ذہن جیسے بھک سے اڑ گیا تھا۔

"محبت؟" احمر شاک کے عالم میں بڑبڑایا۔

"ہاں، وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ پتا نہیں کب اور کیسے میرے دل میں اتر گئی۔" شہرام کی آواز میں کیا کچھ نہیں تھا۔ جذبات، اعتراف، اظہار، محبت، شدت......احمر کو لگا کہ وہ بول نہیں سکے گا۔ وہ دم سادھے اسے دیکھتا رہا۔

"تم اس کے متعلق کیا جانتے ہو؟" چند لمحوں بعد احمر نے سوال کیا۔ اس کی آواز کسی کھائی سے آتی محسوس ہوئی۔

"یہی کہ اس کے پیرنٹس کی ڈیتھ ہو گئی ہے، وہ ان کی اکلوتی اولاد ہے۔ اور اس کا سارا اثاثہ اس کے دھوکے باز رشتے داروں نے اپنے قبضے میں لے لیا اور اب وہ ایک ہاسٹل میں رہتی ہے۔" شہرام نے بتایا۔

"اور......اس نے کیا بتایا کہ وہ مری کس سے ملنے جاتی ہے؟" احمر کا چہرہ خطرناک حد تک سنجیدہ تھا۔ شہرام نے کچھ حیران ہو کر احمر کے ردِعمل کو نوٹ کیا۔

"یہ تو نہیں بتایا اس نے......" شہرام نے گہری سانس لے کر کہا۔ "تم کیوں اتنے حیران اور سیریس لگ رہے ہو؟" شہرام نے الجھ کر احمر کو دیکھا۔

"شاید وہ یہ نہ بتا سکے۔ شاید ہی تمہیں معلوم ہو کہ اس کا سائیکولوجیکل ٹریٹمنٹ بھی چل رہا ہے۔" احمر کی آواز مدھم اور افسردہ تھی۔ شہرام بری طرح چونکا۔ احمر کو رامین کے بارے میں کتنی معلومات تھیں۔

"ہاں، مجھے معلوم ہے۔" وہ بے ساختہ بولا۔

احمر نے دائیں ہاتھ سے اپنی کنپٹیاں دبائیں۔

"اچھا تم بتاؤ...... وہ ہر ویک اینڈ پر مری کس سے ملنے جاتی ہے؟" شہرام نے متجسس ہو کر بے قراری سے پوچھا۔

احمر کچھ پل خاموشی سے شہرام کو دیکھتا رہا۔ پھر گویا اس نے دھماکا کیا۔

"اپنے آٹھ سال کے بیٹے شیر دل سے ملنے......"

احمر کے الفاظ تھے یا سلگتے ہوئے انگارے...... شہرام پھٹی، پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا...... اسے اپنی سماعت پر یقین ہی نہیں آیا...... کہیں کوئی زلزلہ آیا تھا۔

اس زلزلے نے شہرام کے پورے وجود کو ہلا دیا تھا۔ وہ شاک کے عالم میں بے یقینی سے سامنے بیٹھے احمر کو دیکھ رہا تھا۔ چند لمحے تو اسے اپنی سماعت پر یقین ہی نہیں آیا۔ بھلا ایسا کیسے ہو سکتا تھا۔

"ہاں...... وہ اپنے آٹھ سال کے بیٹے شیرو سے ملنے ہر ویک اینڈ پر مری جاتی ہے۔ وہ وہاں کے ایک بورڈنگ اسکول میں پڑھتا ہے۔ رامین کی زندگی کے کچھ مسائل تھے جن کی وجہ سے اسے وہاں داخل کروایا۔ رامین کی کل کائنات اس کا بیٹا شیر دل ہی ہے۔" احمر کی آواز کہر کے سائے کی طرح مدھم تھی۔

شہرام اپنی جگہ پر فریز ہو گیا...... اس کے چہرے پر سیاہ راتوں جیسی تاریکی تھی، اس کے دماغ کو زبردست جھٹکا لگا۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا......" وہ افسردہ اور شکستہ لہجے میں بے یقینی سے بولا۔ اس کا ذہن ماؤف ہو گیا...... اس کے لہجے میں ٹوٹے آئینوں کی کرچیاں تھیں۔ اب کیا کہے، کیا نہ کہے...... لفظ جیسے اپاہج ہو گئے تھے۔

"یہی سچ ہے۔" احمر نے آہستگی سے جیسے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔ اسے شہرام کے چہرے کی مایوسی و تاریکی دیکھ کر دکھ ہوا۔ شہرام کے لیے یہ بہت بڑا شاک تھا۔ اسے یاد آیا۔ مری کی وہ سرسبز وادی، سنگی بینچ پر بیٹھی، روتی ہوئی رامین، اس کی مبہم باتیں...... وہ کس لیے وہاں جایا کرتی تھی...... اس کے موتیوں جیسے وہ آنسو...... اسے بہت کچھ یاد آنے لگا۔ اس کا کھویا، کھویا پُراسرار انداز، غائب دماغی، گہری شام جیسی اداسی اور اپنا گھر بنانے کی شدید خواہش جس کے لیے وہ دو، دو نوکریاں کر رہی تھی۔ اس نے اپنا سر تھام لیا۔ اسے اپنے روم، روم میں اذیت محسوس ہونے لگی۔

احمر نے اسے ہمدردی سے دیکھا مگر وہ اس کا غم بانٹنے سے قاصر تھا۔

"اس کا ہزبینڈ کہاں ہے؟" شہرام نے دل کا درد دبا کر ایک تکلیف دہ سوال کیا...... اس کی آواز کسی زرد موسم کی طرح افسردہ تھی۔ اسے لگا جیسے اس کی نبض ڈوب رہی ہے۔

احمر خاموش رہا۔ اس کے چہرے کی سنجیدگی دکھ میں تبدیل ہو گئی۔

"کیا ڈائیوورس ہو گئی؟" شہرام نے چند لمحوں بعد خاموشی توڑتے ہوئے پوچھا۔ اس کی آنکھوں کے سورج بڑی خاموشی سے غروب ہو گئے تھے۔

"نہیں......" احمر کے لبوں سے کانپتا ہوا ایک لفظی جواب آیا۔

"تو پھر کیا اس کے شوہر کی ڈیتھ ہو گئی؟" شہرام کے ہر لفظ سے بے چینی چھلک رہی تھی۔ اس نے حیرت سے احمر کے چہرے پر پھیلے دکھ اور افسوس کو دیکھا۔

احمر نے نظریں چرا لیں۔

"نہیں......" احمر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد گہری سانس بھر کر بولا۔

"تو پھر......؟ کہاں ہے اس کا شوہر؟ کیا اس آدمی نے دوسری شادی کر لی؟ اور رامین کو طلاق نہیں دی۔"

شہرام چند لمحوں کے لیے دم بخود بیٹھا رہ گیا...... وہ مضبوط اعصاب کا مالک تھا مگر ان انکشافات نے اس کے اعصاب جھنجوڑ ڈالے تھے۔

"یہ بہت لمبی داستان ہے...... جسے کہنا اور سننا اتنا آسان نہیں......" احمر نے تھکے، تھکے انداز میں سر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا۔

''احمر! پلیز مجھے بتاؤ سچائی کیا ہے...... کون تھا وہ بدقسمت آدمی؟'' اس نے بڑی بے چینی سے پوچھا۔ کم از کم اب وہ اس سسپنس کا خاتمہ چاہتا تھا۔ رامین کی زندگی اس کے دل سے جڑی تھی۔

''ہاں...... بدقسمت ہی تو تھا...... اور حیرت کی بات یہ ہے کہ اسے اپنی بدقسمتی کا احساس ان آٹھ سالوں میں کبھی نہیں ہوا۔ یہ وہی آدمی ہے جس نے رامین کا سارا بینک بیلنس دھوکے سے ہڑپ کرلیا۔ اس کی گاڑی جبراً اپنے قبضے میں لے لی۔ اس کے زیورات اور سارا اثاثہ ہتھیا لیا۔ صرف وہی شخص نہیں بلکہ اس کا سارا خاندان فراڈ، دھوکے باز اور لالچی تھا۔'' احمر نے مدھم آواز میں سنجیدگی سے بتایا۔

''مائی گاڈ!'' شہرام تاسف سے بولا۔ اس کا دل غم سے بھر گیا۔

''دنیا میں کیسے، کیسے لوگ ہوتے ہیں۔ اتنے خود غرض، لالچی اور سفاک؟'' اسے بے حد افسوس ہوا۔

''میں تمہیں ان لوگوں کے بارے میں سب بتاؤں گا...... مگر ابھی نہیں...... پلیز شہرام مجھے تھوڑا وقت دے دو...... رامین کے ساتھ بہت ٹریجڈی ہوئی مگر وہ بالکل بے قصور ہے۔ مقدر انسان کو انتخاب کا حق نہیں دیتا۔'' احمر کے لہجے میں کچھ ایسا تھا جس نے شہرام کو چونکا دیا۔

''تم مجھ پر اعتبار کرو، مجھے بتاؤ...... میں کبھی کسی سے ذکر نہیں کروں گا۔ یہ باتیں ہم دونوں میں راز کی طرح رہیں گی۔'' شہرام نے گویا اس کی منت کی۔ وہ سمجھ نہیں پایا کہ احمر اس سے وقت کیوں مانگ رہا ہے اور فوری تفصیلات بتانے پر کیوں راضی نہیں...... آخر ایسی کیا وجہ ہے؟ احمر بے بسی سے چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں کرب تھا۔ چہرے پر اداسی تھی۔

''مجھے ہمیشہ محسوس ہوتا تھا کہ رامین کے ساتھ کوئی مسئلہ ضرور ہے۔ مگر میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کوئی ایسی بات بھی ہوسکتی ہے۔'' شہرام کی آنکھیں نمناک ہوگئیں۔

''زندگی میں ایسا بہت کچھ ہوتا ہے جو کبھی ہمارے گمان کے قریب سے بھی نہیں گزرا ہوتا......''
احمر کے چہرے پر اک اداس سی مسکراہٹ آئی۔

''ہاں...... سچ کہا تم نے...... کیا وہ لوگ کوئی کرمنلو ہیں؟'' شہرام نے بے اختیار سوال کیا...... اس کے وجود میں گہری تھکاوٹ اتر آئی تھی۔ احمر خاموشی سے دیوار پر لگے وال کلاک کی سوئیوں کی حرکت دیکھتا رہا۔

''بتاؤ......'' شہرام نے اصرار کیا۔

''میں خوفزدہ ہوں کہ رامین کے بارے میں سب کچھ جان جانے کے بعد بھی تم محبت کے اس دعوے پر قائم رہو گے!'' احمر کے چہرے پر پُراسرار سا تاثر تھا...... شہرام کو کسی انہونی کا احساس ہوا۔

''محبت شرطوں سے بہت پرے کی چیز ہوتی ہے۔ یہ حالات نہیں دیکھتی۔ لمحوں میں نہیں بدلتی...... میں یہ سب انکشافات سن کر شاکڈ ضرور ہوں...... مگر میں رامین سے ہمیشہ محبت کرتا رہوں گا، ڈرو نہیں احمر...... مجھ میں سچ سننے کا حوصلہ ہے، چاہے وہ جتنا بھی تلخ کیوں نہ ہو......'' شہرام نے بے حد سنجیدگی سے کہا اس نے خود کو ہر طرح کی صورت حال کے لیے تیار کرلیا۔

احمر چند لمحے اسے یونہی دیکھتا رہا۔ جیسے کچھ کہنے کے لیے الفاظ ڈھونڈ رہا ہو۔

بعض کہانیاں انسان کو خوفزدہ کردیتی ہیں...... ان کا ہر لفظ نشتر ہوتا ہے جو سننے والے کی روح اور دل کو زخمی کرتا جاتا ہے۔ احمر نے تھکے تھکے انداز میں گہری سانس لی۔

''میں تمہیں سچائی بتاتا ہوں...... اس کے بعد ہی تم تمام فیصلے کرنا مگر میں تمہیں اس کے ماضی کے بارے میں بتاؤں گا۔ حال میں کچھ ایسا ہے جو وقت آنے پر بتاؤں گا۔'' وہ پہیلیوں کے رازوں کے تالے میں چابی گھمانے لگا۔ پہیلیوں کے پہرے ٹوٹنے لگے۔

شہرام دم سادھے اس کے منہ سے نکلی کہانی بغور

سن رہا تھا۔

☆☆☆

تیمور کیفے ٹیریا میں داخل ہوا تو علیزہ کونے والی سیٹ پر بیٹھی نظر آ گئی۔ وہ خوش دلی سے مسکراتا ہوا اس کے قریب آیا۔

"میں لیٹ تو نہیں ہو گیا علیزہ ڈیئر......!" وہ مسکراتے ہوئے اس کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"زیادہ نہیں......" علیزہ مسکرائی۔ سرخ رنگ کے لانگ اسکرٹ اور سرخ ربن والے بلاؤز میں وہ Red riding hood کی طرح دلفریب اور پُرکشش نظر آ رہی تھی۔ سرخ لپ اسٹک سے سجے ہونٹ سرخ گلاب کی طرح حسین لگ رہے تھے۔

"علیزہ! میری مدر اور سسٹر تمہارے گھر آنا چاہتی ہیں۔ میرے لیے تمہارا پروپوزل لے کر......" تیمور اسے بے خود ہو کر دیکھتے ہوئے خوشی سے بولا۔

"اچھا واقعی......!" علیزہ نے مسکرا کر کہا۔ اس کی آنکھوں پر آج سنہری لینس لگے ہوئے تھے۔ سونے جیسی چمک والی یہ آنکھیں تیمور کو مسمرائز کر رہی تھیں۔

"ہاں...... اب ہم بہت جلد ایک ہو جائیں گے۔" تیمور نے پیار سے علیزہ کا ہاتھ تھاما۔

"تیمور! تمہیں پتا ہے ناں کہ میرے پاپا کتنے بڑے بزنس مین ہیں اور میں ان کی اکلوتی بیٹی ہوں۔ میرے ایک ہی بڑے بھائی ہیں جو امریکا میں بزنس کرتے ہیں۔ میرے گھر والوں کا اسٹینڈرڈ بہت ہائی ہے۔ اگرچہ میں ان باتوں کو نہیں مانتی مگر میں اپنی فیملی کے سامنے شرمندہ نہیں ہونا چاہتی۔ اس لیے جب تمہارے گھر والے آئیں تو ان سے کہنا کہ رسم و رواج کا خیال رکھیں، آئی مین......" علیزہ قدرے نروس ہو گئی۔

"میں سمجھتا ہوں مائی ڈیئر...... تم بالکل فکر نہ کرو، تمہارے گھر ہم خالی ہاتھ تو نہیں آئیں گے ناں......؟" تیمور نے کچھ سوچتے ہوئے اسے تسلی دی۔

"پاپا، شادی کے بعد میری پراپرٹی مجھے دے دیں گے۔ ڈیفنس میں ایک بہت بڑا گھر ہے۔ کچھ

عملیات رمضان

☆ رمضان شریف میں ہر نمازِ عشا اور تراویح کے بعد تین بار کلمہ طیبہ پڑھنے کی بہت فضیلت ہے۔

☆ پہلی فضیلت گناہوں سے مغفرت دوسری فضیلت دوزخ سے آزادی، تیسری جنت کا مستحق ہونا۔

☆ ماہ رمضان کی ہر شب سورۂ قدر پڑھنی بہت افضل ہے۔ اس سے معصیت دور ہوتی ہے۔

☆ ماہ رمضان کی پہلی شب یعنی چاند رات کو بعد نمازِ عشاء تین دفعہ سورۂ فاتحہ پڑھنے والے کو اگلے رمضان المبارک تک رزق کا انتظام فرما دیا جاتا ہے۔

☆ رمضان المبارک کی ہر رات میں دو رکعت نماز اس طرح پڑھیں کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھنے والے کو اللہ تعالیٰ ہر رکعت کے بدلے ستر لاکھ فرشتے بھیجتا ہے۔

☆ رمضان المبارک کے ہر دن میں چار رکعت نفل ادا کریں، ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد تین بار سورۂ اخلاص پڑھیں۔ اور رمضان المبارک کے ہر جمعہ کو دس رکعتیں پڑھیں۔ ہر رکعت میں سورۂ اخلاص گیارہ بار پڑھیں۔ دس رکعتیں دو، دو رکعت کر کے پڑھیں، بڑی فضیلت ہے۔

از: مسز خدیجہ جمیل، لاہور

شادی کے لیے

ماہ رمضان کی گیارھویں، بارھویں، تیرھویں تاریخ کو بعد از نمازِ عشا چار نفل دو، دو رکعت کر کے پڑھیں...... ہر نفل میں سورۂ فاتحہ کے بعد بارہ مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھنی ہے۔ تمام نفل اس طرح ختم کرنے ہیں اور پھر سلام کے بعد درود ابراہیمی سو مرتبہ (نماز والا) پڑھ کر خشوع و خضوع سے دعا کریں۔

از: لائبہ کائنات، نیو کیمپس لاہور

پلاٹس اور زمین ہے جو میرے نام ہے اور مرسڈیز تو ہے ہی میری...... مگر میں شادی سے پہلے اسے چینج کردوں گی، لیٹسٹ ماڈل لے لوں گی۔'' علیزہ معصومیت سے بتا رہی تھی۔ تیمور کا دل خوشی سے بھر گیا۔ وہ اپنی قسمت پر نازاں تھا اور کیوں نہ ہوتا۔ علیزہ کروڑوں میں ایک تھی۔

''علیزہ! مجھے تمہارے علاوہ اور کچھ نہیں چاہیے۔'' وہی ڈپلومیٹک سی بات جو شروع میں سب کرتے ہیں۔

''مجھے پتا ہے کہ تم بہت اچھے ہو اسی لیے تو تمہارا انتخاب کیا ہے مگر میں پاپا کا دل نہیں توڑنا چاہتی۔ انہوں نے اتنے پیار سے میرے لیے پراپرٹی بنائی ہے۔ اب میرے ساتھ، یہ سب کچھ تو آئے گا ناں......'' وہ دلربا انداز میں آنکھیں جھپکاتے ہوئے بولی۔

تیمور کس قدر خوش تھا، بتا نہیں سکتا تھا۔

''بس...... جب تمہاری مدر میرا پروپوزل لے کر آئیں...... تو تم چند باتوں کا خیال رکھنا۔ ممی کو خوب امپریس کرنا...... تحفے تحائف لے کر آنا...... بٹ ممی کو...... ordinary gifts اچھے نہیں لگتے۔ تم اپنی امی سے کہنا کہ میرے لیے کوئی گولڈ کی جیولری تحفے میں لائیں۔ یوں ممی کو یقین ہو جائے گا کہ تم لوگ ہائی اسٹیٹس کے لوگ ہو۔ ممی اگر امپریس ہو گئیں تو وہ پاپا کو خود ہی منالیں گی۔ باقی میں سب سنبھال لوں گی۔''

علیزہ نے اسے ہدایات دیتے ہوئے کہا۔

تیمور کے چہرے پر سوچ آگئی...... وہ سوچ رہا تھا

''اتنے بڑے گھر میں رشتہ لے کر جانا ہے تو خالی ہاتھ تو نہیں جائیں گے...... گولڈ کی کوئی چیز، ہاں وہ بھی ہو جائے گی۔ بس ایک بار رشتہ پکا ہو جائے...... پھر خیر ہے۔''

''کیا سوچ رہے ہو؟'' اس نے تیمور کو سوچ میں گم دیکھ کر پوچھا۔ سنہری دھوپ جیسی آنکھیں نہ جانے کس جذبے کے تحت چمک رہی تھیں۔

''نہیں کچھ نہیں...... سب ہو جائے گا تم فکر نہیں کرو......'' تیمور اسے یقین دلاتے ہوئے مسکرایا۔

''بس ممی مان جائیں...... باقی کوئی کام مشکل نہیں ہے اور مجھے تو ویسے بھی گولڈ کا شوق نہیں ہے۔ میں تمہاری امی کے دیے گئے گولڈ کے گفٹس شادی کے بعد انہیں واپس کردوں گی۔ ممی نے بھی میرے لیے اتنا گولڈ، ڈائمنڈز اور ایمرلڈز جمع کیے ہوئے ہیں۔'' علیزہ نے اس کی سنجیدگی کو دیکھ کر گویا اسے دلاسا دیا اور ایک ادا سے اپنے بال پیچھے کیے۔

''ارے کیسی باتیں کر رہی ہو۔ میرا سب کچھ تمہارا ہی تو ہے۔'' تیمور اس کے ناخنوں پر لگی ریڈ نیل پالش کو دیکھتے ہوئے محبت سے کہہ رہا تھا۔

''تمہارا پاسپورٹ بنا ہوا ہے؟'' علیزہ نے پوچھا۔

''نہیں...... مگر میں بنوالوں گا......'' تیمور نے اپنے دل کی خوشی دباتے ہوئے کہا۔

''شادی کے بعد ہم لوگ ہنی مون کے لیے پیرس اور اٹلی جائیں گے...... تمہیں جو بھی جگہ پسند ہو، بتادو...... میں تو امریکن نیشنل ہوں...... اسی وجہ سے تمہارا پاسپورٹ اور ویزا بھی جلد مل جائے گا۔'' علیزہ مسکرا کر کہہ رہی تھی...... تیمور کے دل میں لڈو پھوٹ رہے تھے۔

''مجھے ہر وہ جگہ پسند ہے جو تمہیں پسند ہے۔ جیسی تمہاری مرضی......'' ان دونوں کا رشتہ تکلفات سے آزاد ہو چکا تھا۔ تیمور کوئی تکلف کیوں کرتا اس نے جھٹ رضامندی دے دی۔ علیزہ کی سنہری آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔

☆☆☆

اس نے سیاہ کاجل کی طرح بھیگی برسات کی رات کو دیکھا۔ وہ کھڑکی کے پاس کھڑا تیز ہواؤں کی خنکی محسوس کر رہا تھا۔ ہوا سے لہراتا پردہ اس کی پشت سے ذرا پیچھے لہرا رہا تھا۔

نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ آج اسے نیند آتی بھی کیسے...... وہ ضبط کے مشکل مرحلوں سے گزر رہا تھا...... کاش کہ وہ احمر کے انکشافات کبھی نہ سنتا۔

کاش کہ وہ رامین کے آنچل کی گرہوں میں بند پہیلیاں نہ کھولتا...... اس کا سارا وجود جیسے زخم بن گیا تھا۔

ٹیبل پر پڑا موبائل تھرتھرایا...... اس نے بے دلی سے موبائل اٹھایا۔

''ہیلو......'' رامین کی مترنم آواز کو اس نے بے حد افسردگی سے سنا۔

''ہیلو رامین......!'' وہ بہ مشکل بولا ضبط کی کوشش میں اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

''میں کافی دیر سے آپ کا فون ٹرائی کر رہی تھی مگر رابطہ ہی نہیں ہو سکا۔'' وہ چہکتی آواز میں کہہ رہی تھی۔

''میں تھوڑا بزی تھا۔'' اس کی سنجیدگی غیر معمولی تھی۔ وہ چونکے بنا نہیں رہ سکی۔

''اوہ...... اچھا......'' اس نے اپنا چونکنا ظاہر نہیں کیا...... ظاہر ہے وہ مصروف بندہ تھا۔

''آپ ٹھیک ہیں؟'' شہرام نے اس کی خاموشی محسوس کر کے پوچھا۔ وہ آج کسی سے کوئی بھی بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

''جی...... میں نے آپ کی خیریت پوچھنے کے لیے فون کیا ہے۔'' رامین نے فون کرنے والی حرکت پر یونہی پردہ ڈالتے ہوئے کہا۔

شہرام نے ایک گہری سانس لی، وہ کچھ بول نہیں پایا۔ اس کی خاموشی میں بڑی پُراسراریت تھی۔

''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' رامین کو اس کا رویہ آج بے حد عجیب لگ رہا تھا۔

شہرام نے بہت سا نمکین پانی اپنے اندر اتارا۔

''نہیں...... آج میری طبیعت بالکل ٹھیک نہیں ہے۔''

اس کا دل چاہا کہ رو دے...... مگر ضبط کر گیا۔ اس ٹوٹے بکھرے، شکستہ لہجے پر وہ ٹھٹک گئی...... اسے احساس ہوا کہ کہیں کچھ غلط ہوا تھا۔

''کیوں......! کیا ہوا ہے آپ کو؟'' اس نے پریشانی اور فکرمندی سے پوچھا...... یہ شہرام کی آواز تو نہیں تھی...... یہ تو کسی اجنبی کی آواز تھی۔

''بس بخار ہو گیا ہے۔'' شہرام نے افسردگی سے بہانہ بنایا۔ وہ قدم، قدم چلتا ہوا راکنگ چیئر تک آیا اور آہستگی سے بیٹھ گیا۔

''تو آپ بخار کی ٹیبلیٹ لے لیں...... بدلتے موسم کا اثر ہوگا، کوئی بات نہیں...... آپ آرام کریں گے تو ٹھیک ہو جائیں گے۔'' رامین نے اسے تسلی دی مگر جیسے اسے کوئی الہام ہو گیا تھا کہ شہرام جھوٹ بول رہا ہے۔ وہ اس کے لہجے پر پریشان سی ہو گئی۔ چند لمحے خاموشی سے گزر گئے۔

''شہرام! کیا آپ پریشان ہیں؟'' بالآخر اس نے پوچھ ہی لیا۔

''پریشانیاں ہماری مرضی سے کب آتی ہیں...... مقدر جو دکھ ہماری قسمت میں لکھ دیتا ہے، وہ ہماری زندگی کا حصہ بن جاتا ہے...... کیا آپ جانتی ہیں کہ انسان کھڑے، کھڑے کیسے مرجایا کرتے ہیں...... دل راکھ کا ڈھیر بن جاتا ہے...... اونچی ناک والی انا خاک کے غبار میں گم ہو جاتی ہے۔'' کسی بوڑھے کی آواز جیسا لرزتا ہوا سنجیدہ لہجہ...... جو کسی کو بھی تھرّا کر رکھ دے...... رامین کو اس کی آواز سے خوف آیا۔

''آپ ایسی سنجیدہ باتیں کیوں کر رہے ہیں! پلیز مجھے اپنی پریشانی بتائیں......'' رامین کو کسی انہونی کا احساس ہوا۔

''نہیں...... کچھ نہیں...... آپ پریشان نہ ہوں...... یونہی کبھی کبھی میں کچھ زیادہ ہی سنجیدہ اور قنوطی ہو جاتا ہوں۔'' وہ خود کو سنبھال کر بولا۔

''آپ کسی بات پر مجھ سے ناراض تو نہیں؟'' اس نے ڈرتے، ڈرتے گویا اپنی تسلی کے لیے پوچھا۔ اسے خیال آیا شاید وہ اس سے خفا تھا۔

شہرام کے ہونٹوں پر ایک تھکی ہوئی پژمردہ مسکراہٹ چمکی...... اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

''کیوں...... ایسا کیوں سوچا آپ نے...... مجھے بخار اس لیے تو نہیں چڑھا کہ میں آپ سے ناراض ہوں...... ایسا نہ سوچیں...... نہ آپ نے ایسا کچھ کیا ہے جس پر میں خفا ہوں گا اور نہ ہی میں آپ سے کبھی ناراض ہو سکتا ہوں۔'' اس کا لہجہ نمناک ہو گیا...... مگر اس نے جلد ہی خود پر قابو پا لیا۔

"مجھے آپ کی آواز سے ایسا لگا، اس لیے پوچھ لیا۔" وہ مدھم لہجے میں بولی۔

"انسان میں صحیح اندازے لگانے کی صلاحیت ہی کہاں ہوتی ہے...... آپ بے فکر ہو جائیں...... سنجیدگی کو خفگی نہ سمجھیں۔" اس نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ رامین کا وجود سن ہو گیا...... اس کے خدشات بے بنیاد نہیں تھے۔ وہ کچھ بول ہی نہیں پائی۔

"میں چند دن آپ سے رابطہ نہیں کر پاؤں گا۔ کام کے سلسلے میں شہر سے باہر جانا ہے...... اور بھی کچھ اہم مصروفیات ہیں۔" اسے اپنی ہی آواز اجنبی لگی...... وہ خود کو کچھ وقت دینا چاہتا تھا...... وہ کیا کہہ رہا تھا، رامین سمجھ نہیں پائی...... کیا وہ اسے نظر انداز کر رہا تھا...... خوب صورتی سے معذرت کر رہا تھا...... یا اب وہ اس سے بات ہی نہیں کرنا چاہتا تھا مگر کیوں......! ایسا کیا ہوا تھا اس کا ذہن الجھ گیا۔

"جی، ٹھیک ہے...... آپ اپنے کام پر دھیان دیں۔" اس نے پانی میں لرزتے عکس کی طرح کانپتی آواز میں کہا اور وہ کیا کہتی بھلا......! اس کی بھی عزت نفس تھی۔

"اوکے رامین......!" اس نے گویا اجازت چاہی۔

"خدا حافظ......" اس کی آواز مدھم ہو گئی۔

فون بند ہو گیا...... رامین حیرت زدہ سی بیٹھی رہ گئی...... وہ شہرام کے رویے کو سمجھ نہیں پائی...... اس کا دل ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا۔ شہرام وہ واحد مرد تھا جس سے وہ متاثر ہوئی تھی...... جس کی طرف اس کا دل کھنچا تھا۔ وہ دل کے سامنے بے بس ہو گئی۔ دل نے کوئی تاویل، کوئی دلیل نہیں سنی۔ وہ عمر کے اس دور میں تو نہیں تھی جب لڑکیوں کو محبت ہو جایا کرتی ہے...... مگر اس پر انکشاف ہوا...... محبت کا عمر سے کوئی تعلق نہیں، یہ تو کسی بھی وقت، کسی بھی عمر میں، کسی بھی لمحے ہو سکتی ہے۔ عورت، مرد کی شکل صورت سے نہیں، اس کے کردار سے محبت کرتی ہے اور رامین اسد کا دل شہرام خان نے اپنے مضبوط کردار اور بیش بہا خوبیوں کی وجہ سے جیت لیا تھا...... اس نے خود کو سمجھایا کہ اسے ایسی باتیں نہیں سوچنی چاہئیں...... وہ ایک بچے کی ماں ہے، دل نے کہا کہ وہ ایک عورت بھی تو ہے...... وہ اپنے دل کی سرکشی پر حیران رہ گئی۔ دل کب اور کیسے بدل جاتے ہیں، پتا ہی نہیں چلتا ناں...... آج وہ شہرام کے رویے سے بہت ہرٹ ہوئی تھی مگر اسے بتا نہیں پائی۔ عزتِ نفس آڑے آ گئی...... کسی سے متاثر ہونا، انسان کو کتنا کمزور کر دیتا ہے۔

اس نے منہ چادر میں چھپا لیا۔ وہ کروٹ پر لیٹی تھی اور نہیں چاہتی تھی کہ اس کی روم میٹ اس کے آنسو دیکھے اور اپنی مرضی کی کہانیاں بنائے۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ اب شہرام کو خود سے فون نہیں کرے گی۔ اسے فون کرنا ہوگا تو وہ خود ہی کرے گا۔ جن کے سر پر اپنی چھت نہ ہو، انا تو ان میں بھی ہوتی ہے۔ وہ خفگی سے سوچتی رہی۔ وہ سونے کی کوشش کرنے لگی۔

شہرام راکنگ چیئر پر بیٹھا آزردگی سے کچھ سوچ رہا تھا۔ ایک بارش اس کے اندر بھی ہو رہی تھی...... موسلا دھار، بہت تیز۔ وہ خود کو کچھ وقت دینا چاہتا تھا۔ اسے آج پتا چلا کہ محبت اپنی تمام تر خوب صورتیوں کے ساتھ انسان کو کڑی آزمائش میں بھی ڈال دیتی ہے۔ محبت میں دکھ بھی ملتے ہیں، محبت کا ایک روپ سوگوار بھی ہوتا ہے۔

اس کی آنکھوں کی نمی بڑھ گئی۔ برسوں پہلے رامین جس کرب سے گزری تھی وہ آج اپنے دل پر اس دکھ کو محسوس کر رہا تھا۔

محبت افسردہ اور غمزدہ بھی تو ہوتی ہے۔ کسی مغموم بیوہ کی سونی مانگ کی طرح خالی...... بے نشان منزلوں کے تھکے ماندے مسافر کی طرح مایوس...... خار دار جھاڑیوں میں اٹکے تار تار آنچل کی طرح بے وقعت......

شہرام نے اپنی آنکھیں موند لیں...... سر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا۔ دو آنسو بڑی خاموشی سے اس کی آنکھوں سے نکلے...... اس نے اپنے آنسوؤں کو بہنے دیا...... وہ مرد تھا مگر رو رہا تھا۔ بے آواز...... بہت خاموشی کے ساتھ...... وہ آج رونا چاہتا تھا۔

(باقی آئندہ)



آسان راستے

قانتہ رابعہ

کلاس روم میں شور مچا ہوا تھا...... بس دو ہی آپشن تھے، پہاڑی علاقوں میں ٹرپ لے کر جانا یا فن فیئر کا انعقاد...... جس میں کچھ وعظ و نصیحت، موج میلا، ہلا گلا بھی ہو...... ہر اچھے استاد کی طرح مس فرزانہ نے بچیوں سے پہلے نکتے پہ ہاتھ کھڑے کروائے...... صرف تین بچیوں نے ہاتھ بلند کیے۔

"کیوں بھئی......؟ گرمیوں میں ہی تو پہاڑی علاقوں پہ جانے کا مزہ آتا ہے......" مس فرزانہ نے

حیرانی سے کہا۔

"مس دل تو چاہتا ہے مگر اجازت کا مسئلہ ہے۔ ملکی حالات کی وجہ سے ہمارے والدین نہیں مانیں گے اس لیے پوچھنے کی ضرورت بھی نہیں......" جی آر تے سب کی طرف سے کہا۔

"اوہ...... تو پھر یوں کرتے ہیں کالج میں تقریبات کا ہفتہ مناتے ہیں، ہر کام اپنی مدد آپ کے تحت خود ہی کریں۔" مس فرزانہ نے مشورہ دیا۔

"مثلاً؟" ایک طالبہ نے سوال کیا۔

"مثال کے طور پر خود ہی ڈراما لکھو خود ہی کرداروں کا انتخاب کرو اور خود ہی اداکاری کا شوق پورا کرو......" مس فرزانہ نے جواب دیا۔

"او کے مس......" سب نے متفقہ طور پر حامی بھری کچھ بحث و مباحثے کے بعد عینی کا نام سامنے آیا جس کے کندھوں پر ساری ذمے داری ڈالی گئی۔ عینی اس دن غیر حاضر تھی...... اگلے دن پُرجوش ہو کر سب نے اسے بتایا کہ "تم اس سارے پروجیکٹ کی ذمے دار ہو......"

"بھئی آتے ہی میدان مار لیا ہے تم نے۔" فائزہ نے اسے داد دیتے ہوئے کہا۔

عینی بہاول نگر جیسے دور دراز شہر سے چند ماہ پیشتر ہی فیصل آباد شفٹ ہوئی تھی۔ نئی کلاس فیلوز، نیا ماحول، نیا ادارہ...... مگر اس کے اچھے اخلاق اور ذہانت نے بہت جلد سب کو اپنا گرویدہ کر لیا تھا اس لیے قرعۂ فال اس کے نام نکلا۔

"میں تو یہ کام نہیں کر سکتی......" عینی نے صاف انکار کیا۔

"ہائیں...... مگر کیوں؟ کوئی مسئلہ ہے؟" سب حیرت سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"نہیں مسئلہ تو کوئی نہیں مگر ابھی میں یہ کام نہیں کر سکتی۔" عینی نے ہنوز انکار پر ڈٹے رہتے ہوئے کہا۔

"مگر کوئی وجہ تو ہو......" اس کی کلاس فیلوز ایک ساتھ بولیں۔

"رمضان آ رہا ہے ناں...... اس کی تیاری کروں یا ڈراموں کی۔" عینی نے رکتے جھجکتے بتایا۔

"کیا......؟" فائزہ، حمنہ، شیما کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"عینی کی بچی ابھی پورے پانچ چھ ہفتے پڑے ہیں رمضان میں، تم نے کیا تیس دنوں کی افطاریاں، سحریاں بنا بنا کرے فریز کرنی ہیں؟" سمیعہ نے منہ پھاڑ کر کہا۔

"جو مرضی سمجھ لو......" عینی نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ صاف، صاف بتاتی کیوں نہیں۔" حمن نے مداخلت کی۔

عینی گومگو کی کیفیت میں رہی۔

"عینی ہم نے تمہیں پروٹوکول دیا، ہر لحاظ سے تمہاری گارڈ کیا، تمہارا دل لگانے کے لیے ہر طرح کی خدمات پیش کیں کہ تمہیں یہاں اجنبیت کا احساس نہ ہو مگر تم کوئی سرا ہی نہیں پکڑا رہی ہو......" فائزہ نے ذرا چیختے لہجے میں کہا۔ "چلو نہ بتاؤ تمہاری مرضی......" اب نروٹھے پن سے اس نے منہ دوسری طرف کر لیا۔

عینی نے اس کا ہاتھ پیار سے پکڑا۔

"تم سب صحیح کہتی ہو، میں دل سے تم لوگوں کی قدر دان ہوں۔ یہاں آنے سے پہلے میں نے اللہ تعالیٰ سے دو نفل پڑھ کر دعا بھی کی تھی کہ مجھے اچھی کمپنی ملے...... مگر بات وہ نہیں جو تم سمجھ رہی ہو۔" بہت محبت سے عینی نے انہیں کہا۔

"یہ کیا تم پُراسراری باتیں کر رہی ہو، کھل کے بتاؤ......" کوئی اس کی بات سے متفق نہیں تھا مگر حمن ذرا بدلحاظ تھی وہ فوراً بولی۔

"بات یہ ہے کہ رمضان کی تیاری میں ڈیڑھ دو ماہ پہلے سے شروع کر دیتی ہوں...... مثلاً عید کی تیاری، کپڑے، جوتوں سے سہیلیوں اور رشتے داروں کے لیے عید گفٹ خریدنا، رمضان میں مد... کرنے والے کاموں کی فہرست بنانا، رمضان میں اللہ سے زیادہ سے زیادہ جڑے رہنے کے لیے گھر کے کچھ کام کاج

قبل از رمضان ہی کرلینا کہ وقت کی بچت ہو جائے...... میں لہسن چھیل کر، ادرک کا پیسٹ بنا کے واپس صاف کر کے رکھتی ہوں...... کپڑے وغیرہ سارے مہینے کے لیے دھو دھلا کر پریس کرتی ہوں، اپنے بھی اور سب گھر والوں کے بھی۔ بازار کے جتنے چکر لگانا ہوتے ہیں، رمضان سے پہلے ہی لگالیتی ہوں کہ آنے بہانے بازار جانے کی نوبت نہ آئے۔"

"ہائے مجھے تو سمجھ میں نہیں آئی تمہاری بات، رمضان میں کیا یہ سارے کام منع ہیں؟" ثمن پھر پوچھنے سے باز نہ آئی۔

"منع تو نہیں میری بہن مگر اس کا ایک، ایک لمحہ اتنا قیمتی اور انمول ہوتا ہے کہ جی چاہتا ہے اس سے فائدہ اٹھائیں۔" عینی نے کہا۔

"تو تم رمضان میں یہ کام نہیں کرو گی تو پھر سارا وقت کیا کرو گی؟" فائزہ نے سوال کیا۔

"بات یہ ہے کہ رمضان کا مطلب ہے جلانے والا، تیز کرنے والا، بہالے جانے والا...... اس میں اللہ رب العزت بندے کے ہر اس گناہ کو معاف کرتے ہیں جس کی وہ نادم دل کے ساتھ معافی مانگ لے...... جس طرح جلی چیز کا سراغ نہیں ملتا اسی طرح گناہوں کا نامۂ اعمال تک جلا دیا جاتا ہے۔ میں الحمدللہ ہر سال اپنے گناہوں کی معافی مانگتی ہوں...... گناہ یاد کر کر کے لکھتی ہوں، آنکھوں کی بدنظری، زبان سے غلط بات، کان سے لغو بات سننا سب کو شمار کرنے کی کوشش کرتی ہوں پھر اللہ سے معافی مانگتی ہوں۔" عینی کی آواز بھیگی، بھیگی سی تھی۔

"اور بہا لینے سے کیا مطلب ہے؟" ثمن گنگ سی تھی۔

"جس طرح تیز بارش یا سیلاب ہر چھوٹی بڑی چیز کو بہا کر لے جاتا ہے...... اللہ تعالیٰ کی رحمت ویسے تو سارا سال ہی ہوتی ہے مگر رمضان تو خاص اللہ کا مہینہ ہے، اس میں اللہ کی رحمت تیز بارش کی طرح برستی ہے اور بندے کے ہر گناہ کو، جس کی وہ معافی

مانگے......" بہا کرلے جاتی ہے......اب رہا تیز کرنے کا تو رمضان نیکیوں کا اسلحہ تیز کرنے کا مہینہ ہے اور نیکیوں کا اسلحہ ایک ہی ہے۔" اس نے سسپنس پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"وہ کیا.....؟" ساری سکھیاں سہیلیاں اکٹھے بولیں۔

"تقویٰ...... پرہیزگاری...... جس کو ہم عام طور پر اونچے ٹخنوں تک کی شلوار، ہاتھ میں تسبیح یا ماتھے پر محراب سے پیوستہ سمجھتے ہیں حالانکہ تقویٰ صرف دل کی کیفیت کا نام ہے جو خوفِ خدا سے پیدا ہوتی ہے...... بندے کو اللہ کی نافرمانی سے روکتی اور فرمانبرداری پر آمادہ کرتی ہے۔" عینی نے سمجھایا۔

"لیکن پرہیزگاری کیسے پیدا کی جائے؟" حمن نے بے ساختہ کہا۔

"قرآن کی تلاوت اور تدبر سے۔" عینی نے دوٹوک لہجے میں کہا۔ "یہ تو اللہ نے قرآن کے شروع ہی میں ھدی المتقین کہہ کر واضح کر دیا تھا کہ پرہیزگاری اور قرآن لازم و ملزوم ہیں...... پورے قرآن کو پڑھو...... اس کے معنی و مطالب پر غور کرو اور عمل کے لیے کمربستہ ہو جاؤ۔" عینی بہت آسان الفاظ اور لہجے میں بہت بڑی، بڑی باتیں بتا رہی تھی اور وہ سب سن رہی تھیں۔ "دیکھو جس طرح جسم کے لیے گیارہ ماہ تگ و دو کرتے ہو ایک ماہ روح کے لیے...... ان دیکھی چیز کے لیے کمر کس لو، صحابہ کرامؓ نے جسموں کے بارے میں نہیں سوچا تھا بس روح کی خوراک کا بندوبست کرتے رہتے تھے...... ہم روح کو نظر انداز کر، کر کے بدپرہیزگاریاں کر، کر کے اس کو بیمار کر لیتے ہیں، میرا اللہ اس کی توانائی کے لیے رمضان لے آتا ہے۔ پورا ماہ اس کا دھیان رکھو...... نیکیوں کے ذریعے، تلاوت کے ذریعے، قیام اللیل کے ذریعے روح کو خوراک پہنچاؤ تمہاری عاقبت بن سکے...... بس میں پہلے ہی پلان کرتی ہوں کہ مجھے ہر کام رمضان سے پہلے عمل کر لینا ہے تاکہ رمضان میں یکسو ہو کر رب کو راضی کر سکوں......" عینی کا چہرہ تابناک ہو رہا تھا۔ اس کی

کلاس فیلوز دم بخود اسے دیکھ رہی تھیں۔

"عینی ایک بات سچ، سچ بتانا تمہیں یہ سب باتیں کس نے بتائیں، کیا تمہارے پیرنٹس مولوی ہیں؟" حمن نے اس سے پوچھا تو وہ کھلکھلا کر ہنسی۔

"میری امی اور ابو دونوں ڈاکٹرز ہیں۔ روح کے بھی اور جسم کے بھی...... ہم سب گھر والے رات کو مل کر قرآن پاک کا ترجمہ اور حدیث کی ایک کتاب سے حدیث ضرور پڑھتے ہیں...... میری امی کہتی ہیں اگر بچوں کو میں اعلیٰ تعلیم دلوا دوں لیکن اپنے رب اور رب کے محبوب سے آگاہ نہ کروں تو پھر روزِ حشر اللہ کو کیا منہ دکھاؤں گی۔ اور......"

کلاس روم میں سناٹا چھایا ہوا تھا...... بس، یہی کمی تھی جو باقی طالبات میں تھی...... اگرچہ ہر کسی کے پاس اپنا لیپ ٹاپ، اپنا موبائل، اپنی سرگرمیاں...... پر والدین کے پاس وقت، نہ اولاد کے پاس...... جنہیں آج کی تیاری کی توفیق نہیں کل وہ کیا کمائیں گے۔

"عینی تھوڑا سا ہوم ورک اس رمضان میں ہمیں بھی کرواؤ گی، اصل میں ہمارے پیرنٹس نے......" فائزہ رک گئی...... وہ تذبذب میں تھی کیا بولے اور کیا نہ بولے۔

عینی نے اٹھ کر اسے سینے سے لگا لیا۔

"کیوں نہیں...... آج میری دوست نہ ہو تو کل آخرت میں دوستی کیسے نبھائی...... بس نیت کر کے اللہ سے مدد مانگو، راستے خود ہی آسان ہو جائیں گے۔"

"ایسی ہی شاگرد ہوتی ہیں جن پر استاد ہی نہیں زمانہ بھی رشک کرتا ہے......" کلاس روم کے دروازے پر مس فرزانہ بس یہی سوچے جا رہی تھیں۔ جبکہ کلاس روم کی باقی بچیاں یہ سوچ رہی تھیں کہ وہ جو عینی کی ذہانت کی وجہ سے اس سے متاثر تھیں ان کے دلوں میں اس کا اونچا مقام تھا تو یہ غلط تھا یعنی ذہانت نہیں، محض رب کی معرفت اور محبت...... جس نے اس کے چہرے و دل کو پاکیزہ اور معصوم بنا دیا...... اس کی محبت خود بخود ان کے دلوں میں بستی چلی گئی تھی۔

نصیب کی بات

ثمینہ فیاض



"سعدیہ بیٹا جلدی کرو راشد بھائی سے کہو گاڑی نکالیں۔" امی ہانپتی کانپتی اس کے کمرے میں آ کر کہہ رہی تھیں۔ اُن کے چہرے کی گھبراہٹ اور آتے ہوئے پسینے کو دیکھ کر سعدیہ خود بھی گھبرا گئی۔

"امی سب ٹھیک ہے، خیریت تو ہے ناں...... کیا ہو گیا؟" وہ جلدی سے اپنے سارے نوٹس اور کتابیں سمیٹتے ہوئے بولی۔

"خیریت نہیں بیٹا، تمہارے دادا کو دل کا دورہ پڑا

ہے۔ احسن بھائی انہیں اسپتال لے کر گئے ہیں ابھی تمہاری تائی امی کا فون آیا تھا۔"

"اچھا!" وہ سب ایسے ہی پھیلا چھوڑ کر جلدی سے تقریباً بھاگتے ہوئے راشد بھائی کو بتانے گئی جب تک امی اپنے پرس میں کچھ پیسے رکھ چکی تھیں اور چادر اوڑھ رہی تھیں۔

"امی میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی۔" سعدیہ ماں کے پاس آکر بولی۔

"نہیں بیٹا، تم یہیں رکو، میں تمہیں فون پر بتادوں گی۔" گاڑی اسٹارٹ کرکے راشد بھائی، امی کو اسپتال لے گئے۔ وہاں احسن تایا کے ساتھ باسط بھائی بھی تھے۔ باسط بھائی، احسن تایا کے بڑے اور اکلوتے بیٹے تھے۔ دادا ابو کو آئی یو سی میں لے گئے تھے۔

"السلام علیکم احسن بھائی! یہ اچانک کیسے ہو گیا......" آمنہ اپنے جیٹھ سے پوچھ رہی تھیں۔ اُن کے چہرے سے فکر صاف ظاہر ہو رہی تھی۔

"بس آمنہ کیا بتاؤں...... کتنا منع کیا ہے انہیں احتیاط کیا کریں...... مگر پرہیز ہی نہیں کرتے۔ ہم منع کرتے ہیں تو چڑ کر کہتے ہیں۔ ابھی مرا نہیں ہوں صرف بوڑھا ہوا ہوں۔ تم لوگوں کا بس چلے تو کچھ کھانے کو ہی نہ دو...... بھوکا مار دو مجھے......"

آمنہ اثبات میں سر ہلا رہی تھیں جیسے اُن کی بات کی تائید کر رہی ہوں۔

"جی، میں کل ملنے گئی تھی نا...... تو بیٹھے پراٹھے کے ساتھ خوب ملائی والی لسی پی رہے تھے......" آمنہ فکر مندی سے کہہ رہی تھیں...... کچھ دیر توقف کے بعد بولیں۔ "میں نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی تو بولے "کمزوری کافی ہو گئی ہے۔" میں نے کہا بھی کہ آپ کو ڈاکٹر نے منع کیا ہے تو کہنے لگے "ان کی تو ایسی کی تیسی، ہمیں نہیں اچھی لگتی وہ تمہاری پھوکھو ڈبل روٹی...... نہ کوئی مزہ نہ طاقت...... پیٹ بھی نہیں بھرتا......"

آمنہ کے شوہر یوسف کا پہلے ہی ایک حادثے میں انتقال ہو چکا تھا۔ وہ اپنی زندگی میں ہی علیحدہ گھر میں شفٹ ہو گئے تھے اور دادا ابو اب اپنے بڑے بیٹے احسن کے گھر ہی رہتے تھے۔ کیونکہ ان کے مطابق جب وہ آمنہ کے گھر جاتے ہیں تو بیٹے کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔ پورے پانچ دن دادا ابو آئی یو سی میں رہے، ان کے پوتے، پوتی، بیٹا اور دونوں بہویں ہر وقت حاضر تھیں۔ باری، باری سب کی ڈیوٹی لگتی رہتی۔ ملنے کی صرف چند لمحوں کی اجازت تھی مگر وہ بے ہوش تھے۔ اس لیے ان سے کسی کی کوئی بات نہ ہو سکی اور پھر اسی بے ہوشی میں ان کا انتقال ہو گیا۔

ہر دل اداس تھا۔ سعدیہ اس خاندان کی واحد بچی ہونے کی وجہ سے دادا ابو سے زیادہ ہی اٹیچڈ تھی، وہ اس کی ہر فرمائش پوری کرتے تھے۔

دادا ابو کی تدفین کے تمام مراحل بخیر و خوبی انجام پا گئے تھے۔ لوگ تعزیت کرنے اب بھی آرہے تھے۔ ان کے ملنے جلنے والوں کی ایک بہت بڑی تعداد تھی...... اگربتیوں کی مہک پورے گھر میں بسی تھی۔ قرآن خوانی اور تسبیحات کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ گھر کی تینوں خواتین یعنی دونوں بہویں (آمنہ اور شاکرہ) اور پوتی (سعدیہ) کا رو، رو کر برا حال تھا۔ ایک طرف بڑی بہو شاکرہ رو، رو کر یہ کہہ رہی تھیں کہ انہوں نے تو خدمت کا موقع ہی نہیں دیا ایسے ہی چلتے پھرتے چلے گئے۔

تو دوسری جانب آمنہ خود کو بہت اکیلا محسوس کر رہی تھیں کہ شوہر کے بعد ابا جی ہی ہر بات کا خیال رکھتے تھے۔ اب وہ بھی چلے گئے۔ سعدیہ کہتی میرے ابو تو جب گئے تو مجھے اتنی کچھ نہیں تھی لیکن دادا ابو نے ہی ابو کا پیار دیا۔ اب میں اصل معنوں میں یتیم ہو گئی ہوں۔

شاید انسان کو کسی ایسی بات پر غمزدہ ہونے میں تسکین ملتی ہے جو اس کے اختیار میں نہیں ہوتی کیونکہ اس بات پر کسی قسم کا گلٹ یا شرمندگی نہیں ہوتی اور جو بات انسان کے اختیار میں ہوتی ہے اور وہ ناکام ہو جائے تو اسے خود سے بھی چھپاتا ہے تاکہ شرمندگی نہ ہو اور الزام دوسروں پر ڈالتا ہے۔

☆......☆......☆

غم آہستہ، آہستہ مندمل ہو گیا تھا۔ دادا ابو کے انتقال کے دو سال بعد احسن تایا کے بیٹے باسط کی شادی بھی ہو چکی تھی۔ اور اب آمنہ نے اپنے بیٹے راشد کی شادی کا فیصلہ کر لیا تھا اور اس کی تیاریاں جاری تھیں۔

گزشتہ تمام ماہ و سال میں احسن تایا اور تائی امی کا رویہ بہت اچھا تھا اکثر دونوں گھرانے ایک دوسرے کے گھر آتے جاتے۔ راشد کے رشتے کے لیے تایا اور تائی امی بھی ساتھ گئے تھے، سب کو ہی لڑکی بہت پسند آئی تھی۔ خاندان بہت اچھا اور مہذب تھا۔ لڑکی بہت معصوم اور بھولی بھالی سی تھی۔ سب کو ان لوگوں کی سادگی بہت پسند آئی اور رشتہ دیکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ لڑکی باسط بھائی کی بیگم شانزے بھابی کی دوست بھی ہے۔ بہت اچھی عادت کی ہے سب فوراً ہی راضی ہو گئے۔ یوں راشد بھائی کا رشتہ باہم سے طے ہو گیا، شادی ایک سال بعد طے پائی گی۔

☆......☆......☆

''مہنگائی تو بہت زیادہ ہو گئی ہے، تم شادی کے لیے لون لے لو، مل سکتا ہے کیا آفس سے؟'' آمنہ بیٹے سے پوچھ رہی تھیں۔

''میں بات کر کے دیکھتا ہوں امی۔'' راشد آفس جانے کے لیے تیار ہو کر ابھی ڈائننگ ٹیبل پر آیا تھا۔ امی اسی مسئلے میں الجھی ہوئی تھیں۔

''شادی تو ہو جائے گی اب زیور کا کیا ہو گا سونا تو آسمان سے باتیں کر رہا ہے اور دینا بھی ضروری ہوتا ہے۔ میں نے اپنا زیور آدھا تو جب یہ مکان خریدا تھا، بیچ دیا تھا۔ اور آدھا سعدیہ کی شادی کے لیے رکھا ہوا ہے۔ اسے بھی تو کچھ دینا ہو گا۔'' ان کا تو سوچ، سوچ کر برا حال تھا۔ اولاد کی خوشی، سفید پوشی کا بھرم اور خاندان و معاشرے میں عزت کا سوال؟ وہ کس سے کہیں کہ اس مہنگائی نے ان کی کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ اچانک ان کے ذہن میں ایک خیال آیا اور چہرے پر مسکراہٹ کسی معصوم تتلی کی طرح آ کر بیٹھ گئی۔ انہیں یاد آیا کہ ان کی ساس کا بہت سا زیور تھا جو احسن بھائی کے پاس رکھا ہوا ہے۔ باسط کی بیوی کو دینے کے بعد بھی یقیناً بچا ہو گا۔

''چلو ان سے بات کر کے دیکھتی ہوں۔'' انہوں نے دل ہی دل میں سوچا۔

''راشد بیٹا آج آفس سے جلدی گھر آ جانا کچھ شاپنگ پر بھی جانا ہے اور تمہارے تایا ابو کے گھر بھی جانا ہے۔'' آمنہ نے ناشتا کرتے ہوئے بیٹے سے کہا...... وہ چائے بنا کر بیٹے کو دیتے ہوئے بولیں۔

''سوچ رہی ہوں تمہاری دادی کے زیور کو پگھلا کر کسی نئے ڈیزائن کا بنوا لیتے ہیں اور اگر کوئی بہت خوب صورت ہوا جیسے ان کا ایک کنگن تھا جس کا ڈیزائن مجھے بہت پسند تھا۔'' وہ جیسے کہتے، کہتے کسی سوچ میں چلی گئیں۔ ...... ''تھے تو دو لیکن ایک تمہارے تایا لوگوں کو ملے گا دوسرا ہمیں...... تو اس پر پالش کروا لیتی ہوں اور وہی کنگن تم منہ دکھائی کی رسم میں دلہن کو دے دینا۔''

''جی امی۔'' راشد بھی بڑی فرمانبرداری سے بولتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ ''جلدی آ جاؤں گا آپ فکر نہ کریں...... سعدی جلدی کرو پھر تمہیں کالج سے دیر ہو جائے گی'' ...... راشد بہن کو آواز دیتے ہوئے باہر کی جانب بڑھا۔

''جی بھائی آپ گاڑی نکالیں میں آ رہی ہوں۔'' وہ آدھا سلائس منہ میں ٹھونستی اور اِک سینڈوچ اٹھا کر باہر کی جانب لپکی۔

''ارے آرام سے، گر جاؤ گی۔'' امی اس کے بچپنے سے تنگ تھیں۔

شام میں امی، سعدیہ اور راشد سب ہی احسن تایا کے گھر گئے۔ دروازہ شانزے بھابی نے کھولا۔

''ارے چچی جان کیسی ہیں، السلام علیکم، آئیں، آئیں، اندر آئیں......'' انہوں نے خوش اخلاقی سے کہا۔

''وعلیکم السلام جیتی رہو بیٹا، کیسی ہو...... ہیں سب گھر میں۔'' امی نے بھی بہت پیار سے ان کے سر پر ہاتھ رکھا۔

''جی، جی سب گھر میں ہیں...... ابھی آئے ہیں باسط اور ابو جی بھی اندر ہیں۔ سب ٹی وی دیکھ رہے

ہیں۔" وہ ان تینوں کو لے کر ڈرائنگ روم تک آچکی تھیں۔

"ارے آمنہ آئی ہیں...... کیسی ہو بیٹا سعدیہ آؤ، آؤ۔" احسن تایا انہیں دیکھتے ہی خوش ہو گئے۔

وہ راشد بھائی سے مصافحہ کر کے بیٹھ گئے ان کے استقبال کو تائی امی بھی آگے بڑھیں اور آمنہ سے ہاتھ ملا کر سعدیہ کو گلے لگا لیا۔ "کیسی ہو بچے......"

"جی ٹھیک ہوں......" وہ بھی اپنی خوب صورت آواز میں اپنی خیریت کا بتا کر بیٹھ گئی۔

باسط بھائی آمنہ چچی کے قریب ہو کر سر جھکا کر سلام کرنے لگے۔ آمنہ نے بھی سر پر ہاتھ پھیرتے، پھیرے دل سے ان کو سلامتی اور صحت کی ڈھیروں دعائیں دے دیں۔

تائی امی، باسط بھائی، شانزے بھائی اور تایا سب وہاں موجود تھے۔ خیر خیریت دریافت ہوتی رہی۔ تائی جی نے تو شانزے کو فوراً کھانا بنانے بھیج دیا۔

"اب رات کا کھانا کھا کر ہی جانا۔" آمنہ بھی ان کی محبت سے بھرپور رویے سے متاثر ہوئے جا رہی تھیں۔

"اور سناؤ بھئی شادی کی تیاریاں کہاں تک پہنچیں۔" تائی جی بڑے خلوص سے پوچھ رہی تھیں۔

"جی بھابی تقریباً سب ہو ہی گیا ہے......" آمنہ نے بہت سادگی سے ان کا جواب دیا۔

"ہاں چلو یہ تو اچھا ہو گیا۔ ورنہ شادی کے تو بہت کام ہوتے ہیں آخری وقت تک چلتے رہتے ہیں۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ارے کہاں ہو گیا۔ اس چھٹکی کی اتنی شاپنگ ہو گئی پھر بھی اس کا دل نہیں بھر رہا اور اِک، اِک چیز میں دس کام نکلتے ہیں۔ گھر لے آتی ہیں پھر یاد آتا ہے کہ اس کی فلاں میچنگ تو رہ گئی...... یہ رہ گیا وہ رہ گیا۔" راشد بھائی منہ بنا کر بول رہے تھے۔

"ارے بھائی کی شادی ہے۔ اتنا تو حق بنتا ہے یار...... ہماری ایک ہی تو بہن ہے......" باسط بھائی نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"جی جی...... بالکل حق بنتا ہے۔" سینے پر ہاتھ رکھ کر سر جھکا کر بڑی فرمانبرداری سے راشد بھائی کہہ رہے تھے...... "مگر ایک بار کر لیں ناں نہیں، اس سوٹ کی فٹنگ صحیح نہیں آئی ہے۔ یہ جوتا تو کاٹ رہا ہے۔ اس لپ اسٹک کا شیڈ میرے سوٹ سے میچ نہیں کر رہا۔ اتنے چکر لگوائے کہ گھن چکر ہو گیا ہوں۔" سب ہی زور سے ہنسنے لگے۔

"تو کیا کروں، اب بھائی کی شادی ہے تیاری بھی نہ کروں......" سعدیہ مصنوعی غصے سے منہ پھلا کر بیٹھ گئی۔ راشد بھائی اسے اور چڑانے کے لیے بولے۔

"بندریا! کچھ میری اگلی شادی کے لیے بھی چھوڑ دو......"

"توبہ ہے لڑکے...... کچھ تو سوچ سمجھ کر بولا کرو کتنی بار کہا ہے کوئی بھی قبولیت کی گھڑی ہو سکتی ہے۔" آمنہ نے قریب بیٹھے بیٹے کے ایک چپت لگائی۔

"لڑکے تمہارے ارادے تو بڑے خطرناک ہیں......" تایا جی بھی ہنستے، ہنستے کہہ رہے تھے۔

"ارے نہیں تایا ابو، یہ تو ایسے ہی ہنسی مذاق کے لیے کہہ دیا تھا۔ ورنہ ایسا کوئی ارادہ نہیں...... مصیبت جتنی کم ہو اتنی ہی اچھی ہوتی ہے۔" راشد بھائی نے باسط بھائی سے تالی مارتے ہوئے کہا اور ان کے اس بے ساختہ جملے پر سب ہی ہنس دیے۔ اسی دوران گھر کی ملازمہ جوس سرو کرنے لگی۔

"شادی ہال بک ہو گیا؟" جوس کا گلاس اٹھاتے ہوئے تایا ابو نے راشد بھائی سے پوچھا۔

"جی تقریباً ہو ہی گیا ہے۔" انہوں نے جھجکتے ہوئے جواب دیا۔

"اچھا تم اس کو رہنے دو، میرے ایک جاننے والے ہیں جہاں باسط کی شادی ہوئی تھی...... اسی میں تمہارے لیے بھی بات کر لیتا ہوں کافی کنسیشن کر دیتے ہیں وہ۔"

"لیکن تایا ابو...... وہ تو کافی مہنگا تھا میں اتنا افورڈ نہیں کر سکتا۔ مجھے تو کوئی چھوٹا ہال ہی چاہیے۔" اب کی بار راشد نے بہت صاف گوئی سے کام لیا۔

"چلو ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی۔"

سعدیہ، شانزے بھابی کی ہیلپ کرنے کچن میں چلی گئی تھی۔

"اور جوڑے وغیرہ کتنے بن گئے ہیں؟" شاکرہ بھی دیورانی کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"بس بھابی گیارہ جوڑے بنائے ہیں باقی تو ماہم خود آکر بنالے گی۔ آج کل کی لڑکیاں اپنی پسند سے ہی کپڑے بنانا پسند کرتی ہیں۔ پھر پسند آئیں نہ آئیں یوں ہی ضائع جائیں گے۔"

"ہاں یہ تو ہے......" تائی جی نے بات کی تائید کی۔ آمنہ انہیں مزید تفصیل بتارہی تھیں کہ شانزے نے سب کو کھانے پر بلالیا۔

"ارے واہ بہو، تم نے تو بڑی جلدی سب کرلیا۔" آمنہ شانزے کی تعریف کررہی تھیں۔

سب ڈائننگ روم کی طرف بڑھ گئے جہاں میز پر انواع واقسام کے کھانے سجے تھے۔ جو شانزے نے کک کے ساتھ مل کر تیار کروائے تھے۔

سب کو کھانا بہت پسند آیا اور کھانے کے بعد گرین ٹی کا کہہ کر سب لاؤنج میں آکر بیٹھ گئے۔ ابھی ہنسی مذاق جاری ہی تھا کہ شاکرہ بھابی نے آمنہ سے کہا۔

"آمنہ کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو بلا جھجک کہہ دینا ہم تمہارے اپنے ہیں اور اپنے کام نہیں آئیں گے تو کون آئے گا۔"

"جی، جی آپ لوگوں کے علاوہ ہے ہی کون اپنا، کس سے کہوں گی آپ ہی سے کہنا ہے۔" آمنہ نے بھی دل سے ساری جھجک دور کرکے اپنے بوجھ کو کم کرنا چاہا مگر ابھی وہ اصل بات کی طرف نہیں آئی تھیں۔ کچھ دیر توقف کے بعد آمنہ نے کچھ ہمت پکڑی۔ "ویسے بھابی اس وقت تو ہم آپ سے ایک ضروری بات کرنے ہی آئے تھے۔" جیٹھ اور جیٹھانی دونوں ایک دم متوجہ ہوگئے۔

"ہاں، ہاں آمنہ بتاؤ..... ہم سے جو ہوسکا ہم کریں گے تم بس بولو۔" یہ تایا ابو کے الفاظ تھے جس کی حمایت میں شاکرہ تائی نے بھی سر ہلا کر اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔

"بس ایک چھوٹی سی پریشانی تھی۔" آمنہ نے ذرا جھجکتے ہوئے کہا۔

"کیوں، کیا ہوا....؟" تایا جی اس بات پر چونکے تھے۔

"ارے ایسی کوئی بڑی بات نہیں......" راشد بھائی نے بھی اس گفتگو میں حصہ لیا۔

"مسئلہ کیا ہے مجھے بتاؤ تو...... شاید میں تمہاری کچھ مدد کرسکوں۔" وہ ایک بار پھر اپنی مدد کی پیشکش کررہے تھے۔

"وہ اصل میں ویسے تو سب ہوگیا ہے لیکن راشد کی بری چڑھانے کے لیے زیور کا مسئلہ ہے، بہت مہنگا ہوگیا ہے سونا......" آمنہ نے بات شروع کی۔

"ہاں یہ تو ہے، مہنگائی تو بہت ہوگئی ہے اور سونا خریدنا تو ہر ایک کی استطاعت سے باہر ہوگیا ہے۔" اب کی بار تایا ابو ذرا سنجیدہ تھے۔

"وہ ہم دراصل یہ چاہ رہے تھے کہ اماں جی کا جو زیور ہے اگر اس میں سے جو بھی ہمارا حصہ ہے مل جائے تو......" آمنہ نے قصداً بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

"آم...... آمنہ......!" آمنہ کے نام کو لمبا کھینچتے ہوئے وہ اپنی حیرت کا اظہار کررہی تھیں۔ تائی امی کو تو جیسے کرنٹ لگ گیا تھا۔ اس تیزی سے کھڑی ہوئیں...... اور ان کی آواز میں حیرت اور غصہ دونوں ہی آگئے تھے۔ "تم کیسی باتیں کررہی ہو، اماں جی کا زیور تھا ہی کتنا دو کنگن اور ایک سونے کا سیٹ۔ باقی تو جو کچھ بھی تھا سب ان کی بیماری پر لگ گیا تھا۔ اور رہی بات اس سونے کے سیٹ کی تو وہ ابا جی کے انتقال سے پہلے جو ان کا بائی پاس ہوا تھا اس میں لگ گیا۔" آمنہ جیٹھ کا چہرہ دیکھنے لگی تو وہ بھی اپنی بیوی کی بات کی حمایت کرنے لگے۔

"ہاں آمنہ تمہاری بھابی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" پھر بیوی کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے بولے۔ "تم کیوں کھڑی ہوگئی ہو بیٹھو، بیٹھ کر بات کرو۔"

آمنہ بات بڑھانا نہیں چاہتی تھیں کیونکہ شوہر تو ان کے حیات تھے نہیں ہر اچھے برے وقت میں بھی احسن بھائی اور شاکرہ بھابی نے ہی ان کی مدد کی تھی۔ کچھ لحاظ و مروت اور کچھ احسانات کے بوجھ تلے دب کر وہ چپ ہونے پر مجبور ہو گئیں۔ حالانکہ وہ جانتی تھیں کہ امی جی کے وقت ان کے شوہر یوسف نے اپنے آفس سے مینٹل پر سارا علاج کروایا تھا۔ اور ان کے سسر کے علاج میں اتنا سارا سونا نہیں لگ سکتا تھا۔ ان کے ذہن میں اپنی ساس کے پانچ سونے کے بڑے اور تین چھوٹے لاکٹ سیٹ، بیس سونے کی اچھی بھاری انگوٹھیاں، تین یا چار جھنڈ، جھمکا بالیاں اور چار چوڑیوں کے علاوہ دو سونے کے کنگن بھی تھے۔ جن کا ڈیزائن انہیں بہت پسند تھا۔ وہ تو جیسے احسن بھائی اور شاکرہ بھابی کی بات سن کر دنگ ہی رہ گئیں، ان کے وہم و گمان بھی نہ تھا کہ یہ لوگ ایسے بدل جائیں گے۔

"اور وہ کنگن وہ تو ابا جی نے مجھے خاص کر کہا تھا کہ وہ سعدیہ کو دیں گے اس کی شادی پر ان کی ایک ہی تو پوتی ہے ......" آمنہ نے خاموشی سے بات کے دب جانے سے پہلے ایک کوشش اور کرنی چاہی۔

"لو جی کر لو بات...... ساری زندگی خدمتیں ہم کرتے رہے اور کنگن لے جائیں پوتی صاحبہ......" تائی امی کے لہجے میں اچانک طنز آ گیا تھا۔

"وہ تو میں نے شانزے کو اس کی بری میں چڑھا دیے...... آخر ہمارا بھی تو کچھ حق ہے اتنے سال ان کی خدمت کی ہے۔" آمنہ تو خاموشی سے سب دیکھتی رہیں اور احسن بھائی بھی کچھ نہ بولے۔

راشد اپنی ماں کو اور تایا جی کو دیکھتا رہا کہ شاید یہ لوگ کچھ بولیں لیکن جب کوئی کچھ نہ بولا تو بڑوں کے آگے اس میں بھی بولنے کی جرأت نہیں تھی۔ اس لیے وہ بھی خاموش ہی رہا۔ تایا جی بات کو ختم کرنے کے لیے ذرا صوفے سے آگے ہو کر بیٹھے اور بہت نرمی سے بولے۔

"دیکھو آمنہ تمہیں شاید لگے کہ ہم نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے، تمہیں کچھ نہیں دیا لیکن حقیقت یہی ہے کہ اب کچھ بچا ہی نہیں ......" آمنہ، راشد کو دیکھ کر آنکھوں ہی آنکھوں میں چپ رہنے کا اشارہ کر رہی تھیں...... راشد ماں کے دباؤ میں خاموش تو ہو گیا لیکن دل میں اپنے تایا کو بے ایمان کہہ رہا تھا۔

"آمنہ ہم تمہاری ہر، ہر طرح سے مدد کرنے کو تیار ہیں، تمہیں جتنا بھی پیسہ ادھار چاہیے ہو بتادو میں تمہیں دے دوں گا۔ آخر میرے بھتیجے کی شادی ہے۔ یہ بھی مجھے اپنے باسط کی طرح ہی عزیز ہے۔"

تایا جی بات ختم کرنے کی پوری کوشش کر رہے تھے کہ معاملہ نرمی اور بغیر کسی جھگڑے کے ختم ہو جائے۔ باسط جو اس معاملے میں اب تک خاموش بیٹھا تھا۔ وہ بھی اب اس گفتگو میں شامل ہوتے ہوئے کہنے لگا۔

"ہاں، ہاں کیوں نہیں تم لوگ ہی میرے بھائی بہن ہو...... بچپن سے تمہیں ہی اپنا سگا بھائی، بہن مانا ہے کسی بھی چیز کی ضرورت ہو بلا جھجک بتا دینا۔"

"ارے بھئی شانزے تم اپنے ہاتھ سے گرین ٹی بنا کر لاؤ بہت اچھی بناتی ہے ہماری بہو۔" تایا ابو سب کے اترے ہوئے چہرے دیکھ کر سب کا موڈ ٹھیک کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ جبکہ پریشانی اور دکھ آمنہ اور راشد کے چہروں سے صاف ہو رہا تھا۔

بات آئی گئی ہو گئی۔ آمنہ کو غصہ تو بہت تھا لیکن صبر کر کے بیٹھ گئیں۔ کبھی کبھی مصلحت ایسے آڑے آ جاتی ہے کہ دل کو ایک طرف رکھ کر دماغ کی ہی سنی پڑتی ہے۔

سارے راستے راشد کا منہ پھولا رہا۔ آمنہ بھی دکھی تھیں اور بیٹے کی جذباتیت کو محسوس کر رہی تھیں۔ گھر آتے ہی راشد کا موڈ سخت خراب ہو گیا۔

"امی آپ نے مجھے روکا کیوں، بولنے کیوں نہیں دیا۔ ہمارا حق مار کر کہتے ہیں...... تمہیں ادھار دے دوں گا جتنا تم چاہو...... احسان کر رہے ہیں ہم پر......" اس کے ہر انداز میں غصہ اور نفرت تھی آمنہ تو

دیکھتے ہی دہل گئیں۔

''سعدیہ جاؤ بھائی کے لیے پانی لاؤ۔''

''یہ لیں بھائی...'' سعدیہ دوڑ کر پانی لے آئی۔

آمنہ نے بیٹے کو بیٹھنے اور پانی پینے کو کہا اب اس کا غصہ کسی حد تک کم نہ سہی مگر حد سے باہر بھی نہیں ہو رہا تھا۔ پھر آمنہ بھی اس کے پاس بیٹھ گئیں۔

''دیکھو بیٹا...... دکھ مجھے بھی ہے اور حیرت بھی کہ انہوں نے ایسی بات کی، مجھے تو جیسے یقین ہی نہیں آرہا تھا مگر یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے تمہارے ابو کے جانے کے بعد ہماری بہت مدد کی ہے۔ تم اکیلے سب نہیں سنبھال سکتے تھے تب احسن بھائی آگے بڑھے اور تمہارے ابو کے سارے دفتری معاملات انہوں نے ہی دیکھے، مجھے کہاں یہ سب آتا تھا۔''

راشد تو جیسے پھٹ ہی پڑا۔

''مدد کی تو کون سا احسان کر دیا ہے انہوں نے' دادا جان کا مکان جس میں ہمارا بھی حصہ ہے ابو نے ان کو دے رکھا تھا۔ جس کا کرایہ آج تک وہ وصول کرتے ہیں۔ ہمیں کون سے پھوٹی کوڑی مل گئی اس گھر سے...... کیا ہمارا اس پر کوئی حق نہیں تھا۔ دادا جان کے اس ہزار گز کے ڈبل اسٹوری مکان میں آج بھی وہی رہ رہے ہیں اور ہم ایک سو بیس گز کے چھوٹے سے مکان میں سڑ رہے ہیں۔'' اس کا چہرہ غصے سے لال ہوئے جا رہا تھا۔

آمنہ بیٹے کی جذباتیت اور غصے کو سمجھ رہی تھیں۔ لیکن جوان بیٹے کا غصے سے ابلتا ہوا خون بڑھاپے کی مصلحت جوئی کے سامنے زیادہ دیر تک نہیں ٹک سکتا، وہ جانتی تھیں اسی لیے اسے پیار سے سمجھانے بیٹھ گئیں۔

''دیکھو بیٹا تمہارے ابو نہیں چاہتے تھے کہ کسی بھی قسم کی کوئی رنجش ہم سب کے درمیان آئیں۔ اسی لیے وہ دل برے ہونے سے پہلے اس گھر سے نکل آئے اور کس گھر میں اونچ نیچ نہیں ہوتی۔ انہوں نے جو کچھ کیا وہ ان کے اعمال...... ہم سے ہمارا حق کوئی نہیں چھین سکتا۔ جو اور جتنا ہمارے نصیب میں لکھا ہے وہ ہمیں ضرور ملے گا کوئی ایک تنکا بھی ہم سے نہیں لے سکتا اور اگر نہیں ہے نصیب میں تو کوئی لاکھ کوشش کر لے دے نہیں سکتا ہمیں۔'' وہ بیٹے کے چہرے کے بدلتے تاثرات دیکھ رہی تھیں۔

''لیکن امی...... وہ تو سراسر سفید جھوٹ بول گئے۔ کتنی عزت کرتا تھا میں ان کی' ایک لمحہ میں گر گئے میری نظر سے وہ۔''

''تم دیکھنا بیٹا...... ایک دن انہیں اپنی غلطی کا احساس ضرور ہوگا۔'' ماں کے اتنے سمجھانے پر راشد خاموش تو ہو گیا تھا مگر دل میں تلخیاں سی گھل رہی تھیں۔ بار، بار تایا ابو کے کہے ہوئے الفاظ یاد آرہے تھے۔ ''تم ادھار لے لو جتنا چاہو، میں تمہاری مدد کروں گا۔''

''ہونہہ''...... وہ سوچتے، سوچتے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ اور امی مصلیٰ بچھا کر نماز کی ادائیگی میں مصروف ہو گئیں۔ اپنی پریشانی کو دور کرنے کے لیے دعا گو تھیں۔ اعتبار کسی بے داغ آئینے کے مانند ہوتا ہے۔ جس میں انسان قابلِ اعتبار شخص کو عکس کی طرح دیکھتا ہے۔ جب یہ ٹوٹتا ہے تو کرچی، کرچی ہو کر بکھرتا ہے اور ان کرچیوں کی چبھن ساری زندگی محسوس ہوتی ہے۔

اس دن کے بعد سے راشد کی مہندی کے دن تک نہ کوئی تایا ابو کے گھر گیا اور نہ ہی وہاں سے کوئی آیا۔ انویٹیشن کارڈ بھی آمنہ اکیلے جا کر کھڑے، کھڑے دے آئی تھیں۔ آمنہ کے گھر شادی کا ماحول تھا اور آمنہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی بدمزگی ہو۔ اس لیے بیٹے کو پہلے ہی تنبیہ کر دی تھی کہ اس بارے میں مزید کوئی بات نہیں ہوگی۔

مہندی کی خوشبو ابٹن کی خوشبو میں ایسی بسی تھی کہ سارا گھر مہک رہا تھا۔ ساتھ گلاب اور گیندے کے پھول اپنی مہک جگا رہے تھے۔ گانے بجانے اور شور ہنگامے میں مہندی کے فنکشن کی تقریب ہوئی۔ تایا ابو اور ان کے سب گھر والے شریک بھی ہوئے اور اپنی خوشی کا اظہار بھی کرتے رہے۔ آمنہ کے دل میں ان کنگنوں کا ملال سب سے زیادہ تھا باقی تو وہ چھوڑ ہی

چکی تھیں۔ مگر سوچا یہ تھا کہ وہ اپنے راشد کی دلہن کو پہنائیں گی۔ سو وہ مقصد تو حاصل نہ ہو سکا۔ سعدیہ ایٹن والے دن پیلے اور ہرے رنگ کے کنٹراس میں انگرکھا پہنے بیٹھی تھی۔ جس کے ساتھ گہرے ہرے رنگ کا چوڑی دار پاجامہ اور بڑا سا پیلا دوپٹا جس پر ہرے گوٹے سے بڑی نزاکت سے کام ہوا تھا۔ اس کی گلابی رنگت پر بہت کھل رہا تھا۔ اپنے لمبے گھنے بالوں میں چوٹیلا ڈالے لمبی گھنی پلکوں میں چھپی آنکھوں میں خوشیوں کے دیپ جلائے ماتھے پر ایک چھوٹا سا ٹیکا سجائے لڑکی والوں کی آمد پر سب کا استقبال کرتی ہنستی مسکراتی وہ بہت ہی نازک اور پیاری لگ رہی تھی۔ حالانکہ وہ بھری محفل میں تھی مگر کبھی کبھی اسے ایسا محسوس ہوتا کہ وہ کسی کی نظروں کے حصار میں ہے۔ لیکن وہ ان آنکھوں کا تعاقب نہیں کر پا رہی تھی' اپنا وہم سمجھ کر وہ اس بات کو ذہن سے جھٹک دیتی اور پھر کسی دوست یا جاننے والی خاتون کے ساتھ باتوں میں محو ہو جاتی۔

خیر برات کا دن بھی آن پہنچا۔ گھر کا واحد لڑکا کبھی شادی ہال بھاگتا تو کبھی بہن کو پارلر لینے، کبھی مووی میکر کو فون کرتا تو کبھی اپنے دوستوں کو گاڑی سجوانے کے لیے، کچھ دوست کراڈ یکوریٹ کروا رہے تھے تو کچھ ان کی مدد میں اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ مگر باسط بھائی اور تایا ابو غائب تھے۔

بارات والے دن قاف شیروانی پر میرون کلاہ میں راشد بھائی بہت جچ رہے تھے۔ دلہن بھی اپنے تمام حسن کے ساتھ جلوہ گر تھی۔ ماہم زیادہ تر بغیر میک اپ کے ہی رہتی تھی اور آج میک اپ میں اس پر ایسا روپ آیا تھا کہ ہر کوئی اس کی تعریفیں کر رہا تھا۔ راشد بھائی کی تو بتیسی ہی بند نہیں ہو رہی تھی اسٹیج پر بیٹھے راشد کو اس کے دوست دور سے اشارہ کر کے چھیڑتے ہوئے بتا رہے تھے کہ بھابی بہت خوب صورت ہے۔ آمنہ بلائیں اتارے جا رہی تھیں۔ دعائیں ان کے دل سے نکل رہی تھیں کہ اللہ دونوں کی جوڑی سلامت رکھے۔

سعدیہ بھی بہت پیاری لگ رہی تھی۔ نکاح ہو گیا تھا۔ مبارک سلامت کی آوازوں کے ساتھ ہی چھوارے دیگر لوازمات کے ساتھ تقسیم کیے جانے لگے۔

تایا ابو اور باسط بھائی نے مہمانوں کی طرح راشد بھائی کو گلے مل کر مبارکباد پیش کی۔ جبکہ شانزے اور تایا امی بھی مبارک باد دے کر بیٹھ چکی تھیں۔ انہوں نے اپنی ایک ٹیبل پر جگہ بنائی ہوئی تھی۔ اور دونوں بالکل ریزرو تھیں۔ کوئی ہنسی مذاق نہیں ہو رہا تھا۔ جیسے پہلے ہوتا تھا۔ آمنہ کو بہت دکھ ہو رہا تھا۔ آمنہ کو اس وقت اپنے مرحوم شوہر یوسف کی بہت یاد آ رہی تھی۔ سعدیہ پیچ کلر کی بہت نازک کام والی فینسی فراک کے ساتھ پلازو پہنے اس پر سلیقے سے پن کیا ہوا دوپٹا جو ریشم کی کڑھائی سے بھرا ہوا تھا اور ہائی پہلو میں کسی کھلتے ہوئے گلاب سے کم نہیں لگ رہی تھی۔ اس کے لمبے بال پشت پر پھیلے ہوئے تھے وہ بھائی، بھابی کے ساتھ اسٹیج پر تھی۔ جبکہ دلہن کے بھائی، بہن بھی موجود تھے۔ ایک لڑکا مستقل اس کی تصویریں لے رہا تھا۔ اسے اتنا محسوس اس لیے نہیں ہوا کہ وہاں دولہا دلہن بھی موجود تھے اور بہت سے دلہن کے کزنز بھی ان کی تصویریں بنا رہے تھے۔ لیکن اسٹیج سے اترنے کے بعد بھی اسے کئی جگہ اس بات کا اندازہ ہوا کہ وہ لڑکا جو دیکھنے میں کافی ہینڈسم تھا اور تعلیم یافتہ بھی لگتا تھا۔ اس کی تصویریں لے رہا ہے۔ حالانکہ اسے کافی غصہ آ رہا تھا کہ ایویں پیچھے ہی پڑ گیا ہے۔ مگر وہ اپنا موڈ خراب کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔ اس لیے وہ اگنور کرتی رہی۔ شادی بھی اپنی تمام خوب صورتیوں کے ساتھ مکمل ہوئی۔ ماہم کو رخصت کرا کے گھر لے آئے تھے اور آمنہ بیٹے کو اپنی سونے کی چوڑیاں دے رہی تھیں کہ میری خواہش تھی کہ وہ کنگن میں تمہاری بیوی کو دوں لیکن شاید تمہارے نصیب میں نہیں تھے۔ کوئی بات نہیں اللہ دینے والا ہے۔ پھر بن جائیں گے۔ راشد اپنے نصیبوں پر غصہ کرتا کہ اسے کنگن نہیں ملے یا رشک کرتا کہ ماہم جیسی خوب صورت ہم سفر کا ساتھ ملا اور وہ

مستقبل کے سنہرے رستے پر چلنے کے لیے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

اگلے دن ولیمہ تھا اور دلہن کو پارلر کے لیے روانہ ہونے سے پہلے آمنہ نے بیٹے اور بہو کے لیے بکروں کا صدقہ دیا۔ سعدیہ بھی ماہم کے ساتھ پارلر گئی۔ سارے دن کی بھاگ دوڑ کے بعد ماہم وائٹ اور گولڈن کے کنٹراس میں دبکا مروڑی کے کام کے ساتھ شیشے کے بہت چھوٹے، چھوٹے نگینوں سے بھرے شرارے میں ملبوس تھی جس کا بارڈر پوری طرح کڑھائی سے بھرا ہوا تھا۔ چوڑیوں سے بھرے ہاتھ مہندی کی خوشبو سے مہک رہے تھے۔ جبکہ سعدیہ آج رائل بلیو کلر پر وائٹ نگینوں سے سجے بہت نفیس و نازک کام کے سوٹ میں جلوہ افروز تھی۔ شادی ہال مہمانوں کی آمد کے ساتھ ہی رونق سے بھر گیا تھا۔ شام میں دونوں نند بھابی پریوں کی طرح لگ رہی تھیں۔ فوٹو گرافر مہارت سے دولہا، دلہن کی تصویریں بنا رہا تھا۔ آمنہ بیٹے، بہو اور بیٹی کی بار، بار نظر اتار رہی تھیں۔ ماہم، راشد کے دل کی سرزمین پر ڈیرے ڈالنے کو تیار تھی اور سعدیہ ان اجنبی آنکھوں کو اپنے اوپر محسوس کر کے پریشان تھی۔ لڑکیاں بہت حساس ہوتی ہیں ان کی چھٹی حس انہیں یہ آگاہی دے دیتی ہے کہ اس نظر میں پاکیزگی ہے یا محض ہوس۔ اور سعدیہ یہ محسوس کر رہی تھی کہ ان نظروں میں اس کے لیے محبت بھری پسندیدگی ہے لیکن اس کے باوجود اسے اس لڑکے کا یوں اپنی تصویریں لینا اور گھورتے رہنا پسند نہیں آیا تھا۔

☆......☆......☆

ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ سعدیہ کے لیے ماہم کے بھائی کے دوست کا رشتہ آ گیا۔ لڑکا جیولری کا خاندانی بزنس مین تھا۔ جو بہت اچھا چل رہا تھا۔ شکل صورت کے اعتبار سے وہ سب کو ہی پسند آیا اور ماہم نے اس کے مزاج و کردار کی گارنٹی دی کہ بہت دھیمے مزاج کا شریف لڑکا ہے اور سعدیہ کو بہت خوش رکھے گا ان کے گھر والوں کو سعدیہ بہت پسند آ گئی تھی اور وہ جلد

ہی شادی پر زور دے رہے تھے۔ روایتی انداز میں معلومات کرنے کے بعد راشد بھائی اور آمنہ کافی مطمئن تھے لیکن اس کے باوجود آمنہ چاہتی تھیں کہ اس بارے میں احسن بھائی سے بھی کوئی مشورہ لے لیں کیونکہ وہ ایک تجربے کار انسان تھے۔ ساری دنیا دیکھی تھی انہوں نے بیٹے کو بہت مشکل سے راضی کیا کہ تایا ابو تمہارے بڑے ہیں۔ ہم سے زیادہ جانتے ہیں اگر کوئی اونچ نیچ ہوگئی تو تم اس کے ذمے دار ہوگے۔ راشد بھی امی کی باتوں کو مان دینے کے لیے راضی ہوگیا۔ یوں تایا ابو سمیت سب کی رضامندی سے یہ رشتہ بھی طے ہوگیا۔ آمنہ جلد ہی اس فرض سے سبکدوش ہونا چاہتی تھیں۔ اب سعدیہ کی شادی کی تاریخیں طے کرنا تھیں۔ تیاریاں شروع کردی گئی تھیں۔ آمنہ کو ایک بار پھر وہ کنگن بہت شدت سے یاد آرہے تھے۔ اب کی بار ان کو یہ یاد آرہا تھا کہ سعدیہ کے دادا کی یہ خواہش تھی کہ ان کی پوتی کو یہ کنگن اس کی شادی میں دیں لیکن اب تو وہ کنگن ان کے پاس تھے ہی نہیں۔ اس لیے وہ کچھ نہیں کرسکتی تھیں۔ ہاں یہ سعدیہ کی قسمت تھی کہ جیولرز کا بیٹا اس کے نصیب میں لکھا گیا تھا اور صرف منگنی پر ہی بھاری سا سیٹ آیا تھا۔ اور دوسرے یہ وہی لڑکا تھا جو سعدیہ کی تصویریں کھینچ رہا تھا اسے من پسند لڑکی مل رہی تھی۔

رشتہ طے ہونے سے جہیز کی تیاریوں تک آمنہ نے جیٹھ، جیٹھانی کو ہر معاملہ میں شریک رکھا شاید وہ بھی سمجھ چکے تھے کہ اب آمنہ ان سے اپنے حق کے بارے میں سوال نہیں کریں گی۔ اس لیے ان کے مزاج بھی بہتر ہوگئے تھے۔ انہوں نے راشد کی شادی کی خوشی میں آمنہ کے پورے گھر کی دعوت بھی کی، یوں یہ تعلقات ایک بار پھر بہتری کی طرف چل دیے۔ جبکہ راشد کے دل میں اب بھی اپنے تایا...... کی طرف سے کی گئی زیادتی کی پرکسک تھی۔ لیکن ماں کی خاطر چپ تھا۔ سب ہی سکون میں آگئے تھے کہ اچانک ایک حادثہ ہوگیا جس نے سب کو ہلا کر رکھ دیا۔ ہوا کچھ یوں کہ باسط بھائی اور شانزے بھابی اپنی ایک دوست کی شادی میں جارہے تھے اور بھابی نے وہی گولڈ کے کنگن پہنے ہوئے تھے۔ کانوں میں آرٹیفیشل مگر گولڈن کلر کی جھمکیاں اور میکلس تھا باقی سب تو انہوں نے شہر کے حالات کی وجہ سے چھپالیا تھا لیکن اچانک فون کی بیل بجی اور وہ اپنی سہیلی سے باتیں کرنے لگیں کہ دو موٹر سائیکل سواروں نے ان کے سگنل پر رکنے کی وجہ سے پستول تان دی اور انہیں موبائل سیٹ کے ساتھ، ساتھ کنگن، میکلس اور جھمکیاں بھی دینی پڑیں۔ باسط بھائی کے تھوڑی مزاحمت کرنے پر وہ ان کی ٹانگ میں گولی مار کر فرار ہوگئے۔ وہ تو شکر ہوا کہ شانزے کو ڈرائیونگ آتی تھی اس طرح وہ لوگ فوراً اسپتال پہنچے۔ سارے خاندان میں کھلبلی مچ گئی، تائی کا تو رو، رو کر برا حال تھا۔ آمنہ نے ہی ان کو بہت تسلی دی۔ تایا جی بھی اپنی پریشانی کسی سے شیئر نہیں کررہے تھے۔ باسط بھائی کو پہلے تو کوئی اسپتال ایڈمٹ نہیں کررہا تھا کہ یہ پولیس کیس ہے گورنمنٹ اسپتال جائیں۔ گورنمنٹ اسپتال جانے پر دیگر پولیس کارروائیاں ہوئیں جب تک ان کا کافی خون ضائع ہوچکا تھا۔ خدا خدا کرکے آپریشن شروع ہوا تو بلڈ کی ضرورت پڑی ان کے گروپ کا بلڈ کہیں نہیں مل رہا تھا سارے بلڈ بینکس چھان لیے تھے۔ سب بہت پریشان تھے۔

''ارے راشد میرا ایک ہی بیٹا ہے بھلے ساری جائداد لے لو مگر کہیں سے بھی خون کا انتظام کرو، میرے بچے کی جان بچالو۔'' اس وقت تایا جی راشد بھائی سے رو، رو کر یہ کہہ رہے تھے۔

''تایا ابو جائداد کی کیا بات کرتے ہیں آپ......

وہ تو ہمیں مل ہی جائے گی یہاں نہ سہی اوپر جاکر......

لیکن میں اپنے ضمیر اور محبت سے مجبور ہوکر باسط بھائی کے لیے جو کرسکا ضرور کروں گا۔ آپ کی غلطی کی سزا باسط بھائی کو ہرگز نہیں دوں گا۔'' یہ راشد کے الفاظ تھے جو وہ بہت نرمی سے مگر بہت معنی خیز انداز میں کہہ کر خون کی تلاش میں نکل گیا۔

جسے سن کر تایا ابو جیسے کسی گہری کھائی میں گر گئے

تھے، وہ رو رہے تھے انہیں اپنی آنکھوں کے آگے اندھیرا ہوتا محسوس ہو رہا تھا وہ خود کو دنیا کا سب سے بے بس اور کمزور انسان تصور کر رہے تھے۔ اولاد یقیناً ایسی ہی چیز ہے جو ماں باپ کے لیے ہر دولت سے، ہر چیز سے پیاری ہوتی ہے۔ جس اولاد کے لیے انہوں نے یتیم بچوں کا حق مارا تھا آج وہی لوگ ان کے کام آرہے تھے۔ انہوں نے اپنے رب سے رو، رو کر معافی مانگی اور دل میں یہ ارادہ کرلیا کہ ان لوگوں کا جائز حق ضرور دیں گے۔ تائی امی علیحدہ رو رہی تھیں۔ راشد بھائی نے اپنے دوستوں میں معلوم کیا تو دو تین مل گئے۔ جبکہ آخری بوتل راشد نے خود دی کہ ان کا بلڈ گروپ بھی او پوزیٹو تھا۔

اس وقت تین گھنٹے کی کوششوں کے بعد آپریشن کامیاب ہوگیا تھا۔ کامیابی کی خبر ڈاکٹر نے سنائی تو تایا ابو راشد کے گلے لگ کر بہت دیر تک روتے رہے۔ وہ اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ پا رہے تھے۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کیسے راشد کا شکریہ ادا کریں۔ جس کی کوششوں سے ان کے بیٹے کو ایک نئی زندگی مل گئی تھی اور اگلے کئی گھنٹے سب باسط بھائی کے ہوش میں آنے کا انتظار بہت بے چینی سے کرتے رہے۔ انہیں ہوش آگیا تھا۔ تایا ابو نے بیٹے کی زندگی کے صدقے بکروں کی قربانی کروائی۔ اگلے دو مہینے باسط بھائی کے لیے کسی سزا سے کم نہ تھے۔ ٹانگ تو بچ گئی تھی مگر تکلیف اور خوف ان پر اب بھی حاوی تھا۔ وہیل چیئر پر چلتے اپنے جوان بیٹے کو دیکھ کر تایا ابو تکلیف اور درد کے سمندر میں غوطے کھانے لگتے۔ بیٹے کی یہ حالت دیکھ کر شاکرہ تائی بھی بہت کڑھتی تھیں۔ آمنہ انہیں ہر طرح سے تسلی دیتیں کہ بھائی بچے کی جان بچ گئی یہی شکر ادا کریں۔ اب شاکرہ تائی کو احساس ہوتا کہ کاش وہ کنگن دیورانی کو دے دیتی تو باسط کے ساتھ یہ حادثہ نہ ہوتا۔ کیونکہ وہ ان ہی کنگنوں کی وجہ سے ان لٹیروں سے الجھ پڑا تھا۔ ورنہ باقی سب تو آرٹیفیشل تھا۔

سعدیہ کی شادی کی تاریخ نزدیک آرہی تھی اور اب تک اس کے زیور کا کوئی انتظام نہیں ہوا تھا۔ شاکرہ تائی اور احسن تایا کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے باہمی مشورے سے اماں جی کے زیور کو صحیح شرعی طریقے سے وراثت کے مطابق آدھا، آدھا بانٹ کر ان کی جائداد کو بھی بانٹا اور آمنہ کے حوالے کر دیا۔ آمنہ بہت خوش تھیں۔ اور دونوں نے اس بات کا اعتراف کرلیا تھا کہ ان کی نیت خراب ہوگئی تھی۔

"ہم توبہ کرتے ہیں آمنہ، ہماری تو کل جائداد ہمارا بچہ ہے اگر اسے کچھ ہو جاتا تو ہم کیا کرتے، اس روپے پیسے کا کیا ہے یہ تو آنی جانی چیز ہے، رشتوں میں محبتیں ہونی چاہئیں۔" یہ سب کچھ ہو جانے کے باوجود ایک کسک اب بھی آمنہ کے دل میں تھی ان کنگنوں کی جس کا ڈیزائن اور اماں جی کے الفاظ آمنہ نہیں بھولتی تھیں کہ "چاہے کچھ بھی ہو جائے یہ کنگن سعدیہ کی شادی پر میں اسے دوں گا اور میں نہ رہا تو تم لوگ اسے میری طرف سے دے دینا۔" اور آج آمنہ کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہوگیا کہ انہوں نے بھی تو یہ کنگن راشد کی بیوی کو دینے کا سوچا تھا۔ شاید اسی لیے وہ کنگن کسی کے بھی ہاتھ نہ لگے۔ سعدیہ کی شادی میں اب بہ مشکل ایک مہینہ باقی تھا۔

شاکرہ اور آمنہ کے دلوں میں ملال تو تھا لیکن کچھ کر نہیں سکتی تھیں۔ ہاں ان کے دل پھر ایک دوسرے کی طرف سے صاف ہوگئے تھے۔ آمنہ نے سعدیہ کی شاپنگ کے لیے جانے کا ایک دن پروگرام بنایا تو اتفاقاً شاکرہ بھی بہو کے ساتھ اُن کے گھر آگئیں تو سب ہی مل کر شاپنگ کرنے چلے گئے۔

"امی......" سعدیہ نے ماں کی توجہ ایک جیولری شاپ کی جانب کروائی۔ "مجھے کچھ آرٹیفیشل جیولری بھی لینی ہے۔ اب ہر وقت تو سونے کے زیور نہیں پہن سکوں گی۔ حالات ہی ایسے ہیں۔"

"بات تو صحیح ہے چلو کچھ دیکھ لو۔" آمنہ اور شاکرہ نے بھی اس بات کی حمایت کی۔

دیکھتے، دیکھتے آمنہ کو کچھ کپڑے پسند آگئے لیکن اچانک ان کی نظر دو کنگنوں پر پڑی جو بالکل دادی جان

کے کنگنوں کی طرح دکھتے تھے۔ آمنہ نے وہ اٹھالیے۔

"کتنے کے ہیں بھائی!"

"میری بہن یہ ہزار کے ہیں۔" دکاندار نے کہا۔

"لیکن یہ تو تھوڑے، تھوڑے کالے بھی ہورہے ہیں۔" آمنہ نے انہیں بہت غور سے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"اسی لیے تو ورنہ پانچ ہزار سے کم میں نہ بیچتا۔" دکاندار نے ایک اور توجیہہ پیش کی۔

"چھوڑو آمنہ۔" شاکرہ نے مشورہ دیا اور وہ وہاں سے آگے بڑھنے لگیں تو دکاندار نے آٹھ سو کی جوڑی کردیے۔

"آمنہ نے کہا اچھا چلیں ٹھیک ہے..... لائیں دے دیں۔"

"امی یہ کیوں لے رہی ہیں....." سعدیہ ماں کو منع کررہی تھی۔

"بیٹا اس کا ڈیزائن مجھے بہت پسند ہے، اس پر پالش کروالوں گی۔" ان کی خوشی کو دیکھتے ہوئے سعدیہ اور شاکرہ دونوں ہی خاموش ہوگئیں۔ اس دن ان لوگوں نے سعدیہ کے لیے اور اپنے لیے بہت ساری شاپنگ کرڈالی تھی۔ اب وہ سب بہت تھک گئی تھیں تو گھر کی راہ لی۔ گھر آکر سب ایک دوسرے کو اپنی، اپنی چیزیں دکھارہے تھے کہ کسی دکان میں کوئی گیا تھا اور کسی میں کوئی۔

"ارے جہاں تم لوگوں نے پرس لیا تھا اس کے سامنے ہی تھا یہ شوز اسٹور، دیکھو کیسی پیاری سینڈل ہے۔" تائی شانزے اور سعدیہ سے کہہ رہی تھی۔

بڑے اچھے ماحول میں وہ لوگ کھانا کھا کر اب سکون سے بیٹھی تھیں کسی کو یاد بھی نہیں رہا کہ وہ کوئی کڑے یا کنگن بھی لائی ہیں۔ جو آمنہ کے پرس میں رکھے تھے۔

اب آمنہ کو جو خیال آیا تو وہ کنگن نکال کر بیٹھ گئیں۔ آمنہ خوشی سے شاکرہ بھابی کو کنگن دکھارہی تھیں۔

"دیکھیں بھابی بھلے یہ کناروں سے تھوڑے کالے ہوگئے ہیں لیکن ان کا ڈیزائن بالکل امی جی کے کنگن جیسا ہے۔" اب کی بار شاکرہ تائی اور شانزے نے بھی غور سے دیکھا۔

"چچی یہ تو وہی کنگن ہیں جو...... جو مجھ سے چھنے تھے دس دن پہلے۔"

"یعنی یہ...... یہ وہی...... سونے والے...... اماں جی کے......" اب کی بار آمنہ کے منہ سے بھی ٹوٹ کر جملے ادا ہوئے تھے۔ خوشی سے سب کے چہرے دمک گئے تھے مگر ایک بار وہ کنفرم کرنا چاہتی تھیں۔ اس لیے قریبی جیولری شاپ پر معلوم کروایا تو پتا چلا کہ یہ دو، دو تولے کے سونے کے کنگن ہیں۔ شانزے نے وہ کنگن شاکرہ تائی کی رضامندی سے آمنہ چچی کے ہاتھ میں رکھے اور اسے سعدیہ کو اس کی شادی پر دینے کا کہا۔

"چچی یہ ہم سے تو چھن ہی گئے تھے اب یہ ہمارے نہیں سعدیہ کے نصیب کے ہی ہیں۔ اسے ہی ملنے چاہئیں۔"

بعد میں سب قیاس آرائیاں کرتے رہے کہ وہ لوگ باقی چیزوں کی طرح انہیں بھی امیٹیشن سمجھ کر آرٹیفیشل جیولری شاپ پر بیچ گئے ہوں گے اور وہ کئی وارداتیں کرتے ہوئے گئے تھے۔ اس لیے ان کے پاس اچھی بڑی پوٹلی تھی۔ شاید امیٹیشن جیولری کی تعداد بھی زیادہ ہوگئی ہوگی۔ اس لیے انہوں نے بیچ دی ہوگی۔

جبکہ آمنہ کا کہنا تھا کہ یہ سعدیہ کے لیے اس کے دادا اور دادی کی طرف سے اس کی شادی کا تحفہ ہے۔

کبھی کبھی کوئی لمحہ قبولیت کا بھی ہوتا ہے اور اس لمحے میں کہی گئی کوئی بات ایسے دعا بن کر قبول ہوتی ہے۔

راشد کو ماں کی کہی ہوئی بات یاد آگئی تھی۔

"بیٹا آپ کے نصیب میں جو کچھ لکھ دیا گیا ہے تو کوئی چھین نہیں سکتا اور اگر نصیب میں نہیں ہے تو کوئی دلا نہیں سکتا۔ اس لیے جو چیز اختیار میں نہیں ہے اس پر ملال نہ کرو کہ یہی تمہارے حق میں بہتری ہوگی۔ کیونکہ وہ جو اوپر بیٹھا ہے سب کو دیکھ رہا ہے۔ ہر شے کو اپنے مقام پر پہنچا ہی دیتا ہے۔"

وہ صبح سے معمول کے مطابق سارے کام انجام دے رہی تھی۔ شاہ ویز کو فیڈر دے کر اس نے دوبارہ سلا دیا اور ناشتا تیار کرنے کے لیے کچن میں آ گئی۔ فریج سے آٹا نکال کر سلیب پر رکھا اور آملیٹ کے لیے پیاز

مٹی کی عورت

نگہت اعظمی

کترنے لگی۔ بلال (شوہر) کو ناشتے میں پراٹھا اور آملیٹ پسند تھا جبکہ اس کی ساس کارن فلیکس یا دلیا کھاتی تھیں۔ بلال کی آفس کی گاڑی ٹھیک آٹھ بجے آتی تھی۔ ساس، بلال کے ساتھ ہی ناشتا کرتی تھیں



اس لیے وہ ساڑھے سات بجے تک بلال کے ساتھ ان کا ناشتا بھی تیار کر دیتی...... ناشتے کے بعد وہ بلال کے روانہ ہونے تک اس کی تیاری میں مدد کرتی وہ گھر سے نکلتے نکلتے اسے آوازیں دیتا رہتا۔ کبھی اس سے ٹائی کی ناٹ صحیح سے نہ بنتی، کبھی اسے میچنگ کے موزے نہیں ملتے...... کبھی گھڑی، کبھی موبائل کی پکار مچتی...... پھر بلال کے جانے کے بعد وہ گھر کے کاموں میں لگ جاتی۔ ساس کو بے شمار امراض لاحق تھے۔ ذیابیطس، ہائی بلڈ پریشر اور اب السر کی تکلیف بھی ہو گئی تھی۔ ان کے لیے پرہیزی کھانا الگ پکتا...... جبکہ بلال کو خوب مرچ مسالے والے چٹپٹے کھانے پسند تھے۔ وہ صبح سے اٹھ کر رات تک گھر کے کاموں میں مصروف رہتی لیکن اس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ کبھی کام کرتے ہوئے جھنجلاتی نہیں تھی۔ ہر کام ہنستے مسکراتے کرتی رہتی، نہ کبھی غصہ ہوتی اور نہ کبھی الٹا چیخ کر کے غصے کا اظہار کرتی۔ کتنا ہی کام کا بوجھ کیوں نہ ہو اس کی تیوری پر کبھی بل نہیں آتے۔ لیکن پچھلی رات سے بلال کو محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ، وہ نہیں ہے۔ وہ معمول کے سارے کام اسی طرح انجام دے رہی تھی اسی طرح مسکرا رہی تھی لیکن کچھ تو ایسا تھا جسے وہ محسوس کر رہا تھا لیکن کوئی نام نہیں دے پا رہا تھا۔

"کیا بات ہے...... سب خیریت ہے ناں......؟" بلال نے چائے پیتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"کیا مطلب......؟" وہ چائے میں چینی ملاتے ہوئے چونک گئی۔

"میرا مطلب ہے تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے......"

"میں بالکل ٹھیک ہوں......" اس نے حسب معمول مسکرا کر جواب دیا۔

"ہو سکتا ہے پھر میری نظروں کا قصور ہو...... مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ جیسے، جیسے......" وہ مکمل کر اپنی بات کی وضاحت نہیں کر سکا۔

"آپ بلاوجہ پریشان نہ ہوں، میں بالکل ٹھیک ہوں۔" اس نے بلال کو مطمئن کرنا چاہا لیکن وہ پھر بھی مطمئن نہیں ہوا۔

"شام کو تیار رہنا احمر کی ویڈنگ اینورسری ہے۔" بلال نے گھر سے نکلتے ہوئے اسے یاد دلایا۔

احمر، بلال کا بہت گہرا دوست تھا۔ دونوں کی شادیاں ایک ہی مہینے میں ہوئی تھیں۔ احمر کو تقریبات کرنے کا بہت شوق تھا۔ وہ تقریبات کرنے کے لیے بہانے ڈھونڈتا...... جبکہ بلال کو اس قسم کا کوئی شوق نہیں تھا اور وہ تو بالکل ہی بلال کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی جو بلال کو پسند ہوتا وہی اسے پسند ہوتا اور جو بلال کو ناپسند ہوتا وہ اسے بھی پسند نہیں ہوتا...... ان دونوں کو دیکھ کر اس بات پر پختہ یقین آتا تھا کہ واقعی جوڑے آسمان پر بنتے ہیں۔

"یار ہمارے گھر میں کبھی جھگڑا کیوں نہیں ہوتا۔" بلال کبھی کبھار مذاق میں کہتا تو وہ بھی سوچتی کہ ایسا کیوں ہے؟

یہ حقیقت تھی کہ نہ ان کے گھر میں ساس، بہو والی چپقلش تھی نہ میاں، بیوی میں کسی بات پر لڑائی ہوتی۔ بلال اپنی بیوہ ماں کا اکلوتا بیٹا تھا۔ شادی کی رات ہی اس نے اپنی ماں کے بارے میں مائدہ کو مکمل تفصیلات سے آگاہ کر دیا تھا کہ اس کی ماں نے کس، کس طرح محنت کر کے اسے پڑھایا لکھایا۔ اور وہ اپنی ماں سے کتنی محبت کرتا ہے۔ اس کی ماں کو کیا پسند ہے، اس کی ماں کن لوگوں سے ملتی ہے اور کن لوگوں سے نہیں ملتی۔ آدھی رات تک وہ بلال کی زبان سے امی نامہ سنتی رہی اور مسکراتی رہی۔ آدھی سے زیادہ رات گزرنے کے بعد بلال کو خیال آیا کہ آج ان کی شادی ہوئی ہے اور یہ ان کی سہاگ رات ہے۔

صبح سویرے اس کی ساس نے ناشتا بنایا اور پھر اپنی امی کے ہاتھ کے بنائے ہوئے پراٹھے کھاتے ہوئے اس نے پھر وہی باتیں شروع کر دیں۔

"امی کے ہاتھ میں بہت لذت ہے۔ وہ صرف دال بھی پکا دیں تو لوگ انگلیاں چاٹتے رہ جاتے ہیں۔" وہ پھر مسکرا دی۔

چند ہی دنوں میں بلال کو اندازہ ہو گیا کہ وہ بولتی کم ہے اور مسکراتی زیادہ ہے اور جب وہ مسکراتی ہے تو مسکراتے ہوئے اس کی آنکھیں گلابی ہو جاتی ہیں۔
جلد ہی وہ اپنی ساس کی بھی بڑی چہیتی بہو بن گئی۔ وہ بھی اسے بہت چاہنے لگی تھیں۔ وہ ان کی ذرا، ذرا سی چیز کا خیال رکھتی۔
"میری بہو ہیرا ہے، میں اپنے مالک کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے۔" وہ ہر آئے گئے سے اس کی تعریفیں کرتیں۔
"واقعی آج کل کے دور میں ایسی لڑکیاں چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتیں۔"
وہ بھی اپنی خوش بختی پر جتنا بھی ناز کرتیں کم تھا۔ بلال عام سی شکل صورت کا نوجوان تھا جبکہ مائدہ بہت حسین اور خوب صورت تھی۔ شادی کے ابتدائی دنوں میں اس کی ساس کو ہر وقت یہی خوف رہتا کہ کہیں ان کا بیٹا بہو کا ہی ہو کر نہیں رہ جائے اور بڑھاپے میں وہ بالکل تنہا نہ رہ جائیں۔ لیکن جلد ہی انہیں اندازہ ہو گیا کہ شادی کے بعد بلال ان کا اور زیادہ خیال رکھنے لگا تھا۔ پہلے سے زیادہ ان کے پاس وقت گزارنے لگا۔ وہ دونوں کہیں بھی اکیلے نہیں جاتے، ہر بات میں اُن سے مشورہ طلب کرتے ہر مسئلے کو اُن سے ڈسکس کرتے، ان سے رائے لیتے، ان کی رائے کا احترام کرتے..... وہ مائدہ سے بہت خوش تھیں اور پھر سال کے اندر شاہ ویز کی آمد نے ان کی زندگی کو مزید خوشیوں سے بھر دیا تھا۔
شام کو بلال کے آنے سے پہلے وہ تیار تھی، اس نے بلال کی پسند کا ڈریس پہنا تھا۔ میرون اور مسٹرڈ کامبی نیشن کی فراک اور چوڑی دار پاجامے میں اس کی خوب صورتی نمایاں تھی۔
"آج تو تم نے خوب صورتی کے سارے ریکارڈ ہی توڑ ڈالے....." بلال نے اسے دیکھتے ہوئے سرگوشی کی تو اس نے مسکرا کر نظریں جھکالیں۔ پارٹی بہت زبردست رہی..... مائدہ کی ہر فرد نے دل کھول کر

کامیابی کا گُر

کامیاب لوگ اپنے ہونٹوں پر دو چیزیں رکھتے ہیں۔ خاموشی اور مسکراہٹ......
مسکراہٹ...... مسئلے حل کرنے کے لیے......
خاموشی...... مسئلوں سے دور رہنے کے لیے۔
از: بشریٰ رضوی، کراچی

دعا

کچھ لوگ قسمت کی طرح ہوتے ہیں، جو دعا سے ملتے ہیں۔ اور کچھ لوگ دعا کی طرح ہوتے ہیں جو قسمت کو بدل دیتے ہیں۔
خدا ہم سب کی جائز دعائیں قبول فرمائے اور ہماری قسمتیں اچھی کرے۔

علم کیا ہے

علم وہ نہیں جو تم نے حاصل کیا...... بلکہ علم تو وہ ہے جو تمہارے عمل و کردار سے ظاہر ہوا۔
از: حمیرین ضیا، کراچی

خوب صورت قطعہ

کون جانے میرے امروز کا فردا کیا ہے
قربتیں بڑھ کے پشیمان بھی ہو جاتی ہیں
دل کے دامن سے لپٹی ہوئی رنگین نظریں
دیکھتے، دیکھتے انجان بھی ہو جاتی ہیں
شاعر: زمان کنجاہی
پسند: فرخندہ جعفری، گجرات

اصل خوشی

تب حاصل ہوتی ہے جب آپ کسی کے لیے کچھ اچھا کرتے ہو، اچھا سوچتے ہو کچھ زیادہ نہیں بس کسی کا دکھ بانٹ لو کسی کے آنسو کو پونچھ دو کسی کو مسکرانا سکھا دو کسی معصوم بچے کی معصوم سی خواہش پوری کر دو۔ کسی بزرگ کو سڑک پار کروا دو کسی غریب کی مدد کر دو کسی کو جینا سکھا دو پھر دیکھو آپ کو لگے گا اصل خوشی تو یہی ہے کہ دل کو بھی سکون سا ملتا ہے اور یہ سکون ہی اصل خوشی ہے۔
از: سارہ ظفر، ساہیوال

تعریف کی۔

"کل اتوار ہے تم صبح سے اپنی امی کی طرف چلی جانا۔ میں شام کو تمہیں لینے آجاؤں گا۔" بلال نے واپسی میں گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں، کل مجھے بہت سارے کام ہیں میں امی کے یہاں نہیں جاؤں گی۔" اس نے گاڑی سے باہر تاریکی میں دیکھتے ہوئے سختی سے انکار کر دیا۔

"کام تو چلتے رہتے ہیں تم تھوڑا سا آرام کرلو..... امی بھی یاد کر رہی ہوں گی۔"

"نہیں بلال، مجھے گھر میں ہی آرام ملتا ہے۔ اور فون پر بات ہو جاتی ہے ناں.....!" اس نے پھر انکار کر دیا۔

"تم بہت تھک جاتی ہو، کوئی ملازمہ رکھ لو۔" وہ ہمیشہ کی طرح اس پر مہربان تھا۔

"آپ کتنی دفعہ یہ بات کہہ چکے ہیں اور میں آپ سے ہر دفعہ یہی کہتی ہوں کہ گھر کے کاموں میں مجھے بالکل تھکن نہیں ہوتی۔" اس نے پھر اپنے چہرے پر مسکراہٹ سجا کر نرمی سے کہا۔

"پھر میں کیا کروں.....؟" وہ جیسے جھنجلا گیا۔

"کیا ہوا.....؟" اس نے حیرانی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں میرا دماغ خراب ہے....." اس نے ایکسیلریٹر پر پاؤں کا دباؤ بڑھا دیا۔

"آج پارٹی میں شازیہ بھابی کتنی پیاری لگ رہی تھیں۔" اس نے ماحول کا تناؤ کم کرنے کے لیے پارٹی کا ذکر چھیڑنا چاہا۔

"ہوں....." اس کا موڈ بدستور آف تھا۔

"آپ کو کس بات پر غصہ آرہا ہے۔"

"مجھے نہیں پتا....." وہ الجھ کر بولا۔ وہ بھی خاموش ہوگئی اور گاڑی سے باہر دیکھنے لگی اسے لگا جیسے وہ آنسو پینے کی کوشش کر رہی ہو۔

"آئی ایم سوری....." وہ سمجھا اس کے جھنجلانے پر وہ رو رہی ہے اور اس کے سوری کرتے پر اس نے فوراً آنکھوں سے آنسو خشک کر لیے۔ شاہ ویز اس کی گود

میں سو چکا تھا۔ امی ان دونوں کے انتظار میں جاگ رہی تھیں۔ وہ دونوں بیڈ روم میں آئے شاہ ویز کو کاٹ میں لٹا کر وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی اپنا میک اپ صاف کر رہی تھی تو وہ اس کے قریب آ گیا۔

"تم بہت خوب صورت ہو، بہت حسین اور بہت دلکش....." اس نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر سرگوشی کی تو اسے محسوس ہوا جیسے اس کی آنکھوں میں زندگی کی چمک مفقود ہے وہ پھر الجھ گیا۔

☆☆☆

نہ جانے غلطی کس کی تھی اور سزا کون بھگت رہا تھا۔ سب کچھ ٹھیک تھا لیکن کچھ بھی ٹھیک نہیں تھا۔ کہیں تو ٹھوکر لگی تھی، کوئی قدم تو غلط اٹھا تھا۔ کہیں تو پیر پھسلا تھا اور اس چھوٹی سی غلطی نے کیسا عذاب ڈھایا تھا۔ زندگی کی خوشیوں کو کیسا نگل لیا تھا۔ اس نے کیا کیا تھا؟ بس اتنی ہی تو غلطی ہوئی تھی کہ اس نے غلط کو غلط نہیں سمجھا۔

☆☆☆

"مجھے کینیڈا کا ویزا مل گیا ہے لیکن میں جانے سے پہلے امی کو تمہارے گھر بھیجنا چاہتا ہوں۔" وہ تو عثمان کے کینیڈا جانے کا سن کر ہی ہراساں ہو رہی تھی اور اب عثمان کی زبان سے یہ جملہ سن کر وہ سناٹے میں آ گئی۔

"عثمان پلیز ایسا نہ کرنا، تم تو جانتے ہو، پاپا اور انکل ایک دوسرے کی صورت دیکھنے کے روادار نہیں..... پاپا تو یہ سن کر ہی بھڑک اٹھیں گے۔ مجھے ڈر ہے کہیں تمہاری امی کی انسلٹ نہ کر دیں۔" وہ چند لمحوں بعد ہوش میں آئی تو اس نے سختی سے اس کی بات رد کی۔

وہ دونوں ایک درمیانی درجے کے ریسٹورنٹ کے فیملی کیبن میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ وہ کالج سے اپنی بیماری کا بہانہ بنا کر نکلی تھی۔ عثمان اس کے گھر کے سامنے رہتا تھا۔ چند سال پہلے تک ان دونوں گھرانوں میں مثالی محبت تھی..... عثمان کے والد ریاض صاحب اور مائدہ کے والد حامد صاحب ایک دوسرے کے جگری دوست تھے۔ ہر شام یا تو ریاض صاحب،

حامد صاحب کے گھر میں موجود ہوتے یا حامد صاحب ان کے گھر میں چائے پی رہے ہوتے جس طرح وہ ایک دوسرے کے دوست تھے اسی طرح ان کی بیویوں میں بھی بہنوں سے بڑھ کر محبت تھی۔ آئے دن دونوں گھروں میں کھانے پینے کی چیزوں کا تبادلہ ہوتا رہتا..... حامد صاحب کے گھر میں حلیم پکتی تو گھر والوں کے کھانے سے پہلے ایک پیالہ ریاض صاحب کے گھر بھجوا دیا جاتا اسی طرح اگر ریاض صاحب کے گھر میں بریانی پکتی تو گھر والوں کے کھانے سے پہلے گرم، گرم بھاپ اڑاتی، مہک والی بریانی کی ایک پلیٹ حامد صاحب کے گھر پہنچ جاتی۔ حامد صاحب کے گھر میں مجلس ہوتی تو ریاض صاحب کی بیگم اور بچے صبح سے مجلس کے اہتمام میں مصروف ہو جاتے اور ریاض صاحب کے گھر میں میلاد یا قرآن خوانی ہوتی تو حامد صاحب کی بیگم اور بچے اپنا گھر سمجھ کر برابر سے اہتمام کرتے۔ دونوں گھرانے برابر سے ایک دوسرے کی خوشی اور غم میں شریک رہتے اور اس طرح شریک رہتے کہ لگتا دونوں گھرانوں کا تعلق ایک ہی خاندان سے ہے۔ حامد صاحب کے تین بیٹے اور ایک بیٹی تھی جبکہ ریاض صاحب کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔

ریاض صاحب کا عثمان اور حامد صاحب کی مائدہ تقریباً ہم عمر تھے اور ایک ہی کلاس میں پڑھتے تھے۔ اس لیے دونوں میں بے انتہا دوستی تھی اور پھر بچپن کی یہ دوستی بڑھتے، بڑھتے نہ جانے کب محبت میں تبدیل ہو گئی۔ ابھی اس محبت کا علم گھر کے بڑوں کو نہ ہوا تھا کہ یہ المناک واقعہ پیش آ گیا۔ حامد صاحب کا بڑا بیٹا اسد ٹارگٹ کلنگ میں مارا گیا۔ اس کی موت نے پورے محلے کو آنسوؤں اور سسکیوں میں ڈبو دیا۔ جس دن اس کا جنازہ اٹھا ہر فرد اس کی جواں مرگی پر اشک بار تھا۔ ریاض صاحب، حامد صاحب سے زیادہ غم زدہ اور دکھی دکھائی دے رہے تھے۔ ان کی آنکھوں سے مسلسل آنسوؤں کی برسات جاری تھی۔ ان کے گھر میں کئی دن تک شام غریباں کی اداسی چھائی رہی۔ ریاض صاحب کی بیگم تو صبح ہوتے ہی حامد صاحب کے گھر چلی جاتیں اور سارا دن ان کی بیوی اور بچوں کی دلجوئی میں لگی رہتیں۔ ان دنوں انہیں نہ اپنے گھر کا ہوش تھا اور نہ اپنے بچوں کا انہوں نے کبھی حامد صاحب کے گھر کو اپنے گھر سے الگ نہیں سمجھا...... پھر نہ جانے کیا ہوا کہ انہیں احساس ہونے لگا جیسے حامد صاحب کے خاندان والوں کی نظروں میں اُن کے لیے عجیب سی بے گانگی اور سرد مہری در آئی۔ وہ باتیں کرتے، کرتے انہیں دیکھ کر چپ ہو جاتے ہیں، کبھی کبھار کسی کی طرف سے کوئی دل دکھانے والا جملہ بھی انہیں سننا پڑتا...... اور اس دن تو حد ہی ہو گئی...... جب حامد صاحب کی چچازاد بہن کسی سے سرگوشیوں میں کہہ رہی تھیں۔

"میرا بس چلے تو میں ان لوگوں کو گھر میں بھی نہیں گھسنے دوں، یہ لوگ ہمارے گھروں میں گھس کر ساری معلومات حاصل کر کے وہشت گردوں تک پہنچاتے ہیں۔" وہ شاید انہیں پہچانتی نہیں تھیں جبھی ان کے برابر میں بیٹھی کسی اور رشتے دار سے اس قسم کی زہریلی باتیں کر رہی تھیں۔ انہیں لگا جیسے کسی نے ان کا دل مسل دیا ہو۔ کتنے دکھ کی بات ہے لوگ کیسی باتیں کرنے لگے ہیں۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ لوگ سالوں سے ایک دوسرے کے ساتھ رہ رہے ہیں۔ اسد، ریاض صاحب کے گھرانے کو اپنے بچوں کی طرح پیارا تھا۔ اس کو مارنے والا ان کے سامنے آ جاتا تو وہ اسے جان سے مار ڈالتیں۔ لوگ کیسے ایک دوسرے کے دلوں میں نفرتیں پیدا کر رہے ہیں۔ ان گزرے بیس سالوں میں آج تک ان کے درمیان کسی بات پر اختلاف نہیں ہوا۔ وہ ان موضوعات پر بحث ہی نہیں کرتے تھے جس سے ایک دوسرے کی دل آزادی ہو...... وہ ایک دوسرے کے عقائد کا دل سے احترام کرتے تھے، وہ حامد صاحب کے گھر میں ہونے والی مجالس کو اسی طرح مقدس سمجھتی تھیں جیسے اپنے گھر میں ہونے والے میلاد اور قرآن خوانی کو وہ بھی نواسۂ رسولؐ کا غم مناتی تھیں بس اُن کا طریقہ مختلف تھا۔ اسی طرح

حامد صاحب کی بیوی بھی ان کے گھر میں ہونے والی ہر قرآن خوانی اور میلاد میں شریک ہوتیں بلکہ اُن کی بیٹیاں تو میلاد بھی پڑھتی تھیں۔ وہ دونوں گھرانے تو رشتے داروں سے بڑھ کر ایک دوسرے کے قریب تھے۔ وہ حامد صاحب کے گھر سے بہت دکھی ہو کر آئیں۔ انہوں نے گھر آ کر شوہر سے ذکر کیا۔

''مجھے تو یہ سب سن کر اتنی تکلیف ہوئی جیسے کسی نے میرے کلیجے کے ٹکڑے، ٹکڑے کر دیے ہوں۔ آپ کو یاد ہے میں اسد کو کتنا پیار کرتی تھی بلکہ کبھی کبھار تو آپ بھی ہنس کر کہتے تھے لگتا ہے کہ تمہارے تین نہیں چار بیٹے ہیں......'' وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''ہوں......'' ریاض صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

''اسد کو میرے ہاتھ کا میٹھا پراٹھا کتنا پسند تھا۔ جب بھی آتا تھا فرمائش کر کے پکواتا تھا بلکہ سائرہ تو کہتی تھی کہ آخر تم کس طرح پکاتی ہو۔ میں بھی تمہارے طریقے سے پکاتی ہوں مگر اسد کو پسند ہی نہیں آتا۔'' ان کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔

''بڑے دکھ کی بات ہے، حامد کو دیکھ کر کلیجا منہ کو آتا ہے۔ دل چاہتا ہے کہ کس طرح اسد کو لا کر اس کے سامنے کھڑا کر دوں۔ میری نظروں کے سامنے ہر وقت اس کی تصویر پھرتی ہے۔ کسی کام میں دل نہیں لگتا...... کیسا پیارا بچہ تھا۔'' ریاض صاحب کی آنکھیں بھی بھیگ رہی تھیں۔

''سائرہ اور مائدہ کے رویے میں تو کوئی فرق نہیں آیا لیکن ان کے رشتے دار...... بہت عجیب، عجیب باتیں کرنے لگے ہیں۔'' انہوں نے پھر ان تکلیف دہ جملوں کو دُہرایا۔

''مجھے تو حامد کے رویے میں بھی تبدیلی محسوس ہونے لگی ہے۔ کئی دنوں سے مجھے اس کے انداز بدلے بدلے نظر آ رہے ہیں بلکہ دو دن پہلے ہی میں نے تم سے ذکر کیا تھا تو تم نے کہا تھا، آپ کو وہم ہوا ہوگا...... ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ آپ کو بھائیوں سے بڑھ کر چاہتے ہیں۔'' ریاض صاحب اداسی سے بولے۔

''ظاہر ہے، میں تو ایسا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔''

''میں نے بھی کب سوچا تھا کہ حامد کے دل میں میرے بارے میں بھی کبھی شک پیدا ہو سکتا ہے۔'' ریاض صاحب اپنے عزیز ترین دوست اور پڑوسی کے رویے کی تبدیلی کو بہت شدت سے محسوس کر رہے تھے۔

''اصل میں اتنے بڑے صدمے کی وجہ سے انسان کا دماغ ویسے ہی کام نہیں کرتا پھر لوگوں کی باتیں......اس کے دماغ کو اس کی سوچوں کو اور زیادہ پراگندہ کر دیتی ہیں۔''

''پھر بھی حامد کو سمجھنا چاہیے۔ ہم ہیں سالوں سے ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔''

''میرا خیال ہے ابھی تازہ، تازہ غم ہے۔ وہ لوگوں کی باتوں کا زیادہ اثر لے رہے ہیں۔ چند دنوں بعد جب وہ صحیح طور پر سوچنے سمجھنے کے قابل ہو جائیں گے تو انہیں احساس ہوگا کہ ہم ان کے دوست ہیں، دشمن نہیں۔'' انہوں نے شوہر کو اتنا مایوس اور دل گرفتہ دیکھ کر انہیں دلاسا دیا۔

''کاش ایسا ہو...... اور ہماری دوستی پر کوئی آنچ نہ آئے۔''

''ایسا ہی ہوگا......'' انہوں نے امید اور آس کے جگنو کو مضبوطی سے مٹھی میں بند کیا لیکن بہت جلد ہی یہ جگنو ان کی مٹھی سے آزاد ہو گیا اور رفتہ، رفتہ دونوں گھرانوں میں فاصلے بڑھنے لگے۔ اب اکثر ایسا ہی ہوتا کہ ریاض صاحب کے گھر بریانی پکتی تو وہ حامد صاحب کے گھر بھجوانا بھول جاتیں اور حامد صاحب کے گھر حلیم پکتی تو وہ ریاض صاحب کے گھر نہ بھجوائی جاتی۔

وہ دونوں دوست ملتے تو بات سلام دعا سے آگے نہ بڑھتی۔ بچوں کا بھی ایک دوسرے کے گھر آنا جانا تقریباً ختم ہو گیا تھا۔ ایک دن حامد صاحب نے مائدہ کو ریاض صاحب کے گھر سے نکلتے دیکھا تو وہ آگ بگولا ہو گئے اور چند لمحوں بعد جب عثمان گھر سے نکلا تو انہوں نے بلاوجہ ہی اسے ڈانٹنا شروع کر دیا۔ جبکہ مائدہ، عثمان سے فزکس کے نوٹس لینے گئی تھی۔ عثمان

سر جھکائے حامد صاحب کی ڈانٹ سنتا رہا۔ اس نے ایک جملہ بھی نہیں کہا۔ انہوں نے اسے نہ جانے کیا، کیا کہہ ڈالا لیکن وہ خاموش رہا۔ اب دونوں گھرانوں میں رہی سلام دعا بھی ختم ہوگئی۔ مائدہ نے بھی ان کے گھر جانا چھوڑ دیا۔ حامد صاحب نے سختی سے کہہ دیا تھا کہ اب اگر ان کا کوئی بچہ بھی ریاض صاحب کے گھر کی طرف سے گزرا تو وہ اس کی ٹانگیں توڑ دیں گے۔ باپ کا حکم مائدہ کے لیے قیامت بن گیا...... وہ جلے پاؤں کی بلی کی طرح گھر میں پھرا کرتی۔ جب ملنے پر پابندی نہیں تھی تو اتنا احساس نہیں تھا اور اب جب ملنے پر پابندی لگ گئی تو لگتا جیسے دنیا ہی ختم ہوگئی۔ عثمان کا بھی یہی حال تھا۔ دونوں کو ایک دوسرے کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا۔ ماں، باپ، بہن، بھائی خوشی، غم، رسوم و رواج، محبت، نفرت سب ایک نقطے پر مرکوز ہوگئے۔ مائدہ کے لیے عثمان سب کچھ تھا اور عثمان کے لیے مائدہ کے سوا زندگی میں کچھ بھی نہیں تھا۔

اس عمر کی محبت تو اس سیلاب کے مانند ہوتی ہے جو راستے میں آنے والی کسی رکاوٹ کی پروا نہیں کرتا اور راہ میں آنے والی ہر شے کو بہا کر لے جاتا ہے۔ اور یہ تو سیلاب کے گزرنے کے بعد ہی پتا چلتا ہے کہ کیا، کیا اس کی زد میں آیا اور اس نے کس، کس کو کیسا، کیسا نقصان پہنچایا۔ کیا اس سیلاب کو روکا نہیں جاسکتا......؟ کیا دریاؤں کے آگے بند نہیں باندھے جاسکتے...... اگر دریاؤں کے آگے پہلے ہی مضبوط بند باندھ دیے جائیں تو آنے والے سیلاب پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ پر یہ بند باندھے کون......؟ جن کی ذمے داری ہے وہی اگر غفلت کی نیند سو رہے ہیں تو پچھتاوا تو مقدر بنے گا۔ پھر کسی سے شکوہ کیسا......؟

عثمان تو بالکل مجنوں بن چکا تھا۔ وہ گھنٹوں کالج کے سامنے کھڑا رہتا۔ فون پر اس کی منتیں، سماجتیں کرتا کہ وہ اس سے کہیں باہر مل لے۔ پہلے تو وہ انکار کرتی رہی لیکن جب اس کا اصرار بڑھتا گیا تو وہ بھی سب کچھ بھول گئی۔ ماں کی نصیحتیں، باپ کا حکم، خاندان کی شرافت، وہ دونوں اکثر و بیشتر ریستورانوں میں، پارکوں میں ملنے لگے۔ وہ دونوں سمجھتے تھے کہ شاید ان دونوں کی محبت کی شدت کو دیکھ کر ان کے والدین کے دل موم ہوجائیں گے۔ اسی دوران عثمان کو کینیڈا کا ویزا مل گیا۔ عثمان چاہتا تھا کہ وہ مائدہ سے نکاح کر کے جائے...... لیکن مائدہ نے اسے سختی سے منع کردیا تھا۔ وہ جانتی تھی ابھی اس ذکر سے گھر میں طوفان کھڑا ہوجائے گا۔

"کچھ عرصے بعد جب تم واپس آؤ گے تو اس وقت تک حالات شاید بہتر ہوجائیں......" مائدہ اسے سمجھاتی تو وہ اور جذباتی ہوجاتا۔

"مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں میری غیر موجودگی میں تم کسی اور کی نہ ہوجاؤ۔"

"تم بے فکر رہو، ایسا ممکن ہی نہیں...... میری زندگی میں تمہارے سوا کوئی نہیں آسکتا۔ میں مرجاؤں گی، زہر کھالوں گی لیکن کسی دوسرے شخص سے شادی کا تصور بھی نہیں کرسکتی......" اس نے عثمان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑے یقین سے دعویٰ کیا تھا۔

"میں بھی وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تمہاری شادی کسی اور سے ہوگئی تو میں اپنے آپ کو ختم کردوں گا۔" عثمان کی آنکھوں سے جیسے خون ٹپکنے لگا تھا۔

"ہم ایک دوسرے کے لیے بنے ہیں اور ہمیں کوئی جدا نہیں کرسکتا......" وہ اس کے وعدے پر یقین کر کے کینیڈا چلا گیا۔ اور پھر عثمان کے جانے کے ایک سال بعد ہی اس کی شادی ہوگئی وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی اور کچھ بھی نہ کرسکی۔

☆☆☆

رات کو ہی عثمان کا فون آیا تھا وہ دو دن پہلے ہی کینیڈا سے آیا تھا۔

"مائدہ تم نے شادی کرلی۔ تم نے تو کہا تھا کہ تم ہر صورت میرا انتظار کروگی۔ میرے سوا کسی اور سے شادی نہیں کروگی۔" وہ غصے سے بھڑک رہا تھا۔

"میں کچھ نہیں کرسکتی تھی۔"

"تو تم نے وعدہ کیوں کیا تھا۔ مجھے یقین کیوں

دلایا تھا۔ مجھ سے قسمیں کیوں کھائی تھیں؟"

"وہ جذباتی باتیں تھیں۔ اس عمر میں لڑکے، لڑکیاں ایسی ہی باتیں کرتے ہیں۔" اس نے اپنی ساری قسموں اور وعدوں کو ایک دم ہی صفر کر دیا تھا۔

"تم بہت جھوٹی ہو، تم بھول گئیں تم نے کہا تھا کہ اگر تمہاری شادی مجھ سے نہ ہوئی تو تم زہر کھا کر مر جاؤ گی۔" وہ چلانے لگا۔

"میں جھوٹی ہوں تو تم کون سے سچے ہو، تم نے بھی تو کہا تھا کہ اگر میری شادی تم سے نہ ہوئی تو تم بھی اپنے آپ کو مار ڈالو گے......" اس نے مذاق اڑانے والے انداز میں اسے اس کا وعدہ یاد دلایا۔

"میں جھوٹ نہیں بولتا۔ میں نے جو کہا ہے وہ کر کے دکھاؤں گا۔"

"فضول باتیں نہیں کرو، کوئی کسی کے لیے نہیں مرتا...... تم بھی شادی کرلو...... اور ہنسی خوشی زندگی گزارو...... یہ محبت وحبت بیکار کی باتیں ہیں اور پلیز اب مجھے فون نہیں کرنا اور نہ ہی ملنے کی کوشش کرنا...... میں بہت خوش ہوں، میرے شوہر بہت اچھے ہیں اور مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں اور میں بھی ان سے بہت محبت کرتی ہوں۔ مجھے شادی کے بعد احساس ہوا ہے کہ اصل محبت کیا ہوتی ہے؟" اس نے یہ کہہ کر جلدی سے فون بند کر دیا۔

☆☆☆

اور پورے ایک گھنٹے بعد گھر سے اس کی امی کا فون آ گیا۔

"مائدہ غضب ہو گیا۔ عثمان نے خودکشی کرلی۔"

"کون عثمان......؟" اس کا دماغ جیسے اندھیروں میں ڈوب گیا تھا۔

"ارے وہی حامد صاحب کا بیٹا جو کینیڈا چلا گیا تھا۔ ابھی کل ہی تو آیا تھا، آج شام کو ہمارے گھر بھی آیا تھا۔ بڑا ہی خوب صورت ہو گیا تھا۔ سب کی خیریت پوچھتا رہا۔ تمہارے بارے میں بھی پوچھا بلکہ تمہاری سسرال کا نمبر بھی لیا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ میں مائدہ کو خود

خوب صورت دعا

اے میرے اللہ!

جو چیز ہمارے دین و دنیا کے لیے فائدہ مند ہے۔ ہمیں اس کے قریب کر دے اور اس کا حصول ہمارے لیے آسان بنا دے...... اور جو چیز ہمارے دین و دنیا کے لیے نقصان دہ ہے اسے ہم سے اور ہمیں اس سے دور کر دے...... (الہٰی آمین)

از: نگینہ ضیا بخش، کراچی

انجانے میں

وہ رشتے اور تعلق کبھی نہیں ٹوٹتے جن کی بنیاد میں سچائی، خلوص اور پیار ہوتا ہے۔ آپ کی خوشی اور پُرسکون زندگی کے لیے دعائیں دینے والوں کی قدر کرو کہیں تم انجانے میں ان کا دل نہ دکھا دو......

از: نگہت اعوان، سرگودھا

شادی کی مبارک باد دوں گا، تمہارے باپ کا ڈر نہیں ہوتا تو میں اسے چائے پر روکتی بس یہاں سے گیا اور تھوڑی دیر بعد ہی اُن کے گھر سے چیخ و پکار کی آوازیں آنے لگیں پتا چلا اس نے خود کو گولی مار کر ہلاک کر لیا۔" وہ اسے ساری تفصیل بتا رہی تھیں اور اس کے اندر رات کی تاریکی اپنے پنجے گاڑتی جا رہی تھی۔

"امی میں آپ کو بعد میں فون کروں گی۔ ابھی بلال آنے والے ہیں۔" وہ فون رکھ کر واش روم چلی گئی، واش روم سے باہر آ کر اس نے چہرے کو خشک کیا ہلکا، ہلکا میک اپ کیا آنکھوں کے میک اپ پر خاص طور پر توجہ دی اور جب بلال آفس سے آئے تو روزمرہ کے معمولات روز کی طرح مسکراتے ہوئے انجام دے رہی تھی۔ وہ گھر کے سارے کام ہمیشہ کی طرح نمٹاتی رہی تھی۔ ساس سے بھی باتیں کر رہی تھی، شاہ ویز کو بھی پیار کر رہی تھی اس کی طرف بھی محبت سے دیکھ رہی تھی لیکن پھر بھی بلال کو ایسا کیوں لگ رہا تھا جیسے اس کی بیوی جیتی جاگتی عورت نہیں ہے۔

ہم گمشدہ محبت ہے

قسط 5

انجم انصار

انسان نہ کچھ ہنس کر سیکھتا ہے، نہ رو کر سیکھتا ہے، جب بھی سیکھتا ہے یا کسی کا ہو کر سیکھتا ہے یا پھر کسی کو کھو کر سیکھتا ہے... چونکہ لوگ دل کے امیر کم، کم ہوتے ہیں، اس لیے زندگی کی کتاب میں اتنی غلطیاں نہ کرو کہ پنسل سے پہلے ربڑ ختم ہو جائے اور توبہ سے پہلے زندگی...

جو آنکھوں اوٹ ہے چہرہ اسی کو دیکھ کر جینا
یہ سوچا تھا کہ آساں ہے مگر آساں نہیں ہوتا
نہ بہلاوا نہ سمجھوتا، جدائی سی جدائی ہے
ادا سوچو تو خوشبو کا سفر آساں نہیں ہوتا

محبت کے انوکھے روپ سنوارتی ایک حسین تحریر





اگلے دن جب میں آفس گئی اور سر فرید کے روم میں گئی تو وہ ندیم خان کے ساتھ شاید کوئی مسئلہ ڈسکس کر رہے تھے۔ مجھے اپنے روم کے دروازے پر کھڑا دیکھا تو بولے۔

"جی مس صبا..... آئیں..... کوئی بات ہے کیا؟"

"سوری سر..... میں مخل ہوئی..... میں تو صرف آپ کی مسز کا شکریہ ادا کرنے آئی تھی۔ ان کا گفٹ مجھے بہت پسند آیا ہے۔"

مگر اس وقت سر فرید کے بجائے ندیم خان سرعت سے بولے۔

"ارے شکریہ ادا انہیں کیا جاتا مگر چلو ہو گیا، اس وقت تو اس نوٹس کو پڑھو فرید تم، جو خواہ مخواہ ہمیں بھیجا گیا ہے۔" ندیم سر نے مجھے جانے کا اشارہ کر کے فائل کی طرف اشارہ کیا۔ شاید انہیں میرا یوں آنا اچھا نہیں لگا تھا۔ اس لیے انہوں نے مجھے بیٹھنے کو بھی نہیں کہا۔

"ندیم ایک منٹ....." سر فرید نے فائل بند کر کے مجھے ہاتھ کے اشارے سے روکا۔

"مس صبا آپ کس کا شکریہ ادا کر رہی تھیں..... ابھی؟" وہ حیرت بھرے لہجے میں گویا ہوئے۔

"آپ کی مسز کا۔"

"میری مسز کا.....؟" وہ چونکے۔

"جی سر....." مجھے ان کے چونکنے پر اچنبھا سا ہوا۔

"میری مسز نے آپ کو کوئی گفٹ بھیجا ہے؟" وہ پھر مسکراہٹ لبوں پر سجا کر بولے۔

"جی سر....."

"لگتا ہے..... آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"مجھے غلط فہمی کیوں ہوتی....." میں نے ندیم خان کو دیکھا جو اس تمام معاملے سے بے خبر نہ صرف فائل کے مطالعے میں مگن تھے بلکہ اس پر اپنے کمنٹس بھی لکھ رہے تھے۔

"مس صبا....." سر فرید گنگنائے، اپنی نظر کا چشمہ اتارا اور گلاسز پر پھونک مار کر دوبارہ اسے لگاتے ہوئے بولے۔ "میری مسز تو گزشتہ ایک ماہ سے اپنے میکے لاہور گئی ہوئی ہیں اور وہ اپنے اکلوتے بھائی کی شادی کی تیاریوں میں اتنی مگن ہیں کہ نہ انہیں اپنا گھر یاد آ رہا ہے اور نہ گھر والا۔"

"مگر سر..... یہ سب تو مجھے نہیں پتا۔"

"اچھا....."

"جی سر..... مجھے تو بتایا گیا تھا....." میں نے ندیم خان کو دیکھا جو اپنے کام میں اتنے محو نظر آ رہے تھے جیسے انہیں ہماری باتیں سنائی تک نہ دے رہی ہوں۔

"بھئی ندیم....." سر فرید نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"کیا ہوا.....؟" وہ چونکتے سے ہوئے۔ "ایسی پرابلم....." وہ فرید سر سے پوچھ رہے تھے۔

"یار اب تم ہی بتاؤ ناں..... میری مسز لاہور میں شادی کے گھر میں بیٹھی مس صبا رحیم کو کس سلسلے میں گفٹ بھیجیں۔ کوئی بات بھی ہو..... وہ تو ان سے متعارف تک نہیں ہے۔" اب سر فرید نے مدد کے لیے ندیم خان کو بھی شیٹ لیا۔

"ہونہہ..... بھول جانا تو تمہاری عادت ہے فرید..... اب مس صبا اپنے سالگرہ گفٹ کی بات کر رہی ہیں جو سارہ بھابی نے لاہور جانے سے پہلے آفس کے لوگوں کے لیے دیے تھے۔" وہ چہرے پر کسی قسم کا کوئی ردعمل

لائے بغیر انتہائی سنجیدگی سے کہہ رہے تھے۔
"اچھا...... اچھا...... وہ......" سر فرید کو بھی یاد آ گیا۔
"ہاں وہ......" ندیم خان نے خفگی بھرے لہجے میں جملہ چبا کر کہا۔
"بالکل یاد آ گیا...... بات پرانی تھی ناں...... اس لیے یادداشت کی دہلیز پر آنے میں دیر لگی۔"
"ہاں دو سال پرانی بات تھی ناں...... جو تم بھول بیٹھے۔" سر ندیم خان کا لہجہ ہنوز خفگی بھرا تھا۔
"ارے یار...... میں واقعی بھول گیا تھا...... سارہ نے ایک ساتھ بہت سارے گفٹس آفس بھجوائے تھے کہ یہ سب ایک ہی جیسے ہیں اور ہر ورکر کی سالگرہ پر انہیں دیتے جانا۔ شاید کسی کلائنٹ نے ڈھیر سارے بھیج دیے۔" اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے انہوں نے مزید بے پروائی کا تاثر سجاتے ہوئے کہا۔
"سب کو ایک جیسے گفٹ......؟" میں نے حیرت سے سر فرید کی طرف دیکھا۔
"جی ہاں......" لہجہ وثوق بھرا تھا۔
"واؤ......" میرے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
"وہ اس لیے کہ ہمارے لیے تو سارے ورکرز برابر ہیں ناں......"
روانی میں وہ میرے لہجے پر غور نہیں کر سکے تھے۔
"جی سر......"
"کیوں ندیم...... ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں میں۔"
"جی بالکل......" ندیم خان نے بھی سادگی سے کہا۔ اس وقت وہ اپنے لیپ ٹاپ پر کام کرنے میں اس قدر محو تھے کہ سر فرید کی بات کا جواب بھی نظریں جھکائے، جھکائے ہی دیا گیا تھا۔
"سر کیا آج کل کوئی نیا فیشن متعارف ہوا ہے کہ اب لڑکیوں...کی طرح لڑکے بھی بالی، چین، انگوٹھی کے ساتھ ماتھے پر بندیا بھی لگائیں گے۔"
"ارے، ایسا کب سے ہو رہا ہے......؟" وہ تمسخرانہ لہجے میں پوچھ رہے تھے۔ جیسے میری بات سے لطف لے رہے ہیں۔
"سر، یہ بات تو میں اس لیے کہہ رہی ہوں کہ میرے گفٹ بکس میں سے تو یہ سب ہی برآمد ہوا ہے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ سارے ورکرز کو ایک جیسے گفٹس دیے جائیں گے۔"
سر فرید...... اب ندیم خان کی جانب متوجہ تھے...... اور میں اپنے موبائل پر کال آتے دیکھ کر باہر کی جانب جا رہی تھی۔
ندیم خان نے سر فرید سے کیا کہا...... یہ سب تو مجھے معلوم نہیں تھا...... مگر اگلے دن صفدر سب کو بتا رہا تھا کہ ندیم خان نے کہا کہ آئندہ سے ہر سالگرہ پر ورکرز کو گفٹ واؤچر دیے جائیں گے کہ انہوں نے میل باکس چیک کیے...... تو پرفیومز کی شیشیاں ٹوٹی ہوئی تھیں اور بعض ایکسپائرڈ تھیں اسی طرح امیٹیشن جیولری ہر ایک کو پسند نہیں ہوتی...... اس لیے آفس کی جانب سے گفٹ باکسز کا سلسلہ ختم سمجھو۔
"یہ سلسلہ تو ابھی ٹھیک طرح سے شروع نہیں ہوا تھا کہ ختم بھی ہو گیا۔" فرزانہ نے مضحکہ اڑایا۔
"وہ گفٹ واؤچر...... بھی اتنے معمولی ہوں گے کہ ان سے ایک وقت کھانا بھی نہیں کھایا جا سکے گا۔ ہونہہ یہ مالکان ورکرز کی سالگرہ منائیں گے۔"
"تمہیں تو بریانی پسند ہے اکثر ایک سو اسی کی پلیٹ منگواتی ہو تم...... اس لیے اگر گفٹ واؤچر پانچ سو روپے

کا بھی ہوا تو تم اور ساجد تو مزے سے بریانی کھا کر مزید پیسے بھی بچا لو گے۔"

"پلیز...... ایسے اوچھے مذاق مجھ سے مت کیا کرو...... مجھ سے برداشت نہیں ہوتے۔ مجھے تمہاری باتوں پر ہنسی نہیں آتی افسوس ہوا کرتا ہے۔" ناعمہ نے مذاق میں ہنس کر کہا تھا۔ مگر فرزانہ کے کس کر لگا...... جبھی انتہائی کڑوے لہجے میں بولی تھی۔

☆☆☆

افسردگی اور اداسی نے اس کی شخصیت کو جیسے کچل کر رکھ دیا تھا۔ بات بے بات ہنسنے والا حارث خاموش سا ہو گیا تھا۔ آج بھی وہ اپنے بچپن کے دوست کے پاس جا رہا تھا۔ راستے میں اسے شہلا ٹکرائی تھی اور وہ اس کی باتیں سوچ کر برا سا منہ بنانے لگا۔

"ہونہہ...... یہ لڑکیاں بھی ہر وقت اپنی ہتھیلی پر اپنا دل لیے گھوما کرتی ہیں۔ جہاں کوئی نظر آیا ان کے ڈائیلاگز شروع......" وہ سوچ رہا تھا کہ آج پھر وہ بے وجہ کی بکواس شروع کر دے گی کہ حفظِ ماتقدم کے طور پر اس نے اسے دیکھ کر اپنی تیوری بھی چڑھا لی تھی۔

اس سے قبل کہ شہلا اس کے قریب آ کر اس سے بات کرتی وہ مڑا اور گھوم کر تیزی سے اپنی گاڑی لے کر اس پھرتی سے نکلا جیسے اسے کسی اہم جگہ جانے کی بہت جلدی ہو۔ "ریحان سے بعد میں مل لوں گا۔" اس نے سوچا۔

گاڑی کے ٹائر جس انداز میں آواز نکالتے ہوئے موڑے گئے تھے اس کی جلد بازی کا اندازہ اسی سے ہو رہا تھا...... مگر افسوس کہ اس سے قبل کہ وہ گاڑی تیزی سے آگے لے جاتا۔ اسے اپنا دوست ریحان سامنے سے آتا نظر آ گیا تھا...... اور وہ اسے دیکھے بغیر تیزی سے اپنے آفس جا رہا تھا۔

اب یہاں سے کہیں اور جانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اگر وہ چلا جاتا تو ریحان سے ملاقات نہ ہوتی۔ ناچار پھر گاڑی واپس اپنی جگہ کھڑی کی اور باہر نکلا...... تو شہلا وہیں کھڑی تھی اور اسے دیکھ کر پھیکے انداز میں مسکرا رہی تھی۔

"آج کل کی لڑکیوں کے پاس بڑا فالتو ٹائم ہے......" یہ سوچ کر اس نے قدم بڑھائے۔

"یہ لڑکی...... پتا نہیں کالی بلی کی طرح ہمیشہ میرا راستہ کیوں کاٹ جاتی ہے۔" اس نے جیسے اپنے آپ سے کہا۔

شہلا اسے دیکھے گئی۔

ریحان سے اس وقت تفصیلی بات ہو سکے گی بھی یا نہیں...... ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا۔ ایک چھلاوا قسم کا لڑکا تیزی سے اس سے ٹکرایا...... اور اس کے ہاتھ سے موبائل چھین کر یہ جا وہ جا...... لوگوں کی بھیڑ میں وہ نظر ہی نہیں آیا۔

"حارث آپ کا موبائل...... وہ چور لے کر بھاگ بھی گیا اور پتا نہیں کہاں گیا۔" شہلا بھاگ کر اس کے پاس آئی اور حواس باختہ لہجے میں بولی۔

"جی ہاں...... جب، جب آپ مجھ سے ٹکرائیں گی تو نقصان تو میرا ہونا ہی تھا۔" وہ غصے سے بولا۔

"تو کیا...... آپ کا موبائل میری وجہ سے گیا ہے؟" وہ حیران تھی۔

"ہاں تمہاری وجہ سے...... اپنے گھر میں بیٹھا نہیں جاتا تم سے یا ہر وقت باہر ہی گھومتی رہتی ہو؟"

"میں تو ضروری کام سے آئی تھی یہاں......" وہ آنسو پیتے ہوئے بولی۔

''ہاں، تمہارے ضروری کام ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتے، ہے ناں۔''

''مجھ سے بہت نفرت کرتے ہو کیا؟'' وہ اب رندھے ہوئے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

''نفرت تو میں ان دنوں اپنے آپ سے کر رہا ہوں کہ کیسے، کیسے لوگ مجھے پاگل بنا دیا کرتے ہیں۔'' وہ کلس کر بولا اور ریحان کے آفس کی جانب قدم بڑھا دیے۔

اور شہلا اپنے آنسو حلق میں اتارتی ہوئی گھر کی جانب چل دی...... وہ جو راحیلہ کے لیے کتابیں لینے آئی تھی اسے یہ تک یاد نہیں رہا، وہ آخر نکلی کس کام کے سلسلے میں تھی۔

اور وہ سر جھٹک کر ریحان کے آفس میں داخل ہو گیا۔

شہلا کے آنسو مسلسل گر رہے تھے...... اور اس کے دماغ پر حارث کی باتیں کسی کوڑے کی طرح لگ رہی تھیں۔ شائیں، شائیں کی آوازوں نے اسے خاصا ہراساں کر دیا تھا۔

''شاید...... میرے نصیب میں خوشی ہے ہی نہیں۔'' اس نے یکبارگی سوچا۔

''یار کیسا دوست ہے تو میرا...... سراغ رساں کمپنی میں کام کرتا ہے اور ایک نوسرباز شخص کو پکڑوانے میں میری مدد نہیں کر سکتا......؟'' وہ چلایا۔

''ارے بھائی...... وہ بے حد شریف آدمی کا پوسٹر اپنے ماتھے پر سجائے ہوئے ہے، رفاہی کام علیحدہ کرتا ہے، مجھے اس پر کچھ شک تو ہے کہ بوتیک کے بزنس کی آڑ میں وہ کوئی غلط کام بھی کرتا ہے مگر میرے پاس اس کے خلاف کوئی ایسے ثبوت نہیں ہیں اور جب تک ثبوت نہ ہوں، ہم کسی شخص کے خلاف کوئی ایکشن لینے کا کوئی سوچ بھی نہیں سکتے۔''

''پھر بھی معلومات تو کرو کہ اس نے مجھے یہ نقصان کیوں پہنچایا...... میں نے اس کا کیا بگاڑا تھا۔ وہ تو جب بینک آیا کرتا تھا تو میں اس کی مدارت چائے یا کافی سے کیا کرتا تھا...... جس کا اس نے مجھے یہ صلہ دیا ہے۔''

''اتنا مجھے اندازہ ہے کہ وہ نفسیاتی مریض تو ہے مگر وہ اس حد تک کسی پر وار کر سکتا ہے...... مجھے یہ بات ہضم نہیں ہو رہی۔''

''تمہارا کیا خیال ہے، میں تم سے جھوٹ بول رہا ہوں...... پچیس لاکھ میں نے اڑائے ہیں۔'' حارث کا لہجہ دکھ اور غصے سے بھرا ہوا تھا۔

''میں یہ کہاں کہہ رہا ہوں کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔''

''پھر اس جھوٹے، مکار، چور شخص کی تعریفیں کیوں کر رہے ہو۔''

''یار، اس شخص کی مارکیٹ میں اچھی خاصی عزت ہے اور وہ بے حد سوفٹ اسپوکن بھی ہے...... اس لیے میری سمجھ میں خود نہیں آ رہا کہ اس نے ایسا کیوں کیا......''

''اس کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ مہذب قسم کا ٹھگ ہے...... اور اس طرح کی وارداتیں کیا کرتا ہوگا۔''

''مگر اس نے آج تک ایسی کوئی واردات نہیں کی ہے...... یہ میں نے معلوم کر لیا ہے۔''

''میں نہیں مان سکتا کہ کسی انجانے شخص کو نقصان پہنچانے والا شخص کسی دوسرے کو نقصان نہیں پہنچاتا ہوگا۔''

''میں مزید معلومات کرواتا ہوں۔'' ریحان سوچتے ہوئے بولا۔

''مگر بہت جلدی کہ سوچ، سوچ کر میرا دماغ پھٹا جا رہا ہے۔''

''تم پریشان مت ہو...... میں جلد ہی پتا لگاتا ہوں کہ تم پر یہ افتاد کیوں توڑی گئی ہے؟''

☆☆☆

چھوٹی آپا کی ٹانگ میں فریکچر ہو گیا تھا...... آپریشن کے ذریعے راڈ تک ڈالا گیا تھا...... ذکیہ، راحیلہ کو لے کر کئی مرتبہ بہن کی مزاج پرسی کو گئی تھیں۔ ڈاکٹر نے کہا تھا پلاسٹر تین ماہ بعد اترے گا۔

ذکیہ بیگم نے سوچا...... چلو راحیلہ کی شادی کی تیاری میں مزید ایک دو ماہ اور مل جائیں گے۔ چھوٹی آپا اب پلاسٹر کٹوانے سے پہلے ہی شادی کا تقاضا تھوڑی ناں کریں گی۔ مگر چھوٹی آپا کا ہر فون پر یہی کہنا تھا۔

"راحیلہ اور کریم کا سادگی سے نکاح کر کے رخصتی کر دو...... جب میں ٹھیک ہو جاؤں گی تو خوب دھوم دھام سے ولیمہ ہو جائے گا۔"

"مگر آپا...... ایسی جلدی کی شادی میں تو کوئی مہمان بھی نہیں آسکیں گے...... صرف گھر، گھر کے لوگ ہی ہوں گے...... شادی والا ماحول بن ہی نہیں پائے گا۔" ذکیہ بیگم اپنے دل کی بات زبان پر لے آئی تھیں۔

"تو کیا ہوا...... اچھا ہے تمہارا خرچہ بھی نہیں ہو گا جو تمہیں دینا ہے دے دو...... مہمان داری پر پیسہ لٹانے کا کیا فائدہ......"

"مگر ایک ہی میری بیٹی ہے، اس کے بھی تو ارمان ہوں گے۔" ذکیہ بیگم کی بات بھی غلط نہیں تھی۔

"اس کے ارمان اللہ رکھے میرا کریم پورے کرے گا۔"

"مگر مجھے شہلا سے بھی تو پوچھنا ہو گا ناں......"

"اب یہ شہلا کی شادی تو نہیں ہو رہی...... جو تم اس کی مرضی پوچھو گی۔"

"تم کچھ ہی کہو...... میں ہر معاملے میں اس کی رائے ضرور لیتی ہوں۔"

اور شہلا نے صاف انکار کر دیا۔

"نہیں امی...... اب راحیلہ شادی کے بعد گھومے گی یا جاتے ہی کچن اور خالہ کو سنبھالے گی...... چھوٹی خالہ کی شادی شدہ بیٹیاں اُن کے پاس آجائیں اور ان کی خدمت کریں ناں!"

"مگر بیٹا اگر چھوٹی آپا کریم کی شادی کے بعد اپنی ٹانگ تڑوا بیٹھتیں تب بھی تو راحیلہ نے ہی ان کا خیال رکھنا تھا تو ابھی کر دے گی، اس میں کیا بات ہے......" ذکیہ بیگم کی بات کس حد تک صحیح بھی تھی۔

"میرا خیال ہے کریم بھائی اس لیے جلدی شادی کرنے کے خواہاں ہیں کہ انہیں فری کی میڈ مل جائے۔"

"وہ ایسا کیوں چاہے گا...... راحیلہ کا خیال وہ تو پہلے سے ہی کتنا رکھ رہا ہے۔"

"نہیں امی...... یہ صرف دکھاوا ہے اور بس، ورنہ وہ بے حد کنجوس ہیں...... ان کی اصل حقیقت تو میں جانتی ہوں۔ جلدی شادی کی اصل وجہ بھی یہی ہے کہ راحیلہ جاتے ہی کچن کو بھی سنبھالے اور خالہ کو بھی...... اور اس کے ساتھ، ساتھ ان کی لشکر بھر بہنوں کی مہمانداری بھی کرے۔"

"اچھا یہ بات ہے......" ذکیہ بیگم پریشان سی ہو گئیں۔

"بالکل یہی بات ہے اور اس جلد بازی کی شادی کا انجام بھی یہی ہو گا کہ میری بہن بھی جاتے ہی گھبرا جائے گی کہ اسے جاتے ہی شادی کی دعوتوں میں جانے کے بجائے اپنی ساس کو بیڈ پین دینا پڑے گا...... اس کی شادی کوئی اس وجہ سے تھوڑی ہو رہی ہے۔"

"ویری گڈ......" اپنی پشت پر تالیاں بجاتے کریم کو اچانک دیکھتے ہوئے شہلا سراسیمہ سی ہو کر یک دم چپ ہو گئی۔

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ اتنی خوب صورت لڑکی کو پسند کرنے کے باوجود اگر کوئی شادی نہ کرنا چاہے تو اس کی کوئی وجہ تو ضرور ہوا کرتی ہے جیسے میرے دل میں تمہارے لیے از خود نفرت چلی آئی اور اگر تمہارے ایسے

ہی اطوار رہے تو یقین کرو کوئی تمہاری شکل کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا کہ تم بدتمیز تو ہو ہی...... مگر بے حس اس سے بھی زیادہ ہو۔ تم تو ایسی لڑکی ہو جس سے بات کرنے کا بھی فائدہ نہیں...... کوئی تو ایسی بات ہوگی جو حارث تم سے بات نہیں کرنا چاہتا اور واقعی مجھے تو تم سے صرف اللہ نے بچایا ہے۔'' کریم اس پر تمسخر بھری نظریں ڈالتے ہوئے بلا تکان بولا چلا جارہا تھا...... اور راحیلہ اسے خاموش کروانے کے لیے اپنی سی ہر کوشش کررہی تھی مگر وہ خاموش...... ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

☆☆☆

نام تو اس نے کسی کا نہیں لیا تھا مگر سلمٰی بیگم ماں تھیں انہیں اندازہ ہوگیا تھا کہ ندیم کسی کو پسند کررہا ہے۔ بے ترتیبی اور پھیلاوے سے اسے چڑ تھی۔ چھوٹے بھائی کو ڈانٹ پڑنے کی وجہ اس کا چیزوں کا پھیلانا تھا مگر اب وہ اس کے کمرے میں آکر فٹ رہا تھا۔

''امی...... یہ ندیم کب بڑا ہوگا...... دیکھیں تو ذرا اس کی الماری کے پٹ کھلے رہتے ہیں اور کمرے کی...... بے ترتیبی بڑھتی ہی جارہی ہے، کچھ دنوں کے بعد تو یہ چیزیں ہٹا، ہٹا کر کمرے میں داخل ہوا کرے گا...... شادی ہوجائے گی تو بیوی کے سامنے ہر چیز خود اٹھا کر رکھا کرے گا۔''

''یہ بے پروائیاں ابھی وقت تک کی ہوتی ہیں جب تک ذمے داری سر پر نہ پڑے......'' امی کہہ رہی تھیں۔

''اور اگر اس کی بیوی بھی اسی کی طرح پھوہڑ نکلی تو پھر آپ کیا کریں گی؟'' وہ بے اختیار کھلکھلاتے ہوئے بولا اس کی ہنسی میں جو کھنک تھی اور چہرے پر جو شادابی تھی وہ اپنی جگہ علیحدہ ہی نمایاں تھی...... اور سلمٰی بیگم بیٹے کے چہرے کی سرشاری دیکھ رہی تھیں۔ بینگن اسے پسند نہیں تھے مگر اس نے خوشی، خوشی کھالیے تھے۔ سبین کی سسرال کی تقاریب میں وہ کبھی ماں کے ساتھ نہیں جایا کرتا تھا مگر جب سلمٰی بیگم نے اس سے ساتھ چلنے کو کہا تو اس نے فوراً ہامی بھرلی تھی۔

''کیا بات ہے...... آج کل بہت خوش نظر آرہے ہو۔'' ایک دن ماں نے اسے خاص طور پر تیار ہوتا دیکھ کر کہا کہ وہ تو ہمیشہ سے لاابالی انداز میں کپڑے پہننے کا عادی رہا تھا۔

''میں تو ہمیشہ ہی خوش رہتا ہوں۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''لگتا ہے دال میں کچھ کالا ضرور ہے......'' سلمٰی بیگم نے مسکرا کر بیٹے سے کہا۔

''ارے امی جان...... اگر آپ دال میں لال، لال کہتیں تو بات بھی ہوتی......'' یہ کہہ کر وہ کھلکھلاتے ہوئے باہر نکل گیا تھا۔

اور سلمٰی بیگم حق دق سی رہ گئی تھیں۔ یہ ندیم اس انداز میں بولنے کا تو کبھی عادی نہیں تھا۔ وہ جو اپنی شادی کے ذکر پر ہنسنے سے اکثر جایا کرتا تھا اب از خود اس ٹاپک کی طرف آرہا تھا۔

''امی...... ایک وقت ایسا خود ہی آجاتا ہے...... جب لڑکے اپنی شادی کی بات کرنے لگتے ہیں۔'' سبین نے ماں کی کتھا سن کر کہا تھا۔ اس کے لہجے میں بے پروائی رچی ہوئی تھی۔

''پھر بھی پتا تو چلے...... کون پسند آگئی ہے...... اور ہمیں کب جانا ہوگا؟'' سلمٰی بیگم بھی ہتھیلی پر سرسوں جمانے کی فکر میں تھیں۔

''میرا تو پکا خیال ہے، وہیں اخبار کے دفتر کی کسی لڑکی نے اپنے شکنجے میں کس لیا ہوگا...... ورنہ تو وہ کسی کے دام میں آنے والے نہیں۔''

''چلو...... کوئی تو پسند آئی۔''

''جلد ہی پتا چل جائے گا...... ہوسکتا ہے کسی دن وہ ان محترمہ کو اپنے ساتھ لے کر گھر چلے آئیں کہ یہ آپ سے ملنا چاہ رہی تھی تو میں نے بھی کہا چلو گھر چلتے ہیں۔'' سیتین نے بھائی کے لہجے کی نقل اتارتے ہوئے کہا۔
''چلو یہی سہی...... مجھے تو اس کی خوشی عزیز ہے۔''
''ہم نے درجنوں لڑکیاں دکھائیں...... وہ سمجھ میں نہیں آئیں...... اب پتا نہیں کس کو پسند کر بیٹھے ہیں۔''
''میرے بیٹے کا معیار...... بہت اعلیٰ ہے، اسے یقیناً کوئی بہت اچھی لڑکی ہی پسند آئی ہوگی......'' سلمیٰ بیگم نے شاداں سے لہجے میں بیٹی سے کہا۔
''ہاں...... ہاں...... دیکھ لیں گے کہ وہ کسی چھوٹے گھرانے کی ہے یا بڑے گھرانے کی۔'' سیتین نے.... بے پروائی سے کہا۔

☆☆☆

شہلا بہت چھوٹی سی ہی تھی جب اس کی ماں کا انتقال ہو گیا تھا مگر ان کی کہی ہوئی ایک بات اس کے دماغ پر جیسے نقش سی تھی شاید...... وہ اس بات کی بے حد تکرار کیا کرتی تھیں...... یا معصوم سے ذہن میں وہ بات فٹ ہو گئی تھی کہ......
''زندگی کبھی آسان نہیں ہوتی، اسے آسان بنانا پڑتا ہے۔ کچھ باتوں کو نظر انداز کر کے اور کچھ کو برداشت کر کے۔''
مگر وہ تو ایک عرصے سے کریم کو نظر انداز کر رہی تھی...... اور راحیلہ سے اس کی منگنی کے بعد تو خاصا برداشت بھی...... مگر اس کی بدتمیزی تو کیا بدلحاظی بھی بے حد بڑھ گئی تھی...... اور اب وہ جلدی شادی کے حوالے سے کیا کچھ نہیں اسے سنا گیا تھا جیسے کریم سے شادی کرنے کے لیے وہ مری جا رہی تھی اور اس نے اسے دھتکار کر راحیلہ سے شادی کرنے کا فیصلہ کر کے اسے کوئی سزا دی تھی۔
''اپنے بارے میں لوگوں کو کتنی غلط فہمیاں ہوا کرتی ہیں۔'' اس نے سوچا...... اور پھر بھل بھل رونے لگی۔
کریم کی ایک بات نے تو اس کا کلیجا چھلنی کر دیا تھا...... یہی وجہ تھی کہ وہ رات بھر رونے اور جاگنے کے باوجود بھی اس جملے کی کسک کم نہیں کر سکی تھی۔
''پلیز آپا، مجھے معاف کر دو...... نہ میں بات بڑھاتی اور نہ ہی وہ اس حد تک پہنچتی...... ساری غلطی تو میری ہے۔''
''ہاں، ایک غلطی تو واقعی تمہاری ہے۔'' شہلا کا لہجہ دکھ بھرا تھا۔
''صرف ایک غلطی......؟'' راحیلہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔
''راحیلہ اگر کوئی بہن...... اپنے دل کی کوئی بات اپنی بہن سے کر لے تو اسے کیا چوک میں اچھالنا چاہیے......؟ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی ایسا......''
شہلا کا لہجہ رندھا ہوا تو تھا ہی مگر شکایتی بھی......
کریم کی زبان سے حارث کا حوالہ...... اس کی نہ صرف تضحیک کر گیا تھا بلکہ دکھ الگ پہنچا تھا۔
''نہیں آپا...... میں نے تو آپ کے حوالے سے کبھی ایسی کوئی بات ان سے کی ہی نہیں...... میں حارث کے بارے میں کریم کو کیوں بتاؤں گی۔''
''تو پھر کریم کو کیسے پتا چلا؟''
''شاید اس نے خود سنا لیا ہو...... اکثر خاموشی سے آ کر بیٹھ جاتے ہیں...... اور میں اور آپ اپنے کمرے

میں دنیا بھر کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔"

"ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ کریم کو یہ سب امی نے بتا دیا ہو...... امی کو تو پتا ہے ناں...... حارث مجھے اچھا لگتا ہے۔ مگر کیا امی...... ایسا کر سکتی ہیں؟" شہلا کا لہجہ تذبذب بھرا تھا۔

"ہاں...... ضرور امی نے ہی بتایا ہوگا...... میں نے بارہا انہیں کریم سے رازدارانہ لہجے میں باتیں کرتے بھی دیکھا ہے...... اور سب سے بڑی بات یہ کہ انہیں اس بات کا خیال ہی نہیں، اپنے گھر کی ہر بات بھی داماد سے نہیں کرنی چاہیے۔" راحیلہ نے برملا اعتراف کر لیا۔

"میں کتنی بدنصیب ہوں ناں...... کہ مجھے تو میرے گھر کے لوگوں نے ہی ذلیل کر کے رکھ دیا۔ کریم غصے میں جتنی دل چاہے بکواس کرتا رہتا مجھے اس کی پروا ہرگز نہیں تھی۔ مگر اس نے حارث کے حوالے سے مجھے...... بے مایہ سا کر دیا۔" شہلا اب سسکیاں بھر رہی تھی...... اور راحیلہ کی آنکھوں سے بھی جھڑی جاری تھی۔

"میں جانتی ہوں...... حارث کو میری رتی بھر پروا نہیں ہے...... مگر مجھے تو اس کی ہے ناں......"

"پیاری آپا...... آپ نے کریم کا رشتہ ٹھکرا کر بالکل صحیح فیصلہ کیا تھا...... اور اب میں یہ تصور بھی نہیں کر سکتی کہ کسی ایسے شخص سے شادی کرنے کی ہامی بھروں جو میری بڑی بہن کو بے عزت کر کے خوشی محسوس کرتا ہوں۔" آپا یوں بلک بلک کر روتا دیکھ کر راحیلہ کا دل دکھ سے بھر گیا اور وہ گلوگیر لہجے میں بولی۔

"اسے تو شاید مجھ سے خدا جانے کا بیر ہے...... خواہ مخواہ میری ذات کو نشانہ بنا کے اسے شاید طمانیت محسوس ہوا کرتی ہے۔" اب شہلا بھی اپنی دلی کیفیت کا اظہار کر رہی تھی۔

"اری پاگل ہو گئی ہے کیا...... بھری تھالی میں لات مارے گی کیا...... خواہ مخواہ بکے چلی جا رہی ہے...... جیسے کریم کسی کے بھالا مار گیا ہو......" ذکیہ بیگم نے جو دروازے کے پیچھے کھڑی ساری روداد سن رہی تھیں سامنے آ کر بیٹی کو لتاڑا۔

"ہاں امی...... میں ایسے شخص سے ہرگز شادی نہیں کر سکتی جو میری بہن کو ذلیل کرے...... اس سے زیادہ برا شخص تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا......"

"اری چپ کر...... اگر تو نے ایسا کچھ کیا تو ساری عمر بیٹھی رہ جائے گی اور تیری آپا کی بھی شادی ہو جائے گی۔" ذکیہ بیگم نے غصے سے لتاڑا...... اور چھوٹی آپا کی مزاج پرسی کرنے چل دیں کہ وہاں کی خبر بھی لیتی تھی کہ کہیں کریم نے وہاں جا کر کچھ کہہ نہ دیا ہو۔

"آپا میں ابھی فون کر کے کہتی ہوں کہ لے جاؤ اپنا سب سامان......" ماں کے جانے بعد بھی اس کے انداز وہی تھے۔

"وہ کیوں ختم کر دو گی...... تم کریم سے رشتہ؟" شہلا نے اپنے آنسو پونچھ کر اس سے حیرت سے پوچھا۔

"وہ مجھے اچھا نہیں لگ رہا ہے۔"

"مگر تم تو اس سے شروع سے محبت کرتی ہو۔" شہلا بولی۔

"محبت کرتی تھی...... مگر اب نہیں کرتی۔ مجھے تو اب اس کا ذکر کرنا بھی اچھا نہیں لگ رہا۔"

"اچھا...... اتنی آسانی سے محبت کا باب کلوز ہو جاتا ہے کیا......؟" وہ تمسخر بھرے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"یہ سب تو مجھے نہیں معلوم...... مگر اب وہ مجھے بالکل اچھا نہیں لگ رہا ہے۔"

"مگر کیوں اچھا نہیں لگ رہا...... وہ تو کل بھی تمہارے لیے ڈھیروں گفٹس لایا تھا۔"

"آپا میں نے اس کے وہ گفٹس ابھی کھول کر دیکھے تک نہیں بس میرے ذہن میں صرف ایک ہی بات ہے

کہ کریم میری بڑی بہن کو اتنی باتیں سنا کر گیا ہے...... وہ آپ کی نہیں، میری بے عزتی کر کے گیا ہے اور آپا...... یہ بات آپ ہی تو کہتی تھیں کہ محبت سے پہلے عزت ضروری ہے۔"

"میری باتیں کہاں پکڑ کر بیٹھی ہو...... مجھے تو محبت ملی اور نہ عزت...... نہ اپنے گھر میں اور نہ ہی باہر......" شہلا کے آنسو پھر بہنے لگے۔

"اللہ نہ کرے، کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ...... آپ میری بہن ہیں، آپ سے میرا خون کا رشتہ ہے اور آپ سے بڑھ کر نہ تو مجھے کوئی عزیز ہو سکتا ہے اور نہ ہی پیارا......"

"کون کہتا ہے...... کہ سوتیلے رشتوں میں محبتیں نہیں ہوتیں...... ہم دونوں بہنوں میں جتنی محبت ہے، اس کا تو شاید کوئی اندازہ ہی نہیں کر سکتا۔" شہلا نے اسے اپنے گلے سے لگاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ...... یہ اندازہ تو شاید میری سگی ماں تک نہیں کر سکتی کہ آپ مجھے کس حد تک پیاری ہیں۔"

اور شہلا چپ چاپ راحیلہ کو دیکھے گئی...... جو اسے روتا دیکھ کر واقعی بے چین سی تھی۔

"جی آپا...... میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کریم کا یہ روپ اتنا بد شکل ہوگا۔" شہلا کا دل چاہا کہ اسے بتائے کہ ابھی تم کریم کو جانتی ہی کہاں ہو مگر وہ چپ رہی۔

"آپ چپ کیوں ہیں...... میں کوئی غلط تھوڑی ناں کہہ رہی ہوں، کریم ایسا نہیں ہے جیسا وہ نظر آرہا تھا...... اس کے غصے نے اس کی اصل حقیقت دکھلا دی ہے ہمیں۔"

"راحیلہ...... شاید وہ ایک اچھا بیٹا بن کر سوچ رہا تھا کہ اس کے ساتھ اس کی بیوی بھی اس کی ماں کی خدمت کرے تاکہ اس کی ماں بستر سے جلد اٹھ کھڑی ہوں۔"

"پتا نہیں......" راحیلہ کا موڈ ہنوز آف تھا۔

"چند ماہ بعد ہونے والی شادی اگر پہلے ہو جائے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"مجھے تو لگ رہا تھا کہ آپ کریم کی بکواس سن کر نہ صرف اسے ڈانٹیں گی بلکہ اسے گھر سے بھی باہر نکال دیں گی اور آپ کو ایسا کرنا بھی چاہیے تھا...... پھر آپ خاموش کیوں رہیں؟"

"نہ اب میں اسے ڈانٹ سکتی ہوں کہ وہ میرا بہنوئی بننے والا ہے۔ اور نہ اب اسے گھر سے نکال سکتی ہوں کہ ہمارے ہاں داماد کی بہت عزت کی جاتی ہے۔"

"تو میری شادی اتنی جلدی ہو جائے گی؟" راحیلہ سوچتے ہوئے بولی۔

"سنو تمہاری شادی...... کوئی دو سال بعد نہیں ہونا تھی جو اتنی پریشان ہو رہی ہو۔" شہلا نے زبردستی کی مسکراہٹ اپنے لبوں پر سجا کر اسے چھیڑا تو وہ یک دم شرما سی گئی۔

"مجھے تو لگتا ہے...... تم نے ہی دعا مانگی ہوگی چھوٹی خالہ کے فریکچر ہو جائے تاکہ تمہاری شادی جلدی ہو جائے؟"

"اللہ نہ کرے، میں کیوں ایسی دعا مانگوں گی اور چھوٹی خالہ تو ان دنوں میری دعاؤں میں دور، دور نہیں تھیں۔ کسی بھی حوالے سے۔"

"اچھا...... تو پھر مجھے بھی تو پتا چلے کہ ان دنوں تمہاری دعاؤں میں کون تھا...... اور تم کیا مانگ رہی تھیں۔" شہلا نے مسکرا کر پوچھا۔

"آپا...... میں بالکل سچ کہہ رہی ہوں کہ میری دعاؤں میں صرف اور صرف آپ ہیں اور میری صرف یہی

روزے کے طبی فوائد

☆روزہ اگرچہ عبادت ہے جس سے روحانی فیض حاصل ہوتا ہے یعنی اطاعتِ خدا اور رسولؐ سے انسان کا دینی و دنیاوی دونوں جہان میں فائدہ ہی فائدہ ہے۔ اگر طبی فوائد کی بات کریں تو ترکِ غذا سے بدن کی وہ قوت جو غذا ہضم کرنے میں ہر وقت صرف ہوتی رہتی ہے...... وہ جمع رہتی ہے اور قوتِ مدافعت کے ساتھ ہو کر امراض کو بدن سے نکالنے لگ جاتی ہے۔

نظامِ انہضام اور جگر پر مثبت اثرات

روزہ یوں تو سارے نظام انہضام پر ایک ماہ کا آرام طاری کر دیتا ہے مگر درحقیقت اس کا حیران کن اثر بطورِ خاص جگر پر ہوتا ہے کیونکہ جگر کے کھانا ہضم کرنے کے علاوہ پندرہ مزید عمل بھی ہوتے ہیں۔ یہ اس طرح تکان کا شکار ہو جاتا ہے جیسے ایک چوکیدار ساری عمر کے لیے پہرے پر کھڑا ہو۔ اسی کی وجہ سے صفرا کی رطوبت bille جس کا اخراج ہاضمہ کے لیے ہوتا ہے مختلف قسم کے مسائل پیدا کرتا ہے اور دوسرے اعمال پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ دوسری طرف روزے کے ذریعے جگر کو چار سے چھ گھنٹوں تک آرام مل جاتا ہے جو روزے کے بغیر قطعی ناممکن ہے کیونکہ بے حد معمولی مقدار کی خوراک یہاں تک کہ ایک گرام کے دسویں حصہ کے برابر بھی اگر معدہ میں داخل ہو جائے تو پورا نظام انہضام اپنا کام شروع کر دیتا ہے اور

دعا تھی اور یہی دعا ہے کہ میری آپا کی شادی حارث کے ساتھ ہو جائے اور وہ ان کے ساتھ بہت خوش رہیں۔“ راحیلہ نے پُرمسرت لہجے میں اسے بتایا۔

اور وہ اسے یوں دیکھنے لگی جیسے اس کی کوئی بات شہلا کو سنائی بھی نہ دے رہی ہو۔

☆☆☆

سنائی تو حارث کو بھی کچھ نہیں دے رہا تھا۔ ایک ذرا سی بے پروائی پہ گل کھلا جائے گی۔ وہ تو ایک ذمے دار بینک منیجر تھا...... مگر اب اسے ایک انتہائی غیر ذمے دار بینکر قرار دیا جا رہا تھا۔ ان دنوں وہ بدمزاج تو ہو ہی گیا تھا مگر وہ اپنے آپ سے بھی لڑ رہا تھا۔

”ہونہہ، میں جو یہ سمجھتا تھا کہ مجھ میں لوگوں کو پہچاننے کی بہت پرکھ ہے تو...... میں واقعی غلط سمجھتا تھا۔ یہ تو شاید سب سے زیادہ مشکل کام ہے...... خاص طور پر ان لوگوں کو...... جن کو ہم اپنا دوست بھی سمجھتے ہوں۔“

پھر بھی حارث کے دوست اس کی پریشانی میں اس کے ساتھ تھے۔ خاص طور پر ریحان اور عدیم تو اس کی پریشانی کو حل کروانے کے لیے سرتوڑ کوشش کر رہے تھے۔

عدیم نے تو...... ساجد کے پاس اپنے ایک جرنلسٹ دوست تک کو بھیج دیا تھا کہ معلوم کرے کہ اس کا حارث کے ساتھ کوئی دشمنی کا معاملہ تو نہیں ہے۔

تب ساجد نے برملا کہا تھا...... وہ حارث کو صرف بینک منیجر کے طور پر جانتا ہے۔ اس سے قبل کبھی اس کی کسی دوسرے حوالے سے ملاقات نہیں ہوئی۔

”وہ ایک اچھا بینکر تھا مگر مجھے نہیں معلوم کہ اس کو ایسی کیا ضرورت پیش آگئی جو اس نے یہ غبن کیا اور اس

جگر فوراً مصروف عمل ہو جاتا ہے۔ سائنسی نقطۂ نظر سے یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ اس آرام کا وقفہ ایک سال میں ایک ماہ تو لازمی ہونا چاہیے..... جگر پر روزہ کی برکات میں سے ایک وہ ہے جو خون کے کیمیائی عمل پر اس کی اثر اندازی سے متعلق ہے۔ جگر کے انتہائی مشکل کاموں میں سے ایک اس توازن کو برقرار رکھنا بھی ہے جو غیر ہضم شدہ خوراک کے درمیان ہوتا ہے۔ روزے کے ذریعے جگر توانائی بخش کھانا ذخیرہ کرنے کے عمل سے بڑی حد تک آزاد ہو جاتا ہے۔ اس طرح جگر اپنی توانائی خون میں گلوبن globin پر جو جسم کے محفوظ رکھنے والے immunesystem کو تقویت دیتا ہے، کی پیداوار پر صرف کر سکتا ہے۔ روزے کے ذریعے گلے اور خوراک کی نالی کے بے حد حساس اعضا کو جو آرام نصیب ہوتا ہے، اس تحفے کی قیمت ادا نہیں کی جا سکتی۔

پھیپھڑوں کی صفائی

پھیپھڑے براہِ راست خون صاف کرتے ہیں اور اس لیے ان پر براہِ راست روزے کے فوائد کا اثر ہوتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہوا کی نالیاں صاف ہو جاتی ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ روزے کی حالت میں پھیپھڑے فضلات کو بڑی تیزی سے خارج کرتے ہیں۔ ان سے خون اچھی طرح صاف ہونے لگتا ہے اور خون کی صفائی سے تمام نظامِ جسمانی میں صحت کی لہر دوڑ جاتی ہے۔

از: ڈاکٹر نفیسہ نہال، لاہور

معاملے میں میرا نام بھی ملوث کیا..... جبکہ میرا نام ایسے معاملات سے کوسوں دور رہنے والا ہے اگر میں چاہوں تو ہتکِ عزت کا دعویٰ بھی کر سکتا ہوں..... یہ میری شرافت ہے جو میں خاموش ہوں۔"

مگر اس کی ان تمام باتوں سے عدیم کی تشفی نہیں ہوئی تھی تب اس نے اپنے بڑے بھائی ندیم خان سے استفسار کیا۔

"ندیم بھائی..... یہ ساجد یہ بوتیک اور کمرشل بنانے والا شخص کیسا ہے؟ آپ جانتے ہیں اس کو؟"

"اچھا ہے..... اس کے بنائے ہوئے کمرشل خاصے یونیک ہونے کے ساتھ خوب صورت بھی ہوا کرتے ہیں۔" ندیم نے اپنے چھوٹے بھائی عدیم کو جواب دیتے ہوئے کہا۔

"مگر اس نے تو میرے دوست حارث کے ساتھ خاصی جعلسازی کر ڈالی۔" عدیم..... نے اپنے بھائی کو بتایا۔

"حیرت ہے، ساجد کوئی کرمنل شخص تو نہیں ہے، جو وہ ایسی حرکتیں کرے گا..... اس کا تو شہر میں اپنا نام اور عزت ہے۔"

"یہی تو مجھے پریشانی ہے کہ اس نے حارث کو ایک غلط چیک دے کر کیوں نقصان پہنچایا؟"

"ہو سکتا ہے، حارث کو غلط فہمی ہو گئی ہو۔"

"نہیں بھائی..... اس نے ایسا دانستہ کیا ہے، میرا دوست تو پریشان ہو گیا ہے۔"

"میں معلوم کروں گا کہ اس کے اپنے نجی دوستوں کے ساتھ کیسے تعلقات ہیں۔ وہ کوئی پاگل تو نہیں ہے کہ خواہ مخواہ ایک شریف بینک منیجر کو پریشان کر ڈالے۔" ندیم خان نے اپنے بھائی کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ وہ

ضرور اس کے بارے میں معلومات کروائے گا۔

☆☆☆

"وہ پاگل تو نہیں مگر تھوڑا سا سائیکی ضرور ہے...... کئی مرتبہ اس کو نفسیاتی اسپتال میں ایڈمٹ بھی ہونا پڑا تھا اور ایک نفسیاتی مریض کچھ بھی کر سکتا ہے۔" حارث کے دوست ریحان نے اسے ساجد کے بارے میں ساری تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"مگر اس پاگل یا سائیکی کا میں نے کیا بگاڑا تھا جو اس نے میرے ساتھ ایسا کیا؟"

"ہاں یہی بات میری سمجھ میں نہیں آرہی کہ اسے تم سے کیا پرخاش ہو سکتی تھی۔"

"تو معلوم کرو ناں کہ اس نے اپنے غلیظ منصوبے میں مجھے ہی کیوں نشانہ بنایا۔"

"کرتا ہوں معلوم...... تم صبر کرو، میں وہ جلد اس کے قریبی دوستوں سے کچھ نہ کچھ اگلوانے میں کامیاب ہو جاؤں گا...... مگر ایک پریشانی ہے۔"

"کیسی پریشانی......؟" حارث نے حیرت سے پوچھا۔

"اس کے آفس میں کام کروانے والوں کی تعداد لڑکیوں کی زیادہ ہے، لڑکے تو گنے چنے ہی ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ وہ کوئی غلط شخص ہے۔" حارث نے کچھ سوچ کر کہا...... "پیسے لٹانے کے لیے جعلی چیک بھی چلاتا پھرتا ہے۔"

"نہیں...... ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔"

"اوہ...... وہ راجا اندر بہت شریف ہے اور اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔" حارث کو غصہ آگیا کہ کوئی بھی شخص اس کی بات سمجھنے کو تیار نہیں ہو رہا تھا۔

"ہاں، یار...... ایسا ہی کچھ ہے، وہ تو خیراتی ادارے تک چلا رہا ہے...... اسے کیا ضرورت پڑی تھی کہ خواہ مخواہ کا فراڈ کرے...... وہ تو خود اپنے پاس سے پیسے خرچ کر رہا ہے۔" ریحان نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"تو تمہارا مطلب یہ ہے کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں یا اس شخص سے مجھے کوئی ذاتی پرخاش ہے......" اب حارث کا غصہ بڑھ ہی تو گیا تھا۔

"یار تم اپنے غصے پر قابو پاؤ...... مجھے معلوم ہے کہ اس پریشانی نے تمہیں بے سکون کر رکھا ہے مگر میں سب معلوم کرلوں گا...... اور ساجد کے بارے میں جلد معلومات اکٹھی کر کے تم تک پہنچاؤں گا کہ ایک شریف شخص ہونے کے باوجود اس نے یہ غیر شریفانہ حرکت کیوں کی۔"

"ٹھیک ہے، میں انتظار کروں گا۔" حارث کی مسکراہٹ پھیکی بھی تھی اور بے جان بھی۔ اس کی شکل دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی مریض اسپتال سے وقت سے پہلے ڈسچارج کر دیا گیا ہو۔

☆☆☆

خالہ کی طبیعت خرابی کی وجہ سے میں نے آفس سے دو دن کی چھٹی کیا کرلی تھی...... ندیم خان نے پریشان کر کے رکھ دیا تھا۔

"مس صبا آپ کے میگزین کی کاپی آج پریس میں جانے والی ہے...... کم از کم تھوڑی دیر کے لیے تو آفس آجائیں۔"

"سر میں نے آپ کو بتایا تو تھا خالہ کی طبیعت خراب ہے۔ میگزین کا سارا کام میں کر کے آئی ہوں۔"

"مگر آپ کا آنا ضروری ہے۔"

''تمہارے میگزین کی کاپی تو پریس میں جا چکی ہے...... پیسٹنگ کا کام ہم نے دیکھ لیا تھا...... اب آنے کا کیا فائدہ ہوا؟'' جب میں آئی تو ناعمہ نے تمسخر سے کہا۔

اور جب بھی بات میں نے سر ندیم سے کہی تو وہ مسکراہٹ داب کر بولے۔

''مجھے تو اپنا ہر کام اپنی موجودگی میں کروانا اچھا لگتا ہے...... اس لیے آپ کو بلوایا تھا۔''

''مگر اب کام کہاں رہ گیا......'' مجھے خواہ مخواہ کھسیاہٹ سی ہو رہی تھی۔

''اخبار کے دفتر میں بیٹھ کر آپ کہہ رہی ہیں کہ یہاں کوئی کام نہیں ہے۔ ارے بھئی بریکنگ نیوز تو ڈھونڈنی پڑتی ہیں۔''

''مجھے خبریں لکھنا کرنا نہیں آتا۔''

''نہیں آتا تو سیکھو......''

''اچھا اب میں جاؤں......''

''ٹھیک ہے جاؤ......''

''میرے پندرہ بیس منٹ کے آنے کا کوئی فائدہ تو نہیں ہوا ناں......''

''یہ تو آپ کہہ رہی ہیں۔ ہاں تو کل پھر آ رہی ہیں ناں......''

''سر، میری کل کی بھی چھٹی ہے۔''

''اوکے...... میں بھول گیا مگر شاید میں کل آفس میں نہ ہوں...... تو آپ تھوڑی دیر ہی کے لیے آ جائیے گا۔''

''میں کیا یہاں باس لگی ہوئی ہوں جو تھوڑی دیر کے لیے آ جاؤں......'' مجھے سر کی بات پر ہنسی آ گئی۔

''کل ایک بڑی شخصیت اپنا انٹرویو دینے خود آفس آ رہی ہیں اور تمہیں اُن کے استقبال کے لیے یہاں موجود ہونا چاہیے۔''

''مگر اُن کا انٹرویو تو ناعمہ کر رہی ہے ناں۔'' میں نے حیرت سے کہا۔

''ہاں...... استقبال کے لیے آپ بھی ہوں گی۔''

اور یوں جب میں اگلے دن آئی...... تو وہ آفس میں موجود تھے اور پروگرام تبدیل ہو جانے کے باعث ناعمہ ان خاتون کا انٹرویو کرنے اُن کی رہائش گاہ پر جا چکی تھی۔

''ارے، جب پروگرام چینج ہو گیا تھا تو کیا آپ مجھے بتا نہیں سکتے تھے۔''

''مجھے یاد ہی نہیں رہا......'' ان کے لہجے میں بے پروائی تھی۔

''کیا یاد نہیں رہا؟''

''یہی کہ آج کوئی انٹرویو ہے؟''

''مگر میں تو خواہ مخواہ آ کر خوار ہوئی ناں۔''

''اگر آپ نہ آتیں تو یہ جو اتنے سارے برگر آ گئے ہیں وہ تو ڈسٹ بن میں جاتے ناں؟''

''ہاں...... بہت چٹوری ہوں ناں میں جو پلیٹ بھر کے کھا جاؤں گی۔''

''مجھے تو پتا نہیں...... ابھی آپ ہی کسی سے کہہ رہی تھیں کہ خالہ کو ڈاکٹر کے پاس اتنی دیر ہو گئی کہ آج آپ نے دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا...... اور ناشتا بھی آپ نہیں کرتیں۔'' وہ بول رہے تھے اور میں حیرت سے انہیں دیکھ رہی تھی کہ ایسا ہی باس اپنے ورکر کا خیر خواہ ہوا کرتا ہے جو اس حد تک ان کا خیال رکھے۔

اس وقت میں واقعی بھوکی تھی...... اور اب ان کے سامنے بیٹھی بڑی رغبت سے برگر کھا رہی تھی۔ وہ جو بظاہر اپنے کام میں محو تھے مگر ان کی ساری توجہ صرف اور صرف صبا کی ہی جانب تھی اور اسے یوں کھاتا دیکھ کر وہ ایسے خوش ہو رہے تھے جیسے کہ وہ خود کھا رہے ہوں۔

☆☆☆

سرخ زرتار لباس میں راحیلہ، ہمیشہ سے کہیں زیادہ پیاری لگ رہی تھی اور دولہا بنا کریم خوش ہونے کے بجائے رنجیدہ سا بیٹھا تھا۔ اس کو اپنی دلہن سے کسی قسم کی کوئی انسیت تک محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

لوگوں کے ہنسی مذاق اس کے کانوں میں ایک زہر سا گھول رہے تھے اور وہ دیوانوں کی طرح صرف شہلا ہی کو دیکھے جا رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں اورنج پلین سلکی سوٹ پہنے شہلا کا ہی سراپا رقصاں تھا۔

جب اسے وہ سلامی کا لفافہ دینے آئی تو وہ اس کی گہری براؤن آنکھوں کے سوا کچھ دیکھ ہی نہیں پایا۔

''ارے دیکھو تو سہی...... سالی نے سلامی میں کیا دیا؟'' اس کی بہنوں نے کہنی مار کر اس سے پوچھا۔

''پتا نہیں......'' اس کی نظریں ہنوز اس کے گرد گھوم رہی تھیں۔

اور جب وہ راحیلہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے اس کے پہلو میں بٹھا رہی تھی تب بھی وہ اپنی دلہن کو دیکھنے کے بجائے شہلا کے لمبے بالوں میں ہی الجھا ہوا تھا۔

''شہلا کے بال بھی کتنے خوب صورت ہیں...... کسی آبشار کی طرح اس کی پشت پر پھیلے ہوئے ہیں۔'' کسی کزن نے اس کے اور راحیلہ کے مابین شیشہ لا کر رکھ دیا تھا کہ اپنی دلہن کو پہلے آئینے میں دیکھو۔

اور وہ ہنس دیا تھا اور سوچ رہا تھا کہ جسے بغیر آئینے کے دیکھنے کو دل نہ چاہے اسے آئینے میں دیکھ کر کیا کروں گا۔

''کریم بیٹا تم کہو...... راحیلہ میں تمہارا غلام......'' کسی رشتے دار خاتون نے ٹھٹا لگا کر اس سے کہا تھا...... تو وہ فوراً بول اٹھا تھا۔

''راحیلہ...... تم میری غلام......'' تو اس پر ہنسی کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''بھئی دولہا میاں بے حد شرارتی ہیں، اپنی پُرمزاح باتوں سے کبھی باز نہیں آتے۔''

اور راحیلہ بھی اس کی اوندھی باتیں سن کر مسکرا رہی تھی۔

اِدھر وہ دیوانہ سا بنا...... شہلا کو دیکھے جا رہا تھا۔ جیسے اسے اپنی آنکھوں میں بھر رہا ہو۔ وہ کسی کی بات پر ہنسی...... تو اسے یوں لگا ایسی خوب صورت ہنسی کی کھنک اس سے قبل اس نے سنی ہی نہیں ہو۔ منہ پر آئے بال...... جھٹک کر اس نے پیچھے کیے تو اس کا دودھیا چہرہ اس کے سامنے مزید روشن ہو گیا۔

''یہ دونوں بہنیں...... واقعی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔'' اس نے سوچا۔

''ایک بے انتہا حسین اور دوسری پر حسن کی چھینٹ تک نہیں ہے۔'' اس نے پاس بیٹھی ہوئی اپنی دلہن پر ایک نظر ڈالی۔ تو اس کا دل گھبرانے سا لگا۔ یہی وجہ تھی کہ شب عروسی اس کا لہجہ خاصا کھڑنل سا تھا۔

''تم سمجھ رہی ہو گی کہ دلہن بن کر تم بہت اچھی لگ رہی ہو۔'' کریم نے کمرے میں داخل ہو کر اس پر ایک گہری نظر ڈال کر کہا۔

''ہاں؟'' وہ شرما کر بولی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اب وہ ہنستے ہنساتے اس کی تعریفوں کے پل باندھ دے گا۔

''غلط فہمی ہے تمہاری...... سو فی صد غلط فہمی......'' وہ تمسخر سے ہنسا۔

''جی؟'' وہ حیرت سے بولی اور گھونگٹ بھی اس نے خود ہی الٹ دیا تھا۔

کریم کا لہجہ قطعی اجنبی تھا، یہ تو وہ کریم تھا ہی نہیں جو اُن کے گھر کے آنگن میں بیٹھ کر بلند آواز میں ہنستے

ہوئے اس کی تعریفیں کرتے ہوئے بھی تھکتا نہیں تھا۔
''آپ مذاق کرر ہے ہیں ناں......؟'' راحیلہ نے از خود پوچھا۔
''نہیں، میں سچ بول رہا ہوں۔'' وہ بے رحم لہجے میں بولا۔ ''پتا نہیں، کیوں میں نے تم سے شادی کر لی۔''
''جی......'' وہ سراسیمہ سی اسے تکے چلی جا رہی تھی۔
''سنو...... بے حد عام سی شکل صورت کی لڑکی بھی کبھی کبھار اچھی لگا کرتی ہے......مگر تم اتنی بھی نہیں لگ رہی ہو۔ تمہاری شکل دیکھ کر مجھے غصہ آرہا ہے۔''
''غصہ آرہا ہے......؟'' اس نے سسکی لی اور آنسو بھل، بھل بہنے لگے۔
''مت آنسو بہاؤ......گرمی کی شدت کی وجہ سے تمہارا میک اپ جہاں، جہاں سے ہٹ گیا ہے وہاں سے تمہاری کالی رنگت صاف نظر آرہی ہے......اور تمہیں دیکھ کر مجھے اپنی بدقسمتی کا احساس ہو رہا ہے کہ یہ تھا میرا نصیب کہ تم جیسی لڑکی سے میری شادی ہو گئی ہے۔''
''یہ آپ کیسی باتیں کرر ہے ہیں۔ آپ کو تو میرا جیسا......کوئی لگتا ہی نہیں تھا۔'' وہ اپنے آنسو خود ہی پونچھ کر ہمت سے بولی۔
''پاگل ہوں کیا میں جسے سچ اور غلط کی تمیز ہی نہیں......اور اگر میں جھوٹ بولتا رہا تو تم آنکھیں بند کر کے کیوں یقین کرتی چلی گئیں۔''
''تو کیا مجھے یقین نہیں کرنا چاہیے تھا؟''
''نہیں...... ہرگز نہیں، تم کیا ہو، کیا تم خود نہیں جانتیں یا کبھی آئینہ نہیں دیکھا......؟'' وہ جی بھر کر اس کی ہنسی اڑا رہا تھا۔ ''یا اگر آئینہ دیکھا......تو اس نے تمہیں کچھ بتایا ہی نہیں، آئینہ تو جھوٹ نہیں بولا کرتا، کیا آئینوں نے بھی تم سے جھوٹ بولا تھا......'' اس نے کرختگی سے پوچھا۔
''ہاں کریم...... جب محبت کا خمار چڑھ جائے تو آئینے بھی جھوٹ بولنے لگتے ہیں...... مجھے تو واقعی پتا ہی نہیں چلا کہ آپ مجھ سے محبت کے پردے میں نفرت کیا کرتے ہیں۔''
''چلو......اب تو پتا چل گیا ناں......'' وہ مسکرایا۔
''ہاں، اب میں جان گئی ہوں کہ آپ کو مجھ سے محبت نہیں ہے......'' وہ بے بسی سے بولی۔
''مگر نفرت کرنے والوں سے شادی تو نہیں کی جاتی ناں...... ایسا تو میں نے کبھی نہ سنا کہ جس سے نفرت ہو......اسی سے جھوٹ بول کر شادی کر لی جائے۔''
''یہ بھی میری مجبوری تھی، ورنہ تم اس قابل کہاں تھیں۔''
''ایسی کیا مجبوری ہے آپ کے ساتھ؟''
''میری مجبوری کا نام شہلا ہے۔ صرف شہلا کو پانے کے لیے میں نے تم سے شادی کی ہے۔ اگر میں تم سے شادی نہ کرتا تو تمہارے گھر میں، میرا آنا جانا بند ہو جاتا۔''
''پھر مجھ سے شادی کے بعد تو آپ، آپا سے دور ہو گئے۔''
''نہیں ہوا ہوں دور......'' وہ مسکرایا۔ ''میں جان چکا ہوں......تم شہلا کی کمزوری ہو۔ شہلا......تم سے بہت محبت کرتی ہے ناں......''
''تو پھر......؟''
''تمہارے حوالے سے شہلا اب مجھ سے بھی بہت محبت کرے گی۔''

"آپ جانتے ہی نہیں ہیں، آپا کی شادی بہت جلد اُن کی پسند سے ہو جائے گی۔"
"اللہ نہ کرے......!" کریم نے اس کے منہ پر سختی سے اپنا ہاتھ رکھ دیا اور وہ اسے پھٹی، پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگی۔

☆☆☆

شادی کے بعد جس طرح لڑکیاں بھاگ، بھاگ کر اپنے میکے آیا کرتی ہیں...... راحیلہ بالکل بھی نہیں آ رہی تھی۔ شہلا نے ماں سے کہا تو انہوں نے جواباً کہا۔
"وہ چھوٹی آپا کی خدمت میں ہی اتنی مصروف ہو گئی ہے...... کہ کئی دفعہ میں نے بھی کہا تو اس نے منع کر دیا۔"
ولیمہ گھر میں ہی ہوا تھا...... مگر اس میں بھی وہ بجھی، بجھی سی تھی۔
"کیا بات ہے راحیلہ...... اتنی چپ چپ کیوں ہو......؟" اس نے بہن سے پوچھا تھا۔
"جب خوشیاں اتنی زیادہ مل جائیں تو ہر شخص حواس باختہ سا ہو جاتا ہے۔" کریم اسے دیکھ کر بولا تھا۔
"مگر میری بہن بے حد ہوش مند ہے...... وہ حواس باختہ ہونے والی نہیں ہے۔"
"تو تمہارے سامنے ہی میں پوچھ لیتا ہوں۔ ہاں بھئی راحیلہ تم اپنی بہن کو یہ بتاؤ کہ شادی سے پہلے خوش تھیں یا بعد میں۔"
"شادی کے بعد زیادہ خوش ہوں۔" اس نے نظریں جھکا کر کہا تھا۔
"اچھا...... تو کیا تم اپنے میکے کو بھول گئی ہو۔" شہلا نے ہنس کر پوچھا تھا۔
"ارے بھئی اپنے میکے کو کون بھولا کرتا ہے، وہ تو راحیلہ آئے گی اور بار، بار آئے گی۔"
"مگر میں واقعی بھول گئی ہوں، خالہ کے پاس آ کر مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ ہے ناں خالہ......" برابر بیٹھی ہوئی خالہ سے اس نے چاہت بھرے لہجے میں کہا تھا۔
اس کا ولیمہ اس کی شادی کے بارہ دن بعد ہوا تھا...... اور اس نے آتے ہی خالہ کا ہر کام جیسے اپنے ذمے لے لیا تھا۔
"سچ کہہ رہی ہے راحیلہ، مجھے تو ایسا ہی لگتا ہے کہ میرے گھر میں کوئی بہو نہیں بلکہ بیٹی آئی ہے۔" چھوٹی خالہ نے بھی انتہائی محبت سے کہا تھا اور بات آئی گئی ہو گئی تھی۔

☆☆☆

رمضان المبارک کی وجہ سے آفس کے آنے جانے کے اوقات تبدیل ہو گئے تھے...... مگر پھر بھی لڑکوں کو رات گئے تک رُکنا پڑ جاتا تھا۔
ندیم خان تو سحری کے بعد ہی گھر جایا کرتے تھے، رمضان میں اکثر آفس ورکرز سحری باہر بھی کر رہے تھے۔ اور اگلے دن آفس آ کر اس کی روداد سنائی جاتی۔
"اب سحری کرنے کا زیادہ مزہ ہوٹل میں آتا ہے۔ کتنی ساری چیزیں ہوتی ہیں...... جو بندہ کھاتا چلا جائے۔" ساجد مزے لے، لے کر بتاتا۔
"گھر میں تو ہمیشہ میرے ساتھ یہی ہوتا ہے کہ آنکھ ہی جب کھلتی ہے جب ٹائم ختم ہونے والا ہوتا ہے تو بس جلدی، جلدی جو نظر آیا حلق میں ٹھونس کر پانی پی لیتا ہوں۔" محسن بھی باہر کھانے کا شیدائی تھا۔
"تمہارے گھر والے...... تمہیں سحری کے وقت کیا جگاتے نہیں ہیں۔" ناعمہ کو سن کر خاصا تعجب ہو رہا تھا کہ

ایسا ایک آدھ مرتبہ تو ہوسکتا ہے مگر روزانہ کیسے ہوسکتا ہے۔

"میرا اپنا گھر تو اس شہر میں ہے نہیں...... جن رشتے داروں کے گھر میں پے انگ گیسٹ کے طور پر رہتا ہوں...... وہ لوگ سحری میں اٹھتے ہی نہیں ہیں یا پھر بغیر سحری کے روزے رکھنے کے عادی ہوں گے۔"

"میں تو اپنے گھر میں رہتا ہوں مگر سحری پھر بھی ٹھیک سے نہیں کر پاتا......" صفدر نے بھی دہائی دے ڈالی۔

"ویسے تو بڑے ایکٹو بنتے ہو، سحری کے وقت کیا اٹھا نہیں جاتا......"

"بات صرف یہ ہے کہ میری والدہ بیمار ہیں...... اور وہ روزے نہیں رکھ پاتیں مگر میرے لیے سحری کے پراٹھے رات کو ہی پکوا کے رکھ دیتی ہیں...... نیند میں اٹھ کر مجھ سے کوئی کام ہوتا نہیں اور ٹھنڈے پراٹھے کھائے نہیں جاتے......" یوں صفدر بھی گھر میں سحری کرنے کے حق میں نہیں تھا۔

"چلو ایک سحری میری طرف سے اور وہ بھی آپ کے پسندیدہ ہوٹل میں......" ایک دن سب کی روداد سنتے ہوئے ندیم خان نے پرمحبت لہجے میں سب سے کہا۔

"کیا واقعی......؟ ہم کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں سحری کریں گے؟" ساجد نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہاں، بالکل......"

"کیا اس سحری میں لڑکیاں بھی انوائٹڈ ہیں؟" فرزانہ نے دلی خوشی چھپاتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں، ہاں آپ سب انوائٹڈ ہیں۔" ندیم خان نے ایک اچٹتی سی نظر اس پر ڈالتے ہوئے کہا۔

"ڈن......!"

لڑکوں کے ساتھ، لڑکیوں نے بھی خوشی کا اظہار کیا۔

"کیا خیال ہے، کمنگ ویک اینڈ رکھ لیا جائے؟" اسے خاموش دیکھ کر ندیم خان نے اسی سے پوچھ ڈالا۔

"سوری سر، میں سحری کے لیے نہیں آسکوں گی۔"

"کیوں بھئی؟" حیرت سے پوچھا گیا۔ "آپ کا پورا اسٹاف آرہا ہے۔ تو آپ کیوں غیر حاضر رہیں گی۔" ندیم خان کی بات بھی کسی حد تک صحیح تھی۔

"وہ...... دراصل سحری باہر جا کر کرنے کی اجازت مجھے گھر سے نہیں مل سکے گی۔"

"تم کوئی بہانہ کر دینا۔" ماہ رخ نے کہا۔

"میں بہانے کرنے کی عادی نہیں ہوں۔" اس کا لہجہ فرزانہ کو خاصا برا لگا۔

"اوہ...... تو تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ ہم سب بہانے باز ہیں۔"

"میں نے بھلا ایسا کب کہا؟"

"نہیں بھئی...... یہ بات نہیں ہے۔" ماہ رخ نے فرزانہ کو مزید کچھ کہنے سے روکا۔

"تو پھر بات کیا ہے......؟" فرزانہ کے ماتھے کی شکنیں ہنوز موجود تھیں۔

"ہماری صبا کے ساتھ ایک مسئلہ ہے کہ وہ جب بھی بولتی ہیں، سچ کے سوا کچھ نہیں بولتیں۔ پروڈکشن ہاؤسز میں کام کرنے کے اثرات تو آہی جاتے ہیں ناں......" ماہ رخ نے تمسخرانہ لہجے میں کہا تو فرزانہ بھی تائیدی ہنسی ہنس دی۔

"آپ سب لوگ شرکت کیجیے، ایک میرے شرکت نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا......" اس نے ماہ رخ کی بات کو قطعی نظر انداز کر دیا تھا کہ ہر شخص کی ہر بات کا جواب دینا بھی نہیں چاہیے۔

"جیسی تمہاری مرضی......" فرزانہ نے کاندھے اچکائے۔

''اگر تم آجاتیں تو اچھا لگتا کم از کم واپسی پر تم مجھے گھر تک ڈراپ کر دیتیں۔'' ناعمہ نے مسکرا کر کہا۔

''آپ پریشان نہ ہوں، یہ کام محسن بخوشی کرلے گا...... اس کا گھر آپ کے گھر سے بہت زیادہ دور نہیں ہے مگر میرا آنا واقعی مشکل ہے۔''

''نہیں بھئی...... ہمارے لیے سب ورکرز برابر ہیں، سحری کا پروگرام کینسل...... اب ہم کسی دن اپنے آفس میں ایک ساتھ افطاری کریں گے اور افطاری کسی بہت اچھی جگہ سے ارینج کروالیں گے۔'' ندیم خان بولے۔

''سر! پھر تو کسی کے لیے کوئی مسئلہ ہی نہیں ہوگا۔'' ناعمہ نے کہا۔

''آپ لوگ مسائل کے بغیر کیسے رہ سکتی ہیں...... اس لیے میری رائے ہے کہ ہر لڑکی ایک، ایک ڈش بنا کر لے آئے تاکہ ہمیں بھی تو پتا چلے کہ آپ لوگ کس طرح اپنے گھر میں افطار کیا کرتی ہیں۔'' صفدر نے ہنس کر کہا تو ساجد کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

''واؤ یہ ہوئی ناں بات...... ہم کو بھی تو پتا چلے کہ آپ سب کا قلم تو خوب چلتا ہے اب کفگیر کیسے چلتا ہے اور کچن سے کتنی دوستی ہے۔'' محسن نے بھی ہنس کر لڑکیوں کو چھیڑا۔

''مگر یہ سب میرا پلان ہرگز نہیں ہے۔'' ندیم خان کو بھی یہ سب سن کر لطف آرہا تھا کہ لڑکوں کی یہ بات انہیں قطعی پسند نہیں آرہی تھی۔

''سر پھر تو یہ ون ڈش پارٹی ہوگئی، آپ کی جانب سے افطاری کی دعوت تو نہیں ہوئی ناں......'' فرزانہ نے برا سا منہ بنایا۔

''مجھے تو کوکنگ آتی ہی نہیں۔'' ماہ رخ نے جیسے اعلان کیا۔

''اور میں کچن میں جاتی تک نہیں ہوں۔'' بیلا اور عابدہ کا بیان بھی آگیا۔

''روزے میں تو میں کوکنگ کر ہی نہیں سکتی۔'' فرزانہ نے بھی کہہ دیا تھا۔

''شادی کے بعد ساجد کیا بغیر سحری کے روزے رکھا کرے گا؟'' محسن بڑبڑایا۔

''شادی سے پہلے ہم ساجد کو کوکنگ کلاسز کروادیں گے۔'' صفدر نے بھی لقمہ دیا۔

''سر، میں بنالاؤں گی افطاری۔'' اب میں نے سب کی باتیں سن کر دھیمے لہجے میں کہا۔

''آپ بھی رہنے دیں، ہم باہر سے ارینج کر تو رہے ہیں۔'' ندیم خان نے کہا۔

''تو سر، میں تو ضرور لاؤں گی...... افطاری میں جب تک گھر کی بنی ہوئی چند چیزیں نہ ہوں تو سواد کہاں آتا ہے۔''

''بعض لوگوں کو ہر چیز گھر میں بنانے کی پریشانی ہوا کرتی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ وہ چاٹ مسالا تک خود بناتے ہیں...... ارے بھئی جس کا کام اسی کو ساجھے...... بازار میں اب ہر چیز اور بہترین چیز مل جاتی ہے۔'' فرزانہ نے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔

''سچ کہہ رہی ہو فرزانہ تم...... ہمارا گھرانا بھی کچھ اسی قسم کا ہے۔ ہر چیز گھر میں بنا کر اور کھا کر خوش ہوا کرتے ہیں...... جو باہر کے مقابلے میں شاید کم ذائقے دار ہوتی ہوں مگر گھر میں صفائی سے بنی ہوتی ہے اور ہم اسی میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔''

اور پھر مقررہ دن میں ڈھیروں معدنی سموسے، فروٹ چاٹ، دہی بڑے، میٹھی چٹنی اور بالائی والی کھجوریں...... جس کی گٹھلی نکال کر اس میں بادام کھوئے میں لپیٹ کر رکھا تھا...... اور اوپر سے ٹھنڈی بالائی چڑھا

کر انہیں ٹھنڈا کر دیا گیا تھا اور جسے کھاتے ہوئے ہر ایک کو بہت مزہ آ رہا تھا اور ہر کھجور میں ایک ٹوتھ پک لگایا گیا تھا کہ اسے کھاتے ہوئے کسی کے ہاتھ بھی چپکنے نہ ہونے پائیں۔

''مس صبا...... کیا آپ نے کوکنگ کا کوئی کورس وغیرہ کر رکھا ہے...... جو ہر چیز اتنی عمدہ بنا کر لائی ہیں...... کہ باہر سے آئی ہوئی کسی چیز کو کھانے کو دل نہیں چاہ رہا......'' ندیم خان نے پوچھا۔

''سر...... میں نے کھانا پکانا اپنی امی سے سیکھا ہے...... ہمارے ہاں ہمیشہ سے افطاری اور سحری کے لیے بہت اہتمام ہوتا ہے مگر اس طرح کہ کبھی کوئی چیز بنالی تو کبھی کوئی...... مگر بنتی سب گھر میں ہی ہیں۔''

''میں سچ کہہ رہا ہوں کہ آج سے قبل اتنی اچھی اور لذیذ افطاری میں نے نہیں کی تھی......'' صفدر کے ساتھ محسن نے بھی کہا اور پھر سب نے ہی کہا۔

''اب تو لازمی ہے کہ اخبار میں لذیذ پکوان کے پورشن کا انچارج صبا کو بنا دینا چاہیے...... کہ خواہ مخواہ کھانا پکانے کی کتب بار، بار چھاپی جاتی ہیں...... صبا، تمام گھریلو ترکیبیں اپنے حساب سے لکھے گی تو شاید اسی وجہ سے اخبار کی سرکولیشن بہت زیادہ بڑھ جائے گی۔'' فرزانہ نے ہنس کر کہا۔

ناعمہ بھی مشورے دے رہی تھی اور ماہ رخ بھی...... مگر ندیم خان کو اپنی آپا کی باتیں یاد آ رہی تھیں۔

''ارے آج کل کی لڑکیوں کو صرف کھانے سے دلچسپی ہوتی ہے مگر پکانے سے نہیں...... تمہاری شادی کے بعد بھی امی کو باورچی خانے کا نظام دیکھنے سے چھٹی نہیں ملنے والی کہ مجھے تو آج کل ایسی لڑکیاں نظر ہی نہیں آ رہیں۔'' مگر یہ صبا تو سو فی صد ویسی ہی لڑکی تھی جیسا وہ سوچا کرتا تھا، اس کی پسند کا ہر رنگ اس میں موجود تھا۔

''یہ کھجوریں بھی آپ نے خود بنائی ہیں؟'' اس نے خوش دلی سے کھاتے ہوئے پوچھا تھا۔

''یہ تو امی نے بنائی ہیں مگر اتنی مرتبہ میرے سامنے بنی ہیں کہ اس کا بنانا کوئی مشکل ہی نہیں......'' وہ سادگی سے بولی تھی۔

اس کی یہی صاف گوئی تو اسے پسند تھی...... اگر وہ جھوٹ بولنا چاہتی تو بول سکتی تھی مگر اس نے برملا اعتراف کیا کہ یہ اس کی ماں نے بنائی ہیں۔

''آج کی یہ افطاری...... واقعی یادگار ہوگئی...... اس کے لیے ندیم سر، ہم آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں......'' آفس کے سب اراکین چلتے سے اس سے کہہ رہے تھے۔

''آپ میرا نہیں، مس صبا کا شکریہ ادا کیجیے جو اتنے مزے کی اور اتنی ڈھیر افطاری بنا کر لائی ہیں۔'' اس نے مسکرا کر صبا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''یار کیا چاہتا ہے تو......؟'' تب فرید نے ندیم راز داری سے کہا۔ ''تیرے نام کے ساتھ صبا کا نام بھی آئے۔''

''نہیں تو......'' اس نے گھبرا کر فرید کو دیکھا۔

''پھر کیوں...... صبا کا شکریہ ادا کروا رہا ہے۔''

''ٹھیک ہے......'' وہ کھسیا کر مسکرایا اور بلند لہجے میں بولا۔

''سب سے زیادہ شکریہ فرید صاحب کا...... جن کے آفس میں بیٹھ کر ہم سب نے روزہ کھولا......'' اور فرید مسکراتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

☆☆☆

ہاں سر تو میرا گھوم گیا تھا...... رئیسہ آنٹی، میرے سامنے شاپنگ مال سے نکل رہی تھیں اور میں ان کو دیکھ کر پتھری ہوگئی تھی اور پھر انہوں نے مجھے دیکھا...... اور اپنی صبا کو بیگانگی سے دیکھتی چلی گئیں۔

میرا دل چاہا تھا کہ چیخ کر انہیں پکاروں اور انہیں بتاؤں ۔ "میں یہاں ہوں، آپ کے بے حد قریب......آپ یقیناً اپنی صبا کو ڈھونڈ رہی ہیں......دیکھیے میں آپ کے پاس ہوں، آنٹی پلیز...... میں یہاں ہوں، آپ کے پاس۔"

مگر حلق ایسا سوکھ گیا تھا کہ چاہتے ہوئے بھی کوئی آواز ہی نکل پا رہی تھی......اور میں گنگ سی کھڑی تھی۔

"آنٹی......" جب آواز نکلی......تو وہ لوگوں کی بھیڑ میں کھو چکی تھیں اور کوئی دوسری خاتون میرا شانہ ہلا کر مجھ سے پوچھ رہی تھیں۔

"تم نے مجھے پکارا تھا؟"

"نہیں......" میں کھوئے کھوئے لہجے میں کہا اور سوچا......جن کو میں پکارنا چاہ رہی تھی وہ تو چلی بھی گئیں۔

"فرح خالہ......! اس دن کتابوں کی نمائش میں آپ نے کیا رئیسہ آنٹی کو واقعی دیکھا تھا؟" گھر آ کر میں نے پہلی بات یہی کی تھی۔

"نہیں بھئی......اگر وہ ہوتیں تو مجھے دیکھ کر رکتیں تو سہی......مگر وہ تو رکی ہی نہیں۔"

"انہوں نے آپ کی آواز نہیں سنی ہو گی۔"

"کیا پانچ گز کے فاصلے پر کھڑے ہو کر تمہیں میری آواز نہیں آئے گی، اور تم تو میری آواز کو ویسے بھی نقارہ کہا کرتی ہو۔ وہ یقیناً کوئی اور ہوں گی۔" فرح خالہ اپنے موقف پر قائم تھیں۔

"سنو وہ رئیسہ بیگم ہی ہوں گی اور جان بوجھ کر تمہیں نظر انداز کرتی ہوئی چلی گئی ہوں گی۔" امی نے ہماری باتیں سن کر اپنی رائے دی۔

"مگر وہ ایسا کیوں کریں گی؟"

"جب کوئی اپنے پرانے حساب بے باق نہ کرنا چاہے تو وہ پھر بھاگتا تو ہے ناں......"

"آپا......اگر وہ نہیں چاہیں گی......تو ہم کوئی زبردستی تو اپنی بیٹی ان کے سر منڈھ نہیں رہے۔" فرح خالہ کو بھی امی کی رائے سے اختلاف تھا۔

"ہو سکتا ہے اُن کے بیٹے کی شادی ہو چکی ہو......اور اپنی بہو کے سامنے اپنے بیٹے سے متعلق کوئی بات بھی کھولنا نہ چاہ رہی ہوں۔"

"ایسی باتیں تو لڑکیوں کی چھپائی جاتی ہیں......لڑکوں کو تو ان تمام معاملات سے کوئی فرق نہیں پڑا کرتا......"

"ہو سکتا ہے ان کے بیٹے کو فرق پڑتا ہو۔" امی اپنی بات پر قائم تھیں۔

☆☆☆

"ہاں بالکل فرق نہیں پڑتا......اور میں سامنے آ کر اپنے انداز میں بات بھی کرتی اور بے بھاؤ کی الگ سناتی بھی مگر میں تو اپنے عامر کی وجہ سے مجبور ہوں ناں......جس کا باپ اگر زندہ ہوتا تو شاید وہ اس چھپکلی کو اس کے سامنے کب کا حاضر کر چکا ہوتا۔" رئیسہ بیگم......اپنی چھوٹی بہن کو اپنی روداد سنا رہی تھیں۔

"اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی......آپ ان لوگوں سے ڈر رہی ہیں......جو خود ہی کہیں کھو گئے ہیں۔"

"وہ نہیں کھوئے......روپوش تو میں ہوئی تھی، دیور کی مقدمے بازیوں میں جب پیسہ پانی کی طرح بہہ گیا تو میرا میاں نوکری کرنے لگا اور بیماری میں بغیر دواؤں کے رہا تو چل بسا بیچارہ، تو یہ غم بھی مجھے بے وجہ ہی لگا ناں......مگر یہ دیکھو کہ پیسہ ختم ہونے کے باوجود بیٹے کے دماغ پر بھوت کی طرح صبا چھائی رہی......جائداد بک

گئی، میری زندگی بدل گئی مگر بیٹا نہیں بدلا جبکہ میں نے جان چھڑانے کے لیے کہہ دیا تھا کہ وہ لوگ امریکا چلے گئے تو.... اسے دیکھو وہاں تک ڈھونڈنے چلا گیا......اور بالآخر خوار ہو کر آیا ہے۔"

"فرض کریں اگر اس لڑکی کی کہیں شادی ہو چکی ہو تو پھر کیا وہ اسے طلاق دلوائے گا؟"

"مجھے نہیں معلوم کہ وہ کیا کرے گا......مگر وہ پاگل ضرور ہو جائے گا۔"

"تو آپ یہ سب اپنے بیٹے سے ڈر کر کر رہی ہیں؟"

"ہاں......ایک ہی بیٹا ہے اگر اس کو بھی اس کی عاشقی کے طفیل بیاہ دوں گی تو پھر میرا خیال رکھنے والا تو کوئی نہیں رہے گا ناں......"

"ہو سکتا ہے کہ وہ لڑکی آپ کے لیے اچھی بہو ثابت ہو جاتی۔"

"جن سے نفرت ہو ناں، وہ کبھی دل میں پسندیدگی کا درجہ حاصل نہیں کر سکتے۔"

"تو اسی لیے آپ کتابوں کی نمائش میں اسے دیکھ کر حواس باختہ ہو گئی تھیں۔"

"ہاں، اس وقت تو میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کروں تو کیا کروں......اور اس کی خالہ فرخ مجھے آنکھیں پھاڑ کر خوب پہچان بھی چکی تھی۔"

"رئیسہ آپا حد ہو گئی بے وقوفی کی بھی......آپ نمائش میں کتابوں کی الماری کے پیچھے ایک گھنٹے تک کھڑی رہیں؟"

"ہاں، وہ دونوں بلائیں وہاں سے چلی گئیں، جب میں وہاں سے نکلی تھی؟"

"یہی تو پوچھ رہی ہوں میں......آپ کو ان لڑکیوں سے ڈرنے کی ضرورت کیا تھی؟"

''اس کی فرح خالہ نے مجھے پہچان لیا تھا ناں...... اگر میں ان سے باتیں کرلیتی تو وہ دونوں گھر تک آجاتیں۔''

''آپ کوئی اُن کی چوری کر کے نکلی ہیں جواُن سے ڈر رہی ہیں۔''

''مگر میں ان لڑکیوں کی شکل ہی نہیں دیکھنا چاہتی......'' رئیسہ نے پانی کا چوتھا گلاس چڑھاتے ہوئے کہا۔ (حالانکہ اس واقعے کو مہینہ بھر ہو گیا تھا)

''نہ دیکھیں وہ کوئی زبردستی تھوڑی ناں کر سکتی ہیں۔''

''تمہارا کیا مطلب ہے اگر وہ کبھی دوبارہ ملیں تو میں اُن سے بات کرلوں؟''

''بات کرنے کو میں کہاں کہہ رہی ہوں......بس پہچانیے گا ہی نہیں۔''

''مگر وہ تو میری آواز تک پہچان لیتی ہیں۔''

''آپ بھی لہجہ بدل کر کہہ دیجیے گا کہ کون لوگ ہو بھئی......میں نہیں جانتی تمہیں۔''

''اور اگر انہوں نے عامر کا پوچھ لیا تو......؟''

''تو کہہ دیجیے گا۔ میرے بیٹے کی تو شادی ہو چکی ہے......تم کس عامر کو ڈھونڈ رہی ہو۔''

''مگر......میرے عامر کی کہاں شادی ہوئی ہے۔'' رئیسہ کا لہجہ اب رنجیدہ ہو گیا تھا۔ ''وہ تو اس کو ہر جگہ ڈھونڈ، ڈھونڈ کر پاگل ہو رہا ہے۔''

''تو ٹھیک ہے......پھر آپ خوش ہو جائیں اور اپنے بیٹے کی پسند کی لڑکی بیاہ لائیں۔'' بہن نے کلس کر کہا۔

''ایسا تو میں کبھی نہیں ہونے دوں گی۔''

''تو پھر پُرسکون ہو جائیں......نہ آپ نے کسی کو دیکھا نہ...آپ کو کوئی ملا نہ آپ کی کسی سے بات چیت ہوئی......اور نہ ہی آپ...کبھی کتابوں کی نمائش میں گئیں۔'' بہن نے ہنس کر کہا تو رئیسہ بھی مسکرانے لگیں۔

☆☆☆

ماتھا تو فرید کا بھی ٹھنکا تھا......جب ندیم خان کو اچھا خاصا مہنگا گفٹ صبا کو دیتے دیکھا تھا اور اس پر آفس کا لیبل منڈھ دیا گیا تھا۔

''کیا ضرورت ہے یہ سب کرنے کی......'' جب آفس میں ایک جیسے گفٹس کے حوالے سے بھانڈا پھوٹا تھا تو اس نے پوچھا تھا۔

''تمہارے اخبار کی وجہ سے ہی یہ سب کر رہا ہوں۔''

''اسی لیے میری بیوی کا نام لگا دیا کہ وہ میرے اخبار کے ورکرز کو گفٹس بھیجیں گی۔'' فرید مسکرایا۔ ''وہ کنجوس کسی کو دھیلے کی چیز نہ دے......وہ دے گی کسی کو جیولری بکس......ہونہہ......''

''تم نے بھی تو کلائنٹ کے تحائف پر بات کو اوندھا گرا دیا تھا۔''

''یار کیا کرتا......وہ لڑکی بھی تو وکیل بنی جرح کیے جا رہی تھی۔ کسی طور اسے بھی تو یاد کرانا تھا کہ تمہیں کوئی دل نہیں بیٹھا۔''

''تو تمہارے خیال میں، میں اسے پسند کرنے لگا ہوں۔''

''میرے خیال میں لفظ پسند پورے معاملات کا احاطہ نہیں کر پائے گا۔''

''یہ تم کہہ رہے ہو......جسے کسی بات کی الف ب کا پتا نہیں ہوتا......''

''ارے......میں کیا یہ آفس، یہ کھڑکیاں، یہ دروازے یہ سب بے جان چیزیں بھی تمہیں گواہی دے سکتی

ہیں کہ صبا تمہیں کیسی لگتی ہے اور صبا کو دیکھ کر تمہاری خوشی کیسی دیدنی ہوتی ہے۔"

"اب ظاہر ہے اخبار کے دفاتر میں لوگ بکواس تو کیا ہی کرتے ہیں......اس لیے مجھے تمہاری بیکار کی باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" ندیم خان نے اپنے دلی جذبات یکسر چھپا کر اتنی سنجیدگی سے کہا کہ فرید بھی یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ کہیں وہ غلط تو نہیں سوچ رہا تھا۔

اور پھر سوچ تو ندیم خان کی غلط ثابت ہو گئی تھی وہ جس قوسِ قزح کو دیکھ رہا تھا وہ تو گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا اس سے کہاں غلطی ہوئی اور کیسے ہوئی، وہ واقعی ششدر سا تھا۔

یہ افتاد اس پر اس وقت ٹوٹی جب وہ اپنے آفس میں ہونے والی کانفرنس کی تصاویر اپنے گھر لے کر گیا تھا جس میں آفس کے ہر ورکر نے اپنے وہ تمام عزائم بتائے تھے جو وہ اس اخبار کے لیے بروئے کار لانا چاہتے تھے۔

اس کانفرنس میں آفس میں کام کرنے والے پیون تک نے اپنی رائے کا اظہار کیا تھا کہ ندیم خان کا کہنا تھا کہ کسی چیز کی ترقی کے لیے ہر شخص کو اپنا حصہ خود ڈالنا ہوتا ہے......چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا......

ان تصاویر کو اپنے گھر لے جانے کا اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وہ اپنی ماں اور بڑی بہن کو صبا کی تصاویر دکھا کر اس کے بارے میں بتائے کہ وہ بالکل ویسی ہی ہے جیسا کہ وہ سوچا کرتا تھا اور اسے پورا یقین بھی تھا کہ صبا کے لیے ناپسندیدگی کا کوئی ووٹ نہیں ہوگا۔

سلمٰی بیگم نے جب تصویریں دیکھیں تو انہیں پہلی نظر میں ہی صبا اچھی لگی۔

"مجھے تو یہ درمیان والی لڑکی اچھی لگ رہی ہے......اس نے اسکارف بھی کتنے سلیقے سے پہنا ہوا ہے۔"

سلمٰی بیگم نے اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔

"مگر امی یہ باقاعدگی سے اسکارف نہیں لیتی ہے۔ کبھی صرف بڑا دوپٹا لیتی ہے۔"

"کوئی بات نہیں......ہمارے گھر آئے گی تو ہمارے ماحول میں بس جائے گی۔"

"آپ کو اس لڑکی میں کیا خاص بات نظر آئی، دوسری لڑکیاں بھی تو اچھی ہیں۔"

"پتا نہیں......اس میں کوئی مقناطیسیت تو ضرور ہے جو اس کی جانب دل کھنچ سا رہا ہے۔"

"کہیں یہ جادوگرنی تو نہیں ہے......" ماں کی پسندیدگی جان کر وہ خواہ مخواہ شوخ سا ہو رہا تھا۔

"بیٹا یہ اس کی سادگی کا جادو ہے جو دیکھنے والوں کا دل موہ رہا ہے۔"

"ابھی آپ نے لڑکی دیکھی نہیں، اس نے آپ کا دل بھی موہ لیا۔ سبین آپا ٹھیک ہی کہتی ہیں آپ کو تو ہر لڑکی ہی اچھی لگنے لگتی ہے۔ اور پھر آپ اسے اپنی بہو کی نظر سے دیکھنے لگتی ہیں۔" اب ندیم اپنی ماں کو چھیڑ رہا تھا۔

"بیٹا اس سے قبل مجھے جو لڑکی پسند آئی تھی وہ بھی اس سے ملتی جلتی ہی تھی ایسا لگ رہا ہے کہ شاید اس کی کوئی بہن ہو۔"

"مگر ان محترمہ کی کوئی بہن نہیں ہے۔" ندیم نے ماں کو بتایا۔

"اور ان کی فیملی کیسی ہے؟" ماں نے پوچھا۔

"مجھے تو لڑکی پسند آئی ہے......بقیہ معلومات آپ اور آپا کر لیں......ویسے لڑکی واقعی بہت اچھی ہے۔"

اس کے لہجے میں سرشاری سی گھلی تھی۔

"تمہیں پسند ہے......میرے لیے یہ ہی بہت ہے۔" سلمٰی بیگم بھی بیٹے کو خوش دیکھ کر بے حد خوش تھیں فوراً ہی بیٹی کو فون کر دیا گیا اور وہ بھی فوراً ہی آ گئی۔

"ایسی بھی کیا ایمرجنسی آگئی...... جو آپ نے فوراً طلب کرلیا" سبین نے پوچھا۔
"آپا...... میں نے ایک بڑا مسئلہ حل کر دیا ہے۔ اس لیے آپ کو بلانا تو اشد ضروری تھا" ندیم خان نے زیرِ لب مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
"ارے کیسا مسئلہ......؟" انہوں نے پوچھا کہ اپنے اس بھائی کو اس طرح مسکراتے ہوئے خال خال ہی دیکھا تھا۔
"مجھے ایک لڑکی تو نظر آگئی ہے۔"
"کہاں ہے؟ کدھر دیکھا؟ یا کسی کے توسط سے دکھائی گئی" سبین نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے اس کے چہرے پر خوشی سی چھا گئی تھی۔
"میرے آفس میں کام کرتی ہے وہ۔"
"کیا وہی روتی دھوتی پکھو سی؟"
"جی......" ان کے اس طرح پوچھنے پر وہ بے اختیار ہنس دیا۔
"دکھانا تو اس کی تصویر ذرا میں بھی تو دیکھوں کہ آخر وہ ہے کون...... جس نے میرے بھائی کے ہوش ہی اڑا دیے۔" انہوں نے پُر مزاح لہجے میں بھائی سے لاڈ کرتے ہوئے کہا۔
ندیم خان نے فوراً ہی آفس کی ڈھیر ساری تصویریں بشمول اس کی سالگرہ کی تصویروں کے ان کے سامنے رکھ دیں۔
"اوہ، یہ ہیں وہ محترمہ یہ والی لڑکی...... تمہیں پسند آئی ہے ناں......" انہوں نے صبا کی ہی تصویر پر ہاتھ رکھا۔
"آپ کو کیسے پتا چلا......؟" اب وہ حیرت سے بہن کو دیکھ رہا تھا۔
"کیا اس شہر میں اب یہی لڑکی رہ گئی ہے باقی لڑکیاں کیا کہیں کوچ کر گئی ہیں، جسے ہم لوگ بار، بار جا کر دیکھیں گے؟" سبین آپا کا لہجہ تمسخرانہ تھا۔
"کیا مطلب...... کیا آپ کو صبا اچھی نہیں لگی۔" اب وہ کبھی ماں کی طرف دیکھ رہا تھا تو کبھی بہن کی جانب۔
"بھیا...... اس کی پرانی تصویریں کیا تم بھول بیٹھے ہو؟"
"صبا کی تصویریں میں نے کہاں دیکھی ہیں؟"
"اب بھی وہ تمہاری دراز میں ہوں گی۔ اگر بھول بیٹھے ہو تو پھر دیکھ لو۔" انہوں نے یاد دلایا۔
"اسی لڑکی نے پہلے تمہارے رشتے کے لیے انکار کیا تھا۔"
"صبا نے انکار کیا تھا؟" وہ حیرت کے سمندر میں غوطے کھا رہا تھا۔
"جی ہاں اسی صبا رحیم نے صفا چٹ انکار کرتے ہوئے کہا تھا۔ وہ کسی دوسرے سے منسوب ہے...... اس لیے وہ یہ رشتہ قبول نہیں کرسکتی۔ اپنی ماں اور خالہ کی پسندیدگی جاننے کے باوجود یہ بیچ میں آ کودی تھی۔ اب کیا تم پھر سے جا رہے ہو...... ہم دوبارہ جا کر ان محترمہ کا انکار سن کر واپس آئیں، ایسی تو کوئی توپ چیز نہیں ہے وہ......" سبین آپا اب تحقیر بھرے لہجے میں اس میں کیڑے ڈال رہی تھیں۔
مگر اب ندیم خان کا سر واقعی گھوم گیا تھا۔

(جاری ہے)



ناولٹ

ساحل، جھرنا اور آئینہ

صائمہ قریشی

''ساحل پتر...... میرے گلاسز دینا ذرا......'' ستارہ بیگم موڑھا نیک کو چکاتے ساحل سے مخاطب ہوئیں۔

''ساحل......'' اس نے سنی ان سنی کر دی۔ ستارہ بیگم نے غصیلے انداز میں پھر اس کو آواز دی تو اس نے پلٹ کرانہیں دیکھا۔

''الماری میں میرے گلاسز رکھے ہیں اٹھا کر دو...... دیکھو تو یہ اخبار میں کیا خبر آئی ہے۔'' ستارہ بیگم اس کے دیکھنے پر اس سے کہنے لگیں۔

''دادو اخبار آپ کے ہاتھ میں ہے تو خبروں کا مجھے کیسے پتا ہوگا؟'' اس نے جھنجلا کر کہا تو وہ اخبار کو سائڈ پر کر کے اپنی کمزور نظروں سے اسے گھورنے لگیں۔

''اچھا زیادہ باتیں نہ بنا..... میری عینک لا کر دے وہاں سے۔'' ستارہ بیگم اچھی خاصی ڈانٹ کے بعد دوبارہ اخبار کی سرخیوں کی طرف متوجہ ہوئیں اور آنکھوں کو چندھیا کر پھر سے پڑھنے کی کوشش کرنے لگیں۔

''دادو صرف پانچ منٹ، دیتا ہوں ابھی.....''

ساحل خشک اسفنج سے موٹر بائیک کی لیدر سیٹ چمکاتے ہوئے بولا۔

ستارہ بیگم صبح، صبح ناشتے کے بعد اخبار کے مطالعے کی شوقین تھیں۔ ملک کے حالات، سیاست کی چیٹ پٹی خبریں پڑھ کر جب تک سیاستدانوں کو صلواتیں نہ سنالیں ان کا ناشتا ہضم نہ ہوتا تھا..... آج اپنی عینک کے بغیر اخبار اٹھا لیا تھا اور اب نظر کی کمزوری کے باعث کوئی بھی خبر اچھی طرح پڑھ نہیں پا رہی تھیں..... ہر لفظ نظر آنے کے باوجود دھندلا تھا ایسے میں انہیں ساحل ہی صاف دکھائی دے رہا تھا تو اسی کو پکارا اور ساحل ٹھہرا لاکا حیلے باز آسانی سے کہاں بات مانتا تھا۔

''یہ لیں دادو گلاسز ..... اگلی بار اخبار اٹھانے سے پہلے گلاسز اٹھا لیجیے گا.....'' ساحل نے جھنجلا کر کہا تو ستارہ بیگم نے گلاسز پہن کر اسے دیکھا۔

''مجال ہے جو یہ آج کی نسل کوئی کام ماتھے پر بل ڈالے بغیر کر لے.....'' ساحل نے جاتے، جاتے پلٹ کر دادو کو دیکھا تھا۔ لیکن وہ اب اخبار کی سرخیوں میں مکمل طور پر محو ہو چکی تھیں تو اس نے کچھ بھی کہنے کا ارادہ ترک کر دیا..... اور واپس اپنی لاڈلی موٹر بائیک کی طرف متوجہ ہو گیا۔

☆☆☆

میرے محبوب قیامت ہوگی
آج رسوا تیری گلیوں میں محبت ہوگی

''ارے، ارے یہ کیا کیا.....؟'' کشور کمار کی آواز اپنا جادو جگا رہی تھی اور وہ اس گانے کے بول پیپر پر نوٹ کر رہی تھی کہ یک دم ٹی وی کا چینل بدل دیا گیا تو وہ چیخ اٹھی۔

''کیا ہوا.....؟'' اس کے چیخنے پر وہ بے پروائی سے پوچھنے لگی۔

''یار میں یہ گانا نوٹ کر رہی تھی ناں.....'' وہ جھنجلائی تھی۔

''گوگل میں لکھو، ساری شاعری سامنے آجائے گی اور آرام سے بیٹھ کر کاپی کر لو.....'' آئینہ دونوں پاؤں اوپر اٹھا کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس کو مشورہ دینے لگی تو جھرنا مصطفیٰ نے کھچتی سی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''جو مزہ اس طرح کوئی چیز نوٹ کرنے کا ہے وہ گوگل پر سے کاپی کرنے کا نہیں ہے۔'' جھرنا نے لکھے گئے چند اشعار کو دیکھتے ہوئے کہا تو آئینہ ایک نظر اسے دیکھ کر کندھے اچکا کر ٹی وی ریموٹ سے چینل سرچ کرنے لگی۔

''یار ہیرو کیسا ہونا چاہیے؟'' یک دم جھرنا اس سے پوچھنے لگی۔

''سلمان خان جیسا.....'' آئینہ ٹی وی اسکرین کی طرف متوجہ تھی جہاں سلمان خان کی کسی نئی موی کی جھلکیاں دکھائی جارہی تھیں۔ جھرنا نے ٹی وی اسکرین کی طرف دیکھا۔

''مطلب ٹاپ لیس.....!'' جھرنا نے حقیر نظروں اسے دیکھا۔

''ہاہاہا..... حرج ہی کیا ہے.....'' وہ آنکھ دبا کر بولی۔

''محترمہ ستارہ بیگم تک میرے اس ٹاپ لیس ہیرو کا حلیہ پہنچا ناں تو میرا انجام بھی وہی ہوگا جو انار کلی کا ہوا تھا.....'' جھرنا نے اس کو ڈپٹتے ہوئے کہا۔

''ویسے تو اگر ان تک یہ خبر پہنچ گئی ناں کہ ہماری جھرنا رائٹر بن گئی ہے تو بھی انجام انار کلی والا ہی ہوگا۔'' آئینہ نے اس کو ڈرایا۔

''بس، بس یار تم تو رہنے ہی دو۔ تم سے کچھ بھی

پوچھنے کا مطلب اپنے ہنر کا بیڑا غرق کرنا ہی ہے۔" جھرنا اس کی طرف دیکھ کر بولی اور دوسرے لمحے کاغذ پر تیز، تیز قلم چلانے لگی۔

"خاموش محبت......

وہ اس سے بے انتہا محبت کرتا تھا جو اس کی آنکھوں سے عیاں ہوتی تھی۔ خاموش محبت...... اس سرد جنگ کے مانند ہوتی ہے، جس میں جیت کس کا مقدر بنی ہے، پتا نہیں چلتا...... جس میں بے مہر موجیں صرف اور صرف اسی انسان کو زخمی کرتی ہیں جو اس بھنور میں الجھا ہوتا ہے...... خاموش محبت بھی خون جلانے کے سوا کسی بھی خوش کن بات کی مخبر نہیں ہوتی ہے...... وہ بھی آج کل اپنا آپ زخمی کرنے، خون جلانے کے علاوہ کوئی دوسرا کام نہیں کر رہا تھا۔"

"سن جھرنا آپی...... یہ جو ہیرو ہوتے ہیں ناں......"

"پلیز ایک منٹ رک جا......" جھرنا نے اس کی طرف دیکھے بغیر مسلسل قلم چلاتے ہوئے کہا تو آئینہ نے بدمزہ ہو کر اسے دیکھا۔

"وہ اس سے شدید محبت کرتا تھا لیکن...... آج تک خاموش تھا...... کیسے اس کے سامنے اقرار کرتا کہ اس سے محبت کرنے لگا، کیسے اسے یقین دلاتا کہ جس پہر وہ اس کے دیدار سے محروم رہتا ہے، وہ پہر تاریکیوں میں ڈوبا ہوا محسوس ہوتا ہے...... وہ اس کے بنا زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا اور وہ تھی کہ بے خبر، بے پروا، چنچل اس کی آنکھوں کی روشنی اور چہرے کی خاص مسکان سے انجان...... مکمل انجان...... اور وہ خاموش محبت کی تپتی بھٹی میں دن رات جل رہا تھا۔"

"سنو...... مجھے شاپنگ کے لیے جانا ہے...... تم گاڑی نکال دو......" وہ بیڈ پر دونوں بازو سر کے پیچھے کر کے ہاتھوں کا تکیہ بنائے لیٹا تھا کہ وہ نک سک سے تیار ہوئی اس کے سامنے کھڑی کسی مہارانی کی طرح اس سے مخاطب تھی اور وہ جو اسی کے خیالوں میں ڈوبا ہوا تھا اس لیے اس کی آمد اسے کسی سہانے خواب کی سی محسوس ہو رہی تھی جبھی تو یک ٹک اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"او ہیلو...... مسٹر ہیرو...... آپ کو زحمت ہو گی لیکن اگر آپ گاڑی نکال دیں تو بڑی مہربانی ہو گی......" دوسرے پل اس نے چٹکیاں بجا کر اس کو حقیقت کی دنیا میں لا پٹخا اور اب وہ اپنی بے اختیاری پر شرمسار تھا لیکن اس کو پروا کب تھی۔

"معافی چاہتا ہوں میڈم...... چلیں......" دوسرے پل وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"اور ہاں ایک بات......" وہ جاتے، جاتے پلٹی تو اس کے پیچھے قدم بڑھاتے اس نے رک کر اسے دیکھا تھا۔

"تم یہ ڈے ڈریمنگ ذرا کم کیا کرو......" وہ اپنے مخصوص انداز میں اس کو وارننگ دے رہی تھی۔

"ڈے ڈریمنگ؟" وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ کر پوچھنے لگا۔

"یہ جو دن بھر خیالوں میں کھوئے رہتے ہو ناں...... یہ ذرا کم کیا کرو...... اور کام زیادہ کیا کرو۔" وہ تپ کر بولی تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ہونہہ...... جاہل......" وہ زیرِ لب بڑبڑائی...... اور چل پڑی...... تو وہ بھی شیلف پر رکھی چابیاں اٹھا کر اس کے پیچھے ہو لیا......" جھرنا نے یہاں تک لکھ کر قلم رکھ دیا تھا۔

☆☆☆

"مجھے یہ کسی صورت بھی منظور نہیں ہے...... پہلے کیا کم نمونے ہیں، "ستارہ ہاؤس" میں جو اب ایک اور کا اضافہ کرنا ہے۔" ساحل نہایت ترش لہجے میں مخاطب تھا۔

"ایکسکیوز می...... یہ تم نے نمونے کس کو کہا ہے......؟" جھرنا نے تیکھی نظروں سے اسے گھورا تھا۔

"ہاں بھائی پہلے یہ تو کلیئر کریں ناں......؟" آئینہ نے بھی کمر پر ہاتھ رکھ کر ترچھی نظروں سے اسے گھورا تھا۔

"ہونہہ یار...... ہم سب نمونے ہیں، ناموں پر غور کرو ذرا......" ساحل جھنجلا کر بولا۔

"دیکھیں بھائی اب جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا

ناں...... اپنے آپ کو کوسنے کا کیا فائدہ......" آئینہ مصلح جُو انداز میں اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

"اور ساحل تمہیں اب تک تو اپنے نام کا عادی ہو جانا چاہیے تھا۔ مسئلہ کیا ہے آخر......؟" جھرنا اس کی طرف دیکھ کر متفکرانہ لہجے میں پوچھنے لگی۔

"کیا یہ مسئلہ کم ہے کہ میرے پاس اتنا بھی اختیار نہیں کہ میں مکمل آزادی سے اپنے بیٹے کا نام رکھ سکوں؟" ساحل ماتھے پر بل ڈالے اس سے مخاطب تھا۔

"آہستہ بولو ساحل...... دادو نے سن لیا ناں تو دو دن تک تمہارا کھانا پینا بند ہونا لازمی امر ہے۔" ڈائجسٹ کے صفحے کو پلٹتے ہوئے جھرنا نے اس کو ڈرایا تھا۔

"ہاں بھائی...... اور یہ چھوٹی موٹی سزائیں بھی ستارہ ہاؤس کی روایت ہیں۔" آئینہ ہنستے ہوئے مکمل غیر سنجیدگی سے بولی تو ساحل نے قہر آلود نظروں سے اسے دیکھا۔

"بند ہوتا ہے کھانا پینا تو ہو جائے مجھے کوئی پروا نہیں ہے۔ لیکن اب دادو کم از کم اس معاملے میں من مانی نہیں کر سکتیں۔" ساحل پر اس کی دھمکی کا رتی بھر بھی اثر نہیں ہوا تھا۔

"دیکھو ساحل تم خواہ مخواہ دادو کے غصے کو للکار رہے ہو۔ جب انہوں نے پہلے ہی کہا تھا تو اس وقت کیوں ہامی بھری تھی؟" جھرنا اس سے الجھنے لگی تھی۔

"میں سمجھا تھا شاید دادو اب کچھ میچور ہو گئی ہوں گی۔" ساحل اچھے خاصے تپے ہوئے انداز میں بولا تو آئینہ کے ساتھ، ساتھ جھرنا بھی ہنسنے لگی۔

"ہاں تم تو جیسے جانتے نہیں ناں دادو کی پسند اور مزاج کو......" جھرنا تیز لہجے میں بولی۔

"وہ غلطی ہو گئی تھی مجھ سے...... لیکن اب میں بتا رہا ہوں کہ اس معاملے میں اب دادو کا راج نہیں چلنے والا......" ساحل نے دوٹوک الفاظ میں اپنا فیصلہ سنایا تھا۔

"راج...... واؤ...... کیا زبردست نام ہے......" آئینہ جو خاموشی سے جھرنا اور ساحل کی تکرار سن رہی تھی یک لخت چیخ اٹھی۔

"ابھی جا کر دادو کو بتاتی ہوں کہ ہمارے ننھے سے بھتیجے کا نام "راج" رکھنے کا فیصلہ ہو گیا ہے اور آپ جن، جن نظاروں کی کھوج میں مصروف ہیں پلیز اپنا ارادہ ترک کر دیں۔" آئینہ پُرجوش تھی، جھرنا بھی ہنس دی۔

"کیا خیال ہے بھائی......؟" آئینہ نے ساحل کے آگ بگولا چہرے کو دیکھ کر ہنستے ہوئے شرارت سے پوچھا تھا۔

"کسی نے اس طرح کی کوئی حرکت کی تو میں بالکل لحاظ نہیں کروں گا...... میرے بیٹے کا نام رکھنے کا حق صرف اور صرف میرے پاس ہے...... اور میں اس فرسودہ خاندانی روایت کو ختم کر دوں گا......" وہ قہر آلود نظروں سے جھرنا اور آئینہ کو دیکھ کر بولا۔

"تمیز سے ساحل...... بہنیں ہیں تمہاری اور دادو کے لیے تم کس طرح کی زبان میں بات کر رہے ہو۔" سیرت اسی لمحے کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

"آپ کی وہ ساس ہیں تو آپ ڈریں ان سے۔ میں اپنے بیٹے کا نام خود رکھوں گا۔"

"ساحل......" سیرت نے انتہائی غصیلی نظروں سے اس کو دیکھ کر فقط اس کا نام لیا تھا۔

"مما پلیز...... یہ تو میرا حق ہے ناں کہ میں اپنی اولاد کا نام خود رکھ سکوں......؟" وہ قدرے نرم پڑ چکا تھا، التجائیہ انداز میں سیرت کی طرف دیکھ کر ان سے کہنے لگا۔

"ساحل تم جانتے ہو...... "ستارہ ہاؤس" میں کسی کو بھی من مانی کی اجازت نہیں۔" جھرنا نے ایک بار پھر مداخلت کی تو سیرت نے قہر آلود نظروں سے اسے دیکھا۔

"تم ذرا خاموش رہو...... بجائے اسے سمجھانے کے تم اور ہی شہہ دے رہی ہو۔" سیرت نے اسے ڈانٹا تھا۔

"لو میری کیا غلطی ہے اس میں...... اور میں کیا سمجھاؤں؟ یہ ماں، باپ کا بنیادی حق ہوتا ہے کہ وہ اپنی اولاد کا کم از کم نام تو اپنی پسند کا رکھیں۔" جھرنا مونگ پھلی کو چھیل کر منہ میں ڈالتے ہوئے انتہائی بے پروائی

سے بولی تو سیرت نے سر پیٹ لیا۔

"تم لوگوں کی بحث اور خواہ مخواہ کا احتجاج کسی کام کا نہیں ہے۔ تم جانتے ہو بیٹا کہ برسوں سے ستارہ ہاؤس کی یہی روایت ہے کہ بچوں کے نام بڑے رکھتے ہیں۔ تم سب کے نام بھی تمہاری دادو نے ہی رکھے تھے...... اور......"

"کاش مما ہمارے نام آپ دادو کو نہ رکھنے دیتیں......" آئینہ منہ لٹکا کر بڑبڑائی تو بات کرتی سیرت نے اسے گھورا۔

"ٹھیک ہے پھر جا کر دادو کے سامنے احتجاج کرو...... میرے ساتھ بحث کا کوئی فائدہ نہیں......" سیرت نے ہتھیار ڈال دیے...... اور وہاں سے چلی گئیں۔

"ساحل تم ایسا کرو آمنہ سے پوچھو اور خود ہی نام فائنل کر کے رجسٹر کروا دو پھر دادو کچھ نہیں کر سکیں گی۔" ہاتھ میں پکڑے ڈائجسٹ کا صفحہ دوہرا کر کے اسے رکھتے ہوئے وہ بولی تو آئینہ نے اسے دیکھا۔

"کمال کرتی ہو آپی...... دادو کو پتا چل گیا تو جانتی ہو ناں کیا ہوگا؟" آئینہ نے ساحل کے چہرے پر اس کی بات سے متفق ہونے کے تاثرات دیکھ کر کہا۔

"نہیں بھائی، آپ آپی کی بات نہ سنیں...... کسی بھی طرح سے دادو کو قائل کرنے کی کوشش کریں......" آئینہ نے مشورہ دیا۔

"یا آپ بھابی سے بات کریں......" آئینہ اس کو خاموش دیکھ کر گویا ہوئی۔

"اس سے کیا کہوں......؟ وہ اس "نام" کے درد کو نہیں سمجھ سکتی......" ساحل سنجیدگی سے بولا تو آئینہ اور جھرنا کے فلک شگاف قہقہے پر اس نے چونک کر انہیں دیکھا تھا۔

"ساحل ایک آئیڈیا ہے......" جھرنا نے کچھ سوچ کر ساحل کی طرف دیکھا۔

"کیا......؟" اس کے ساتھ، ساتھ آئینہ بھی متوجہ ہوئی۔

"کیوں نہ آمنہ کو آگے کیا جائے......" جھرنا نے رازدارانہ انداز میں کہا۔

"مطلب......؟" ساحل نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔

"دیکھو تم یا ہم میں سے کوئی بھی دادو کے سامنے احتجاج کرے گا ناں تو دادو تا فٹ سارا الزام مما کو دیں گی...... لیکن آمنہ اگر بے بی کے نام کے لیے کہے گی تو......" جھرنا نے سوالیہ نظروں سے ساحل کو دیکھا تھا۔

"واہ آپی گریٹ...... ہے ناں بھائی؟" آئینہ کو جھرنا کا آئیڈیا پسند آیا تھا۔

"وہ اگر یہ کرسکتی تو کیا میں یوں ریلیاں نکال رہا ہوتا۔" ساحل ایک بار پھر بیزاری سے بولا تھا۔

"کیا مطلب......؟" وہ دونوں ایک ساتھ بولی تھیں۔

"تمہیں کیا لگتا ہے کہ میرے ذہن میں یہ آئیڈیا نہیں آیا ہوگا؟ لیکن وہ انتہائی ڈرپوک ہے اور اپنی ریپوٹیشن کے معاملے میں بہت پوزیسو بھی......" ساحل ان دونوں کو بتا رہا تھا۔

"اس کو یہ تو منظور ہے کہ ہمارے بیٹے کا نام چاند، سورج جیسا ہو لیکن یہ منظور نہیں کہ دادو اس کے لیے اپنی رائے بدل کر اسے بدتمیزی کے تمغے سے نوازیں۔" ساحل انتہائی بددل ہو رہا تھا۔

"بھائی ہمارے تو اتنے ارمان تھے کہ آپ کے بچوں کے نام ہم اپنی مرضی سے رکھیں گے۔" آئینہ منہ بسور کر بولی تو ساحل نے بے بسی سے اسے دیکھا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟" وہ تینوں خاموش تھے کہ آمنہ ننھے منے سے بے بی کو اٹھائے کمرے میں داخل ہوئی اور ان تینوں کو خاموش دیکھا تو متفکرانہ انداز میں پوچھنے لگی۔

"ہونا کیا ہے، ہم تو بس آج کل ہمارے اس شہزادے کے نام کے سلسلے میں ہی پگھلے جا رہے ہیں۔" جھرنا نے آگے بڑھ کر اس سے بے بی کو لیتے ہوئے اپنا دکھڑا سنایا تو وہ مسکرانے لگی۔

"اُف ڈرا دیا تھا، میں بھی پتا نہیں کیا ہو گیا ہوگا......" وہ نروٹھے چہرے کے ساتھ بیٹھے ساحل کی

طرف دیکھ کر بولی۔

"میرا چاند، میرا شہزادہ، پھپو کی جان کے نام کا ہی مسئلہ بن گیا......" جھرنا اس کو پیار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

"خبردار......" دوسرے پل ساحل غصے سے چیخا تو جھرنا کے ساتھ، ساتھ آئینہ اور آمنہ نے بھی چونک کر اس کو دیکھا۔

"خبردار جو کسی نے اس کو "چاند" کہا تو...... میں اس طرح کے ناموں سے جان چھڑانا چاہ رہا ہوں اور تم لوگ...... یار بات سمجھنے کی کوشش کرو ناں...... مجھے آج تک اپنا نام بتاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ یہ کوئی نام ہوا بھلا "ساحل" مجھے اب اس کا اس طرح کا نام نہیں چاہیے......" ساحل بے حد جھنجلاہٹ کا شکار تھا۔ وہ تینوں فقط اس کو دیکھ کر رہ گئیں اور دوسرے پل ان کو دیکھ کر وہ باہر نکل گیا۔

"کیا ہوا ہے......؟" آمنہ، ساحل کے ہائپر ہونے کو بالکل نہیں سمجھ رہی تھی۔

"بھابی ہمارے نام دادو نے رکھے تھے۔" آئینہ نے اسے بتانا شروع کیا۔

"اور جیسے، جیسے ہم بڑے ہوتے گئے ہمارے نام کا مذاق بنایا گیا۔ کبھی اسکول میں تو کبھی باہر......"

"دادو کو عجیب طرح کے نام پسند آتے ہیں جیسے میرا نام "جھرنا"۔ اب کے جھرنا نے بھی کہنا شروع کیا۔

"اور میرا "آئینہ"...... بھائی کا نام "ساحل"...... جو بھائی کو بالکل بھی پسند نہیں ہے۔" آئینہ پھر بولی۔

"ہمیں اس بات پر اعتراض نہیں کہ ہمارے نام دادو نہ رکھتیں لیکن اس بات پر ہے کہ کم از کم نام تو ایسے ہوں جن کا مذاق نہ بنے......" آئینہ نے آمنہ کو بتایا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ساحل نے کہا تھا کہ جب بھی اس کی اولاد ہوگی، وہ اس کا نام اس طرح کا نہیں رکھیں گے، جس کا مذاق بنے اور اس کو ہر جگہ شرمندہ ہونا پڑے......" جھرنا بے بی کو بیڈ پر لٹا کر آمنہ کو بتانے لگی۔

"لیکن اب جب ایسا موقع آیا تو اب پھر دادو اسی طرح کے ناموں کی فہرست تیار کر رہی ہیں۔ اس لیے ساحل غصے میں ہے۔" جھرنا، آمنہ کو ساحل کے غصے کی اصل وجہ سے آگاہ کر رہی تھی۔

"تو کیا آنٹی اور انکل نے بھی آپ لوگوں کے ناموں کے معاملے میں دادو کے سامنے زبان نہ کھولی۔" آمنہ اس نام والی اسٹوری سے بے خبر تھی۔

"کہا ہوگا تب بھی دادو کے سامنے کسی کی نہیں چلتی تھی۔" آئینہ ایک بار پھر بولی۔

"ویسے ہم ایک بات سوچ رہے تھے۔" آئینہ یک لخت آمنہ سے مخاطب ہوئی تو اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"اگر آپ ہمت دکھائیں اور دادو کے سامنے بولیں تو؟" آئینہ نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"نہ بابا نہ...... مجھے اس معاملے سے دور ہی رکھیں...... ساحل نے بھی کہا تھا تو میں سوچنے لگی تھی لیکن اب ساری کہانی جاننے کے بعد تو میں نے اپنی ہی سوچ کو بدل دیا۔" آمنہ نے صاف دامن بچایا...... تو جھرنا اور آئینہ نے ڈھیلے ڈھالے انداز میں مایوسی سے گہری سانس لی اور آمنہ صرف ان دونوں کو دیکھ کر رہ گئی۔

☆☆☆

"واہ، واہ ماشاء اللہ جھرنا آپی کمال کر دیا...... یقین نہیں آرہا کہ یہ تم نے لکھا ہے۔" جھرنا کا قلم رکا تو آئینہ اس کے ہاتھ سے نوٹ پیڈ لے کر پڑھنے لگی تھی۔ سین ختم ہوا تو آئینہ کی واہ، واہ شروع ہوگئی۔

"دادو تک خبر پہنچی ناں کہ اپنی جھرنا میڈم "خاموش محبت" کو تخلیق کر رہی ہیں تو اپنی جان تو، تو چنوائی جائے گی دیواروں میں۔" آئینہ نے اسے چھیڑا۔

"تم کبھی کوئی اچھی بات نہ کرنا...... تم دیکھنا میرا یہ ناول سب سے اچھا ہوگا...... ویسے تم کیا کہہ رہی تھیں ہیرو کے بارے میں۔"

"یار یہ ہیرو ہمیشہ اتنا اچھا ہی کیوں ہوتا ہے؟" آئینہ نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"اس لیے کہ وہ ہیرو ہوتا ہے......" جھرنا نے بے نیازی سے کہا۔

"لیکن ولن بھی تو ہیرو ہو سکتا ہے ناں......؟" آئینہ نے عجب نکتہ اٹھایا تھا۔

"یار ولن تو ولن ہوتا ہے پھر وہ ہیرو کیسے ہو سکتا ہے بھلا۔" جھرنا نے جھنجلا کر کہا اور اپنا نوٹ پیڈ دراز میں رکھنے لگی۔

"یہ دنیا اور ہماری زندگی تلخیوں سے بھری پڑی ہے، ڈھیروں ڈھیر مسائل ہر لمحہ ہر فرد کو گھیرے رکھتے ہیں اور ایک تم رائٹر ہو جو اپنی فینٹسی لینڈ سے باہر نکلتے ہی نہیں ہو......" آئینہ قدرے سنجیدگی سے بولی۔

"فینٹسی لینڈ" ہر لمحہ مسئلے مسائل میں گھرے لوگوں کی بھی ہوتی ہے صرف رائٹرز کی نہیں......" جھرنا نے اسے دیکھ کر کہا۔

"فرق صرف اتنا ہے کہ جو کری ایٹو مائنڈ لوگ ہوتے ہیں وہ جب زندگی کی تلخیوں سے اکتا جاتے ہیں اور مسئلوں سے لڑتے، لڑتے تھک جاتے ہیں تو پھر وہ چند پل سکون کی تلاش میں اپنی فینٹسی لینڈ میں چلے جاتے ہیں......زندگی میں جب ہر پل بے سکونی ہوتی ہے تب وہاں چند پل سکون کے ایک نئی طاقت دیتے ہیں......" جھرنا کی ایکسپلینیشن پر آئینہ نے اسے دیکھا۔

"سکون کی تلاش اور فینٹسی لینڈ میں؟" آئینہ کے ہونٹوں پر ایک تمسخرانہ مسکراہٹ ابھری۔

"فینٹسی لینڈ فقط رومانس کا نام نہیں ہے مائی ڈیئر......اس میں پوزیٹیویٹی ہوتی ہے، جہاں ہر چیز مسکراتی ہے، وہاں کے باسی وہاں کے نظارے، صرف اور صرف مسکرانا جانتے ہیں، وہ اپنے مسائل کو بھی مسکرا کر ڈیل کرتے ہیں اور خوش رہتے ہیں۔" جھرنا نے تلخ لہجے میں بات شروع کی تھی لیکن اب مسکرا کر خاموش ہوئی تھی۔

"نہیں خیر اب فینٹسی لینڈ کے مطلب سے تو انجان نہیں ہوں لیکن تم لوگوں کی یہ فیری ٹیلز (Fairy tales) مجھے ہضم نہیں ہو رہیں۔" آئینہ بے پروائی سے بولی۔

"یہ صرف کسی فینٹسی لینڈ کی فیری ٹیلز نہیں ہیں، ایک مثبت سوچ بھی ہے۔" جھرنا نے پھر دفاع کیا۔

"لیکن تم خود سوچو ناں مائی ڈیئر رائٹر ایک شخص نے پانچ چھ ہزار کا بل دینا ہے، بچوں کی اسکول کی فیسیں دینی ہیں، مہینے کا سودا سلف لانا ہے اور آج کل ہر گھر میں ایک دو بندے تو لازمی کسی نہ کسی سیریس بیماری کا شکار ہیں......ایک بندہ ہے کمانے والا، بجلی کا مسئلہ، گیس کا مسئلہ ایسے میں کیا کوئی موم بتی جلا کر تم لوگوں کی اس فینٹسی لینڈ میں جائے گا کہ......ہاں بھئی یہ جگہ سکون والی ہے چلو......" آئینہ بولنے پر آتی تو بولتی چلی جاتی۔

"ایک منٹ، ایک منٹ......" جھرنا نے اسے مزید کچھ بھی کہنے سے روکا۔ "ان سب مسائل کے باوجود ایک انسان کے پاس جینے کی امنگ تو ہوتی ہے ناں......ایک ایسی دنیا تو ہوتی ہے ناں جس میں اس کو چند پل سکون کے میسر آتے ہوں؟"

"خواب مسائل میں اس بری طرح لپیٹے جا چکے ہوں کہ ان کی راکھ بھی نہ ملے تو سکون کے لیے بنائی گئی دنیا کہیں بہت پیچھے رہ جاتی ہے......" آئینہ نے بڑی گہری بات کی تھی۔

"وہ اس لیے کہ ہم مسائل کو اپنا اوڑھنا، بچھونا بنا لیتے ہیں......اور سمجھتے ہیں کہ یہی زندگی ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ زندگی کسی فینٹسی لینڈ کا نہیں صرف ایک ڈیزاسٹر کا نام ہے۔"

"مطلب تم ایک رائٹر بن کر لوگوں کے مسائل کم کر رہی ہو؟" آئینہ اس کی طرف دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"نہیں، مسائل کم نہیں ہوتے......لیکن ہر پل ان کو سر پر سوار کرتے، کڑھنے سے مزید بڑھتے ہیں......میں ایک رائٹر بن کر ایک چھوٹی سی فینٹسی لینڈ کری ایٹ کر کے ایک پوزیٹو سوچ کو ابھارنے کی کوشش کر سکتی ہوں ناں......؟" جھرنا پُر یقین انداز میں اس کی طرف دیکھ کر بولی تھی۔

"اگر ایک بھی فرد میری کری ایٹ کی گئی فینٹسی لینڈ میں جا کر اپنے مسائل کو بھول کر مسکرانے لگے ناں تو اس کی چند پل کی مسکراہٹ میری سیاہی کی قیمت ادا کر دے گی۔ اور مسکراہٹیں بکھیرنا تو ویسے بھی صدقۂ جاریہ ہے۔" جھرنا مسکراتے ہوئے بولی تو آئینہ نے ایک نظر اس کو دیکھا اور کچھ کہنے کو لب وا کیے ہی تھے کہ ساحل کی آمد پر خاموش ہو گئی...... اور جھرنا ایک بار پھر دراز میں رکھے نوٹ پیڈ کو نکال کر کچھ لکھنے میں مصروف ہو گئی۔

"بھائی آپ کو پتا ہے، یہ اپنی جھرنا آپی رائٹر بن گئی ہیں......" آئینہ نے کن انکھیوں سے جھرنا کو دیکھتے ہوئے کہا تو ساحل نے چونک کر جھرنا کے جھکے سر اور مصروف انداز کو دیکھا...... جو اب غصے سے آئینہ کو دیکھ رہی تھی اور دونوں ہاتھوں کو سامنے رکھے نوٹ پیڈ پر پھیلا... رکھے تھے۔

"رئیلی...... ؟" ساحل نے پھیلی آنکھوں کو جھپک کر اس کی طرف دیکھ کر پوچھا تھا۔

"نن... نہیں بھائی...... آئی مین ساحل، آئینہ ایسے ہی کہہ رہی ہے......" جھرنا ایک دم بوکھلا گئی تو آئینہ کھل کر مسکرائی۔

"ساحل تو کیا ڈیسائیڈ کیا نام کے بارے میں؟" دوسرے پل جھرنا نے موضوعِ گفتگو بدل دیا۔

"ایک دو نام سوچے ہیں ابھی جا رہا ہوں دادو کو بتانے......" ساحل ڈھیلے ڈھالے انداز میں بتانے لگا۔

"چل آپی اب تیار ہو جا...... کاغذ قلم تیار رکھنا ایک اور ڈراما ہونے والا ہے......" آئینہ، جھرنا کی طرف جھک کر بڑبڑائی تو اس نے اس کو دھکا دے کر پیچھے کیا۔

"تجھ سے تو میں نبٹوں گی، ساحل کو جانے دو ذرا......" جھرنا نے دانت پیس کر کہا تو وہ ہنس پڑی۔

"اچھا ٹھیک ہے، میں دادو کے پاس جا رہا ہوں، پلیز تم دونوں دعا کرنا......" ساحل نے ان دونوں کو کھسر پھسر کرتے دیکھا تو باہر کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے التجائیہ لہجے میں ان سے کہنے لگا۔

"بہنوں کی دعائیں لیتا جا
جا بھائی تجھ کو کامیابی ملے
من کی مراد پوری ہو
اور دادو کا موڈ خوشگوار ملے"

آئینہ نے لہک، لہک کر گایا تو ساحل نے اسے دیکھا، جھرنا نے بھی خشمگیں نظروں سے اسے گھورا تھا۔

"تمہیں منع کیا تھا کہ میری اسٹوریز کے بارے میں کسی کو نہیں بتانا ہے تو کیا ضرورت تھی ساحل کے سامنے نام لینے کی؟" ساحل کے جاتے ہی اب جھرنا کی توپوں کا رخ آئینہ کی طرف تھا۔

"تم خوامخواہ آگ بگولا ہو رہی ہو...... بھائی ایسے نہیں ہیں جو اس بات کا ایشو بنا کر تمہیں روک دیں گے۔" آئینہ مطمئن انداز میں اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

"ہاں لیکن پھر بھی میں......"

"جسٹ چل یار، کچھ نہیں ہوتا...... بھائی ابھی تو بے بی کے نام میں الجھے ہوئے ہیں...... انہوں نے دھیان ہی نہیں دیا...... تم بتاؤ چائے پیو گی؟" آئینہ اس کی بات کاٹ کر ہلکے پھلکے انداز میں اس سے پوچھتے، پوچھتے اٹھ کھڑی ہوئی تو جھرنا نے اثبات میں سر ہلا دیا اور آئینہ کے جاتے ہی دوبارہ اپنی رائٹنگ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

☆☆☆

"اچھا ہوا تم یہاں آگئے، میں ابھی تمہیں ہی بلانے لگی تھی......" ساحل ہال میں داخل ہوا تو ستارہ بیگم نے اس کی طرف دیکھا اور گلاسز اتارتے ہوئے بولیں۔ اس کی نظر اُن کے ہاتھ میں پکڑے پیپر پر پڑی تو اس کی چھٹی حس اسے خبردار کرنے لگی تھی کہ اب کچھ گڑبڑ ہونے والی ہے۔

"جی دادو...... کیوں بلا رہی تھیں؟" وہ اپنے وسوسوں کو ہمراہ لیے اُن کی طرف بڑھا۔

"بلا نہیں رہی تھی ابھی بلانے کا سوچ رہی تھی۔" ستارہ بیگم نے تصحیح کی تو ساحل نے جھنجلا کر انہیں دیکھا۔

"اچھا، کیوں بلانے کا سوچ رہی تھیں۔" اس کی

جھنجلاہٹ اس کے لہجے میں واضح تھی۔

"دیکھو بچے زیادہ دن......" انہوں نے ابھی بولنا شروع ہی کیا تھا۔

"دادو پلیز میں بڑا ہو گیا ہوں اب، مجھے "بچہ" نہ کہا کریں......" وہ ان کی بات کاٹ کر قدرے ترش لہجے میں بولا۔

"یہ دیکھو میں نے منے کے نام کی لسٹ بنالی ہے۔" اس کے اعتراض کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ستارہ بیگم نے اپنی بات جاری رکھی تو ساحل کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

"زیادہ دن تک نام نہ رکھو تو منا، کاکا، گڈو...... طرح کے نام پڑ جاتے ہیں جو بڑے ہونے پر بچے کے لیے شرمندگی کا باعث بنتے ہیں۔"

"اور جو آپ نام رکھتی ہیں ناں وہ بھی شرمندگی کا ہی باعث بنتے ہیں۔" ساحل دانت پیس کر من ہی من میں بولا۔

"تم یہ جھرنا، آئینہ اور آمنہ کو دکھا لو اور جو نام زیادہ پسند ہو اس کو رجسٹر کروا دو اور بے بی کو اس نام سے پکارنا شروع کرو......" وہ جو یہ سوچ رہا تھا کہ اپنے بیٹے کا نام وہ خود رکھے گا، آمنہ کے ساتھ مل کر کتنے سارے نام سوچ رہا تھا اور اب ستارہ بیگم کی اس لسٹ نے اس کے سارے ارمانوں کا گلا گھونٹ دیا تھا۔

"کیا سوچ رہا ہے یہ پکڑ اور جا......" اس کو یوں گم صم کھڑا دیکھا تو ستارہ بیگم اپنے بڑھے ہاتھ میں پکڑے پیپر کو لہراتے ہوئے بولیں تو دوسرے پل اس نے چاروناچار پیپر کو پکڑ لیا۔

"دادو......" وہ پھٹی، پھٹی نظروں سے پیپر کو دیکھ کر چلایا تھا۔

"کیا ہوا......؟" ستارہ بیگم جو ٹی وی کی طرف متوجہ ہو چکی تھیں یک لخت اس کی طرف دیکھا۔

"دادو، یہ انسان کا بچہ ہے کوئی پہاڑی چوٹی نہیں وجود میں آئی جو یہ لسٹ تھما دی آپ نے۔" ساحل نے انتہائی بدتمیز لہجے میں کہا تو ستارہ بیگم نے قہر آلود نظروں

کھجور...... تحفۂ قدرت

تازہ کھجور کا مزاج پانی کی طرح گرم ہے...... بارد (سرد) معدوں کو تقویت دیتی ہے۔ قوتِ باہ میں اضافہ کرتی ہے۔ جسم کو شاداب بناتی ہے۔ سرد مزاج والوں کے لیے فائدہ مند ہے۔

کھجور بدن کے لیے انتہائی نفع بخش ہے۔ قوی اور جگر دونوں کو قوت ملتی ہے اگر کھجور نہ ہو تو چھوہارا بھی غذائیت کے لحاظ سے بہتر ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"عجوہ کھجور جنت سے آئی ہے۔ یہ زہر کے لیے شفا ہے اس کا پانی آنکھ کے لیے شفا ہے۔"

اکثر اوقات حاجی حضرات عجوہ کھجور سعودی عرب سے لاتے ہیں اور اسے تقسیم بھی کرتے ہیں گٹھلی پھینک دیتے ہیں...... جبکہ اس کی گٹھلی کا سب سے بڑا فائدہ ہے اس کو سنبھال کر رکھنے سے کسی بھی قسم کے جادو، جنات اور اثرات عمل نہیں کر سکتے۔

ارشاد نبی کریمؐ ہے "جس نے نہار منہ مدینے کی سات عجوہ کھجوریں استعمال کریں اس دن سے نہ تو اسے زہر سے نقصان ہوگا اور نہ جادو کا اثر ہوگا۔" ابو داؤدؒ کی روایت ہے کہ مجھے حضرت سعدؓ نے روایت کیا ہے۔ "میں ایک مرض میں گرفتار ہو گیا۔ میرے پاس پیغمبر خداؐ تشریف لائے آپ نے اپنا دستِ مبارک میرے سینے پر رکھا مجھے آپ کے مرمریں ہاتھ کی ٹھنڈک محسوس ہوئی۔ آپ نے فرمایا "تم دل کے مریض ہو اس لیے حارث بن کلاہ ثقفی سے رجوع کرو، وہ ماہر طب ہے ویسے سات عجوہ کھجور مدینہ کی لے لو۔ ان کو گٹھلی سمیت استعمال کرو۔"

مرسل: جمیلہ لوہی، بلوچستان

سے اسے دیکھا۔

"یہ کس لہجے میں بات کر رہے ہو؟" وہ بہ مشکل اپنے غصے کو کنٹرول کر کے بولیں۔ ان کی تلخ آواز سن کر سیرت بھی وہاں آ چکی تھیں۔

"کیا ہوا ہے۔ ساحل کیا ہوا؟ خالہ سب ٹھیک ہے ناں؟" وہ متفکرانہ انداز میں دونوں کی طرف دیکھنے لگیں۔

"مما آپ مجھے بتائیں کہ ہم انسان ہیں کہ کہیں کے کوئی نظارے......؟" وہ اچھے بھلے ترش لہجے میں پوچھنے لگا تو دونوں ہاتھوں میں چائے کے کپ پکڑے آئینہ جو اُن کی آواز سن کر ہال کے باہر کھڑی تھی، ساحل کی اس بات پر اپنی ہنسی نہ روک سکی۔

"دل بہار، پریت، آفتاب ...... دادو یہ کس طرح کے نام ہیں......؟" وہ بے حد زچ ہو رہا تھا۔

"دیکھا...... دیکھا سیرت تمہارا بیٹا کس لہجے میں بات کر رہا ہے؟" ستارہ بیگم کی توپوں کا رخ اب بہو کی طرف تھا۔

"ساحل......" سیرت نے دانت پیس کر اسے مخاطب کیا۔ نظروں میں خاموش رہنے کی لاکھوں التجائیں تھیں۔

"تمہارا بیٹا اب میرے فیصلوں کے خلاف جائے گا سیرت...... اب یہ مجھے آنکھیں دکھائے گا...... اور مت بھولو کہ کل تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی کرے گا......" ستارہ بیگم کا موڈ اکھڑ چکا تھا۔ ساحل نے سر پیٹ لیا اور سیرت بھی رونی صورت بنا چکی تھیں۔

"دادو میں آپ کے فیصلوں کے خلاف نہیں ہوں لیکن دادو یہ نام مجھے پسند نہیں ہیں۔" چار و ناچار اسے اپنے لہجے میں نرمی لانی پڑی۔

"آپ ہی نام رکھیں یہ آپ ہی کا حق ہے......" ساحل نے سیرت کے جھکے سر کو دیکھ کر ہتھیار ڈال دیے تھے۔

"لیکن پلیز دادو...... انسانوں والے نام......" وہ منت بھرے لہجے میں بولا تو ستارہ بیگم رخ موڑ گئیں...... ان کے سرخ چہرے سے واضح ہو رہا تھا کہ وہ اس نافرمانی پر نہایت برداشت سے کام لے رہی ہیں۔

☆☆☆

"اس کی خاص بات یہ تھی کہ وہ ہر لمحہ، ہر پل مسکراتی رہتی تھی، اس کے لمبے گھنگرالے بال، بڑی، بڑی گہری کالی آنکھیں...... اور اس کے ہونٹوں پر بکھری مسکراہٹ...... اس کو سب سے منفرد بنا دیتی تھی۔ صاف دل کی وہ بہت محنتی لڑکی تھی...... بارہ سال کی عمر میں، جو دن اس کے کھیلنے کودنے کے تھے، جو دن اس کے گڑیا اور گڈے کی شادی رچانے کے تھے، اس عمر میں وہ اپنے والدین کے ساتھ مل کر محنت مشقت میں لگ گئی تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے والدین نے اس کے کندھوں پر ایک چھوٹے سے مشکیزے کا بوجھ لاد دیا تھا۔

"وہ لڑکی کون تھی باجی......"

"وہ شہزادی تھی۔"

"شہزادی بھی کبھی غریب ہوتی ہے بھلا......" کہانی سننے والا چھوٹا سا بچہ بے تحاشا ہنسا تھا۔

"اس کا نام شہزادی تھا ناں......" وہ منہ بسور کر بولی تو وہ گہری آنکھوں نے پلکیں جھپکا کر اسے دیکھا تھا۔

"اچھا پھر کیا ہوا؟" وہ بچہ دوبارہ گویا ہوا...... تو وہ مسکرانے لگی۔

"پھر وقت گزرنے لگا...... وہ اپنے والدین کے ساتھ مل کر مشکیزے میں پانی ڈال، ڈال کر لوگوں کے گھروں میں ڈالتی رہی اور پھر......"

"پھر کیا ہوا......؟" وہ پل بھر کو خاموش ہوئی تو وہ بچہ بے چینی سے پوچھنے لگا۔

"پھر وہ شہزادی بڑی ہو گئی۔"

"تم یہاں بیٹھی یہ بورنگ کام کر رہی ہو، وہاں ہال میں اتنی زبردست سچویشن دیکھ کر آئی ہوں ایک دم پرفیکٹ سین تھا تمہارے ناول کے لیے......" آئینہ دونوں ہاتھوں میں چائے کے کپ پکڑے کمرے میں داخل ہوئی اور نوٹ پیڈ پر تیز، تیز قلم چلاتی جھرنا کے سامنے ایک کپ رکھتے ہوئے بولی تو اس نے ایک

سرسری نظر اس پر ڈالی پھر نیچے سر جھکا لیا۔

"کیوں، کیا ہوا؟" وہ اسی مصروف انداز میں بغیر اس کی طرف دیکھے اس سے پوچھنے لگی۔

"وہی جو ہونا تھا...... بھائی اور دادو کی لڑائی...... اور حسب معمول سارا الزام مما کے سر......" آئینہ چائے کا سپ لیتے ہوئے اس کو بتانے لگی۔

"ساحل بھی ناں حد ہی کرتا ہے، جانتا بھی ہے کہ دادو کے سامنے آواز اٹھانے کا مطلب مما کو ان کے عتاب کا نشانہ بنانے کے مترادف ہے...... لیکن پھر بھی باز نہیں آتا ہے......" جھرنا نے پل بھر رک کر اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ہاں، لیکن یار آپی جو نام دادو بتا رہی ہیں اُن کو سن کر اچھا بھلا انسان غصے سے اکھڑ جائے۔ بھائی تو پھر بھی نام کے معاملے میں انتہائی سنجیدہ ہیں۔ میرے خیال میں تو ان کا یہ آتش فشاں قسم کا رویہ بالکل ٹھیک ہے......" آئینہ نے ساحل کی طرف داری کی تو جھرنا فقط کندھے اچکا کر رہ گئی۔

"ہائی داوے تم کیا لکھ رہی ہو؟" آئینہ نے متجسس نظروں سے اسے دیکھا جو ایک بار پھر قلم کو تیزی سے حرکت دیے جا رہی تھی۔

"بس یار یہ "خاموش محبت" کا اینڈ کر رہی ہوں ناں......" جھرنا اس کی طرف دیکھے بنا قلم چلاتے ہوئے مختصراً بولی۔

"اچھا "خاموش محبت" کو زبان ملی کہ نہیں......" آئینہ مسکراتے ہوئے اس سے پوچھنے لگی۔

"سچی محبت خاموش ہو تب بھی بے تحاشا شور مچاتی ہے۔ آنکھوں سے سب عیاں کر دیتی ہے، طور طریقے سے بھی اپنا آپ سامنے لے آتی ہے...... لاکھ چھپاؤ لیکن ایک وقت ایسا آتا ہے جب خاموش محبت چیخ، چیخ کر اپنے ہونے کا ثبوت خود ہی دے دیتی ہے اور پھر محبوب کو زیر ہونا ہی پڑتا ہے۔"

آئینہ کے پوچھنے پر جھرنا نے نوٹ پیڈ اس کی طرف بڑھایا۔ جہاں وہ اپنے ناول "خاموش محبت" کا اینڈ لکھ رہی تھی...... آئینہ ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے نظریں نوٹ پیڈ پر جمائے بیٹھی تھی۔

"جب کسی کے ساتھ ہمارا احساس کا رشتہ جڑ جاتا ہے ناں تو اس احساس کے پیچھے ہمارے کسی ذاتی مفاد کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا ہے...... خاص ہوتا ہے تو وہ احساس...... ضروری ہوتا ہے تو بس اس کی خوشی...... اور ضروری نہیں کہ احساس کے رشتے کا نام...... محبت ہی رکھا جائے...... عزت بھی اسی احساس کے زمرے میں آتی ہے...... میں جب آپ کے لیے کچھ کرتا ہوں تو وہ آپ کا میرے دل میں احساس ہے...... عزت ہے...... میں نہیں جانتا میرا آپ سے یہ رشتہ کیوں ہے؟ کب سے ہے؟ کیسے بنا؟ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ میں آپ کی آنکھوں میں آنسو اور چہرے پر کسی دکھ کی ذرا سی بھی رمق برداشت نہیں کر سکتا......"

وہ اپنی محبت کا اقرار کر رہا تھا...... اور وہ سر جھکائے دونوں ہاتھوں کو گود میں رکھے ایک ٹوٹے پھوٹے موڑھے پر بیٹھی تھی۔

"چلیں......" اس نے ہاتھ بڑھایا تو اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر اس کے بڑھے ہاتھ کو۔

"کہاں......؟"

"یہاں سے باہر۔" وہ مسکرا کر بولا تو اس نے اس کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا اور جب وہ مسکرا کر اس کے ہمراہ وہاں سے نکل رہی تھی تو محبت بھی اس کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر ان کے ساتھ چلی تھی۔

"او مائی گاڈ...... زبردست...... مطلب ایک اور "فینٹسی لینڈ" تیار ہے......" آئینہ آخری سین پڑھ کر مسکراتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"ہاں...... اور تم دیکھنا یہ میرا بیسٹ ناول ہوگا......" جھرنا مطمئن اور پُریقین انداز میں اس سے مخاطب تھی۔

"یہ...... یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟ مجھے لگتا ہے تم حد سے زیادہ خوش فہمی کا شکار ہو رہی ہو......" آئینہ نے نوٹ پیڈ اس کی طرف بڑھا کر بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں کہا تھا۔

''اس لیے کہ اس محبت کی کہانی میں احساس ہے، ہر طرف مثبت سوچیں ہیں، خوشحالی ہے، بہت مشکلوں کے بعد آسانیاں بھی ہیں...... جہاں اصل زندگی میں ہر طرف مسئلے مسائل بکھرے ہوئے ہیں، وہاں ہمیں ایک پوزیٹو سوچ درکار ہوتی ہے، یقین چاہیے ہوتا ہے...... اور اس ناول میں قارئین یہ سب پڑھ سکیں گے......'' دوسرے پل جھرنا ریلیکس انداز میں اس کو بتانے لگی۔

''لیکن ضروری ہے کیا کہ ناول بھی پسند کیا جائے؟'' آئینہ متفکرانہ انداز میں اس سے پوچھنے لگی۔

''ہماری مثبت سوچ اور یقین ہی ہمیں کامیابی سے ہمکنار کرتی ہے...... میں یقین اور مثبت سوچوں کو اجاگر کرنے کی کوشش کر رہی ہوں تو جب تک مجھے خود یقین نہیں ہوگا میں اس پیغام کو آگے کیسے پہنچا سکوں گی؟ ہماری کوئی بھی بات تب تک اثر نہیں کرتی جب تک ہم خود بھی اس پر عمل نہیں کریں......'' جھرنا نے چائے کے کپ کو اٹھایا اور آئینہ کی طرف دیکھ کر کہنے لگی۔

''اخلاقیات کا درس دینے والے اگر خود بداخلاقی کی راہ پر ہی گامزن رہیں ناں تو محض لفظ بھی کارآمد ثابت نہیں ہوتے ہیں......'' جھرنا چائے کا سپ لے کر انتہائی برا منہ بنا کر بولی کیونکہ چائے ٹھنڈی ہو کر اپنا مزہ کھو چکی تھی۔

''اچھا چلو دیکھتے ہیں......'' آئینہ اس کی طرف دیکھ کر کہنے لگی تو وہ دھیمے سے مسکرائی۔

''ویسے اب کیا ارادے ہیں؟'' آئینہ نے اس سے پوچھا۔

''اب......''

''ایسا کرو ہم سب پر کہانی لکھو......'' جھرنا نے کچھ بولنا چاہا تو آئینہ نے اس کی بات کاٹ کر کہا اس نے متعجب نظروں سے اسے دیکھا۔

''ناول کا نام...... ساحل، جھرنا اور آئینہ......''

اس کی سوالیہ نظروں پر آئینہ پرجوش انداز میں بولی تو جھرنا ہنسنے لگی۔

''ساحل، اپنے نام سے نالاں داود کا دشمن ......اور ''ستارہ بیگم'' جن کو بچپن سے عشق تھا۔ اور عشق کی انتہا یہ کہ ''خدیجہ بیگم'' سے ''ستارہ بیگم'' بن گئیں اور پوتے پوتیوں کو بھی اپنے عشق کی بھینٹ چڑھایا۔ نتیجتاً بڑی پوتی ''جھرنا مصطفیٰ'' اپنے نام کی لاج رکھتے ہوئے لفظوں کا وہ ''جھرنا'' ثابت ہوئی جو لفظوں، احساسات اور جذبوں کے حسین امتزاج سے فینٹسی لینڈ کری ایٹ کر کے کائنات میں مثبت سوچوں کو فروغ دے رہی ہے......اور ''آئینہ'' وہ شفاف شیشہ ہے جو اپنی مثال آپ ہے لائنگ آل راؤنڈر یو تو......'' وہ آنکھ دبا کر بولی تو ناول کی برانڈنگ پر جھرنا پہلے تو ہونقوں کی طرح اسے دیکھتی رہی پھر دل کھول کر قہقہہ لگایا۔

''زبردست، یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں......

ویسے سیرت صاحبہ اور آمنہ کا کیا رول ہوگا؟'' ہنستے ہوئے جھرنا نے اس سے پوچھا۔

''نظاروں کی اس بستی میں دو ولیین......'' آئینہ کا بے ساختہ جواب جھرنا کی ہنسی کو روکنا محال کر گیا۔

''پھر تو یہ ناول نہیں ڈراما ہوگا......'' ہنسنے کے باعث آنکھوں میں آئے پانی کو صاف کرتی جھرنا نے کہا۔

''تو ڈراما ہی لکھ ڈالو...... ویسے بھی آج کل الیکٹرانک میڈیا کا زمانہ ہے۔ کتاب کم ہی پڑھی جاتی ہے......'' آئینہ اٹھتے ہوئے بولی تو جھرنا اس پر کسی قسم کا خیال ظاہر کرنے کے بجائے سر جھٹک گئی۔

☆☆☆

اسی سرد ماحول میں پانچ، چھ دن مزید گزر گئے......نہ ساحل ستارہ بیگم کی بات ماننے کو تیار تھا اور نہ ہی ستارہ بیگم اپنے منتخب کردہ ناموں میں کسی قسم کی ترمیم کے لیے اپنے اندر لچک پیدا کر رہی تھیں اور ان دونوں دادی، پوتا کی جنگ میں ننھے منے نئے مہمان کو ابھی تک گمنامی کے دن گزارنے پڑ رہے تھے۔

''خالہ...... آخر کب تک آپ اس طرح ضد کرتی رہیں گی؟'' سیرت اب اکتا چکی تھیں۔

''یہ ضد نہیں ہے ایک روایت ہے، ہمارے

خاندان کی روایت ہے کہ بچوں کے نام ہمیشہ بڑے ہی منتخب کرتے ہیں اور آج تک اس بات پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا......'' ستارہ بیگم تنک لہجے میں سیرت کی طرف دیکھ کر بولیں۔

''خالہ، ساحل یہ تو نہیں کہہ رہا تھا کہ آپ نام نہ رکھیں...... وہ صرف یہ کہہ رہا ہے کہ نام اچھے ہونے چاہئیں۔'' سیرت نے بیٹے کا نقطۂ نظر ان تک پہنچایا۔

''کیا مطلب ہے کہ اچھے نام ہونے چاہیے......؟ اب تک جتنے نام رکھے گئے ہیں کیا وہ اچھے نام نہیں تھے؟'' ستارہ بیگم نے ماتھے پر بل ڈال کر ناگواری سے اسے دیکھا۔

''نن...... نہیں میرا مطلب ہے کہ ساحل کوئی الگ نام رکھنے کا کہہ رہا ہے......'' سیرت اچھے نام کہہ کر پچھتائیں۔

''ہاں تو آفتاب، نام میں کیا برائی ہے، الگ بھی ہے، اچھا مطلب بھی ہے۔'' ستارہ بیگم اپنی بات پر اڑی ہوئی تھیں۔

''خالہ اب زمانہ بدل گیا ہے...... لوگ نئے، نئے نام رکھ رہے ہیں۔ اس لیے ساحل چاہ رہا تھا کہ......''

''ساحل چاہ رہا تھا، ساحل چاہ رہا تھا...... دیکھو بہو اپنے بیٹے کو سمجھانا تمہارا کام ہے۔ اور مت بھولو کہ تمہارے سامنے زبان چلانے والا تمہارا پوتا بھی آچکا ہے......'' ستارہ بیگم انتہائی غصے میں سیرت کو بہو کہہ کر مخاطب کرتی تھیں۔ ستارہ بیگم کی مکافاتِ عمل کی دھمکی نما باتیں سیرت کو دہلا گئیں۔

''آج کل تو بس فلموں اور ڈراموں والے نام ہی پسند آتے ہیں اور رہی سہی کسر اس موئے اسٹار پلس نے نکال دی......'' سیرت کی طرف دیکھ کر ستارہ بیگم مزید بولیں تو وہ سرد آہ بھر کر رہ گئیں کہ مزید کوئی اعتراض ان کے اپنے حق میں نقصان دہ ثابت ہوتا۔

''مما پلیز...... کم از کم اس معاملے میں تو دادو کی حمایت نہ کریں...... یہ کہاں کی روایت ہے اور یہ روایت رکھی کس نے ہے؟'' سیرت، ستارہ بیگم کے کمرے سے اٹھ کر ہال میں آئیں تو وہاں ساحل اپنے ننھے منے بیٹے کے ساتھ بیٹھا اس سے لاڈ پیار میں مصروف تھا تو سیرت نے بچے کے نام کے حوالے سے ذکر چھیڑ دیا۔

''بیٹا یہ روایت نہیں احترام ہے۔ بڑوں کا حق ہوتا ہے کہ وہ بچوں کے نام رکھیں۔'' سیرت ایک بار پھر اس کو ستارہ بیگم کے منتخب کردہ ناموں میں سے کوئی نام چننے کے لیے قائل کرنے لگیں۔

''مما ان کے پاس حق ہے، میں کب اس بات سے انکار کر رہا ہوں......'' ساحل زچ ہو گیا۔

''ان کی پسند کے نام نہ رکھنا ان کو حق سے دستبردار کرنا ہی ہوا ناں......'' اب کے سیرت بھی اس بے مقصد کی تکرار سے اکتا چکی تھیں۔

''تو آپ کیا چاہتی ہیں، میں اپنے بیٹے کا نام پربت رکھ دوں؟'' ساحل خفگی سے بولا۔

''پربت کے پیچھے چنبے کا گاؤں
گاؤں میں دو پریمی رہتے ہیں
اوووو......''

آئینہ اور جھرنا ہال میں داخل ہوئیں تو ساحل کی بات سن کر آئینہ لہک لہک کر گانے لگی...... جھرنا نے بھرپور ساتھ دیا تو ساحل مزید طیش میں آ گیا۔

''دیکھا...... ابھی نام رکھا نہیں اور مذاق شروع ہو گئے...... یہ تو گھر ہے، باہر نکلے گا ناں تو اور بھی طرح، طرح کی باتیں جب سننے کو ملیں گی ناں تو...... تم لوگوں کو کیا...... کانفیڈنس تو میرے بیٹے کا متاثر ہو گا ناں......'' ساحل شدید غصے اور یاسیت کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ ان کو دیکھ کر بولا۔ جبکہ سیرت انتہائی غصیلی نظروں سے ان دونوں کو گھورے جا رہی تھیں۔

''ویسے اب کرنا کیا ہے؟'' آئینہ، سیرت کی تیز نظروں اور ساحل کی تیوریوں کو نظر انداز کر کے آگے بڑھ کر پوچھنے لگی۔

''تم لوگ میرے رکھے گئے نام میں نقص نکالتے ہو......'' اس سے پہلے کوئی جواب دیتا ستارہ بیگم ہال

میں داخل ہوئیں۔

"نہیں دادو ایسی بات نہیں ہے۔ ہم صرف اس طرح نظاروں کے نام کی وجہ سے......" آئینہ نے ساحل کو دیکھا جس کے ایکسپریشن سے صاف ظاہر تھا کہ اب وہ بولا تو نہایت تلخ بولے گا۔ اس لیے اس کے بولنے سے پہلے ہی آئینہ نے قدرے دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ ستارہ بیگم کی جانب پیش قدمی کی۔ ستارہ بیگم نے ساحل کے بگڑے تیوروں کو دیکھا، سیرت کی سنجیدگی پر بھی ایک نظر ڈالی اور خراماں، خراماں چلتی اپنی مخصوص جگہ کی جانب بڑھ گئیں۔ بیٹھتے ہی دوسرے پل بڑی سی چادر کے نیچے سے ہاتھ باہر نکالا تو ان کے ہاتھ میں ڈائجسٹ تھا۔ جس کو جھرنا اور آئینہ کے ساتھ، ساتھ ساحل اور سیرت نے بھی دیکھا تھا۔

"تم لوگوں کو لگتا ہے ناں کہ تم سب کے نام ساری دنیا میں صرف تم لوگوں کے ہیں......"

"نہیں دادو...... ہمیں ایسا نہیں لگتا......" ساحل انتہائی سنجیدگی سے بولنے لگا تو ان تینوں نے اپنی، اپنی سانسیں روک لیں کہ ضرور ہی اب ساحل کوئی بلاسٹ کرے گا۔

"ہر گھر میں آئینہ ہے، جہاں، جہاں پانی گر رہا ہے وہاں جھرنا بھی ہے اور اور جس، جس ملک میں سمندر ہے وہاں ساحل بھی ہے...... ہمیں تو ایسا بالکل بھی نہیں لگتا کہ ہم دنیا میں اکیلے ہیں......" اس کا لہجہ اس کے الفاظ اور انداز طنز سے لبالب بھرے تھے۔ آئینہ نے بہ مشکل اپنی ہنسی روکی...... جبکہ سیرت نے بے اختیار سر تھاما اور جھرنا، ساحل کی بات پر دادو کے سامنے اس طرح دھڑلے سے اعتراض پر ہونقوں کی طرح اس کی ہمت کو دیکھے جارہی تھی۔ ستارہ بیگم نے اس کو دیکھ کر سرد آہ بھری۔ بجائے غصے کے ان کے چہرے کی مدھم مسکراہٹ آج سب کے لیے حیران کن تھی۔

"میں پچھلے بہت عرصے سے دیکھ رہی ہوں، نیوز پیپر میں چھپے آرٹیکل میں، یہ جو جھرنا اور آئینہ مختلف رسالے لے کر آتی ہیں......" ستارہ بیگم نے آرٹیکل اور رسالوں کا ذکر شروع کیا تو یک لخت جھرنا کو پیروں تلے زمین ہلتی ہوئی محسوس ہوئی...... سانس روکے وہ ستارہ بیگم کی طرف یک ٹک دیکھ رہی تھی...... آئینہ نے بھی کن انکھیوں سے جھرنا کو دیکھا اور اس کے فق چہرے کی داستان وہ اس کی رنگت سے صاف پڑھ پا رہی تھی۔ ساحل بھی عجیب نظروں سے ستارہ بیگم کو دیکھ رہا تھا۔

"رسالوں میں اور آرٹیکلز میں بہت بار میں نے "جھرنا" نام پڑھا ہے۔ کوئی رائٹر ہے۔" ستارہ بیگم نے ڈائجسٹ کے صفحے پلٹنے اور ثبوت ان کو دکھانے لگیں...... جہاں جھرنا کا نیا ناول شائع ہوا تھا...... آئینہ نے جھرنا کو دیکھا۔

"کیسا لکھتی ہے یہ رائٹر دادو......؟" آئینہ بشاش انداز میں ستارہ بیگم سے پوچھنے لگی تھی۔ اور جھرنا کی اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی نیچے رہ گئی۔

"اچھا لکھتی ہے...... لیکن میں یہ کہہ رہی ہوں کہ تم لوگوں کے نام صرف تم لوگوں کے نہیں ہیں دنیا میں اور لوگ بھی ایسے نام رکھتے ہیں...... اور دیکھو تو لکھا ہوا بھی کتنا اچھا لگ رہا ہے......" ستارہ بیگم نے بالآخر وہ صفحہ ڈھونڈ لیا تھا جس کے لیے جھرنا دعائیں مانگ رہی تھی...... اللہ کرے وہ صفحہ کسی طرح غائب ہو جائے۔

"جھرنا مصطفیٰ...... دیکھو تو اس کا نام بھی ہماری جھرنا والا ہے......" ستارہ بیگم بہت خوش تھیں۔ "تم لوگ خوامخواہ میری پسند کو رد کرنے کے در پے ہو۔" ساحل نے متعجب و متحیر نظروں سے پہلے ستارہ بیگم اور پھر جھرنا کی اڑی رنگت کی طرف دیکھا۔

"بھائی آپ کو پتا ہے یہ اپنی جھرنا آپی رائٹر بن گئی ہے......" یک دم ہی ساحل کی سماعت میں آئینہ کی دی گئی اطلاع گونجی تھی جس کو اس نے عجلت میں درگزر کر دیا تھا...... اور اب جھرنا کی حالت ستارہ بیگم کے ہاتھ میں پکڑے ڈائجسٹ میں لکھا نام آئینہ کی معنی خیز مسکراہٹ ساحل پر آئینہ کی بات کی سچائی کا ثبوت تھا۔ دوسرے پل ساحل بنا ایک لفظ کہے اپنے بیٹے کو اٹھا کر

وہاں سے نکل گیا تھا...... تو آئینہ، ستارہ بیگم کے ہاتھ سے ڈائجسٹ لے کر دیکھنے لگی۔

"سنہری دھوپ...... جھرنا مصطفیٰ ......" لسٹ میں نام لکھا دیکھ کر وہ جھرنا کی طرف بڑھی جو یقیناً اس مہینے اپنی اسٹوری کے پبلش ہونے سے انجان تھی۔

"دادو کو بتادوں کیا کہ یہ تم ہی ہو؟ دیکھو تو تعریف کر رہی ہیں......" آئینہ ڈائجسٹ اس کے سامنے کرتے ہوئے کہنے لگی تو جھرنا نے اسے انتہائی غصیلی نظروں سے گھورا۔

"تم خاموش رہو...... یہ پتا چل گیا کہ یہ میں ہی ہوں تو یہی تعریف بجلی بن کر گرے گی......" جھرنا نے ڈائجسٹ اس کے ہاتھ سے لیا اور دانت پیس کر اس کو یہ راز اگلنے سے روکا۔

"دادو......" آئینہ ایک دم ان کی طرف پلٹی...... تو جھرنا نے بے اختیار دل پر ہاتھ رکھا اور دوسرے پل اس کو گھورتی ہوئی وہ بھی وہاں سے چلی گئی۔

"ہاں بولو......" ستارہ بیگم نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"دادو بے بی کا نام اب فائنل کر دیں ناں...... آپ ہی بھائی کی بات مان جائیں ناں......" آئینہ ان کے پاس آکر ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر لاڈ سے بولی۔ ایک صرف آئینہ ہی تھی جو ستارہ بیگم کے اتنے قریب آکر اپنی بات کہہ سکتی تھی۔

"میرے خیال میں آفتاب نام زیادہ مناسب رہے گا......" ستارہ بیگم نے اسے دیکھ کر کہا تو اس سارے معاملے میں بیٹھی خاموشی سے سب کو دیکھتی سیرت نے ایک بار پھر سر پیٹ لیا۔ اور آئینہ بھی سرد آہ بھر کر رہ گئی...... کہ یہ مرغی کی وہ تین ٹانگیں ہیں جو کبھی دو نہیں ہوسکتیں...... اس نے محاورہ ہی بدل دیا تھا۔

"ویسے دادو...... اگر جھرنا مصطفیٰ آپی ہوتی تو......؟" آئینہ نے ستارہ بیگم کی طرف دیکھ کر کہا۔

"رہنے دے...... تم لوگوں میں اتنا دم خم کہاں ہے کہ...... خاندان کا نام روشن کرو......" ستارہ بیگم نے ماتھے پر بل ڈال کر کہا اور اپنی بات سے اس کو ہکا بکا چھوڑ کر وہاں سے چلی گئیں...... اور دوسرے لمحے آئینہ نے جھرنا کی طرف دوڑ لگا دی۔

☆☆☆

"مجھے سمجھ نہیں آتی آخر تم نے ایسا کیا کیوں ہے......" وہ ڈائجسٹ لیے کمرے میں داخل ہوئی تو اس کے کمرے میں براجمان مسلسل مضطرب انداز میں ٹہلتے ساحل نے اس کی طرف دیکھ کر جارحانہ انداز میں کہا تو جھرنا نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کیا، کیا ہے میں نے؟" جھرنا نے متعجب نظروں سے اسے دیکھا۔

"اگر رائٹر بننے کا اتنا ہی شوق تھا تو کم از کم نام تو کوئی ڈھنگ کا رکھتیں ناں......" وہ کڑوے حلق کے ساتھ انتہائی تلخی سے بولا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا...... ڈھنگ کا نام رکھتی......؟" جھرنا نے کڑی نظروں سے اسے گھورا تھا۔

"اور اپنے نام سے تمہیں پرابلم ہے، مجھے نہیں۔" دوسرے پل جھرنا نے ڈائجسٹ کے ٹائٹل کو دیکھا اور ساحل کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا۔

"تمہیں تمہارے نام سے پرابلم نہیں ہے پر میرے لیے تو مزید پرابلم کری ایٹ کر گیا ناں...... ناں میں پوچھتا ہوں تمہیں ضرورت کیا تھی رائٹر بننے کی؟" ساحل بے حد زچ ہو کر خالصتاً عورتوں والے انداز میں اس سے پوچھنے لگا تو جھرنا قہقہہ لگا کر ہنس پڑی...... اس کی کہانی پبلش ہوئی تھی جو اس کے لیے سرپرائز تھا...... اور اب اس کی خوشی حد سے سوا تھی...... ایک تو کہانی پبلش ہونے کی اور دوسری دادو کی تعریف کی...... بلاشبہ ستارہ بیگم نے اس کی تعریف انجانے میں کی تھی لیکن تعریف تو اسی کی تھی ناں...... اور سراہے جانے کے نشے میں جو سرور ہوتا ہے ناں جھرنا اس وقت اس کے حصار میں مکمل طور پر قید تھی۔

"مجھے تو پتا بھی نہیں تھا کہ میں رائٹر بن سکتی ہوں...... یہ تو خداداد صلاحیت ہوتی ہے جو خود بخود ہی

سامنے آجاتی ہے...... اور پھر آج کل بہت سے مواقع مل جاتے ہیں اپنے ہنر کو آگے بڑھانے کے......'' جھرنا ڈائجسٹ کی لسٹ میں اپنے ناول کے ساتھ لکھے گئے صفحہ نمبر کو دیکھ کر ناول کو دیکھنے کے لیے جلدی جلدی صفحے الٹنے لگی اور ساتھ ہی ساحل کو بھی تفصیل سے آگاہ کیا...... جس میں اسے رتی بھر بھی دلچسپی نہ تھی...... اس کو فکر تھی تو فقط اپنے بیٹے کے نام کی، جواب صرف اور صرف وہی نام رکھا جائے گا جو دادو نے کہا تھا اور ساحل کو یہ کسی صورت منظور نہیں تھا...... وہ آرگومنٹس کر رہا تھا لیکن جھرنا کے نام نے پبلش ہو کر اس کے سارے پلانز پر پانی پھیر دیا تھا...... اور اب اس کے موڈ کا بگڑنا یقیناً جائز تھا۔

''آپی...... آپی......'' ابھی وہ جھرنا کی خوشی پہ تلملا رہا تھا کہ آئینہ ہانپتی ہوئی آئی۔ جھرنا نے سرسری نظر سے اسے دیکھا جبکہ ساحل مسلسل اسے قہر آلود نظروں سے گھور رہا تھا۔

''کیا ہوا......؟'' جھرنا نے اپنے ناول کی اسٹارٹنگ لائنز دیکھتے ہوئے آئینہ سے پوچھا۔

''رئیلی......؟'' دوسرے پل آئینہ نے جھرنا کے سامنے ستارہ بیگم کے الفاظ دہرائے تو وہ یقین کرنے کو قطعی تیار نہیں ہوئی۔

''قسم سے دادو نے کہا ہے کہ تم لوگوں میں اتنا دم خم نہیں کہ خاندان کا نام روشن کر سکو...... تو کیا کہتی ہو محترمہ ستارہ بیگم کو بتا نہ دیا جائے کہ جس نام کو وہ اخبار میں اور رسالوں میں دیکھ رہی ہیں وہ کوئی اور نہیں آپ کی بڑی پوتی ہے......'' آئینہ نے آنکھ دبا کر شرارت سے کہا۔

''نہیں نہیں ابھی نہیں......'' جھرنا ایک دم گھبرا گئی۔

''ہاں، ہاں ابھی ضرور بتانا کم از کم میرے بیٹے کا نام وہ تو ڈھنگ کا رکھنے والا ہو جائے......'' ان کی باتیں سنتا ساحل طنزیہ انداز میں بولا۔

''ہیں...... کیا مطلب......'' آئینہ اب ساحل کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''پلیز بتا دو دادو کو کہ یہ جھرنا مصطفیٰ تم ہی ہو تا کہ ان کو پتا چل جائے کہ ایسے نام اور کوئی نہیں رکھتا......'' ساحل قدرے نرم اور التجائیہ انداز میں بولا۔

''دادو نے غصہ کیا تو......؟'' جھرنا ڈر رہی تھی۔

''یہ نہ ہو میرے لکھنے پہ پابندی لگا دیں......'' جھرنا، ستارہ بیگم کے پل میں تولہ پل میں ماشہ والے موڈ سے واقف تھی۔ اس لیے اپنے خدشات ظاہر کرنے لگی۔

''نہیں کہتی کچھ بھی...... ابھی تعریف کر رہی تھیں۔ اب اگر ان کو پتا چلا تو یقیناً خوش ہوں گی۔''

''اور...... ''ستارہ ہاؤس'' ایک اور ''نگارے'' سے بچ جائے گا......'' ساحل نے آئینہ کا فقرہ مکمل کیا تو وہ دونوں مسکرانے لگیں۔ اور پھر ساحل کی تھوڑی سی منت سماجت کے بعد جھرنا راضی ہو گئی کہ دادو کو بتا دیں کہ جس جھرنا مصطفیٰ کا نام وہ رسالوں اور اخباروں میں پڑھ رہی ہیں وہ اصل میں ''ستارہ ہاؤس'' کی جھرنا مصطفیٰ ہے اور پھر بھتیجے کے نام کا بھی مسئلہ تھا تو بھائی کی بات ماننے میں ہی عافیت جانی یوں بھی ستارہ بیگم کی تعریف نے اس کو سرشار کر دیا تھا۔

''دادو......'' اور پھر وہ تینوں ستارہ بیگم کی خدمت میں پہنچ گئے...... جھرنا نے ڈائجسٹ ہاتھ میں پکڑا تھا...... ساحل خاموشی سے ایک طرف رکھی کرسی پہ جا بیٹھا اور آئینہ، ستارہ بیگم کے پاس جا کر بیٹھی اور اپنے مخصوص لاڈ بھرے انداز میں ان سے مخاطب ہوئی تو انہوں نے ان تینوں کو دیکھا۔

''دادو آپ کو ایک بات بتانی ہے...... لیکن پہلے وعدہ کریں کہ آپ ڈانٹیں گی نہیں۔'' آئینہ اپنے مخصوص انداز میں ان سے وعدہ لینے لگی تو جہاں ستارہ بیگم نے بولتی نظروں سے اسے دیکھا وہاں جھرنا نے بھی دل پہ اپنا ہاتھ رکھ لیا تھا۔ ساحل نے بھی ڈری، ڈری نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

''کیا بات ہے؟'' وہ کوئی وعدہ کیے بغیر قدرے سپاٹ انداز میں بولیں تو جھرنا ان کے انداز کو دیکھ کر اس لمحے کو کوسنے لگی جب وہ دادو کو اپنے رائٹر ہونے کے

بارے میں بتانے کے لیے ساحل کی ایموشنل بلیک میلنگ کی زد میں آ گئی لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔

"دادو آپ جس جھرنا مصطفیٰ کی بات کر رہی تھیں ناں......" آئینہ ستارہ بیگم کے موڈ اور تیکھی نظروں کا نوٹس لیے بغیر بولنے لگی۔

"ہاں، کیا ہوا اسے......؟" وہ ٹھٹک کر بولیں۔

"دادو...... ہوا کچھ نہیں...... میں آپ کو بتانے لگی ہوں کہ وہ جھرنا مصطفیٰ کوئی اور نہیں ہماری آپی ہیں۔" آئینہ فرطِ جوش میں جھرنا کی زندگی کا سب سے بڑا سچ ستارہ بیگم کے سامنے اگل گئی۔ اور پھر جھرنا کو دیکھا جو آنکھیں جھپکائے بغیر ستارہ بیگم کے چہرے کے تغیر و تبدل کو نہایت انہماک سے دیکھے جا رہی تھی۔

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا جو ایسی اول فول بک رہی ہو؟" دوسرے پل ستارہ بیگم اپنی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے اپنی ازلی گرج دار آواز کے ساتھ بولیں تو ایک لمحہ بھی نہ لگا ان کو یہ ادراک ہونے میں کہ بہت بڑی غلطی کر دی ہے۔

"نن...... نہیں دادو، یہ آئینہ ایسے ہی کہہ رہی ہے۔" دوسرے پل جھرنا نے کہا...... لیکن کمان سے نکلا ہوا تیر اور منہ سے نکلے الفاظ کبھی واپس نہیں آتے۔

"تم لوگوں کو شرم نہیں آتی ہے۔ یہ سارا قصور اس انٹرنیٹ اور ٹی وی کا ہے۔ بڑوں سے بات کی تمیز بلحاظ ہی بھول گیا......" ستارہ بیگم اب سرخ ہو چکی تھیں۔

"پربت مصطفیٰ تیرے بیٹے کا نام میں نے رجسٹر کروا دیا ہے......" دوسرے پل وہ ساحل کی طرف دیکھ کر بم پھوڑ چکی تھیں۔

"لیکن دادو...... اس طرح کے نام کوئی نہیں رکھتا......" ساحل نے پھر احتجاج کیا۔

"کیوں نہیں رکھتا...... وہ رائٹر ہے کوئی تو اس کا مطلب ہے باقی دنیا میں بھی اس طرح کے نام رکھے جاتے ہیں ناں......" ستارہ بیگم نے قہر آلود نظروں سے اسے گھورا۔

"دادو وہ رائٹر کوئی اور نہیں یہ اپنی جھرنا ہی ہے......" دوسرے پل ساحل نے انتہائی تحمل سے ستارہ بیگم کو جھرنا کے بارے میں بتایا...... تو وہ شعلہ اگلتی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگیں۔ نام کا مسئلہ اپنی جگہ برقرار رہا اور اب جھرنا ان کے اعتراضات کی زد میں آ گئی تھی۔

"لاج نہ آئی تمہیں خاندان کا نام یوں اچھالتے ہوئے......" ستارہ بیگم کے الفاظ شعلہ برسانے لگے۔

"دادو ابھی تو آپ تعریف کر رہی تھیں کہ اچھا لکھ رہی ہے......" آئینہ ہکا بکا انہیں دیکھ کر رہ گئی۔

"ہاں تو مجھے کیا پتا تھا کہ تم لوگ یوں کر رہی ہو...... خاندان کی لڑکی کا نام یوں اخباروں، رسالوں میں چھپنے لگے تو جانتی ہو کیا ہوتا ہے؟"

"دادو یہ کوئی بدنامی کی بات نہیں ہے۔ آپی رائٹر ہے...... اور رائٹر ہونا کوئی گناہ نہیں ہے......" آئینہ مزید بولی جبکہ جھرنا فق چہرہ لیے ایک لفظ تک بولنے کی سکت کھو چکی تھی۔

"میں کچھ نہیں جانتی...... اب تمہارا نام یوں اخباروں رسالوں میں نہ چھپے......" ستارہ بیگم کی اس قدر دقیانوسی باتوں اور سوچ پر آئینہ جھنجلا گئی...... دوسرے پل جھرنا وہاں سے اٹھ کر باہر نکل گئی تھی۔ ساحل بھی ہکا بکا ستارہ بیگم کی طرف دیکھ رہا تھا جو انتہائی غصے میں لال پیلی ہو رہی تھیں۔

"دادو یہ کون سی روایت ہے جو دوسروں کو سراہتی ہے لیکن وہی کام کوئی اپنا کرے تو اس کو یوں باتیں سنائی جاتی ہیں......" آئینہ انتہائی دل برداشتہ انداز میں یہ مشکل لفظوں کے چناؤ کو قابلِ برداشت بنا کر بولی۔

"دیکھ لڑکی...... دوسروں کی لڑکیوں کی ذمے داری ہماری نہیں ہوتی...... ہمارا فرض صرف اور صرف اپنی لڑکی کی اچھی پرورش کرنا ہوتا ہے۔ دوسرے کی لڑکی کا نام یوں سرِعام آئے اس سے ہمیں کوئی غرض نہیں لیکن اس خاندان کی لڑکی کا نام اخبار یا رسالے کی زینت نہیں بنے گا......" ستارہ بیگم کی سفاکیت بھری

سوچ نے آئینہ کے ساتھ، ساتھ ساحل کو بھی حیران کر دیا تھا۔

''دادو...... یہ...... یہ تو سراسر ناانصافی ہے......''

اب آئینہ کے ساتھ، ساتھ ساحل بھی اس لمحے کو برا بھلا کہنے لگا تھا جب ان تینوں نے دادو کے سامنے آواز اٹھانے کا فیصلہ کیا تھا۔

''جاؤ یہاں سے اب......'' ستارہ بیگم رخ موڑ کر بولیں تو آئینہ نے ساحل کو دیکھا جو لب بھینچے انتہائی افسوس اور دکھ سے دادو کو دیکھ رہا تھا...... جو مسئلہ تھا وہ وہیں کا وہیں تھا اب ایک اور مسئلہ کھڑا ہو گیا۔

''پربت مصطفیٰ......'' یہ نام رجسٹر کروا دیا گیا تھا جس پر تلملا کر ساحل بھی اب وہاں سے واک آؤٹ کر گیا تھا...... اور اب آئینہ کے پاس وہاں رکنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ اس لیے ایک قہر آلود نظر سے ستارہ بیگم کے رخ موڑے وجود کو دیکھا اور وہاں سے نکل گئی۔

☆☆☆

''آئی ایم رئیلی سوری یار...... مجھے نہیں پتا تھا کہ ستارہ بیگم اس قدر دقیانوسی اور جاہلانہ سوچ رکھتی ہیں۔ یعنی کہ حد ہی ہو گئی ہے۔ کسی لڑکی کا نام اخبار یا رسالے میں آنا ایک باعزت طریقے سے اور ''اچھالنا'' میں ان کو فرق ہی نہیں معلوم......'' آئینہ کمرے میں داخل ہوئی تو جبرنا کو خاموش کھڑا دیکھ کر اس کے پاس آ کر بولی تو جبرنا فقط اسے دیکھ کر رہ گئی۔

''آئی ایم رئیلی سوری......'' آئینہ پھر بولی تو جبرنا مسکرا دی۔

''تم کیوں معافیاں مانگ رہی ہو، اس میں تمہاری کیا غلطی......'' وہ مدھم انداز میں بولی اور اپنی مخصوص جگہ پر جا کر بیٹھ گئی۔

''ہم کسی کی سوچوں کو اس وقت تک نہیں بدل سکتے جب تک اس کو خود ادراک نہیں ہو کہ اس کی سوچیں مخالف سمت کی نہج پر رواں دواں ہیں......''

جبرنا نے دراز سے اپنا نوٹ پیڈ نکالا۔

''لیکن تم یہ سوچ بدل سکتی ہو......'' آئینہ پُریقین لہجے میں اس کی طرف بڑھی تو جبرنا نے چونک کر اسے دیکھا۔

''ہاں، تم واقعی بدل سکتی ہو......'' آئینہ نے اس کی نظروں میں ایک یقین کو ڈگمگاتا ہوا دیکھ کر کہا۔

''ہاں شاید...... لیکن اب تو پابندی لگ گئی ناں......'' جبرنا سرد لہجے میں بولی۔

''کوئی نہیں...... جیسے پہلے لکھ رہی تھی ویسے ہی لکھو...... بے بی کا نام وہ تو ویسے بھی اب رجسٹر ہو گیا ہے جس کی وجہ سے یہ رسک لیا تھا...... تو تم کیوں پیچھے ہٹ رہی ہو؟'' آئینہ اس کی ہمت بندھانے لگی۔

''ثابت کرو جبرنا مصطفیٰ کہ تم بھی ستارہ بیگم کی پوتی ہو، وہ سیر ہیں تو تم سوا سیر بن کر ان کی اس سوکالڈ روایت کو ختم کرو......'' آئینہ مکمل جوش کے ساتھ مسکرا کر بولی تو جبرنا بھی ہنسنے لگی۔

''بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے آئینہ...... آج سے ہمارا مشن ہے دادو کی اس روایت کے خلاف ایک خاموش جنگ......'' ساحل بھی کمرے میں داخل ہوا تھا۔

''لیکن کیسے؟ مما نے ہمیں کسی قسم کی بدتمیزی یا زبان درازی سے سختی سے منع کر رکھا ہے۔'' جبرنا متفکرانہ انداز میں بولی۔

''تم نے لکھنا نہیں چھوڑنا ہے اور ہم ناموں کے خلاف احتجاج کرنا نہیں چھوڑیں گے۔'' دوسرے لمحے ساحل نے اپنا نقطۂ نظر بیان کیا تو آئینہ نے اثبات میں سر ہلایا...... اور جبرنا نے مسکرا کر ہاتھ میں پکڑے نوٹ پیڈ پر کچھ لکھا...... اور دوسرے لمحے نوٹ پیڈ کو ساحل اور آئینہ کے سامنے کیا۔

''ساحل، جبرنا، آئینہ اور پربت......'' آئینہ اور ساحل نے ایک ساتھ پڑھا اور قہقہہ لگایا۔

''میرے اگلے ناول کا نام......'' جبرنا نے مسکرا کر اس کو بتایا اور پھر تینوں کا مشترکہ قہقہہ فضا میں گونجا اور پھر ہائے فائیو نے ستارہ بیگم کے خلاف جنگ پر مہر ثبت کر دی۔



پیاس

ہما بیگ

"کلو کی ماں اب مان بھی لے کتنی خوشامد کروائے گی۔" ویسے تو رمضو اور سکینہ کے سارے بچے ہی کالے تھے مگر کلو تو گویا مقابلتاً کچھ زیادہ ہی تھا۔ مگر ماں کے لیے تو اس کے سب بچے برابر ہوتے ہیں۔ کلو سے اس کو سب سے زیادہ محبت تھی۔

"رمضو سن لے میں ایسا نہیں ہونے دوں گی تو چاہے جو کرلے، بچے میں اپنے میکے سے نہیں لائی تھی۔ یہ تیرے ہیں تیری ذمے داری ہیں۔"

"میں نے کب کہا کہ تیری ذمے داری ہیں۔ میری اولاد ہیں اس لیے میں فیصلہ کروں گا۔ تجھ سے پوچھنا تو عذاب بن گیا۔ ان کے اچھے مستقبل کا ہی سوچ رہا ہوں ناں مگر تیری ضد ہے کہ ختم ہی نہیں ہو

رہی۔ ہم سب کا بھلا اسی میں ہے۔" رمضو نے غصے سے کہا۔

تھرپارکر کے علاقے میں رہنے والے ہمیشہ سے بھوک اور پیاس برداشت کرنے کے عادی ہیں۔ کچھ، کچھ فاصلے پر تقریباً ہر چھوٹی سی جھونپڑی میں پندرہ سولہ ذی روح کیڑوں مکوڑوں کی طرح زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔

ایسی ہی ایک جھونپڑی میں سکینہ آٹھ سال پہلے بیاہ کر آئی تھی۔ ارمان تو اس کے دل میں کیا ہوتے۔ خواب دیکھنے کی عمر سے پہلے ذمے داریوں کا پہاڑ اس کے سر پر آ پڑا۔ شادی کے ان آٹھ سالوں میں چھ بچے، بھوک اور پیاس سے بلبلاتے۔ ہر وقت بیماریوں کا حملہ، جب مناسب دیکھ بھال اور پیٹ بھر خوراک نہ ملے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔

چاروں طرف ریت اور ان میں حشرات الارض، کیکر کے درخت، جھینگروں کی آوازیں، دور دور جھونپڑیوں میں ٹمٹماتی روشنی سکینہ کے دل کو مزید ہولا دیتیں۔

وہ رات آنسوؤں میں گزر گئی۔ سورج نکلنے سے پہلے، پہلے پانی بھرنے کے لیے اس نے خالی مٹکے اٹھائے اور گاؤں کی عورتوں کے ساتھ چل پڑی۔

"اری او سکینہ کیا ہوا، رات پھر گھر والے سے جھگڑا ہوا ہے؟ آنکھیں سوجی ہوئی ہیں؟" سکینہ کی دوست نے اس کی شکل اور آنکھیں دیکھ کر سوال کیا۔ آنکھیں بڑی ظالم ہیں، دل کا ہر بھید کھول دیتی ہیں کوئی کتنا ہی چھپائے۔

"دن جو اوپر ہو گئے ہیں، بیچاری کیا کرے۔ ابھی چھوٹا بچہ چار مہینے کا ہے۔ مرتے، مرتے بچی ہے۔ اتنی جلدی دوبارہ! خون تو جسم میں ہے نہیں، گھر والا کچھ کرتا نہیں۔ اس کی ماں بھی بس سوائے طعنے دینے کے کچھ نہیں کرتی۔ بیچاری سکینہ کے گھر والے بھی اس کو بیاہ کر بھول ہی گئے۔"

دوسری بھی اپنی طرف سے ہمدردی میں بولی۔

سکینہ کی آنکھوں سے آنسو نکل کر برسوں کی پیاسی ریت میں جذب ہو گئے۔

گھر پہنچی تو بچوں نے رو، رو کر گھر سر پر اٹھا رکھا تھا۔ رات بھر کے بھوکے پیاسے اوپر سے باپ اور دادی نے ان کو سزا میں دھوپ میں کھڑا کر دیا تھا۔ چار نندیں اور چار دیور ایک بوڑھا سسر۔ ساس نے اپنے بچوں کو تو ناشتا کروا دیا مگر پوتے پوتیوں کو پوچھا تک نہیں۔ سکینہ نے جلدی سے بچوں کو رات کی بچی ہوئی روٹی پانی میں ڈبو کر دی اور سب سے چھوٹے کو سینے سے لگا کر خون جگر پلانے لگی۔ وہ بخار میں جل رہا تھا۔

"اس کا بخار اور تیز ہو گیا ہے کلو کے ابا آج تو اس کو اسپتال لے جا، کل سے دودھ بھی نہیں پی رہا۔ اس کو اپنے ساتھ بھی نہیں لے جا سکتی۔ بڑے سائیں ناراض ہوتے ہیں۔ ان کے اوطاق میں شہر سے مہمان آئے ہیں۔ ان کو بچوں کا شور پسند نہیں۔ اماں سے کہنا اس کا خیال رکھیں۔" سکینہ نے گھونگٹ سے منہ ڈھاک کر کہا۔ تھرپارکر کی روایات میں بہو ساس کے سامنے نہ تو بول سکتی ہے نہ چہرہ کھول سکتی ہے۔ ساری زندگی اسے ساس سسر سے پردہ کرنا لازمی ہے۔ اور جواب دینا تو گویا گناہ ہے۔

"اری پریشان نہ ہو، میں اس کا خیال رکھوں گی تو وہاں دل لگا کر کام کرنا، گندم کی کٹائی بھی شروع ہونے والی ہے۔" خلاف توقع ساس نے پیار سے چھوٹے کو گود میں لے کر پیار کیا۔

دن بھر کام میں معروف سکینہ ایک لمحے کے لیے بھی کلو کو بھول نہ سکی۔ اس کے رونے کی آواز کانوں میں گونجتی رہی۔ "نہ جانے کیا حال ہوگا۔ بخار زیادہ نہ ہو جائے۔ میرا لاڈلا چار دن میں نڈھال ہو گیا۔ سائیں کے مہمان خوش ہو کر کچھ رقم دے دیں تو اچھے ڈاکٹر کو دکھاؤں گی۔"

"آج ہوش میں نہیں ہے کیا سارا دودھ ابال دیا۔" ایک زوردار تھپڑ سکینہ کو خیالات کی دنیا میں واپس لے آیا تھا۔

شام ڈھلے جب وہ گھر کے سامنے پہنچی تو سامنے

مردوں کو کھڑا دیکھا اور رونے کی آوازوں نے اس کا دل بٹھا دیا۔ وہ تیر کی طرح اندر پہنچی تو اس کا لاڈلا کلو سفید چادر میں لپٹا ہوا تھا۔ وہ وہیں سینہ تھام کر بیٹھ گئی۔ اس کی حالت دیکھ کر کلیجا منہ کو آتا تھا۔

”صبر کر سکینہ، معصوم روح تھی جس کی امانت تھی اس نے واپس لے لی۔“ وہ بے جان جسم کو چومے جارہی تھی۔ بہ مشکل اس سے لے کر بچے کو رمضو مسجد کی طرف روانہ ہوا۔

اِک لفظ ہے محبت، اسے کر کے دیکھو تم تڑپ نہ جاؤ تو کہنا!

ایک لفظ ہے مقدر! اس سے لڑ کر دیکھو، تم ہار نہ جاؤ تو کہنا!

ایک لفظ ہے وفا! زمانے میں نہیں ملتی، کہیں ڈھونڈ پاؤ تو کہنا!

ایک لفظ ہے جدائی، اسے سہہ کر دیکھو، تم ٹوٹ کر بکھر نہ جاؤ تو کہنا!

ایک لفظ ہے اللہ! اسے پکار کر دیکھو، سب کچھ نہ پالو تو کہنا!

بے شک مقدر سے لڑ کر کون جیت پایا ہے......

سکینہ کو بھی وقت کے ساتھ صبر آیا۔ صبر نہ بھی کرتی تو کیا کرتی؟ نئے آنے والے مہمان نے اس کو ادھ موا کر دیا تھا۔ پھر بھی کام پر جانا، شوہر اور بچوں کو سنبھالنا۔ جیسے، جیسے وقت گزرتا گیا۔ آٹھواں مہینہ شروع ہوا تو کمزوری اور بڑھ گئی۔ رمضو سے کئی دفعہ کہا کہ اسپتال لے چلو مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

ماں بیٹے کی کانا پھوسی بڑھ گئی تھی، وہ جب سامنے ہوتی تو خاموش ہو جاتے۔ سکینہ کو اپنی پریشانیوں سے کب فرصت تھی کہ وہ غور کرتی۔ ساس اسے دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکراتی۔ رمضو بھی اکثر میٹھی، میٹھی باتیں کرتا اور بچوں کو بھی اس کے سامنے خوب پیار کرتا۔

اسی دوران اس نے اپنی دو بہنوں کی بھی شادی کر دی۔

”پتا نہیں کہاں سے خرچا کر رہا ہے۔ میرے اور بچوں کے لیے تو اس کے پاس کچھ نہیں۔“ سکینہ سوچتی۔

آخری مہینہ شروع ہوتے ہی سکینہ کی حالت اور بگڑ گئی۔ ایک ہفتہ اس نے رمضو کی خوشامد کی۔ ساس نے بھی کوئی توجہ نہیں دی۔ آخری رات اس نے... بہ مشکل گزاری۔ درد کسی طرح کم ہونے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ رمضو اور اس کی ماں اپنے بستر پر کھسر پھسر کرتے رہے۔ صبح پڑوس کی عورتوں نے آکر ان کو لعن طعن کی اور سکینہ کو اسپتال لے جانے کا کہا۔ سکینہ اس وقت تک دردوں سے بے ہوش ہو چکی تھی۔

کسی کی بیل گاڑی پر ڈال کر دو گھنٹے کا سفر طے کر کے وہ اسپتال پہنچے تو ڈاکٹر نہیں تھا۔ نرسوں نے اسے دیکھتے ہی کہا۔ ”اب کچھ نہیں بچا ہم بچے کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔“ اتنے میں سرکاری اسپتال کی ڈاکٹرنی صاحبہ نے آکر دیکھا اور بتایا۔

”بچہ تو دو دن پہلے ہی پیٹ میں مر گیا تھا اور ماں نے راستے میں دم توڑا ہے۔ آپ پہلے کیوں نہیں لے کر آئے مریضہ کو؟“

ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ سوائے بین کرنے کے۔ دکھوں کی ماری سکینہ اپنے بچے کے ساتھ اس خود غرض دنیا سے رخصت ہوئی۔

اس کی موت کے ایک ہفتے کے بعد ماں نے بیٹے سے پوچھا۔

”کب جا رہا ہے رقم لینے؟ بچے کی دفعہ تو مہینہ لگ گیا تھا۔ پیسے ملنے میں، اس دفعہ تو دو لاکھ ملیں گے، جلدی کر پھر تیری تیسری شادی کروں۔ ان بچوں کو مجھ اکیلی جان سے نہیں سنبھالا جاتا۔“

”اماں لے کر آؤں گا رقم، جلدی کس بات کی ہے۔ تو نے بات تو پکی کر لی ہے ناں!“

”ارے فکر نہ کر بات تو میں پانچ ماہ پہلے ہی طے کر چکی ہوں۔ بس اسی گھڑی کا انتظار تھا۔“

دونوں نے ایک مکروہ قہقہہ لگایا اور رمضو جھونپڑی سے باہر نکل گیا۔

مکمل ناول

دیار صبح کے اجالوں میں

نایاب جیلانی

چھٹا حصہ



ایک بات تو طے تھی...... اسما کو اسی گھر میں رہنا تھا اور عمر بھر کے لیے رہنا تھا۔ ہادی اسے اپنا تا یا نہ اپنا تا...... اس گھر میں اسے جائز مقام ملتا یا نہ ملتا...... پھر بھی ہر صورت اسے یہیں رہنا تھا۔ وہ پیچھے مڑ کر اپنے پیاروں کو تکلیف دینے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ پیچھے جاتی تو لازماً گلناز کی چال سے پردہ اٹھانا پڑتا...... عاشر کے دل میں بال آجاتا...... گلناز کا منصوبہ مکمل ہو جاتا اور سادہ لوح اسما یہ قیامت تک نہیں



چاہتی۔ وہ عاشر تک بھنک بھی نہیں پڑنے دیتی...... ہر زخم اپنی ذات پر سہہ لیتی۔

اب ساری صورت حال اسما کی معاملہ فہمی کے سپرد تھی۔ وہ چاہتی تو اپنے جذبات اور وقار کی ناقدری پہ واویلا ڈال کر اپنے بھائی کی دنیا اجاڑ دیتی لیکن وہ ایسا نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر کے بس اپنے شوہر، ہادی کے دل کو رام کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ گلناز سے باز پرس یا لعنت ملامت کا خیال دل سے نکال دیا تھا۔ اسے وقت سزا دیتا یا وہ اپنی بھیانک چال کا خود شکار ہو جاتی۔ اسما نے اسے جزا سزا سے بھی بری کر دیا تھا۔

جو کچھ اسما کے ساتھ ہوا تھا یا جو کچھ گلناز نے کیا تھا...... اور اس تمام بھیانک سچویشن سے اسما کو گزرنا پڑا تھا اسے اپنا نصیب جان کر وہ اپنے لیے بہتری کی خود کوشش کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔

ہادی ایک انسان ہی تھا ناں کوئی پتھر تو تھا نہیں کہ ٹوٹ نہ سکتا ہو...... پتھر بھی تو ٹوٹتے اور پگھلتے ہیں۔ وہ دل میں پختہ ارادے کے ساتھ میدان عمل میں کودی تھی۔ اس بات سے بے خبر کہ ابھی اس کی آزمائش کے دن سمٹے نہیں...... ابھی اس کا امتحان ختم نہیں ہوا بلکہ اصل امتحان تو اب شروع ہوا تھا۔

☆☆☆

یہ ایک کہر میں لپٹی سویر تھی۔ گرمیاں ساری پنڈی میں رہ چکی تھیں۔ یہاں پر دن کو گرمی ہوتی اور رات کو انتہائی ٹھنڈ...... لیکن جیسے ہی موسم نے کروٹ بدلی تھی۔ سویر بھی کہر میں لپٹ کر نمودار ہوتی۔ ہر سو یوں لگتا جیسے برف ہی برف گری ہے۔ موسم بدل گیا تھا۔ شاید پنڈی میں بھی موسم بدل گیا تھا۔ وہاں پہ بھی سردی کے آثار شروع ہو گئے تھے۔ موسم کا تو پتا نہیں تھا البتہ رویوں میں "سرد پن" ضرور آ گیا تھا۔

کبھی کبھی اسے لگتا جیسے گلناز نے اسمارا کو بھی اسما سے بدگمان کر دیا ہے۔ اسمارا بہت کم فون کرتی تھی بلکہ اسما ہی اسے فون کرتی۔ اسمارا کا رویہ بہت سرد اور برفیلا ہوتا تھا اگرچہ وہ اسما کی اکلوتی بھابی بننے والی تھی۔ جبھی اس کے رویے کا سرد پن اس کے دل میں پھانس بن کر اٹک جاتا تھا۔ اسما کے کون سے بہت سے بھائی تھے کہ اگر ایک بھابی اچھا برتاؤ نہ کرتی تو دوسری سے اسما اچھی امید رکھ لیتی...... اس کی تمناؤں کا مرکز عاشر اور اسمارا تھے...... لیکن اسمارا اس سے بہت کھنچ گئی تھی۔ سننے میں آیا تھا، اس کی گلناز سے کافی دوستی ہو گئی تھی۔ وہ گلناز کے ساتھ اب زیادہ وقت گزارتی تھی...... یہ اسما کو عاشر نے ہی بتایا تھا۔ شروع، شروع میں گلناز نے بھی اسما سے رابطہ رکھنے کی بہت کوشش کی تھی۔ اس کے بہت دفعہ فون اور میسج آتے تھے اور وہ اپنے ہر ایونٹ کی تصویریں بھی بھیجتی تھی۔ تنگ آ کر اسما نے نمبر ہی بدل لیا تھا...... وہ کم از کم گلناز جیسی سنپولن سے کوئی رابطہ رکھنا نہیں چاہتی تھی۔ اسما اسے اپنی نفرت تک کا حق دار بھی نہیں سمجھتی تھی جس نے ان کی زندگیوں میں تباہیاں بھر دی تھیں۔ انہیں ایک دوسرے سے دور کر دیا تھا۔

اسما میکے اس لیے نہیں جاتی تھی کہ وہاں گلناز سے سامنا ہوگا...... اور ماں کے ساتھ، ساتھ اسمارا کا سرد رویہ سہنا پڑے گا...... اور اگر اماں، ابا، ہادی کو مجبور کر کے ساتھ بھیج دیتے تو اسما کو اس معاملے میں بہت سے خدشات لاحق تھے۔ وہ چاہتی تھی کہ عاشر اور اسمارا کی خیر خیریت سے شادی ہو جائے تو پھر ہادی کو اعتماد میں لے کر گلناز کے سارے کرتوت کھول کر دکھا دے گی تب ہادی کو بھی یقین کرنا پڑے گا۔

لیکن اس سے بھی پہلے ہادی کا اعتماد جیتنا تھا...... اور یہ کام بہت کٹھن، دشوار اور اذیت ناک حد تک مشکل تھا۔ ہادی کا اب بھی وہی معمول تھا۔ وہ رات ایک بجے گھر آتا اور منہ اندھیرے نکل جاتا...... اس کا کھانا پینا کہاں چل رہا تھا...... اسما کو کچھ خبر نہیں تھی۔

جاتے سے دونوں جیٹھانیاں...... زری اور عزہ خواہ مخواہ اپنی انرجی ضائع کرتی رہی تھیں، بار، بار اسما کو سمجھا کر۔

"ہادی کے دل کو معدے سے گزر کر قابو کرلینا...... دیکھنا، کیسے یہ "جن" قابو میں آتا ہے۔"
اور وہ ان دونوں کو فون پر بھی نہیں بتا سکتی تھی کہ آپ کا ہادی گھر میں کھانا کھائے گا تو وہ گزرگاہوں پر غور کرے گی ناں......

کشف اور فلک بھی کم، کم آتی تھیں۔ فلک دبئی میں ہوتی تھی جبکہ کشف مانسہرہ میں...... وہ بھی کم، کم یہاں آتی تھی۔

پورے گھر میں سناٹے بولتے تھے یا پھر ملازمہ پھولن دیوی کی آواز گونجتی...... اماں اور اسما کے ساتھ پھولن دیوی کب تک لمبی، لمبی ہانکتی...... بولنے میں تب مزہ آتا ہے جب آگے سے جوابات ملیں۔ تنگ آکر پھولن دیوی بھی خراٹے مارنے لگتی کیونکہ یہ دونوں ساس، بہو انتہائی کم گو واقع ہوئی تھیں۔

اسما کی خاموشی پہ اکثر اماں کو ہول اٹھنے لگتے تھے...... تب وہ پھولن دیوی کو دھموکا جڑ کے اٹھاتیں۔

"ناس پیٹی......! میرے سارے لڑکوں کے ساتھ بڑی چونچیں لڑاتی ہے۔ اب زبان کہاں گروی رکھ آئی...... ڈھڑ حرام ہنس نہیں سکتی...... بول بھی نہیں سکتی...... کم از کم اسما کو ہی ہنسا دیا کر......" پھولن دیوی اس جملے پہ اچانک بھڑک کر مار کر اٹھ بیٹھتی تھی۔ پھر ہڑبڑا کر آنکھیں مسلتی ان کی بات سمجھنے کی کوشش کرتی۔

"اماں جی! کیا ہنسانے پہ بھی تنخواہ ملے گی؟" وہ دانت نکوس کر پوچھتی تو اماں اسے ایک اور دھپ رسید کر دیتیں۔

"نامراد......! میرے لڑکوں کے ساتھ ٹھٹھے لگاتے ہوئے تنخواہ لیتی تھی کیا؟" تب پھولن دیوی کا جناتی قہقہہ پورے کمرے میں گونج اٹھتا تھا۔

"آپ کے لڑکے بہت ٹھولیے ہیں اماں جی......! بغیر ٹکٹ کے مزہ کرا دیتے ہیں...... اتنا ہنساتے ہیں کہ آپوں آپ منہ سے لطیفے گرنے لگتے ہیں۔ اچھا، آپ غصہ نہ کرو...... میں اسما باجی جی کو بڑا ہنساؤں گی ایمان سے۔" پھولن دیوی، اماں کی گھوری پہ ذرا دور کھسک کر بولی تھی تا کہ پھر سے دھموکا نہ پڑ جائے۔

"پر اس کام کے لیے آپ کو کچھ دینا پڑے گا......"
اس نے ڈھیلے گھما کر اپنا مطالبہ بھی سامنے رکھ دیا۔

"کیا......؟" اماں نے خفگی سے پوچھا...... اسما بھی دلچسپی سے اُن کی باتیں سن رہی تھی۔

"میرا دل جی......" پھولن دیوی ذرا شرما کر دوپٹے کا پلو منہ میں اڑسنے لگی...... اماں اور اسما اس کی بات پر حیران رہ گئی تھیں۔

"ارے کسے؟" اماں نے سخت غصے میں آکر پوچھا۔

"دلدار خان کو......" پھولن دیوی مارے حیا کے مرمٹی تھی...... اپنا تربوز جتنا سر گھٹنوں میں چھپالیا تھا۔ اماں نے بیک وقت اسے دوہتھڑ مارا تو اچانک ہڑبڑا کر سیدھی ہوگئی۔

"ارے وہی...... جو اپنی فیکٹری کا چپڑاسی ہے......؟ سال بھر نہاتا نہیں۔ مہینہ بھر کپڑے نہیں بدلتا...... بولے تو ڈھول کی ضرورت نہیں۔" اماں نے تفصیل سے جتلایا تو پھولن دیوی کا من بھر کا سر اثبات میں ہل گیا۔ تب اسما کو بھی لب کشائی کرنا پڑی تھی۔

"ارے پاگل...... محبت تو دیکھ کے کرتی......؟ کیا آئٹم پسند کیا ہے اوپر سے دھونس دیکھو...... دل تمہارا اٹھا کر دادا خان کے حضور پیش کریں...... وہ چاہے تو تمہارے دل کو اپنے دل کے ساتھ ملا لے چاہے تو اٹھا کر جانوروں کی خوراک بنا دے...... حد ہے پھولن دیوی! خود کی ایسی ناقدری چاہتی ہو۔" اسما نے تاسف سے اسے ڈپٹا تو پھولن دیوی کو یاسیت کا دورہ پڑ گیا۔

"کچھ نہ پوچھو باجی جی! یہ محبت کم بخت بڑا خوار کرتی ہے۔ کھوتے پہ بھی آجائے تو بس اس کو شہزادہ بنا دیتی ہے۔" پھولن دیوی نے ایک جذب کے عالم میں محبت کی تشریح بیان کی تھی۔

"اگر کسی ڈنگر سے ہو جائے جیسے دلدار خان تو بس جی کچھ نہ پوچھو...... ڈنگر بھی خود کو شہزادہ عالم سمجھنے لگتا ہے۔ جیسے اس میں ہیرے، تارے جڑے ہوں۔" پھولن دیوی نے اب کلس کر کہا۔

"تو محبت دیکھ کر کرنی تھی ناں...... بلکہ ٹھونک بجا کر...... عقل اور دماغ کو استعمال کر کے...... ورنہ کھوٹا سمجھ کر لوگ بے وقوف بنا جاتے ہیں۔" جانے کوئی کب دبے قدموں اندر داخل ہوا تھا۔ اتنی خاموشی کے ساتھ کہ انہیں خبر تک نہیں ہوئی تھی۔ وہ چونکی تو تب، جب ہادی ان کے سروں پر سوار ہو گیا تھا۔ اتنے دنوں بعد اس کی آواز سننا بالکل اچانک سننا ایک خوشگوار حادثہ تھا جو ان سب پر گزر چکا تھا...... اسما سے اپنی دھڑکنیں سنبھالنی مشکل ہو گئی تھیں...... اور اماں سے اپنی بے بہا خوشی...... جبکہ پھولن دیوی بھی نہال ہو گئی تھی۔

"ہائی جان...... اشکر ہے آپ کی صورت دکھائی دی...... ورنہ ہمیں تو آپ کی شکل بھولنے کے قریب تھی۔ اخبار میں اشتہار لگتا تو پتا چلتا...... ابھی میں آپ کو کوئی بے تحاشا مشٹنڈا سمجھ کر گھر سے نکالنے والی تھی جو جانے کیسے اندر گھس آیا...... ابھی ڈنڈا پڑتا تو پتا چلتا......" پھولن دیوی کی فراٹے بھرتی زبان کو اسما بڑے رشک کے عالم میں دیکھ رہی تھی۔ ہادی نے اس کی بے دریغ بکواس پہ غصہ تک نہیں کیا تھا۔ کیسی حیرت کا مقام تھا...... اسما کو ایک مرتبہ پھر رشک آیا۔

"یعنی تمہارے ڈنڈے سے بچنے کے لیے مجھے صبح شام اپنی صورت تمہیں دکھانی ہوگی۔ تم سے آشیر باد لینا ہوگا۔ تم سے بھاشن سننا ہوگا۔" ہادی نے اماں کے قریب بیٹھتے ہوئے پھولن دیوی کو مخاطب کیا تھا۔ وہ صاف طور پہ اسما کو نظر انداز کر رہا تھا۔ اسما کا دل لمحوں میں بوجھل ہو گیا...... اسے اپنا آپ بے معنی سا لگا تھا جیسے مس فٹ سا...... اس نے سوچا وہ یہاں سے ہٹ جائے...... وہ جانے لگی جب اماں کی آواز سنائی دی تھی۔

"میرے بچے! کہاں ہوتے ہو تم...... اماں کو اپنی صورت بھی نہیں دکھاتے؟ میں ترس گئی ہوں تمہاری شکل دیکھنے کو...... وہ دو تو پردیس چلے گئے...... تم تو قریب ہو پھر بھی سالوں کی دوریوں اور فاصلوں پر...... آخر یہ سب کب تک چلے گا......" اماں کے گلوگیر لہجے اور آواز پہ ہادی کی تڑپ بہت دیدنی تھی۔ اسما کمرے میں رک نہیں سکتی تھی کہ اپنا نظر انداز کیا جانا گوارا نہیں تھا...... لیکن باہر کھڑے ہو کر ان کی باتیں تو سن سکتی تھی...... گو کہ یہ نازیبا حرکت تھی لیکن ہادی کی آواز سننا کم از کم اس طریقے سے ہی سہی...... وہ اپنے من کی خواہش پر بے بس ہو گئی تھی۔ کیسی بچگانہ سی خواہش تھی۔

"تم ہمارا قصور معاف نہیں کرو گے...... ہمیں کیوں سولی پر لٹکا رکھا ہے......" اماں کے آنسوؤں نے اسے بھیج دیا تھا...... وہ چپ چاپ انہیں سنتا رہا۔

"آپ کا کوئی قصور نہیں اماں......! بس میری قسمت خراب تھی......" اس نے کافی دیر بعد لب کشائی کی تھی...... اسما کا باہر کھڑے دل دھڑکتا رہا۔

"قسمت کو کیوں دوش دیتے ہو...... تمہاری قسمت تو بہت اچھی ہے، تمہیں اتنا اچھا ساتھ ملا......" اماں نے پیار سے اس کی پیشانی چوم کر دلاسا دیا۔

"آپ کہتی ہیں تو مان لیتا ہوں...... آپ سے بحث نہیں کر سکتا...... آپ کا دل نہیں دکھا سکتا......" ہادی کی دکھ سے بھری آواز آئی تھی۔

"اگر میری بات کا اتنا خیال ہے تو میری جان......! اپنی روٹین ٹھیک کرو، وقت سے گھر آیا کرو...... صبح آرام سے ناشتا کر کے فیکٹری جایا کرو...... میرے دل کو بھی سکون دو......" اماں نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر کر بوسہ دیا۔

"آپ کے دل اور سکون کی خاطر میرا سب کچھ قربان...... کوئی اور حکم کریں۔" آج وہ فرمانبرداری کے سارے ریکارڈ توڑ رہا تھا...... اندر اماں کو اور باہر اسما کو جیسے غش آنے لگا۔

"میں واری جاؤں...... بس تو پہلے والا ہادی بن جا...... شوخ، شرارتی، ہنستا مسکراتا...... اس گھر کے سناٹوں میں تیری آواز کی گونج در و دیوار کی رونقیں بحال رکھتی تھی۔ اب یوں لگتا ہے میرا گھر خدانخواستہ قبرستان ہو۔" ان کی آواز ٹوٹ کر آنسوؤں میں گم گئی تھی۔ ہادی بے قرار ہو گیا۔

"بس آپ اور بابا خوش رہیں۔ میں کچھ اور نہیں چاہتا۔" ہادی نے ماں کے ہاتھ چوم لیے تھے۔

"اور ہم چاہتے ہیں بس تو خوش رہے۔ اسما کو خوش رکھے...... ہم تو تم دونوں کو خوش اور آباد دیکھنا چاہتے ہیں۔" انہوں نے اپنے اندر کی خواہش کو ہادی کے سامنے رکھ دیا تھا۔ اس کا رنگ واضح طور پر بدل گیا تھا۔

"میں بابا کے اسی بات کے آس پاس چکراتے اتنے لمبے چوڑے لیکچر کو سن کر فیکٹری سے گھر بھاگا ہوں...... اور گھر آکر بھی وہی بھاشن......" وہ شدید جھلاہٹ پہ قابو پاتا بہ مشکل اپنے لہجے کو نرم رکھ سکا تھا کہ اماں کی طبیعت کے پیشِ نظر وہ اپنی آواز کو بلند کر کے یا اپنے لفظوں کی کاٹ سے انہیں تکلیف سے... دوچار نہیں کر سکتا تھا پھر اماں اور بابا کا قصور کیا تھا؟ قصور تو سارا اس چڑیل کا تھا...... اور شاید وہ بے خبر ہی رہتا...... کبھی جان نہ پاتا اگر وہ آخری میسج اسے وصول نہ ہوتا...... اگر وہی میسج اسے بروقت وصول ہو جاتا تو آج صورتِ حال یہ نہ ہوتی...... اس چڑیل کی جگہ اسما را ہوتی...... اس کی زندگی کو روشن کرتی...... مہکاتی، اپنی خوشبوئیں بکھیرتی۔

"ہم تیرے بھلے کے لیے کہتے ہیں ہادی......! تیرے دشمن تھوڑی ہیں میری جان......! تجھے آج احساس نہیں...... کل ضرور ہوگا...... لیکن میرے لیے یہی بہت ہے کہ تجھے ہم دونوں کا احساس گھر کی طرف کھینچ لاتا ہے۔ پر بیٹا! وہ غریب بھی تمہاری توجہ اور چاہت کی طلب گار ہے...... اس کے حقوق سے نگاہ کیوں چراتے ہو؟" اماں نے بڑے پیار سے اسے ایک مرتبہ پھر اسما کے جیتے جاگتے وجود کا احساس دلایا تو وہ بے چین ہو کر کھڑا ہو گیا۔

"اماں! میں نہاتا ہوں...... بہت تھکن ہو رہی ہے۔ فیکٹری میں بہت کام تھا۔ کتنے ٹرک لوڈ کروا کر چائنا بھجوائے ہیں کینو کے۔ اس دفعہ بڑا پرافٹ ہوگا۔" اس نے بڑی ہوشیاری سے اماں کا دھیان بٹاتے ہوئے کہا۔ اماں گہری سانس بھر کر رہ گئیں۔

"پرافٹ کیوں نہیں ہوگا...... گھر سے جی چرا کر پورا دن اور آدھی رات فیکٹری میں گزارتے ہو...... پھر بھی پرافٹ کیوں نہ ہو...... لیکن ہادی، ایک بات سمجھ لو...... مادی چیزوں اور دھن، دولت سے بڑھ کر رشتے، وقت اور محبت کے حق دار ہوتے ہیں...... اب جا کر نہا سکتے ہو؟ اگر ماں پہ احسان کرنا ہوا تو کر لینا۔ کھانا گھر میں کھانا...... بار، بار نہ کہنا پڑے...... ورنہ سن لو کان کھول کے...... میں بھی فاقہ کرنا شروع کر دوں گی......" ان کی دھمکی پہ ہادی کی گردن پوری پھنس گئی تھی۔ وہ تلملا بھی نہ سکا...... احتجاج بھی نہ کر سکا۔

"ٹھیک ہے، پر اپنی اس نام نہاد بہو سے کہیے گا میرے سامنے آنے سے گریز برتے......" ہادی نے جاتے، جاتے بھی شوشا چھوڑنے سے اجتناب نہیں کیا تھا۔ اماں نے اسے گدی سے پکڑ لیا۔

"رکو ذرا میری بات سنو...... وہ کیوں تمہارے سامنے نہ آئے؟ بیوی ہے تمہاری...... تم پر حق رکھتی ہے۔" اماں کے سخت لہجے پہ ہادی ہمیشہ زیر ہو جاتا تھا۔ کبھی اونچی آواز نہ نکالتا...... احتجاج نہ کرتا...... یہی تو اس کی سعادت مندی تھی جس سے اماں، بابا فائدہ اٹھا رہے تھے۔ وہ جانتے تھے ہادی ان کی محبت اور فرمانبرداری کی وجہ سے بے بس ہے۔

اب بھی اماں کی جھاڑ...... پہ چپ چاپ کھڑا رہا تھا۔ جب وہ خاموش ہوئیں تو بول پڑا۔

"ٹھیک ہے اماں! میں کچھ نہیں کہوں گا۔ وہ سامنے آتی رہے...... مگر میرے معمولات میں ہرگز بھی مداخلت نہ کرے......" ہادی کے اگلے الفاظ نے اماں سمیت باہر کھڑی اسما کو بھی سن کر دیا تھا۔ وہ جو بددل ہو کر ہٹ رہی تھی۔ اماں کا جواب سننے کے لیے رک گئی۔

"وہ کیوں نہ مداخلت کرے......؟ بیوی ہے تمہاری...... اس کا فرض بنتا ہے تم پر کڑی نگاہ رکھے...... اس کا حق بنتا ہے تم سے آنے جانے کا حساب لے......" اماں کے گرجدار لہجے کی گونج باہر تک آئی تھی...... اسما کا دل خوش ہو گیا تھا۔ آخر کوئی تو تھا جو

اس نواب کی بولتی بند کروا سکتا تھا۔

"سارے حق اس کے بنتے ہیں۔ میرا کوئی حق نہیں......" ہادی کی جھنجلاہٹ اسما کو مزہ دے گئی تھی۔ اس کی پتلی حالت پہ وہ شدید لطف اٹھاتی رہی۔

"کیوں نہیں میری جان......" اماں کا لہجہ شہد ٹپکانے لگا......انہوں نے ہادی کو بازو سے پکڑ کر پھر سے قریب بٹھالیا۔ "تمہارا اسما پہ حق ہے......اسما کا تم پر حق ہے۔ میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس ہوتے ہیں میری جان!" اماں اس کا منہ چوم کر شہد بھرے لہجے میں بولی تھیں۔

"ہونہہ......مجھے کالا لباس نہیں چاہیے......میں تو کپڑوں میں سیاہ رنگ پسند نہیں کرتا تھا کہ بیوی کو برداشت کروں اس کی سیاہی سمیت......" ہادی کا تنفر باہر تک چھلک رہا تھا۔ اسما کے معاملے میں وہ اپنی نفرت کو انتہاؤں تک لے جاتا......اور اس کے معاملے میں بات کرتے ہوئے مبالغے کی حد کراس کر جاتا......

اب بھی اس کے چمکیلے سانولے رنگ کو سیاہی کا طعنہ مار کر وہ اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ جبکہ اسما کے دل پر بلک بوجھ آ گرا......قدم، قدم پر ایسی ذلت کا اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا......اور نہ کبھی اسے احساس دلایا تھا کسی نے کہ وہ کم صورت ہے۔ اسے تو ہمیشہ اپنی پرسنالٹی اور ذہانت پہ اعتماد تھا۔ کبھی اس کا اعتماد ڈگمگایا نہیں تھا......لیکن یہاں پر زندگی کے اس موڑ پر اسما کو اپنی کم روئی سے شدید شکایتیں ہونے لگی تھیں۔ کاش وہ خوب صورت ہوتی اور ہادی اسے اتنا ذلیل نہ کرتا۔

لیکن بات یہاں خوب صورتی کی نہیں تھی۔ ہادی تو اپنا اشتعال اسے ٹارچر کر کے نکال لیتا۔ وہ اپنے ساتھ ہونے والے دھوکے کا بدلہ لے لیتا......شاید اسما کو قدم، قدم پہ ڈی گریڈ کر کے......قدم، قدم پر اس کی تذلیل کر کے وہ اپنے بے وقوف بنائے جانے کا انتقام لینا چاہتا تھا۔

اس رات وہ سر شام گھر آیا تھا پھر اس کا معمول بن گیا تھا۔ وہ جلدی گھر آتا اور ناشتا کر کے صبح فیکٹری چلا جاتا......اماں اور بابا اس کے معمول پہ بے انتہا خوش تھے......کم از کم تھوڑی سی اور بہتری کی شکل دکھائی دی تھی۔ انہیں آنے والے حالات سے اچھی امید تھی کہ نہ اچھا وقت زیادہ دیر ٹھہرتا ہے نہ برا......کبھی برے دن بھی اچھے دنوں میں ضرور بدلیں گے...... وہ اس آس اور امید کے ساتھ ہر چڑھتے سورج کو طلوع ہوتا، پھیلتا اور سکڑتا دیکھتے تھے۔

☆☆☆

اماں اور بابا کے سمجھانے بجھانے اور صائم کی لمبی، لمبی کالز پر لمبی، لمبی نصیحتوں کو وہ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا نہیں سکتا تھا۔ بہر حال یہ اس کے مقدم رشتے تھے۔ وہ ایک چڑیل کی خاطر اپنے پیاروں سے جھگڑے، لڑائیاں مول لے کر انہیں کیوں ناراض کرتا۔

گو کہ اس کے یہ بہت اپنے اس چڑیل کی خاطر اس کے ساتھ سوتیلوں سے بڑھ کر سلوک کرتے تھے۔ ہر کوئی اسما کی فکر میں مرا جا رہا تھا۔ وہ زری تھی یا عزہ......فدا تھا یا صائم......بس ایک کشف تھی اس کی پیاری بہن......جسے اپنے بھائی کے خوابوں، سپنوں اور خواہشوں کے اجڑنے کا صدمہ تھا......جو اپنے بھائی کی زندگی میں آئے اندھیروں پہ کڑھتی تھی......باقی سب تو اس اندھیرے سے سمجھوتا کر چکے تھے۔ بس کشف اور ہادی اتنا بڑا جگرا نہیں کر پائے۔

سو آج کل ہادی، عزہ اور صائم سے فون پر لمبی، لمبی باتیں کرنے کے بجائے اپنی بہن کشف سے دکھڑے روتا، فیکٹری میں کام ختم کرنے کے بعد اس نے کشف کو فون کھڑکا دیا......وہ بھی اسی کے فون کا انتظار کر رہی تھی سو فوراً ہی ریسیور اٹھالیا۔

"کیا کر رہے تھے؟ کیا گھر نہیں گئے؟"

"اپنے نصیبوں کو رو رہا تھا۔ گھر کس کی خاطر جاؤں......اس چڑیل کے لیے جو سب کچھ کرا کے بی بی حاجن بنی بیٹھی ہے......سب کی ہمدردیاں وصول کرتی ہے۔ میرا کسی کو خیال تک نہیں۔" ہادی کو موقع ملا

تھا۔ سو شروع ہو گیا...... ویسے بھی اسما کی برائیاں کشف کے علاوہ اور کوئی نہیں سنتا تھا۔ سو وہ جی بھر کے بھڑاس نکال کر ہی گھر جاتا۔

"میں تمہارا کرب سمجھتی ہوں ہادی! غم نہ کرو...... میں تمہارے ساتھ ہوں۔" ہادی کا دکھ کشف کے دل پر رقت طاری کر دیتا۔

"غم نہ کروں تو کیا کروں......؟ الٹا لٹک جاؤں؟ کسی دریا میں کود جاؤں؟" وہ تپ کر چلایا۔

"الٹا لٹکو مگر جگہ دیکھ کر...... کہیں چوٹ نہ آئے...... دریا میں کودنے کے لیے راوی مناسب ہے...... اس میں پانی کم ہوتا ہے...... یا ہوتا ہی نہیں۔" کشف نے سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔ ہادی کلس اٹھا۔

"بہن بنو، چڑیل نہ بنو......" ہادی کو غصہ آ گیا تھا۔

"چڑیل صرف ایک ہی تمہاری جان کے لیے کافی ہے۔ خبردار جو مجھے چڑیل کہا......" کشف نے تپ کر جتایا۔

"اچھا، غصہ مت کھاؤ...... میرے لیے کچھ سوچو...... میں کہاں جاؤں؟ کیا کروں......؟ ہر کوئی مجھے نصیحتیں کرنے پر تلا ہوا ہے۔ ہر کسی نے مجھے سمجھانے کی قسم کھا رکھی ہے۔ میرا اکلوتا دوست نگریز کب آئے گا...... میرے درد سننے، میرے درد کی دوا کرنے۔" ہادی نے کرب و اذیت کی لہروں سے نکل کر آہ و فغاں کی تھی۔

"نگریز بس اسی ہفتے میں آ جائیں گے۔" کشف کا لہجہ مٹھاس سے بھر گیا تھا۔

"پھر تم لوگ چکر ضرور لگانا...... میرا دل بھی بہل جائے گا۔ صائم بھی چلا گیا، میں کس سے اپنے دکھ کہوں......؟ نگریز بھی میری مدد کو نہیں تھا۔" ہادی کے اپنے ہی دکھڑے، بہت تھے۔

"جب نگریز نے کہا تھا۔ شادی دو ماہ ڈیلے کر لو...... وہ بھی شامل ہو سکے...... تب تو تمہارے کانوں پہ جوں تک نہیں رینگتی تھی۔ تم دو دن بھی شادی آگے کرنے والے نہیں تھے۔ اب نگریز کے لیے اپنے مطلب کو بے قرار ہو رہے ہو تا کہ اس کو اپنے دکھڑے سنا سکو......" کشف نے اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا وہ گلا کھنکھارتا رہ گیا۔

"مجھے کیا خبر تھی، میری زندگی تباہ ہونے والی ہے؟ ورنہ یہ شادی کرتا ہی نہیں۔"

"اب تو جو ہونا تھا ہو گیا......" کشف نے گہری سانس لی۔

"کم از کم تم تو یہ ٹیپیکل ورڈز مت بولو...... ہر ایک سے سن سن کر میرے کان پک گئے ہیں۔" ہادی چڑ گیا تھا۔

"تو پھر کیا کہوں......؟ تم ہی الو بن گئے تھے۔ کبھی ایسے بھی ہوا ہے؟ منگنی کسی سے، باتیں کسی سے، محبت کسی سے اور شادی کسی سے۔" کشف نے اس کے پٹھے پہ ہاتھ دھرا تھا۔ وہ کراہ بھی نہ سکا۔

"یہی میری کمزوری تھی۔" اس کا دل بھر آیا۔

"تو اب "وہ" کہاں ہے؟ تمہیں الو بنانے والی......؟" کشف کو اس پر شدید غصہ تھا۔ سامنے ہوتی تو اس کی گردن مروڑ دیتی......جس نے اتنی زندگیوں کا تماشا بنا دیا تھا۔

"وہ مجبور ہو گئی تھی۔ اس کا آخری میسج میں نے شادی کے بعد پڑھا تھا۔ تم جانتی تو ہو...... میرا موبائل گم گیا تھا۔ وہی موبائل جس میں میرا پرانا نمبر چل رہا تھا۔ مجھے وہ موبائل بعد میں ملا...... اس میں سیکڑوں ٹیکسٹ تھے اس کے......کچھ ایسے عجیب تھے جو میرا دماغ گھما گئے۔ جانے وہ خود کس اذیت اور تکلیف میں تھی۔" ہادی کنپٹیاں دباتا خود بھی الجھا دینے والی کشمکش میں مبتلا تھا۔ اس کا دل ابھی سے ہٹتا نہیں تھا...... وہ اسے بے قصور سمجھتا تھا اور گنہگار بس اسما تھی۔

"چھوڑو اس کی مصیبتوں کو اور تکلیفوں کو......اس نے کون سا ٹھیک کیا؟ بابا نے خود بتایا ہے انہوں نے تمہارا رشتہ اسما سے ہی طے کیا تھا۔ یہی تمہاری منگیتر تھی۔ جو بابا نے تمہارے لیے پسند کی۔ بیچ میں جس نے بھی انٹری ماری، سارا قصور اسی کا ہے......" کشف نے پہلی مرتبہ اسما کی حمایت کرنا چاہی تھی...... ہادی بے انتہا تپ کر جھنجلا گیا تھا۔

"تم کچھ نہیں جانتی کشف......!اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ یہ ساری سازش اسی چڑیل کی اور اس کے ابے کی تھی۔ بابا ابھی کا رشتہ لینے گئے تھے۔ اس چڑیل کے ابے نے چالاکی سے اپنی بیٹی کو میرے پلے سے باندھ دیا۔" ہادی نے اسی کے آخری میسج میں لکھے الفاظ دہرا دیے تھے۔ وہ شدید ہیجانی اذیت میں تھا۔ نہ کچھ کر سکتا تھا، نہ ابھی تک پہنچ سکتا تھا نہ اس کی تکلیف کم کر سکتا تھا۔ ہر طرف سے اس کے رستے مسدود ہو چکے تھے، وہ کیا کرتا۔

"اس نے مجھے مدد کے لیے پکارا تھا۔ اس نے مجھے بہت یاد کیا...... ہزاروں کالز کیں...... سیکڑوں میسج بھیجے...... اور میرا نمبر بند ہو گیا۔ میرا موبائل کھو گیا......میں نے دوسری سم بھی نہیں نکلوائی۔ اس

پچھتاوے سے نہیں نکل سکوں گا...... میں خود کو کیسے چین دلاؤں؟" وہ کرب کی اتھاہ میں گر کر کراہا تھا۔

"ہادی......! میں تمہاری تکلیف کو سمجھتی ہوں...... لیکن اب کیا ہو سکتا ہے؟ کچھ بھی بدل نہیں سکتا......بابا اور اماں، اسما کے لیے بہت بچی ہیں۔" کشف نے اسے احساس دلانا چاہا۔

"بابا اور اماں کی وجہ سے مجبور ہوں۔ ورنہ اس چڑیل کو مزہ چکھا دیتا۔" ہادی نے دانت کچکچائے تھے۔

"اچھا......اب گھر جاؤ، دیکھو وقت کیا ہو رہا ہے؟ ابھی دو دن پہلے اماں سے وعدہ کیا تھا تم نے جلدی گھر آنے کا۔" کشف نے نرمی سے اسے ٹوکا۔ تب وہ دل پر بھاری بوجھ لیے فیکٹری سے باہر آ گیا۔

جیپ تک آنے کے بجائے اس نے پیدل گھر جانے کو ترجیح دی تھی۔ وہ جیبوں میں ہاتھ ڈال کر بڑے مضطرب انداز میں سڑک پر چل رہا تھا۔

اس کی زندگی میں کیسی فلمی سچویشن بنی تھی۔ ایسا تو ڈراموں یا افسانوں میں ہوتا تھا۔ کم از کم ہادی نے اب تک ایسی کوئی سچویشن نہیں دیکھی تھی۔ اس کے ساتھ اپنی طرز کا ایک الگ ہی کیس ہوا تھا۔

وہ شروعات سوچتا تو حیران رہ جاتا......جو کچھ اس کے ساتھ ہوا تھا کیا ایسا عام زندگی میں بھی ہوتا تھا؟

وہ چلتا، چلتا گھر پہنچ گیا تھا۔ جیسے ہی مرکزی دروازہ کھول کر وہ اندر پہنچا...... پھولن دیوی ڈکاریں مارتی نظر آئی تھی۔ اسما اسے سیون اپ میں نمک ڈال کر دے رہی تھی۔ یعنی شروعات ہی خراب تھی۔ آتے ہی سامنے نظر آ گئی۔ اس کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ وہ تن فن کرتا اپنے کمرے میں چلا گیا پھر نہا کر تھوڑے اعصاب ڈھیلے ہوئے تو سکون آیا پھر وہ اماں کے کمرے میں چلا آیا تھا۔ اماں اسے دیکھ کر کھل اٹھی تھیں لیکن ان کی طبیعت ناساز لگتی تھی۔ جیسے ہی وہ اماں کے قریب بیٹھا اسما ایک مرتبہ پھر ٹپک پڑی تھی۔ پھولن دیوی کی خدمتوں کے بعد اب اماں کو ہاتھوں پہ ڈالا جا رہا تھا۔ پہلے انہیں زبردستی دودھ پلایا

تھا پھر اُن کا سر دبانے بیٹھ گئی تھی۔ ہادی سے یہ ڈرامے بازیاں برداشت نہیں ہو سکتی تھیں۔ اس کے نتھنے پھول گئے تھے۔ یعنی پرائیویسی کا یہ حال تھا۔ وہ اپنی ماں کے ساتھ اکیلے میں بیٹھ بھی نہیں سکتا تھا۔

''پھولاں کی طبیعت ٹھیک ہوئی ہے؟'' اماں نے اسما کے نرم ہاتھوں کو پکڑ کر پوچھا۔ وہ اسے سر دبانے نہیں دے رہی تھیں۔

''کون اماں......؟'' وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔

''یہی بیٹا! پھولن دیوی...... نام تو اس کا پھولاں ہے...... یہ صائم اور ہادی نے بیچاری کو پھولن دیوی بنا رکھا ہے۔'' اماں نے وضاحت کی تو اس نے سمجھ کر سر ہلا دیا...... وہ اماں کا متواتر سر دبا رہی تھی۔ ہادی سے رہا نہیں گیا تو پوچھنے لگا حالانکہ کب سے اخبار پکڑے بے نیاز بنا بیٹھا تھا۔ مگر اماں کی کراہ پر متفکر ہو گیا۔

''سر میں درد ہے اماں، ڈاکٹر کے پاس لے چلیں۔''

''نہیں، ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت نہیں...... میری بیٹی نے سر میں تیل ڈالا ہے، مالش بھی کی...... اب تو آرام آرہا ہے۔'' انہوں نے پیار سے اسما کے ہاتھ تھپتھپائے۔ ہادی نے جل کر اخبار پر توجہ مبذول کر لی۔

''ہونہہ، ساری چالاکیاں ہیں...... جب میں نے منہ نہیں لگایا تو میرے ماں، باپ کو دوسرے حربوں سے مٹھی میں کر لیا......'' وہ دیکھ اخبار کو رہا تھا مگر سارا دھیان ان دونوں کی طرف تھا۔

''پیٹ میں تکلیف تھی اسے...... قہوہ بنا کر دیا ہے، پہلے سیون اپ پلائی...... اب کچھ بہتر محسوس کر رہی تھی۔'' اسما شاید پھولن دیوی کی طبیعت کا احوال بتا رہی تھی۔

''نامراد کھاتی بھی تو بے دریغ ہے۔ یہ نہیں سوچتی، پیٹ تو اپنا ہے۔ اتنا ہی ڈالے جتنا پیٹ سہہ سکے...... بدہضمی کروا کے آئے دن بیٹھ جاتی ہے۔'' اماں نے تبصرہ کیا تھا۔ وہ ان کی باتوں پر بور ہونے لگا۔

''یہ کوئی باتیں ہیں کرنے کی...... اُف، نری بوریت......'' وہ اٹھنے کو پر تول رہا تھا جب اماں نے اسے روکا۔

''فون آیا تھا تمہاری بہن کا......'' وہ اسے اطلاع دے رہی تھیں یا کوئی خاص بات کہنا چاہتی تھیں؟

''مانسہرہ سے یا دبئی سے؟'' ہادی نے چونک کر پوچھا۔

''مانسہرہ سے۔'' اماں کے لہجے میں بیٹی کے لیے پیار تھا۔ ''تم دونوں کو دعوت پہ بلایا ہے۔'' انہوں نے اسما اور ہادی سے بیک وقت کہا تھا۔ وہ دونوں ہی بے ساختہ چونک گئے تھے۔ اسما حیران تھی...... اماں نے اس سے تو کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ شاید وہ چاہتی تھیں ان دونوں سے اکٹھا ہی ذکر کریں۔

ہادی بھی چونک کر اماں کی طرف دیکھنے لگا...... وہ جان بوجھ کر اسما کی طرف دیکھنے سے گریز برت رہا تھا۔ جب سے آیا تھا اک نگاہِ غلط بھی اسما کی طرف نہیں اچھالی تھی۔ ایسے نگاہوں پہ پہرہ لگا رکھا تھا جیسے اسما کو دیکھا تو گناہ ہو جائے گا۔

''مجھے تو نہیں کہا......'' ہادی کو حیرانی ہوئی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے تو بات ہوئی تھی۔ ''آپ منع کر دیتیں۔''

''اس کی ساس نے دعوت دی ہے۔ کیسے منع کرتی؟ تم بھی کمال کرتے ہو؟ کیا کشف کی ساس کو انکار کر دیتی؟ وہ بھی بلاوجہ...... ہمارے ہاں رواج ہے۔ شادی شدہ جوڑوں کو دعوت پر گھر بلانا پھر وہ تمہاری بہن کی سسرال ہے۔'' اماں نے خاصی خفگی کے ساتھ جتلایا تھا۔

''بہن کا سسرال ہے اسی لیے تو کہہ رہا ہوں...... آپ منع کر دیتیں...... بہنوں کے گھروں میں روٹیاں کھانے کا بھی ہمارے ہاں رواج نہیں، یہ آپ کو بھول گیا......؟'' ہادی کو نکتے پکڑنے تو آتے تھے۔ اماں کو خبر تھی...... وہ آسانی سے ہاتھ نہیں آئے گا۔ اسی لیے گدی سے پکڑا تھا۔

''تمہاری بہن کی سسرال اصل میں تمہاری خالہ

کا بھی گھر ہے۔ شاید تمہیں یاد آ گیا ہو...... آج کل تمہاری یادداشت خاصی کمزور ہی ہے۔ رشتے اور چیزیں بھولتی جارہی ہیں۔'' اماں بھی جیسے بھڑاس نکال رہی تھیں...... یا سر دبانے والی کی شہہ پا کر اسے سنا رہی تھیں۔ ہادی جھنجلا گیا۔

''آپ کہہ دیتیں...... اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔'' وہ سخت ناگواری سے بولا تھا۔ اسما چپ چاپ سنتی رہی۔ وہ بھی ہادی کی ناگواری دیکھ رہی تھی...... اور وہ جھنجلا اس لیے رہا تھا کہ اسما موجود تھی۔ وہ چاہتا تھا اسما باہر چلی جائے لیکن وہ بھی ڈھیٹ بن کر بیٹھی رہی...... آخر زچ کرنے والے کو تھوڑا زچ کر لینے میں کیا حرج تھا۔

''کیوں کہہ دیتی؟ یہ تو ہمارے ہاں کا رواج ہے۔ نئی دلہن کو اپنے رشتے داروں سے متعارف کروانے کا۔'' اماں بھی آج ہادی کے ضبط کا امتحان لے رہی تھیں۔ ابھی تو سر میں درد تھا۔ تبھی ہاتھ ہولا رکھا تھا۔ ورنہ اس کی اچھی بھلی کلاس لے لیتیں۔

''میں نے اسے بتا دیا ہے اتوار کو اسما اور ہادی آئیں گے۔'' اماں نے اس کے سر پر دھماکا کیا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔ جیسے اسے یقین نہ آیا ہو۔

''اماں......؟'' وہ جھنجلا گیا پھر خواہ مخواہ غصہ کرنے لگا...... سو دلیلیں دیں، ایک سو ایک دلائل دیے مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات...... اماں نے اس کے احتجاج کو کسی خاطر میں نہیں رکھا تھا۔ وہ صاف اسے نظر انداز کر رہی تھیں۔ وہ اسما کو نظر انداز کر رہا تھا...... اس کی جھلاہٹ اسما کو بڑا مزہ دے رہی تھی پھر اسے مجبوراً اماں کی دوا لینے باہر آنا پڑا...... جب وہ دوبارہ اندر آئی تو اماں اپنے اصرار اور جلال سے اسے منا چکی تھیں اور اس کا منہ پھولا ہوا تھا۔

اماں نیم دراز تھیں۔ ان کا سر درد اب بہتر تھا تاہم ایڑھیوں میں جلن ہو رہی تھی۔ اسما نے ہاتھوں میں لوشن لے کر اماں کے پیروں کی طرف آ کے ان کی ایڑھیوں کا مساج کیا تو انہیں بہت سکون ملا۔ اماں کی پائنتی کی طرف ہادی ایزی چیئر پر بیٹھا ایک مرتبہ پھر اخبار میں گم تھا۔ تاہم وہ اسما کا پائنتی کی طرف آنا محسوس کر چکا تھا۔ اس کی کرسی قریب ہی رکھی تھی۔ وہ اسما کو نظر انداز کرتا اخبار چھوڑ کر اپنی جگہ سے اٹھا اور دوسری طرف گھوم کے اماں کی پائنتی پر بیٹھ گیا۔ یوں کہ ایک طرف اسما کھڑی اماں کے پیر دبا رہی تھی دوسری طرف ہادی ان کے ہاتھ پکڑے بیٹھا تھا...... اور نرمی سے دبانے لگا تھا...... اماں نے اس کا ہاتھ پکڑ کے چوم لیا لیکن مخاطب وہ اسما سے ہوئی تھیں۔

''اسما بیٹا! بس کرو، تم بھی تھکی ہوئی ہو...... اب آرام کرو میری بچی......'' اماں نے بڑے پیار کے ساتھ اسما کو روکا تو وہ اپنی ازلی نرم ہموار آواز میں بولی۔

''اپنے گھر کے کاموں میں تھکاوٹ کیسی اماں......! پھر مجھے تو عادت ہے، آپ کو آرام آیا......؟'' اس کی ملائم آواز میں خاصا جتاتا ہوا تاثر تھا جیسے ''اپنے گھر'' پہ خاص طور پر زور دیا ہو۔ ہادی پہ ایک مرتبہ پھر جھلاہٹ سوار ہوئی تھی۔ پہلی مرتبہ اس نے مڑ کر اسما کی طرف دیکھنا چاہا تھا لیکن اس کی نگاہ اسما کے چہرے تک نہیں جا سکی تھی۔ وہ اس کے ہاتھوں کو دیکھتا لمحہ بھر کے لیے ساکت ہوا تھا۔ اس کے سانولے ملائم اور نفیس ہاتھوں کی لرزش واضح تھی جیسے وہ ہادی کی نگاہ کا تاثر محسوس کر چکی تھی۔ اور وہ اس کی انگلی میں اپنی پہنائی انگوٹھی دیکھ کر دنگ تھا۔ ننھا سا ہیرا بیش قیمت انگوٹھی میں جگمگا رہا تھا...... یوں کہ آنکھوں کو خیرہ کرتا نظر آیا۔ ہادی کی سانسیں ایک دم تیز ہو گئی تھیں۔ اس کا دل اچانک بہت زور سے دھڑکا تھا۔ شاید اندر کوئی تغیر رونما ہوا تھا؟ وہ اس تیزی سے گھبرا کر اپنی جگہ سے اٹھا کہ اماں کا پورا پلنگ ہل گیا۔ اسما تک گھبرا کر پیچھے ہٹی تھی۔ اماں مارے فکر کے لیٹے سے اٹھ بیٹھیں۔

''ہادی، آئے ہائے کیا ہوا ہادی! تم ٹھیک تو ہو؟'' اماں کا مارے پریشانی کے برا حال تھا...... وہ اس کا گھبرایا گھبرایا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔ جس پر پسینے کے قطرے

اچانک رونما ہوئے تھے۔ اتنی ٹھنڈ کے باوجود......

"تم ٹھیک ہو بیٹا......؟" اماں بے چین ہوگئیں۔

"نہیں اماں......! میں ٹھیک نہیں...... جانے کیا ہوا ہے؟ سینے میں پکڑ دھکڑ چل رہی ہے جیسے اندر کچھ ہوا ہو...... کوئی گڑ بڑ......" وہ بے ربط بولتا واقعی گھبرایا ہوا تھا...... پھر اماں کی بات سننے کے لیے رکا نہیں تھا۔ جلدی سے باہر نکل گیا...... اماں ہکا بکا رہ گئی تھیں۔

"اسے کیا ہوا ہے، کیسی گڑ بڑ......؟ کون سی تکلیف...... مجھے بہت پریشانی ہے۔ جانے اسے کیا ہوا؟ یہ لڑکا امتحان بنتا جارہا ہے۔ کچھ سمجھ نہیں آتا...... پل میں کچھ پل میں کچھ...... تمہارے ساتھ تو اس کا برتاؤ ابھی تک اجنبی ہے۔ میاں، بیوی والی بات ہی نظر نہیں آتی۔ فدا اور زری، صائم اور عزہ جیسی حقیقی ہنسی کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ جانے یہ کب سنبھلے گا...... عجیب و غریب باتیں کرتا ہے۔ دل کی پوری رضامندی کے ساتھ تم سے شادی کی تھی پھر جانے کس کی نظر لگ گئی......" وہ ہادی کے بدلتے مزاج کے رنگوں کی عادی نہیں تھیں...... اس لیے بار، بار گلوگیر ہوجاتی تھیں۔

"اماں...... آپ پریشان نہ ہوں، سب ٹھیک ہوجائے گا۔ وقت گزرنے کے ساتھ، ساتھ سب اچھا ہوجاتا ہے۔" اسما نے ہمیشہ کی طرح انہیں تسلی دی۔

"پتا نہیں، کب اچھا ہوگا...... ایک ماہ سے اوپر ہوگیا تمہاری شادی کو...... اس لڑکے کے مزاج اب بھی ٹھکانے نہیں...... بٹی! تم ہی کوشش کیا کرو...... بیویوں کو سو طریقے آتے ہیں۔ وہ اعراض برتتا ہے تو تم ہی فاصلے مٹاؤ......" اماں کی آنکھوں میں امید چمک رہی تھی۔ اسما نے گہری سانس کھینچ کر اعصاب ڈھیلے چھوڑ دیے۔

"فاصلے تو تب مٹائے جاتے ہیں جب کوئی گنجائش نظر آئے۔" وہ اماں سے کہہ نہیں سکی تھی۔

"جانے کیسی بدگمانی کی گرہ ڈال رکھی ہے۔ کچھ دکھائی نہیں دیتا اسے۔ ورنہ تم سا ہیرا تو اندھیروں میں روشنیاں بکھیرے......" اماں کا تعریفی انداز اس کا سر جھکا گیا تھا۔ ہر ایک کی باطنی نگاہ ایسی شفاف نہیں ہوتی جو کھرے کھوٹے کی پہچان کر سکے، وہ اماں کو بتا نہیں سکی تھی...... ان کا بیٹا ظاہری نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اپنے ماں، باپ جیسی نظر اس کے پاس نہیں۔

"سب ٹھیک ہوجائے گا اماں......! نہ بھی ہوا تو میں آپ کی بیٹی بن کر ہمیشہ آپ کے پاس رہوں گی۔ آپ کو کبھی اکیلا نہیں چھوڑوں گی......" اس نے اماں کے ہاتھ نرمی سے اپنے ہاتھوں میں دبا لیے تھے۔ اماں آبدیدہ ہوگئیں۔

"جیتی رہو میری بچی! سدا سہاگن رہو...... ہمیشہ ہادی کے ساتھ ہنستی بستی نظر آؤ...... میں تمہیں ہمیشہ آباد اور خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔ ایسی سونی اور ویران نہیں...... وہ دن نہ جانے کب آئے گا؟ جب ہادی کو اپنی بے وقوفی کا احساس ہوگا......" اماں کا آزردگی اور رنجیدگی سے برا حال تھا...... وہ خود کو اسما کا گنہگار سمجھتی تھیں حالانکہ وہ دونوں بالکل اس معاملے میں بے قصور تھے۔ اب اسما انہیں کیا بتاتی؟ شاید ہادی بھی اتنا قصوروار نہیں تھا۔ یہ تو اسما کو اس کے اپنوں نے دوستی کے نام پہ لوٹا تھا۔ وہ اماں کو گلناز کی کمینگی بھری داستان بتا نہیں سکی تھی۔ اگر ہادی نے اماں، بابا اور سب سے چھپا رکھا تھا تو وہ کیوں اپنا بھرم توڑ دیتی۔

"اسما! میری بچی! تم خود ہادی کو رام کرو...... اس کی بدگمانی کو ختم کرو...... بیویوں کے پاس سو ہتھیار ہوتے ہیں...... بیٹا! مرد کا دل موڑنا کوئی مشکل کام نہیں، سجا بنا کرو...... اس کے آگے پیچھے پھرا کرو......" وہ اپنی سادگی میں اسے مشورے دے رہی تھیں۔ اسما کو نہ چاہتے ہوئے بھی ہنسی آگئی تھی۔ پھر اس نے اماں کا دل رکھنے کی خاطر سر ہلادیا تھا۔ اب وہ انہیں کیا بتاتی......؟ ان کا بیٹا اسے دیکھنا تک گوارا نہیں کرتا...... وہ سنگار کیا دیواروں کو دکھائے؟

"اچھا...... اب جا کر اسے دیکھو، جانے کیا ہوا؟ کھانا وغیرہ دو اسے۔" اماں نے اسے احساس دلایا تو

وہ گہری سانس کھینچ کر مرے، مرے قدم اٹھاتی اپنے کمرے کی طرف آ گئی تھی۔ دل پر بوجھ سا لد گیا تھا۔

☆☆☆

وہ اپنے کمرے میں آنے کے بجائے باہر نکل گیا تھا۔ سامنے ہی زیرِ تعمیر ایک مکان تھا۔ جس کے احاطے میں اینٹوں کے چبوترے بنے تھے۔ اینٹیں، ریت، بجری اور ساری بلڈنگ میٹریل سے بھری ہوئی، ہر طرف تعمیراتی لوازمات بکھرے تھے۔

اس وقت مزدور، مستری سب گھروں کو لوٹ چکے تھے۔ وہ احاطے کی خاموشی میں کچھ وقت گزار سکتا تھا۔ ابھی وہ اینٹوں کے چبوترے پہ بیٹھا ہی تھا۔ جب صائم کی کال آ گئی۔ اس کی وہی نصیحتیں تھیں۔ ساری پرانی باتیں، اسما کا دل ٹوٹنے کا احساس...... اور جو ہادی کا دل ٹوٹا تھا؟ اس کی فکر کسی کو نہیں تھی...... اس کے جذبوں کا جو مذاق اڑایا گیا تھا اس کا خیال کسی کو نہیں تھا۔ پھر اسی کے وہ میسج، جانے اس نے کن حالات میں کیے تھے۔

"میں آپ کو بہت کچھ بتانا چاہتی ہوں...... مگر مجھے لگتا ہے وقت ہمیں مہلت نہیں دے گا...... میرے دل پر بڑا بوجھ دھرا ہے۔ کیسے کہوں؟ کس طرح کہوں؟ بس اتنا جان جائیں، میرے اپنوں نے ہم دونوں کے درمیان اونچی فصیلیں کھڑی کر رکھی ہیں۔ میرے اپنوں نے مجھے دھوکا دیا جو میرا نصیب بن کر آیا تھا اسے زبردستی میرے پھوپا جی نے اپنی بیٹی کا نصیب بنا دیا......" آگے بھی بہت سی تفصیلات تھیں...... جن کا لب لباب یہی تھا کہ اسمارا کے ساتھ پورا دھوکا کیا گیا تھا۔ اور اسمارا کو رستے سے ہٹا کر بابا کے دوست نے اپنی بیٹی کا نصیبہ چمکا لیا تھا۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتے تھے۔ دھوکا دہی اور زبردستی سے گھر بنائے تو جا سکتے ہیں مگر بسائے نہیں جا سکتے۔

ہادی فی الحال اس بات پر کڑھ کر غصہ نہیں کھا رہا تھا۔ اس کی جھلاہٹ اور اشتعال کی وجہ کوئی اور تھی۔ ابھی صائم نے جو باتیں کہی تھیں انہی کے تناظر میں وہ

ماہِ رمضان کی فضیلت

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر صحیفے ماہ رمضان کی پہلی رات میں اترے۔

☆ حضرت موسیٰؑ پر تورات 6 رمضان المبارک کو نازل ہوئی۔

☆ حضرت عیسیٰؑ پر انجیل 13 رمضان المبارک میں نازل ہوئی۔

☆ حضرت داؤدؑ پر زبور 18 رمضان المبارک میں نازل ہوئی۔

☆ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن پاک 27 رمضان میں نازل ہوا۔

☆ اس ماہ مبارک میں حضرت خدیجہ الکبریٰ کا وصال ہوا۔

☆ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت ماہ رمضان میں ہوئی۔

اس مہینے کی خاص اہمیت یہ ہے کہ اس میں جنگِ بدر اور فتح مکہ کا عظیم الشان واقعہ پیش آیا۔

مرسلہ: امینہ عندلیب، سلانوالی

عجیب کشمکش کا شکار تھا۔

"اتنے دن ہو چکے ہیں...... میں نے تو سمجھا تھا کہ تمہیں کچھ عقل آ گئی ہوگی مگر تم تو وہی لکیر کے فقیر...... بات کو جانے نہیں دے رہے...... شرم کرو کچھ...... ایک لڑکی کے جذبات اور دل کے ٹکڑے کرنے کا جرم کر رہے ہو...... اور اس کا صبر مت آزماؤ...... بہتر ہے، حالات ٹھیک کرو۔ اچھے بچوں کی طرح اپنی زندگی میں سیٹل ہو جاؤ، خیالوں اور خوابوں سے نکل آؤ۔ تمہاری تو قسمت اچھی ہے...... اتنی قانع اور صابر بیوی ملی...... ورنہ کوئی اور ہوتی تو اپنی اس قدر تذلیل پہ تمہیں دن میں تارے دکھا دیتی اور پورے خاندان میں ہماری وہ بے عزتی ہوتی کہ حد نہیں...... اب بھی وقت ہے سنبھل جاؤ...... اسما بہت نائس ہے۔ قابلِ قبول، اچھے انداز و گفتار والی سلیقہ مند، باادب، خوش

مزاج، تمہیں اور کیا چاہیے...... ایک باکردار بیوی کے مل جانے پر بجائے شکر ادا کرتے کے تم الٹا اینٹھ رہے ہو...... کیا تم خود کو کچھ نہیں سمجھتے...... تمہاری بیوی کی زندگی میں آنے والے تم پہلے مرد ہو جسے اس نے آخری بھی سمجھ لیا ہے۔ ورنہ جس طرح تم اسے منہ بھر بھر کے دھتکار چکے ہو وہ تم پر لعنت ڈال کر چلی جاتی۔" صائم نے اس کی تفصیلاً کلاس لی تھی اور یہ صائم کی باتوں کا اثر تھا یا کچھ دیر پہلے ہونے والی ہلچل کی شدت کا گہرا پڑتا احساس...... اسما کی انگلی میں دمکتی انگوٹھی جو اس نے ابھی تک نہیں اتاری تھی۔ اس کی نرم، نرم آواز اور خوب صورت ہاتھ میں انگوٹھی کا بولتا ہوا احساس...... پورے ڈیڑھ ماہ بعد پہلی مرتبہ اس نے اسما پر نگاہ ڈالی تھی گو کہ اس کا چہرہ نہیں دیکھا تھا تاہم اس کا وہ ہاتھ اور انگوٹھی کی چمک ذہن و دل سے نکلنے سے قاصر تھی۔ اسی لیے اس پر جھلاہٹ سوار ہو رہی تھی۔ وہ اس احساس سے پیچھا چھڑوانا...... چاہتا تھا مگر ہر دفعہ منہ کی کھانی پڑی۔ یہ گہرا پڑتا کچھ بولتا احساس اس کے دل و دماغ کو شکنجے میں جکڑ رہا تھا۔

وہ خود پہ حیران تھا۔ اسما اسے آج اتنی بری کیوں نہیں لگی۔ اس کی سوچ یک لخت کیوں بدلی تھی۔ اندر تبدیلی کا احساس کیوں آیا تھا؟ وہ اسما کو متواتر کیوں سوچ رہا تھا؟ آخر یہ سب کیا ہو رہا تھا؟

"کیا میں اسما کی طرف مائل ہونا چاہتا ہوں؟ اس کے دھوکے، فراڈ اور منافقت کے باوجود......؟" اور صائم نے کہا تھا وہ دل سے اسما کے دھوکے، نفرت اور منافقت کو نکال کر چاہے بے دلی سے ہی سہی اگر ایک نظر اسما پر ڈالے گا تو یقیناً اس کے دل میں ایسا کوئی جذبہ ضرور پیدا ہوگا...... جو بہتری کے آثار سامنے لاتا۔

"کیا صائم کی بات سچ ثابت ہو رہی ہے؟" اس نے بے قراری سے سوچا۔

"نہیں، نہیں، ہرگز نہیں......" وہ خود کو بے ساختہ جھٹلانے لگا۔

"وہ ایک جھوٹی اور مکار لڑکی ہے...... اس نے میرے ساتھ ہی نہیں ایک جذبوں سے گندھی لڑکی کے کے ساتھ بھی برا کیا...... وہ دھوکا دہی سے میری زندگی میں آئی ہے...... میں اسے کبھی قبول نہیں کر سکتا......" وہ خود کو اپنے ارادوں میں قائم کر رہا تھا۔ وہ ایک عجیب کشمکش میں مبتلا تھا، دل اور بات کرتا...... دماغ اور......

"کیا پتا، اسما بے قصور ہو...... ساری چال اس کے باپ نے چلی ہو، وہ مجرم نہ ہو۔" دماغ اسے ایک نئی راہ دکھاتا تھا۔ دل کو کچھ اور کہتا...... ضمیر کچھ اور کہتا...... جذبات کچھ اور کہتے...... اس کے اندر ایک جنگ چھڑی ہوئی تھی...... ایک گہری کشمکش کی شاخیں اور جھاڑیاں بکھری تھیں۔ وہ ان میں الجھ، الجھ جاتا۔

"سب کہتے ہیں...... اسما اچھی لڑکی ہے، کیا پتا، وہ اچھی ہو۔ میں سب کو کیا جھٹلا رہا ہوں، کون سا اسما کو آزما چکا ہوں۔ سب کہتے ہیں اسے ایک موقع دینا چاہیے؟ کیا اس کی گنجائش ہے؟" وہ بری طرح الجھتا عجیب اذیت کا شکار تھا۔ اس کے اندر کچھ اور پکار اٹھ رہی تھی۔

"کیا میں اسما سے تعلق جوڑنے کا خواہش مند ہوں۔" اس کے دل نے سوال اٹھایا تھا۔ اور ہادی کے اندر بالکل اسی طرح کی پکڑ دھکڑ ہونے لگی تھی جو کچھ دیر قبل اماں کے کمرے میں اسے بے قرار ہو کے باہر نکلنے پر مجبور کر چکی تھی۔ ایسی ہی گھبراہٹ، گڑبڑ، ہلچل، دل یوں دھڑک رہا تھا جیسے پسلیاں توڑ کر باہر آ رہا تھا۔ اسے کیا ہو رہا تھا؟ کیوں ہو رہا تھا؟

وہ تو اسما سے نفرت کرتا تھا...... پھر وہ کیوں اس کے متاثرین میں شامل ہو رہا ہے؟ کیا وہ اس کی خوبیوں کا معترف ہو رہا تھا...... وہ خوبیاں جو ہر کوئی اس کے سامنے بڑھا چڑھا کر بیان کرتا؟ یا اس کی نرم روی کا؟ یا اس کی خوش اخلاقی کا؟ یا اس کے صبر و تحمل کا...... یا اس کی قناعت کا؟ یا اپنے والدین کے ساتھ اس کا حسن اخلاق دیکھ کر......؟ کیا وہ واقعی ایسی تھی اندر سے صاف شفاف؟ یا اپنی کسی چال کے تحت ڈھونگ رچا

رہی تھی؟ اپنی اچھائی ثابت کر رہی تھی؟ خود کو اعلیٰ و ارفع بنا کر پیش کر رہی تھی یعنی ستی ساوتری...... وہ شدید جھنجلاہٹ میں پتھروں کو ٹھوکریں مارتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے غصے میں اپنے بال نوچ لیے تھے۔

"کیا ہو گیا ہے مجھے؟ میں ایسا کچا تو نہیں تھا...... اگر اس کے ہاتھ خوب صورت ہیں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ میری غلط فہمی میں پہنائی انگوٹھی ابھی تک اس نے نہیں اتاری تو کیا ہوا؟ میرے دل میں اس کے لیے کوئی گنجائش نہیں...... قطعی نہیں...... ذرا بھی نہیں......" وہ خود کو بار، بار باور کروا رہا تھا۔

"میں نے اس سے محبت نہیں کی تھی...... میری محبوبہ کوئی اور تھی...... قسمت کی ستم ظریفی سے یا ان مکار لوگوں کی مکاریوں سے اگر کچھ الٹ ہوا ہے تو کیا ہوا...... وہ میرے دل سے نکل نہیں سکتی۔" اس نے خود کو یقین دلایا لیکن کوئی تھا جو اندر بیٹھا اسے کچوکے لگا رہا تھا، اسے چبھن دے رہا تھا۔ اس کی زیادتی کا احساس دلا رہا تھا۔ وہ خود سے بھی بے بس ہو گیا...... دل چاہ رہا تھا ہر چیز کو تہس نہس کر دے...... یا اپنی کچھ عرصہ پرانی والی زندگی کو واپس لے آئے...... جس میں کوئی تفکر، کوئی بے چینی کوئی ہلچل نہیں تھی۔

وہ کتنے پُر سکون اور مزے سے بھرپور دن تھے۔ جب وہ اپنی اماں اور بابا کے ساتھ ہنستے کھیلتے وقت گزارتا تھا کبھی بھائیوں سے گپ شپ لگائی...... کبھی اپنے جگری یار نگریز کی واٹ لگانے ماسہرہ چلا جاتا اور کبھی پھولن دیوی کو ناک تک عاجز کر دیتا۔

یہی گھر تھا جس میں قہقہے اور ہنسی کی چھنکار گونجا کرتی تھی...... مسرتوں کے دیے روشن ہوتے تھے۔ ہر وقت ایک گہما گہمی کا احساس رہتا پھر صائم اور فدا چلے جاتے تو ویسی بے رونقی چھا جاتی تھی۔ کیا اب بھی ایسے حالات تھے؟ فدا اور صائم کے بعد گھر میں اتنی خاموشی اور تنہائی تھی۔ شاید نہیں......؟ اب کچھ بدلا ہوا تھا۔

لیکن اس نے کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ ہاں اب ضرور کر رہا تھا...... پہلے کی طرح اماں کو تنہائی اور اکیلے پن سے شکوے نہیں ہو رہے تھے۔ ان کا دل اسما سے بہل گیا تھا۔

وہی اسما جو ایک خاموش کردار تھی پر اب کیوں اتنی شدت کے ساتھ اپنے ہونے کا احساس دلا رہی تھی؟ آخر کیوں......؟ ہادی کو تو اس کی پروا نہیں تھی وہ یہاں رہتی یا نہیں رہتی...... جہاں مرضی جاتی اس کی بلا سے۔ لیکن اب کیا ہوا تھا......؟ کچھ انہونا؟ کچھ انوکھا......؟

"نہیں...... مجھے اس کی ضرورت نہیں...... میں اتنا کمزور نہیں...... اس کے سامنے جھک جاؤں؟ اور اس کے قرب کی بھیک مانگوں......؟ وہ مجھے کیا سمجھے گی؟ ایک نفس پرست انسان...... میں ایسا نہیں ہوں...... مجھے اسما کی ضرورت نہیں ہے بالکل بھی نہیں......" اس نے سر جھٹک کر زیرِ لب بڑبڑا کے کہا تھا۔ وہ اپنے اندر ہونے والی کشمکش سے تنگ آچکا تھا۔

"وہ مجھے کیا سمجھے گی؟ ایک نفس پرست انسان......؟ وہ مجھ پر التفات نچھاور کرتی ہے اماں کے کہنے پر یا خود سے؟ کیا وہ چاہتی ہے میں اس کی طرف مائل ہو جاؤں، اسے توجہ دوں؟" ہادی ہونٹ کاٹتے ہوئے اب بھی بڑبڑا رہا تھا۔

"لیکن مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے جیسے آخری فیصلہ کر لیا تھا...... یوں اندر چھڑی جنگ رکی تو نہیں تھی تاہم کم ضرور پڑ گئی تھی...... ابھی وہ اینٹوں سے اٹھنا چاہتا ہی تھا جب کسی نے اس کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ کر دباؤ ڈالا تھا جیسے اسے اٹھنے سے روکا ہو...... جیسے ہی ہادی نے گردن گھما کر اپنے پیچھے دیکھنا چاہا وہ اپنی حیرت پر قابو نہیں پا سکا تھا۔ وہ لمحہ بھر کو بھونچکا سا رہ گیا۔ اسے امید نہیں تھی وہ یہاں آجائے گی۔ اس کے پیچھے اسما کھڑی تھی۔ ہاتھ میں جیکٹ لیے۔ خود کو شال میں لپیٹے اور اس کے الفاظ ہادی کو سرتاپا فریز کر گئے تھے۔ یوں کہ ہڈیوں کے گودے میں اترتی ٹھنڈ کا احساس تک نہیں رہا تھا۔

اس کی حیرت سے پھیلی آنکھیں اسما کے الفاظ پہ

کچھ اور پھیل گئی تھیں۔

"آپ کو میری ضرورت نہیں ہے لیکن مجھے آپ کی ضرورت ہے ہادی......" اس کے الفاظ اس کی شخصیت جیسے نرم اور ملائم تھے......اور اس سرد موسم میں اس کے لفظوں کی نرمی اور گرمی حرارت کا کام دے رہی تھی۔ ہادی سے چند لمحے بولا ہی نہیں گیا......اس کی زبان جیسے رک گئی تھی یا لفظ بہت ہلکے پڑ گئے تھے۔ اسے امید ہی نہیں تھی۔ وہ اس جگہ ہادی کو تلاش کرتی پہنچ جائے گی۔

بہت دیر بعد قدرے سنبھل کر ہادی نے اسما کو مخاطب کیا تھا......اس کی نگاہیں اسما پہ جم گئی تھیں شاید وہ شادی والی رات کے بعد اب اس کے چہرے کو اتنے غور سے اور قریب سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظروں میں اترتی تپش اسما کے رخسار تپا رہی تھی۔ اور اتنی شدید ٹھنڈ کے باعث اس کی ناک سرخ ہو رہی تھی۔

"تم یہاں کیوں آئی ہو؟" ہادی نے بہ مشکل اپنی نگاہوں کو اس کے چہرے سے ہٹا کر ادھر ادھر دیکھنا چاہا...... وہ شکلاً اتنی بری نہیں تھی...... قبول صورت ضرور تھی اگر وہ اس سے نفرت نہ کرتا ہوتا تو......؟ بظاہر وہ اچھی تھی...... قابل قبول......ہادی اسے قبول کر سکتا تھا۔ اپنے ماں، باپ کی پسند سمجھ کر...... اگر بیچ میں وہ سارا سلسلہ نہ ہوتا۔

"آپ کو یہ جیکٹ دینے......بغیر گرم سویٹر کے باہر نکل آئے تھے۔ اماں کو بہت پریشانی ہو رہی تھی۔" اسما نے نرم آواز میں جیسے وضاحت کی تھی۔ ہادی ایک بھوں اچکا کر جیسے چونکا تھا۔

"صرف اماں کو پریشانی ہو رہی تھی؟" ہادی کے لہجے میں اچانک تبدیلی در آئی۔ اس کا سوال اسما کو بھی چونکا گیا تھا۔ وہ اسما کے لبوں سے کیا سننا چاہتا تھا؟

"نہیں، مجھے بھی......" اسما کے جواب نے ہادی کی جھلتی انا کو خاصی تسکین پہنچائی تھی۔ اس کے لبوں پر ایک تیکھا سا تبسم ابھر آیا تھا۔

"کس خوشی میں......؟" اس کا اگلا سوال حیران کن تھا......وہ بات کو طول دے رہا تھا یا طنز کرنا چاہتا تھا۔ اس نے سنبھال کر اسے دیکھا۔

"اس خوشی میں نہیں...... پریشانی میں کہ آپ میرے شوہر ہیں...... اتنی ٹھنڈ میں باہر بیٹھ کر آوارہ چاہیں گے تو لازماً نمونیا ہو جائے گا۔" اسما کا جواب ہادی کو اچھا بھلا نشانے پر جا لگا تھا۔ اس کی ساری طراری ہوا ہو گئی تھی۔ وہ جان تو چکا تھا اسما بہت حاضر جواب ہے کچھ اس کے پیاروں نے بھی اسے اسما کی چیدہ، چیدہ خوبیاں ازبر کروادی تھیں سو حیران ہونا ترک کر کے وہ اسما کو مزید ستانا چاہتا تھا۔

"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے...... مجھے نمونیا ہو یا سرسام......" اس نے چبھتے ہوئے انداز میں کہا تھا۔

"فرق کیوں نہیں پڑتا......آپ بیمار ہوں گے تو لازمی طور پر روٹین ڈسٹرب ہو گی۔ آپ کی تیمارداری کرنا پڑے گی۔" اسما نے سہولت سے اسے بتایا۔ ہادی کی بھویں تن گئیں۔

"مجھے کوئی شوق نہیں تم سے تیمارداری کروانے کا......" اس کا لہجہ کڑا کے کا سرد تھا...... اسما کے لبوں پہ ایک بھرپور تبسم اتر آیا۔

"آپ کو شوق نہ ہو مجھے تو شوق ہے ناں......اور میرا فرض بھی بنتا ہے۔ آپ کو اگر حقوق و فرائض کا علم نہیں ۔ نادان، ناسمجھ، کم عقل معصوم بچے ہیں تو کیا ہوا...... میں تو اپنے فرائض کو اچھی طرح جانتی اور سمجھتی ہوں۔" اسما نے بڑے گہرے لہجے میں اسے اس کی ہر کوتاہی اور...... بے پروائی کا احساس دلایا تھا اور یقینی طور پر وہ سمجھ بھی گیا تھا۔ تاہم تسلیم کرنا اس کی شان کے خلاف تھا۔

"یہ تمہاری، استادی مجھ پر نہیں چلے گی......" اس نے کاٹ دار انداز میں جتایا...... "اپنے علم و فضل کا رعب...... کسی اور پہ ڈالنا سمجھیں۔"

"کوئی اور کیوں......؟ آپ کیوں نہیں...... جب سنائیں گے تو سنیں گے بھی...... اتنا حوصلہ اور ہمت ضرور رکھا کریں۔" وہ اسے دو لمحوں میں کیسی چوٹ مار گئی تھی۔ جب بات سمجھ میں آئی تو بلبلا اٹھا تھا۔

"تم مجھے "للکار" رہی ہو؟" مارے غصے اور اشتعال کے اس نے اسما کا بازو دبوچ لیا تھا۔ یوں کہ اسما اس حملے کے لیے تیار نہیں تھی۔ وہ پتھریلی بجری پر لڑکھڑا کر گرنے لگی۔ ہادی بے ساختہ چونکا پھر اسے غیر دانستگی میں سہارا دینا پڑا...... یوں کہ اسما اس کی بانہوں کے حصار میں تھی...... یہ اچانک آنے والی سچویشن تھی...... جس نے دونوں کو ہی بوکھلا دیا تھا۔ اسما اپنی جگہ شرمندہ تھی اور ہادی اپنی جگہ شرمندہ...... حالانکہ اس میں حرج ہی کیا تھا......؟ کون سا گناہ ہو گیا تھا اسما کو سہارا دے کر...... لیکن ہادی کی جھلاہٹ اور خفت کم نہ ہوئی۔ وہ خواہ مخواہ اسما پر چڑھ دوڑا تھا۔

"تم یوں اوچھے ہتھکنڈوں سے میرے نزدیک آنے کی کوشش نہ کرو......" ہادی کے اگلے الفاظ اسما کو مارے تذلیل کے لال کر گئے تھے...... وہ بہ مشکل سنبھل کر سیدھی ہوئی۔

"میں نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی۔" اس نے ہونٹ چباتے ہوئے پلکیں جھکا کر کہا۔ ابھی تک دل قابو میں نہیں تھا گو کہ حادثہ گزرے دو منٹ تو ہو چکے تھے۔

"وہ تو میں دیکھ ہی چکا ہوں۔" ہادی کا انداز گہرا کاٹ دار تھا...... "میرے لیے کھانے بناتی ہو، کپڑے تیار کرتی ہو...... ہر چیز کا خیال رکھتی ہو تاکہ میں نرم پڑ جاؤں، تم پر التفات کی بارش کر دوں، تمہاری طرف مائل ہو جاؤں۔ تمہیں ستی ساوتری تسلیم کر لوں...... لیکن ایک بات سن لو...... مجھ سے توجہ اور التفات کی برسات کے متعلق توقع تو اپنے وہم و گمان میں بھی مت رکھنا...... میں بارش تو کیا بوند تک کا تمہیں حق دار نہیں سمجھتا......" ہادی کے الفاظ مارے توہین و تذلیل کے اسے لہو رنگ کر گئے تھے۔ اس کی ناک لال انگارہ ہو گئی تھی۔ اور شدت ضبط سے گال تپ اٹھے تھے۔ پھر بھی اس نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا۔

"آپ کا خیال رکھنا میرا فرض ہے۔ میں اپنے فرائض سے کوتاہی کیوں کروں......؟ کیوں گناہ گار بنوں؟ آپ اپنے حقوق سے بے شک اعراض برتیں...... یہ آپ کا معاملہ ہے۔ میں اپنے معاملوں میں کلیئر ہوں۔ ایک دم کلیئر...... آپ اپنی سوچ کے مطابق جو مرضی کہہ لیں......" اس کا جواب سن کر ہادی اپنے آپے میں نہیں رہا تھا۔

"یعنی تم مجھے گھٹیا اور نیچ سوچ رکھنے والا کہہ رہی ہو؟" ہادی کی آواز مارے غصے کے جھرجھرا گئی تھی۔ اسما نے پھر سے تحمل کا مظاہرہ کیا۔

"میں نے یہ کب کہا ہے؟"

"تمہاری بات کا مطلب تو یہی تھا......" وہ جیسے غرا کر بولا۔

"مطلب تو بہت سی باتوں کے بہت سے نکلتے ہیں۔ غور کرنے پہ بیٹھے تو زندگی گزر جائے گی......" اسما کا انداز ناصحانہ تھا۔ ہادی اس کی نرمی پا کر مزید تیخ پا نہیں ہو سکا تھا۔ ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کچھ اور بھڑاس نکل جاتی۔ تھوڑا دل میں گھسا غصہ کم پڑ جاتا۔

پھر اس نے جان بوجھ کر بات گھمائی۔

"تم میرا پیچھا کیوں کر رہی ہو؟" کچھ دیر بعد اسے اعتراض کے لیے ایک نکتہ مل ہی گیا تھا۔ اسما نے گہری سانس کھینچ کر اس کا اعتراض قبول کیا۔

"اس لیے کہ آپ پہ نظر رکھنا میرا فرض ہے۔" اب کے اسما ہلکا سا مسکرائی بھی تھی۔

"تاکہ آپ کی تانکا جھانکیاں میری نگاہ میں رہیں۔" اس نے جملہ مکمل کر دیا تھا۔

اب وہ ہادی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جس کا گورا رنگ کچھ سردی کی شدت اور کچھ غصے کی گرمی سے تپ رہا تھا۔ اس کے جواب نے اسے خوب تلملایا تھا۔

"تمہارے اور کون، کون سے فرائض ہیں؟ مجھے ایک ہی دفعہ بتا دو...... تاکہ میں محتاط ہو سکوں۔" وہ کلس کر بولا۔

"کیسی چالاک لڑکی ہے، مجال ہے جو ہار جائے...... دو بدو بولے جا رہی ہے۔ ذرا بھی لحاظ اور مروت نہیں۔ منہ پھاڑ کے شوہر کو جواب دے رہی ہے...... اور اماں بتا رہی تھیں کہ کم گو ہے، بولتی نہیں......

اب اماں یہاں آکر دیکھیں...... کم گو بہو کے جوہر، اتنی لمبی زبان ہے۔ شیطان کی آنت سی...... اتنا باعلم بنتی ہے۔ سارے زمانے کی عالم فاضل...... اتنا پتا نہیں شوہر کو اتنا بھی بتاتے نہیں...... اگر وہ بیچ میں پٹ جائے تو...... لاحول ولا قوۃ...... یہ میں کیا خود کو شوہر، شوہر کا خطاب دے رہا ہوں۔ حد ہے یار! میں نہیں ہوں اس زبان دراز، فراڈن، مکارن کا شوہر......" وہ جلبلاتا ہوا پیچ وتاب کھا رہا تھا۔

"فرائض کی حقیقت آہستہ، آہستہ کھل کر سامنے آئے گی۔ اتنی بھی کیا جلدی ہے؟ ابھی تو آغاز سفر ہے...... پچاس ساٹھ سال تو ہمیں اکٹھے رہنا ہی ہے......" اسما نے مسکرا کر جیکٹ اپنے دائیں بازو پر منتقل کرلی تھی کیونکہ ہادی نے جیکٹ پہننے سے انکار کردیا تھا...... وہی ذاتی انا کی بنیاد پر کہ ناک نیچی ہوتی تھی...... اور ابھی صرف ایک شرٹ پہن کے کھڑا تھا جو اتنے سرد موسم میں بہت ناکافی تھی۔

اسما کو شدید ٹھنڈک کا احساس ہو رہا تھا گو کہ اس نے گرم سویٹر اور شال بھی اوڑھ رکھی تھی۔ پھر بھی ٹھنڈ ہڈیوں میں گھس رہی تھی اور اس نے کمال بے تکلفی سے جیکٹ کو بازو سے اتارا اور شال ہٹا کر خود پہن لی۔

وہ آنکھیں پھاڑے ہیں، ہیں کرتا اس کی...... کارروائی دیکھ رہا تھا۔ جب اسما نے جیکٹ پہن کر زپ بند کی تو ہادی تڑخ کر رہ گیا۔

"یہ تو جوتوں سمیت آنکھوں میں گھستی ہے۔ اسکی دیدہ دلیری......؟ اور ابھی میری فکر کا راگ الاپ رہی تھی۔ یہی فکر تھی کیا؟ صرف ایک مرتبہ کہا کہ "جیکٹ پہن لو" میں نے انکار کیا تو خود پہن لی...... حد ہے......" وہ شدید سلگن کا شکار دل میں سوچے جا رہا تھا۔

"آپ کی جیکٹ بہت گرم ہے۔ بڑا سکون آیا......" اب وہ جان بوجھ کر اسے جلانے کی غرض سے جیکٹ کی تعریفوں میں زمین آسمان کے قلابے ملا رہی تھی۔

ہادی لمحہ بھر کے لیے سوچتا رہا۔ اسے کون سا پھڑ کتا جواب دے؟ جس سے اس کی بولتی بند ہو سکے۔

"میں خود بھی بڑا گرم ہوں...... چاہے تو آزما سکتی ہو۔" ہادی کا انداز معنی خیز ہو گیا تھا۔ اس نے آنکھوں میں ڈھیر سارا طنز بھر کے اسے بغور دیکھا تھا...... وہ اس کے دیکھنے اور بولنے پر شدید گھبراہٹ کا شکار ہوئی تھی۔ ایک لمحے کے لیے گڑبڑا بھی گئی تھی پھر اس نے خود پر قابو پا لیا لیکن اس کا لہجہ اب ہموار نہیں تھا۔ ہادی کو بڑا ہی مزہ آیا۔ یعنی اس کے لفظوں نے اسما کو بوکھلانے پر مجبور کردیا تھا۔ اس کا اعتماد ڈانواں ڈول ہوا تھا۔ ہادی کو بڑی کامیابی کا احساس ہوا۔ یعنی وہ آئندہ بھی ایسی صورت حال کری ایٹ کر کے اسما کے اعتماد کی بنیادوں کو ہلا سکتا تھا۔

وہ اسما کو زچ کر سکتا تھا۔ اسے باتوں کے تیروں سے زیر کر کے میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور کر سکتا تھا؟

ہاں وہ ایسا کر سکتا تھا۔ تب اسما خود بخود اس سے تنگ آکر اس پر لعنت بھیج کر واپس چلی جاتی...... وہ اماں اور بابا کے سامنے مظلوم بن کر سرخرو ہو جاتا...... اس کے بعد ہادی کی من پسند زندگی کا آغاز ہو جاتا۔ کتنا زبردست خیال اس برفیلے موسم میں آیا تھا۔

وہ گھر جاتے ہوئے پہلی مرتبہ اتنے عرصے بعد ایک ترنگ اور ایک تازگی محسوس کر رہا تھا اور ان دونوں کو ساتھ، ساتھ اندر آتے دیکھ کر اماں اور بابا مارے خوش فہمیوں کے خوشی سے نہال ہو رہے تھے۔

کہتے ہیں پتھر میں بھی جونک لگ جاتی ہے اور قطرہ قطرہ پانی پڑنے سے پتھر میں بھی سوراخ ہو جاتا ہے تو ہادی کا دل تو پھر بھی گوشت پوست کا تھا...... کیا اسما کے لیے اس کے دل میں نرم گرم جذبات سر ابھار رہے تھے یا وہ کچھ اور ہی منصوبہ بندی کر رہا تھا...... ہادی کے دل کا اصل حال جاننے کے لیے پڑھیے جولائی کا عید نمبر

درگاہ کے چار دیے جلا کر پانچواں ہتھیلی پر رکھ کر جلایا اور آنکھیں بند کر کے اس نے اگر بتی کی مہک کو اپنے اندر اترتا محسوس کیا پھر جیسے آئی تھی ویسے ہی الٹے قدموں درگارہ سے باہر نکلی......اور سیڑھیاں بھی اتر گئی۔ درگاہ کے اندر جو ٹھنڈک تھی، باہر تو اس کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ عین دوپہر میں جہاں اس کے قدم پڑ رہے تھے۔ تپتی زمین تھی۔ اس کے قدم خود بخود درگاہ میں رکھے مٹی کے منکوں کی جانب بڑھ گئے۔

پانچواں دیا

ملیحہ عنصر مغل



مٹکے میں سے پانی پیالے میں بھرا اور مٹی کے پیالے میں بھرا ہوا پانی غٹا غٹ پی گئی پہلے گھونٹ سے ہی لگا جیسے اندر تک سکون اتر گیا ہو۔ طمانیت سے نجی نے آنکھیں بند کرلیں۔

☆☆☆

"بیگم صاحبہ جوس پی لیں۔" ملازمہ کی آواز پہ حزنہ شاہ نے تھکی تھکی آنکھیں کھولیں۔ تپہ آسائش کمرا، اے سی کی بے انتہا ٹھنڈک، اس کے وجود پہ پھیلا ہوا کمبل...... اس نے ایک نظر کمرے پر ڈالی اور ملازمہ کو باہر جانے کا اشارہ کیا اور جوس کا گلاس لبوں سے لگایا۔ پہلا، دوسرا، تیسرے گھونٹ کے ساتھ ہی اس کے اندر کڑواہٹ مکمل گئی۔ گلاس واپس رکھ کر ایک دفعہ پھر اس نے بیزاری سے آنکھیں بند کرلیں۔

☆☆☆

"نجی تو پانی میں اپنی ٹانگیں نہ ڈالا کر۔" پروین نے خفگی سے کہا۔

"مگر کیوں؟" نجی نے خفگی سے اسے دیکھا۔

"میری بھولی ٹانگوں کے ساتھ تیری گوری پنڈلیاں زہر لگتی ہیں مجھے۔" اس کی بات پر نجی نے زور سے قہقہہ لگایا اور اچھل کر کھڑی ہوگئی۔ ایسا کرنے سے اس کی لمبی چوٹی کے پراندے کے گھنگھرو بج اٹھے۔ اور یہی وہ لمحہ تھا کہ جب نجی بے خبر تھی کہ اس کے گھنگھروؤں کا شرگی اور کے دل کے تار بھی چھیڑ بیٹھا ہے...... اور وہ سوچ رہا ہے کہ ہنسی زیادہ سُریلی تھی یا گھنگھروؤں کی آواز......

☆☆☆

"نجی او نجی!" اماں لگاتار آواز دے رہی تھیں مگر اس کا دھیان وہاں ہوتا تب ناں...... وہ تو اس وقت درگاہ میں جھاڑو لگانے میں مگن تھی۔ اماں نے سر پہ پہنچ کر جھاڑو چھینا تو ہوش آیا۔

"کتنی بار بولا ہے اس وقت درگاہ پہ نہ آیا کر پرتو ہے کہ......"

"اماں میری پیاری اماں کل تو مجھے چلے جانا ہے تو سوچا کہ آج درگاہ کی صفائی کردوں۔" وہ اماں کو پیار سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"اچھا چل تیرا ابا انتظار کررہا ہے۔ کملی ہے بالکل......" وہ ہر بار ابا ہی کی سائیکل پر اڈے تک آتی تھی اور بڑی سڑک سے بس پکڑ کر شہر چلی جاتی تھی۔

☆☆☆

حزنہ شاہ کو آج بڑے اسپتال چیک اپ کو جانا تھا۔ بی بی جان نے ڈرائیور کو کہہ دیا تھا کہ گاڑی میں پردے کا خاص انتظام کردے۔ حزنہ جب بڑی والی چادر میں اپنے وجود کو چھپائے باہر آئی تو بہت ساری نظریں اس کو اپنی طرف اٹھتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ لیکن اسے کسی چیز سے کوئی غرض نہیں تھی، اس کی بیزاری عروج پر تھی۔ وہ کسی بھی نظر کا مفہوم جانچے بغیر بی بی جان کے پیچھے دالان سے نکلتی چلی گئی۔

☆☆☆

"ابا آخر تم نئی سائیکل کیوں نہیں لے لیتے......"

ہر بار کی طرح اس بار بھی سائیکل آدھے راستے میں بے دم ہوگئی تھی۔ نجی نے آج نیلا لان کا سوٹ پہنا تھا جو پسینے میں بھیگ گیا تھا۔ وہ دوپٹے سے اپنا منہ پونچھ رہی تھی کہ راستے میں حویلی کی پراڈو ان کے پاس آکر رک گئی۔ نجی جلدی سے ابا کے قریب ہوگئی۔ گاڑی کا شیشہ نیچے ہوا اور کسی نے اپنی گمبھیر آواز میں ابا کو پکارا۔ ابا نے اسے بتایا کہ مرشد سائیں ہیں اور خود ان سے بات کرنے لگے۔ ابا نے تھوڑی دیر ان سے بات کی اور پھر کھیتوں میں کام کرتے چمن کو اپنی سائیکل دے دی کہ اسے گھر پہنچا دے۔ اور نجی کو گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ نجی جھجکتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گئی۔ گاڑی میں بیٹھ کر نجی کو اندازہ ہوا کہ یہ مہربانی چھوٹے مرشد سائیں کی تھی پھر گاڑی میں بیٹھ کر وہ اپنے خیالوں میں کھوگئی اور اس کو اندازہ بھی نہ ہوا کہ وہ تو بے دھیانی میں کھڑکی سے باہر دیکھ رہی ہے مگر کسی کی نظریں اس کی گھنگھریالی لٹوں میں ابھی سارا راستہ اس کے چہرے کا طواف کرتی رہیں۔

☆☆☆

"زونی، تم یہ اتنا گند کیوں پھیلاتی ہو روم میں، میں کسی دن واقعی اپنا روم بدل لوں گی۔" مریم اس کی چیزیں سمیٹتے ہوئے بولے جارہی تھی اور وہ ڈھیٹ بنی مزے سے ٹانگیں پھیلا کے لیٹی ہوئی تھی۔ تنگ آکر مریم نے کتاب اس کے سر پر ماری تو وہ ہنس پڑی۔

"سچ کہوں مریم تمہارے پیار نے مجھے بگاڑ دیا ہے۔" اور مریم بھی زور سے ہنس پڑی۔

مریم کراچی ہی کی رہنے والی تھی لیکن گھر میں جوائنٹ فیملی کی وجہ سے اس نے ہاسٹل میں رہنے کو ترجیح دی تھی کیونکہ گھر میں اس کو پڑھنے کا موقع ہی نہیں ملتا تھا اور زونی کراچی سے دور رہائش کی وجہ سے ہاسٹل میں رہنے پر مجبور تھی۔ چار سال سے وہ دونوں روم میٹ تھیں۔ دونوں کی دوستی بے مثال تھی۔ مریم کی بی اے کے بعد اپنے کزن کے ساتھ شادی طے تھی جبکہ زونی کو ابھی بہت آگے بڑھنا تھا۔

آج زونی کا پہلا پرچہ تھا۔ وہ جلدی، جلدی چیزیں سمیٹ رہی تھی...... مریم کا آج پیپر نہیں تھا وہ لمبی تان کر سورہی تھی۔ ابھی وہ چیزیں سمیٹ کر نیچے اترنے والی تھی کہ وارڈن نے اس کے کسی ملاقاتی کا بتایا۔ وہ کاؤنٹر تک گئی کہ ملاقاتی کا نام معلوم کرسکے مگر فضہ...... (ریسپشنسٹ) نے اسے ایک ڈائری پکڑائی۔ ڈائری اسی کی تھی مگر اسے بہت سوچنے پر بھی یاد نہیں آیا کہ اس نے اس ڈائری کو کہاں کھودیا تھا۔ پیپر کو دیر ہورہی تھی سو وہ سر جھٹک کر باہر کی طرف چل دی۔ پیپر شروع ہونے میں تھوڑی دیر باقی تھی۔ نہ جانے اس امتحان میں یا اس کی زندگی کے امتحان میں۔

☆☆☆

"بجی کے ابا آپ میری بات مان لیں۔ بجی کے اتنے رشتے آتے ہیں۔ آپ بجی کی شادی کردیں...... دمی سوچتی ہو تو اس کی شادی اور بھی جلدی کردینی چاہیے اور وہ تو اکیسویں سال میں بھی لگ گئی ہے۔"

ابا حقے کی نے منہ میں دبائے سوچ رہے تھے کہ بیوی کو کیا جواب دیں۔ کہہ تو وہ بھی ٹھیک رہی تھی مگر وہ

بے بسی

وہ اکثر مجھ سے کہتا ہے
سنو جاناں......
یہ گہری آنکھیں
یہ کھوکھلی ہنسی
ان کا راز بتاؤ ناں
کچھ ٹوٹا کیا؟
کچھ کھویا کیا؟
تو میں......
میں ہر بات پر ہنس دیتی ہوں
کچھ نہیں کھویا
بس صرف چند خواب......
کچھ نہیں ٹوٹا
بس صرف دل......
نہ جانے کیوں
میں بس اتنا ہی کہہ پاتی ہوں
اس سے آگے لفظ نہیں ملتے
اور
پھر
ربط ٹوٹ جاتا ہے......

کلام: صائمہ قریشی، یوکے

اپنے بے ایمان دل کا کیا کرتے... وہ بجی کو استانی بنانا چاہتے تھے۔ جب بیوی کے بارہ بار بلانے پر بھی انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا تو آمنہ بی بی بڑبڑاتے ہوئے باہر نکل گئی۔

اس بار بجی جب گھر واپس آئی تو بہت فراغت تھی۔ خوب اماں سے لاڈ اٹھوائے۔ ابا کے پاؤں دبائے، پروین سے دل بھر کے شہر کی باتیں کی اور وہ دونوں سہیلیاں سارا دن کھیتوں کی سیر کرتیں اور پھر درگاہ تو تھی ہی جہاں وہ پانچ دیے جلانے جاتی تھی۔ اس دن بھی وہ درگاہ پہ دیے جلا کے آئی تھی اور

ڈھلان اترتے ہی دور سے اسے مرشدوں کی گاڑی اپنے کچے پکے گھر کے سامنے کھڑی نظر آئی۔

☆☆☆

"ارتضٰی حیدر شاہ کیا تمہیں اس بات کا پتا نہیں کہ اس گھرانے کی روایات کیا ہیں۔ یہ پیروں کا گھرانا ہے۔ ہماری شرافت و نجابت کا ایک زمانہ گواہ ہے اور تم...... جانتے ہو ہم سے کیا مانگ رہے ہو، اس گھرانے کے گدی نشین ہو کر تم یہ مانگ کرو گے؟" مجتبیٰ شاہ نے اپنے بیٹے ارتضٰی پر ایک تیکھی نظر ڈالی۔

"بابا سائیں مجھے اپنے گھرانے کی ناموس کا پورا احساس ہے اور میں نے کچھ بھی ایسا نہیں کیا کہ جس سے ہمارے خاندان کی حرمت پہ حرف آئے۔ مجھے ایک لڑکی اچھی لگی اور میں نے آپ سے درخواست کی۔ اس بات کی اجازت تو میرا مذہب بھی دیتا ہے۔ بابا جانی آپ اسے میری زوجیت میں لے آئیں...... بس......"

"لیکن کیا یہ اتنا ہی آسان ہے صاحبزادے کہ ہم ایک غیر ذات کی لڑکی کو اپنی نسلوں کی امانت داری سونپ دیں۔ کیا وہ ہماری روایات کو سمجھ پائے گی؟"

"بابا جان وہ پڑھی لکھی ہے اور ویسے بھی ہمارے ہاں مرد کو تو اس کی اجازت ہے کہ وہ غیر ذات سے شادی کرلے۔ پھر بھی ہم نے فیصلہ آپ پر چھوڑ دیا...... مگر ہماری خواہش اگر ادھوری رہی تو شاید ہم زندہ تو رہیں مگر اس سرزمین پر نہ رہ سکیں۔" بابا جان نے ایک گہری تجربہ کار نظر اپنے کبرو جوان بیٹے پر ڈالی اور انہیں لگا کہ ارتضٰی شاہ فیصلہ تو دراصل کر چکا ہے۔

"ٹھیک ہے، ہم تمہاری بات مان بھی لیں تو کیا ہماری عزت و ناموس، شان و روایات کی پاسداری وہ لڑکی کرے گی۔ کیا اس کا ذمہ تم لیتے ہو ارتضٰی؟" مجتبیٰ شاہ نے کچھ سوچ کر کہا۔

ارتضٰی شاہ نے آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا اور وعدے کی پاسداری کا یقین دلایا۔

اماں کے تو ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے تھے۔ وہ درگاہ جس کی طرف کبھی پشت پھیر کر وہ لوگ سیڑھیاں نہ اترتے تھے، آج ان کی بیٹی کے لیے اسی درگاہ کے آنے والے گدی نشین کا رشتہ آیا تھا۔ ابا جو بچی کو بہت پڑھانا چاہتے تھے، وہ بھی مرشد جو خود چل کر آئے تھے ان کو کیسے نہ کرتے یہ معجزہ تھا۔ ان کی بیٹی اتنی مرادوں والی تھی تو وہ ناشکرے کیسے بنتے؟

اور آج وہ مریدوں، مریدنیوں کی لمبی بارات میں حویلی کی بہو بن کر ارتضٰی شاہ کے پہلو میں بیٹھ کر ابا کا گھر چھوڑ آئی تھی۔ کسی کو بھی اعتراض نہیں تھا کہ بارات میں حویلی کی خواتین نہیں ہیں کیونکہ سب جانتے تھے کہ حویلی کی عورتیں باہر نہیں آتی ہیں اور اب وہ حزنہ جو اماں، ابا کی بچی تھی، مریم کی زونی تھی حویلی کی عورتوں میں شامل ہوگئی تھی۔

پہلی رات کے فسوں میں ارتضٰی شاہ نے اسے بتایا کہ کب بچی کے پراندے کے گھنگروؤں نے ان کے دل کے تاروں کو چھیڑا تھا۔ اس دن وہ زمین کے دورے پر تھے اور اس کی ہنسی نے ان کے پاؤں باندھ دیے تھے۔ دوسری بار تب جب وہ گاڑی میں بیٹھ کر ہاسٹل جارہی تھی تو اس کی بے نیازی نے انہیں اسیر کیا تھا۔ پھر اس کی ڈائری جو وہ اس دن ان کے ساتھ جاتے ہوئے پراڈو میں بھول گئی تھی، اس نے انہیں بتایا تھا کہ وہ اماں کی بچی ہے۔ مریم کی زونی ہے حقیقتاً حزنہ عباس ہے جواب ارتضٰی حیدر شاہ کی حزنہ شاہ بن چکی تھی۔ ارتضٰی کے پیار نے ایک رات میں اسے بچی اور زونی سے حزنہ شاہ بنادیا تھا۔

دوسرے دن ارتضٰی کی محبتوں میں پور، پور بھیگی حزنہ نے اپنی خواب گاہ کو دیکھا تو اسے لگا وہ زندگی میں ہی جنت میں آگئی ہے۔ جس کا اس نے سوچا بھی نہیں تھا وہ اچانک اس کی زندگی میں سچ بن کر آگیا تھا۔

لیکن محبت کا یہ خمار اس وقت بھک سے اڑ گیا جب شادی کے تیسرے دن ملازمہ نے کمرے میں آکر اس کی اماں کے آنے کی اطلاع دی۔ وہ اپنی اماں کے گلے لگنے کو بے تاب باہر بھاگی۔ دالان

میں سب رشتے دار خواتین جمع تھیں۔ وہ اماں کو ڈھونڈنے لگی مگر یہ کیا اماں تو فرش پر بیٹھی تھیں اور باقی سب اوپر...... وہ جلدی سے آگے بڑھی کہ اماں کو گلے لگائے لیکن بی بی جان کی سخت آواز نے اس کے قدم روک لیے۔

''حرنہ بی بی اب تم اس حویلی کی بہو ہو...... سیدوں سے نسبت ہے تمہاری اور تمہاری ماں ایک عام عورت...... حویلی کی باقی بہو، بیٹیوں سے دگنی ذمے داری ہے تم پر ہماری روایات کو آگے بڑھانے والے گدی نشین کی تم بیوی ہو۔''

''پر بی بی جان اماں تو میری ماں ہیں۔'' وہ دھیمی آواز میں بولی۔

''ہم نے تمہیں اپنی روایات کا بتا دیا ہے اور ہم اس پر مزید بحث نہیں کریں گے۔ تم اب حرنہ شاہ ہو، کبھی مت بھولنا۔''

حرنہ نے ایک بے بس نظر اماں پر ڈالی جو پہلے سے دالان کے دروازے پر پہنچ چکی تھیں۔ ایک آنسو بھری نظر حرنہ پر ڈالی اور باہر نکل گئیں۔ اور ابا اس کے پیارے ابا تو حویلی کی ان دیواروں سے بھی کہیں پرے اس کے لیے ایک نامحرم کی طرح ہو گئے تھے۔ کیوں......؟ کیونکہ وہ اب حرنہ شاہ تھی ہاں حرنہ شاہ......!

واپس اپنے کمرے کی طرف آتے اس کے قدم نڈھال تھے۔ وہی کمرا جو کل اس کو ایک جنت لگا تھا آج کسی قید خانے کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ آنسوؤں کا ایک ریلا تھا جو تھم نہیں رہا تھا۔ ارتضیٰ شاہ کمرے میں آئے تو اسے یوں روتا دیکھ کر ان کے دل کو ٹھیس لگی۔ آگے بڑھ کر اس کے آنسو صاف کیے اور ان کے بازوؤں کا سہارا ملتے ہی وہ ان کو سب بتاتی چلی گئی۔

''شاہ جی میں نہیں جی پاؤں گی، میں مر جاؤں گی، اپنے اماں، ابا کے بغیر درگاہ کے دیوں کے بغیر......'' ارتضیٰ شاہ نے ایک لمبی سانس لی اور سرد لہجے میں جو کہا اس نے حرنہ کو ساکت کر دیا تھا۔

''حرنہ شاہ تم نے حویلی کے تمام اصولوں کے

مطابق باقی عورتوں کی طرح رہتا ہے، اس کا وعدہ میں بابا جان سے کر چکا ہوں۔ تم اب ایک عام عورت نہیں ہو۔ تم اب ارتضیٰ شاہ کی بیوی ہو، ہماری نسلوں کی امین۔" یہ کہہ کر وہ رکے نہیں باہر کی طرف بڑھ گئے۔

اور آج چار سال سے وہ اس خوب صورت جیل کی مکین تھی۔ جہاں اس کے ایک حکم پر دس ملازمائیں ہاتھ باندھے حاضر ہو جاتی تھیں۔ لیکن ان چار سالوں میں وہ دن بہت بھاری تھے جب اس کے اماں، ابا آگے پیچھے اس دنیا سے رخصت ہوئے تو اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ روئے کہ خوش ہو کہ گزرے چار سالوں میں پہلی بار بھاری پردوں والی گاڑی میں برقع اوڑھ کر وہ اپنی ماں کی دہلیز پر گئی تھی۔ لیکن وہاں اسے بھی بلانے والا کوئی نہیں تھا۔ وہ ماں کی میت کے پاس دہاڑیں مار کر رونا چاہتی تھی مگر کیسے؟ وہ بھی نہ تھی۔ وہ حزنہ شاہ تھی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس گزرتے وقت میں اس کی گود میں ایک بیٹا ڈال دیا۔ مرتضیٰ حیدر کی پیدائش کے دوران اس کو دورے پڑنے لگے تھے۔ اس کو نہیں معلوم تھا کہ اللہ اس کو بیٹا دے گا یا بیٹی...... لیکن بیٹی کے تصور کے ساتھ ہی اس کی نظروں کے سامنے ارتضیٰ کی بڑی بہن رقیہ خاتون آجاتی تھیں جو سارا سارا دن خالی، خالی آنکھوں میں وحشت لیے حویلی میں چکراتی رہتی تھیں۔ ان کی شادی نہیں ہو سکی تھی کیونکہ خاندان میں ان کے جوڑ کا کوئی نہیں تھا۔ اسے ڈر تھا کہ اس کی بیٹی بھی کہیں جوڑ نہ ہونے کے سبب رقیہ بی بی ہی نہیں بن جائے۔ لیکن اللہ نے جب اس کی گود میں مرتضیٰ کو ڈالا تو اس نے سکھ کی سانس لی۔ اور اب وہ ایک بار پھر امید سے تھی اور ایک بار پھر اس کی نمازیں اور سجدے طویل ہو گئے تھے۔ اسی دوران ارتضیٰ کے چھوٹے بھائی نے اپنے ہی خاندان میں پھوپی کی بیٹی سے شادی کی خواہش کا اظہار کیا۔ بابا جان نے بھی خوشی دھوم دھام سے علی حیدر کی شادی کی اور اس کی شادی چونکہ خاندان کی لڑکی سے ہوئی تھی اس لیے بابا جان نے علی حیدر کو اپنی بیوی کو بیرون ملک لے جانے کی بھی اجازت دے دی۔

اس بار حزنہ کی گود میں بیٹی نے آنکھیں کھولیں لیکن حزنہ شاہ نے بیٹی کا سن کر اپنے حواس گم کر دیے۔ وہ شدید نروس بریک ڈاؤن کا شکار ہو گئی تھی اور بہت دعاؤں کے بعد ارتضیٰ کو جب حزنہ واپس ملی تو ارتضیٰ حیدر ٹوٹ گئے۔

"بولو حزنہ کون سا دکھ ہے یا کیا کمی ہے جو تمہیں دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے۔ مجھے بتاؤ میں تمہیں کیا دوں؟"

تب حزنہ سوچنے لگی کہ شاہ جی سے بھی واپس مانگے یا زوئی...... ابا...... اماں اور کچا آنگن...... درگاہ کا جھاڑو...... یا نہر کا پانی...... پانچواں دیا...... یا اپنی ذات...... پر وہ ہار گئی اپنی وفا کے آگے۔

اور اس دن حزنہ شاہ نے ارتضیٰ سے پہلی بار کچھ مانگا۔

"شاہ جی میری بیٹی میری وفا کو رقیہ خاتون نہ بننے دینا۔ بے شک اسے اپنی ذات سے باہر نہ بیاہنا مگر اس کے خاندان میں جوڑ نہ ہونے کی وجہ سے گھر نہ بٹھانا۔ آپ کو آپ کے مرتضیٰ کا واسطہ...... آپ کو درگاہ کا واسطہ......" اور پہلی بار ارتضیٰ شاہ نے حزنہ سے وعدہ کیا۔

علی حیدر اپنی بیوی اور بچی کو لے کر لندن سدھار گیا تھا۔ اس وعدے کے ساتھ کہ وہ اپنی روایات کا خیال رکھے گا۔

وقت گزرتا گیا۔ حزنہ شاہ کی وفا زہرہ جوان ہو گئی۔ وعدے کے مطابق ارتضیٰ شاہ نے اپنی بیٹی احمد شاہ کے بیٹے جبران شاہ سے منسوب کر کے جلد ہی ان کی شادی کر دی۔ رواج کے مطابق دوسرے دن وفا زہرہ اپنے میکے آئی لیکن حزنہ کو وفا کی آنکھیں بھی درگاہ کی شام کی طرح لگیں۔ بیٹی سے اصرار کر کے پوچھا تو تب اسے پتا چلا کہ اس کی بیٹی کے نصیب میں رقیہ خاتون بننا ہی لکھا تھا۔ جبران شاہ دراصل آدھا ادھورا مرد تھا...... لیکن وہ جبران صرف جبران نہیں تھا جبران شاہ تھا...... اور آج رقیہ خاتون کی

آنکھوں میں وحشت نہیں تھی۔ استہزا تھا حرنہ اُن سے آنکھیں نہیں ملا پارہی تھی۔

حرنہ، وفا کو اپنے پاس ہی روکنا چاہتی تھی۔ ارتضٰی سے احتجاج کیا تو مگر ارتضٰی شاہ ایک بار پھر باپ نہ ثابت ہوئے صرف ایک گدی نشین ہی رہ گئے اور وفا کو جبران کے ساتھ واپس جانا پڑا۔ کیونکہ اب تو مرتضٰی حیدر کی بھی انا کا مسئلہ تھا۔ وفا کو واپس جانا تھا کیونکہ وہ وفا زہرہ شاہ تھی۔

☆☆☆

آج حویلی میں کافی ہلچل تھی۔ وہ بھی بہت دنوں بعد بہت خوش ہورہی تھی کہ آج علی حیدر شاہ برسوں بعد واپس حویلی آرہا تھا۔ اور علی کی بیٹی عکس فاطمہ کو اس کی بہو بننا تھا۔

ان گزرتے سالوں میں مجتبیٰ حیدر تو اللہ کو پیارے ہوچکے تھے اور بی بی جان بستر سے جا لگی تھیں۔ بابا جان کے جانے سے پہلے وقت نے حرنہ کے لیے اتنی تبدیلی کی تھی کہ وہ بی بی جان کے ساتھ اسپتال جا پائی تھی...... اور یہ کسی معجزے سے کم نہیں تھا۔

اب بھی وہ بی بی جان کو سوپ پلا رہی تھی کہ ایک دم ارتضٰی شاہ کی اونچی آواز نے ہڑبڑا دیا۔ وہ باہر کی طرف بھاگی۔ ارتضٰی کو اتنے غصے میں اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ارتضٰی چھوٹے بھائی علی حیدر پر گرج رہے تھے۔

”تم نے ایسا سوچا بھی کیسے علی شاہ؟“ علی نے اپنا جھکا سر اٹھایا اور دھیمی آواز میں بولا۔

”عکس فاطمہ میری اکلوتی بیٹی ہے۔ شاہ بھائی اور کوئی رسم، کوئی رواج میری بیٹی کی خوشی سے بڑھ کر نہیں ہوسکتا۔“

”لیکن تم بابا سائیں سے کیا ہوا وعدہ کیسے بھول گئے علی حیدر؟“ ارتضٰی نے غصے سے کہا۔

”معاف کیجیے گا شاہ بھائی...... مرے ہوئے لوگوں کے وعدوں پر میں اپنی جیتی جاگتی بیٹی کو کیسے سولی چڑھا دیتا۔ وہ آزاد ماحول میں پڑھی لکھی لڑکی ہر قسم اور قیدیوں جیسی زندگی میں جیتے جی مرجاتی۔ میری مجبوری کو سمجھیں۔ اب بھی وہ درگاہ پر رک گئی ہے کہ اسے درگاہ پہ پھر تیار کرنا تھا۔“

”تم نے بے پردہ اسے درگاہ پر چھوڑ ڈالا اور وہ بھی تنہا......“ ارتضٰی شاہ کا چہرہ جذبات سے سرخ ہوگیا۔ ”جاؤ اسے گھر لاؤ۔“

”سوری شاہ بھائی! آپ نے بھی تو ایک ایسی لڑکی سے شادی کی جس کی آدھی عمر بے پردگی میں گزری..... حرنہ شاہ بھی تو پہلے کچی تھی اور میری بیٹی درگاہ میں اکیلی نہیں ہے، اس کے ساتھ اس کا مجازی خدا ہے اور عکس اب صرف عکس فاطمہ نہیں عکس فاطمہ ملک ہے۔ ملک عباس کی بہو ہے وہ۔“ یہ کہہ کر علی الٹے قدموں لوٹ گیا۔ وہ تو بہت کچھ کہہ گیا تھا لیکن حرنہ شاہ تو ابھی تک اس کے ان الفاظ میں الجھی تھی کہ ”حرنہ بھی تو کبھی کچی تھی۔“ یہ سوچتے ہوئے حرنہ نے دیوار کا سہارا لیا اور آنکھیں بند کرلیں۔

ارتضٰی نے نظر اٹھا کر حرنہ پر ڈالی اور وہیں صوفے پر ڈھیر ہوگئے کبھی نہ اٹھنے کے لیے۔

☆☆☆

کمرے میں اندھیرا بڑھ رہا تھا ملازمہ جوس کا گلاس اٹھانے آئی تو حرنہ شاہ نے اسے پردے ہٹانے کو کہا...... ملازمہ نے پردے ہٹائے تو باہر روشنی ابھی باقی تھی۔ حرنہ اپنے بستر سے اٹھی۔

”گاڑی تیار کرواؤ، آج مجھے درگاہ جانا ہے۔“ اس کے حکم پر ملازمہ اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔ مرتضٰی کو وہ پہلے ہی فون پر اجازت دے چکی تھی کہ وہ اپنی کلاس میٹ سے شادی کرلے...... ارتضٰی حیدر کے بعد اب اسے ہی سب کچھ سنبھالنا تھا...... ہر فیصلہ کرنا تھا...... کچھ فیصلے بھی بن کر اور کچھ فیصلے حرنہ شاہ بن کر۔

چار دیے جل گئے تھے...... پانچواں دیا وہ جلانے جارہی تھی ہاں آج ”حرنہ شاہ بن کر......“

اے عشق ترے ہیں کھیل عجب

ڈاکٹر ثمن بلال

وہ کمال ہنر یوں بھی کرتا گیا
زخم دیتا گیا زخم بھرتا گیا
دُور اُس کی نگاہوں سے منزل ہوئی
جادۂ عشق میں جو بھی ڈرتا گیا
رات پھولوں پہ شبنم برستی رہی
رنگ پھولوں کے رخ کا نکھرتا گیا

عشق، محبت، چاہت، پیار ایک جذبے کے کتنے اظہار ... یہ جذبہ ہر کسی کے دل میں پنپ سکتا ہے بشرطیکہ دل کا ظرف وسیع اور خلوص کے موتیوں سے مرصع ہو، زیر نظر کہانی اسی جذبے کے اتار چڑھاؤ کو بے حد متاثر کن انداز میں قاری کو ایک نئی سوچ سے روشناس کراتے ہوئے بڑھتی ہے۔

عشق کے آفاقی جذبے کو ایک نئے انداز میں بیان کرتی دلکش تحریر

قسط 10





گھر میں شادی کے ہنگاموں اور مہمانوں کی آمد نے نور منزل کے ملازمین سے لے کر گھر کے تمام افراد کو مصروف کر رکھا تھا۔
ڈاکٹر عمر، مناب کو ڈھونڈتے ...... ایشال اور عنایہ کے مشترکہ کمرے کا دروازہ ناک کر کے اندر داخل ہوئے تو ایشال کمرے کی دیوار پر بڑے سائز کی لگی اپنے مرحوم والدین کی تصویر کے سامنے کھڑی تھی۔
"ایکسکیوزمی ......" ڈاکٹر عمر نے گلا کھنکھارا...... وہ پلٹی۔
"مناب کہاں ہے کافی دیر سے دکھائی نہیں دے رہی...... مجھے لگا وہ تمہارے ساتھ ہوگی؟"
"ابھی تھوڑی دیر پہلے تو میں نے اسے نیچے دیکھا تھا...... اینی وے آپ کو کوئی کام ہے تو آپ مجھے بتادیں۔" ایشال نے اپنی آنکھوں سے آنسو صاف کرتے ہوئے ان سے پوچھا۔
"تم رو رہی ہو؟" وہ متفکرانہ انداز میں آگے بڑھے...... ان کے اس محبت بھرے انداز پر ایشال کی آنکھوں سے مزید آنسو بہنے لگے۔
"ایشو کیا ہوا......؟ تم...... تم کیوں رو رہی ہو؟" وہ پریشانی کے عالم میں اس کے سر پر کھڑے پوچھ رہے تھے۔
ایشال دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپائے رو پڑی۔
"کم آن ایشال...... کچھ بتاؤ تو سہی۔" ڈاکٹر عمر نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر چہرے سے ہٹائے۔
"مجھے مما اور بابا کی بات بہت یاد آرہی ہے......" اس کی آنکھوں سے ایک بار پھر آنسو بہنے لگے...... اس کے ہاتھ اب بھی ڈاکٹر عمر کے ہاتھوں میں تھے۔
"والدین کی یاد آنا یا انہیں یاد کر کے رونا...... یہ ایک فطری سا عمل ہے مگر جب تم ماموں اور ممانی کی مغفرت کے لیے اللہ کا کلام پڑھ کر اللہ سے دعا کرو گی تو ان کی روح کو بہت خوشی محسوس ہوگی۔" ڈاکٹر عمر نے دھیرے سے اسے سمجھاتے ہوئے اس کے کندھے پر تھپکی دی۔
"چلو شاباش...... تم ایک بہادر لڑکی ہو، اب بزدلوں کی طرح رونا بند کرو...... اور دیکھو تم نے اپنا سارا میک اپ خراب کرلیا ہے......" ڈاکٹر عمر نے مسکراتے ہوئے قریب ہی ٹیبل پر رکھے ٹشو کے ڈبے سے ٹشو نکال کر ایشال کی طرف بڑھائے۔
"کیا واقعی میرا میک اپ خراب ہوگیا ہے؟" وہ پریشانی کے عالم میں جلدی سے ان کے ہاتھ سے ٹشو لیتے ہوئے پوچھنے لگی۔ ڈاکٹر عمر اس کے تفکر پہ مسکرا دیے کہاں وہ روئے جارہی تھی اور اب میک اپ کا سن کر پریشان ہو رہی تھی۔
"نہیں، اتنا زیادہ بھی نہیں ہوا...... بس تمہارا کاجل تھوڑا پھیل گیا ہے۔" ڈاکٹر عمر نے اس کے ہاتھ سے ٹشو لے کر اس کے آنکھ کے نیچے پھیلے کاجل کو صاف کیا...... مگر اگلے ہی لمحے انہیں نہ جانے کیا احساس ہوا کہ انہوں نے ٹشو ایشال کو پکڑا دیا تھا...... ایشال پہلے تو حیران ہوئی پھر مسکرا کر اس نے ٹشو پکڑ لیا تھا۔
"اُف خدایا...... یہ...... یہ مجھے کیا ہو رہا ہے میں اس کی آنکھ کا پھیلا ہوا کاجل صاف کر رہا تھا...... میں خود؟ یہ کیسی اسٹوپڈ حرکت تھی میری؟"
"عمر بھائی آپ بہت اچھے ہیں...... میں نے آپ کو ہمیشہ غلط سمجھا۔" ایشال اب آئینے کے سامنے کھڑی اپنا کاجل صاف کرتے ہوئے بولی تو ڈاکٹر عمر مسکرا دیے...... جیسے خود کو زبردستی مسکرانے پر مجبور کر رہے ہوں۔
"جن لوگوں کو ہم اکثر پتھر دل کہتے ہیں یا سمجھتے ہیں ایکچوئیلی وہ اندر سے موم کی طرح ہوتے ہیں...... جلد پگھل جانے والے...... پگھل جانے والے اینی ویز اب رونا مت...... you look good when you are happy" ڈاکٹر عمر نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی ایک لمحے کے لیے مسکرائے اور پھر دروازے کی جانب بڑھ گئے۔

"آپ کو کافی پینی تھی؟" عقب سے ایشال نے پوچھا تو وہ دروازے میں رک کر پلٹے۔

"How do you know" وہ حیرانی سے پوچھنے لگے۔ ایشال مسکراتی ہوئی ان کے قریب آئی۔

"میں آپ کو اچھی طرح سے جان گئی ہوں۔ جب آپ منا ب کو اس طرح ڈھونڈتے ہیں تو آپ کو اس کے ہاتھ کی کافی ہی پینی ہوتی ہے۔"

"ہاں، مجھے واقعی کافی ہی پینی تھی۔" پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ ایشال کی پیش گوئی پر مسکرا دیے..... بلیک پینٹ کوٹ میں چھ فٹ سے نکلتے قد میں ان کی ڈیسنٹ سی شخصیت میں عجیب سا سحر محسوس ہو رہا تھا ایشال کو..... وہ ان سے آٹھ سال چھوٹی تھی۔ ڈاکٹر عمر کبھی اس کی گڈ بک میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ یک دم نہ جانے ایسا کون سا سحر پھونکا تھا انہوں نے کہ وہ خود بخود ان کے قریب سے قریب ہو رہی تھی۔ وہ لاشعوری طور پر خود کو اس سانچے میں ڈھالتی جا رہی تھی جو انہیں پسند تھا۔ پہلے وہ ان کی شخصیت سے دور بھاگتی تھی اب ان کے آس پاس ان کے قریب رہنا اسے اچھا لگتا تھا..... اسے جن چیزوں سے نفرت تھی اب ڈاکٹر عمر کے لیے وہ انہی چیزوں میں دلچسپی لے رہی تھی۔

"اوکے، میں آپ کے لیے اچھی سی کافی بنواتی ہوں۔" ایشال ان کے قریب سے گزرتی اپنے کندھے سے اترتے دوپٹے کو درست کرتی باہر نکلنے لگی تو دروازے کے ہینڈل میں اس کے دوپٹے کا پلو پھنس گیا ڈاکٹر عمر نے آگے بڑھ کر ہینڈل میں پھنسا اس کے دوپٹے کا پلو نکالا، ان کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ رقصاں تھی۔

"میڈیکل کی فیلڈ کے ساتھ ساتھ آج کل ایک نئی ڈیوٹی نبھانی پڑ رہی ہے مجھے۔" سینے پر بازو لپیٹے وہ شریر انداز میں بولے۔

"کیسی ڈیوٹی.....؟" رخ موڑ کر دروازے میں کھڑی ایشال حیران ہوئی۔

"تمہارے ادھر ادھر پھنسے دوپٹے کے پلو چھڑانے کی ڈیوٹی......" ڈاکٹر عمر کا انداز کچھ ایسا تھا کہ وہ جھینپ کر باہر نکل گئی۔ اس کے عارض گلگوں اور دل تیزی سے دھڑک رہا تھا عجلت میں سیڑھیاں اترتے ہوئے وہ اوپر آتی علینہ سے ٹکرائی۔

"یار لگتا ہے تمہاری بریکس فیل ہو گئی ہیں۔" علینہ نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا ایشال کے چہرے پر بڑی دلفریب سی مسکراہٹ تھی۔ اس کی نظر بے ساختہ سیڑھیوں کے اوپر راہداری میں پڑی جہاں ڈاکٹر عمر کھڑے تھے اور وہ سیڑھیوں کی جانب ہی آ رہے تھے۔

"آئی ایم شیور..... تمہیں محبت ہو گئی ہے۔" علینہ نے دعویٰ کیا۔

"شٹ اپ علینہ..... ہر وقت فضول بکواس کرتی ہو تم۔" ایشال نے مصنوعی خفگی سے اسے ڈپٹا۔

"تمہیں ہنڈرڈ پرسنٹ اپنی ناپسندیدہ شخصیت سے محبت ہو گئی ہے۔ تم نہ مانو تو وہ الگ بات ہے۔" علینہ اس کے ساتھ کھڑی ہنوز دعوے پہ دعوے کر رہی تھی۔

"اسٹاپ اٹ علینہ، آہستہ بولو اگر کسی نے سن لیا تو.....؟ بی لیو می ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" ایشال نے بلش ہوتے ہوئے اس کے دعوے کو رد کیا..... اور وہ دونوں چلتی ہوئی کچن کی طرف آ گئیں۔

"تمہاری بچپن کی دوست ہوں میں، جا کر آئینے میں اپنی شکل دیکھو تمہارے چہرے پر صاف لکھا ہے۔" وہ اپنی رائے پر مصر تھی۔

"تمہیں عمر بھائی جیسے ریجڈ، کھڑوس اور ہلاکو خان جیسے شخص سے محبت ہو گئی ہے۔" علینہ اب بھی اپنی بات پر اور دعوے پہ قائم تھی۔

"تمہیں تو بس فضول میں بکواس کرنے کی عادت ہے۔" ایشال نے خفگی سے اسے گھورا۔

"بکواس کرنے کی نہیں، سچ بولنے کی عادت ہے مجھے۔" علینہ مسکرائی۔

ایشال نے علینہ کے دعوے کو تو جھٹلا دیا تھا مگر اس کا دل ڈاکٹر عمر کی ذات تک رسائی کے لیے بے چین ہو رہا تھا۔

☆☆☆

بلیک لیموزین پی سی کی ویلوٹ پارکنگ میں رکی تو باوردی دربان نے آگے بڑھ کر گاڑی کا دروازہ کھولا۔

بلیک ویلوٹ کی ڈیزائنر شیروانی پر ریڈ کلاہ اور کامدار کھسا پہنے زارون چوہدری بڑی شان وشوکت سے باہر نکلا...... فوٹو گرافر اور مووی میکرز دھڑا دھڑ تصویریں لے رہے تھے...... داؤد چوہدری اور سمیرا بیگم کے ہمراہ مسکراتا ہوا زارون چوہدری ہال کی جانب بڑھا...... جہاں چھڑی کے سہارے کھڑی نور بیگم، ساجدہ بیگم، ڈاکٹر عمر، اقصم اور جنید کے ساتھ، ساتھ دیگر مہمانوں نے برات میں موجود تمام مہمانوں کو ویلکم کہا تھا...... ریڈ کارپٹ پر چلتے ہوئے زارون، سمیرا بیگم کے ساتھ اسٹیج تک آیا...... خوب صورت ڈیکوریٹ ہال اور رومینٹک میوزک نے ماحول کو بہت خوب صورت بنا رکھا تھا......

زارون اسٹیج پر آ کر بیٹھ گیا تو تھوڑی دیر کے بعد ریڈ کلر کے نہایت خوب صورت کامدار اور قیمتی غرارے پر سلیولیس شرٹ پہنے اسٹائلش انداز میں دوپٹا لیے ماتھا پٹی لگائے، گلے اور کانوں میں قیمتی زیورات پہنے حنایہ ایک ہاتھ میں جوڑے کی میچنگ کا خوب صورت پاؤچ پکڑے دوسرا ہاتھ داؤد چوہدری کے بازو میں ڈالے تمکنت سے ریڈ کارپٹ پر چلتی ہوئی ہال میں داخل ہوئی...... جب وہ اسٹیج کے قریب آئی تو زارون نے اٹھ کر اس کی جانب اپنا ہاتھ بڑھایا تھا جسے تھام کر حنایہ مسکراتی ہوئی اسٹیج پر آ گئی تھی...... زارون کے چہرے پہ گہری مسکراہٹ تھی وہ اس کا ہاتھ تھام کر صوفے کی جانب لے آیا تھا...... جب وہ دونوں ایک ساتھ صوفے پر بیٹھ گئے تو داؤد چوہدری اسٹیج کے ساتھ بنے خوب صورت ڈائس پر آ کر مائیک پکڑ کر شستہ انگریزی میں تمام مہمانوں کی آمد پر ان کا شکریہ ادا کرنے لگے...... نکاح چونکہ صبح ہی ہو چکا تھا...... سو ہال میں موجود تمام وی آئی پی شخصیات کو نہایت شاندار ڈنر دیا گیا۔

زارون اور حنایہ اسٹیج پر ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے فوٹو گرافرز کو مختلف پوز دے رہے تھے۔ دونوں کے مشترکہ دوست احباب، ان کے سرکل کی فیملیز وغیرہ کھانے کے بعد اسٹیج پر آ کر دونوں کو مبارک بادیں اور دعائیں دے رہے تھے۔

اسٹیج کے قریب کھڑی ایشال اور علینہ اپنے، اپنے موبائلز سے حنایہ اور زارون کی تصویریں بنا رہی تھیں۔

”حنی کتنی خوب صورت لگ رہی ہے ناں......“ ایشال نے اپنے ساتھ کھڑی علینہ سے کہا۔

”تم بھی تو دوسروں کے ہوش اڑانے کے لیے بہت حسین لگ رہی ہو۔“ ان دونوں کے عقب میں نہ جانے کب ارسل آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

علینہ کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی...... جبکہ ایشال کو اس کی تعریف پر کوئی خوشی نہیں ہوئی تھی۔

”تم ہمیشہ بوتل کے جن کی طرح ہی نازل ہوتے ہو۔“ ایشال کی بات پر وہ کھسیا کر مسکرانے لگا۔

”اچھے خاصے ہینڈسم بندے کو تم کن القابات سے نواز رہی ہو...... علینہ تم ہی اپنی فرینڈ کو کچھ سمجھاؤ ناں...... تمہاری فرینڈ میری محبت کو بالکل بھی سیریس نہیں لے رہی ہے۔“ ارسل کی ریکوئسٹ پہ علینہ نے کندھے اچکائے۔

”سوری، اس معاملے میں، میں تمہاری کوئی ہیلپ نہیں کر سکتی...... تمہیں خود اس گمبھیر معاملے کو ہینڈل کرنا پڑے گا۔“

”او کے تو صرف اپنی فرینڈ سے یہ پوچھ کر بتا دو کہ اپنی محبت کا یقین دلانے کے لیے مجھے ایسا کیا کرنا ہو گا کہ ہمارے بیچ یہ فاصلے کی دیوار گر جائے اور تمہاری فرینڈ کو میری محبت پر یقین آ جائے۔“ وہ امید و آس بھرے انداز میں ان دونوں کو ہی دیکھ رہا تھا اس سے پہلے کہ ایشال، ارسل کی بات کا جواب دیتی مناب عجلت میں ان کے پاس آئی۔

”ایکسکیوز می...... ! یار تم دونوں یہاں کیا کر رہی ہو؟ دودھ پلائی کی رسم بھی تو کرنی ہے؟“

”کیا ابھی کرنی ہے؟“ ایشال کے پوچھنے پر مناب نے اثبات میں سر ہلایا۔

”ممانی کہہ رہی ہیں رسموں میں بہت ٹائم ویسٹ ہوتا ہے...... تو ظاہر ہے ابھی شروع کرتے ہیں۔“

کچھ مجازی خدا کے بارے میں

عورت، مرد کا اس دنیا کا سب سے پہلا رشتہ خاوند، بیوی کا ہی ہے اور پھر طوفانِ نوحؑ سے اس دنیا کے ہر جاندار کا صرف یہی رشتہ بچا تھا۔ مرد دنیا میں دوبار یتیم ہوتا ہے ایک بار جب اس کی ماں فوت ہوتی ہے اور دوسری بار اس وقت جب اس کے بچوں کی ماں فوت ہوتی ہے۔ خاوند پالنا اس قدر مشکل ہے کہ پوری دنیا میں ایک عورت بھی ایسی نہ ہوگی جس کے ایک وقت میں ایک سے زیادہ خاوند ہوں۔ جبکہ ہمارے یہاں تو ایک خاوند کو چار، چار بیویاں مل کر پالتی ہیں اور یہی تو خاوند پالنا وہ کام ہے کہ صرف یہی ایک کام عورت کرلے تو اسے جنت مل سکتی ہے۔ خاوند خود کو مجازی خدا سمجھتا ہے اسی لیے بیوی اس کی خاطر دن، رات ایک بھی کردے وہ پھر بھی کبھی "شکریہ" نہیں کہتا کیونکہ خدا چاہے مجازی ہی کیوں نہ وہ یہ لفظ نہیں کہہ سکتا۔

بچے پالنے اور خاوند پالنے میں یہ فرق ہے کہ بچوں کو سمجھانا مشکل ہوتا ہے اور خاوند کو سمجھنا...... اچھا خاوند وہ ہوتا ہے جو وہ کہے جو بیوی سننا چاہتی ہے اور اچھی بیوی وہ ہوتی ہے جو وہ سنے جو خاوند نہیں کہنا چاہتا...... خاوند کی

عنابہ کی بات پر ایشال اور علینہ اس کے ساتھ ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گئیں۔ دودھ پلائی اور جوتا چھپائی کی رسم میں خوب ہنسی مذاق ہوگیا تھا زارون نے لڑکیوں کو منہ مانگے نیگ دیے تھے رخصتی پر عنابہ جب ایشال کے گلے ملی تو بے اختیار دونوں بہنوں کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ ولیمے پہ تمام مرد حضرات نے بھی تھری پیس سوٹ پہن رکھے تھے اور سب نے کوٹ کی فرنٹ پاکٹ پر ریڈ گلاب کی کلی لگا رکھی تھی۔

آج ایشال نے نہایت خوب صورت بلیک گاؤن اسٹائل کا ڈریس پہن رکھا تھا۔ کھلے بالوں میں اس کا چاند سا چہرہ...... اور حسین سراپا ڈاکٹر عمر کی نگاہوں کو بار بار اسے دیکھنے پر مجبور کر رہا تھا۔

نہ جانے یہ لڑکی کب، کیوں، اور کیسے ان کی ڈانٹ کھاتے، کھاتے اتنی اہمیت اختیار کر گئی تھی......؟ کب اس نے چپکے سے کسی ماہر چور کی طرح اُن کا دل چرا لیا تھا؟ کب دھیرے سے اس احمق لڑکی نے ان کے ساتھ کا کوئی لمحہ اپنے نام کر لیا تھا......؟ کب اس نے ان کی آنکھوں سے شکستہ خوابوں کو چھین کر ان کی آنکھوں کو حسین سپنوں کے راستے دکھا دیے تھے؟ ان کا دل تو ایک صحرا کی طرح تھا...... نہ جانے وہ لڑکی کب ساون بن کر ان کے بنجر دل کو شاداب کر گئی تھی۔ ان کے دل کی خواہشیں تو اک مدت سے سوئی ہوئی تھیں...... پھر کب اور کیسے اس لڑکی نے ان خواہشوں کو بیدار کرکے پھر سے انہیں بولنا اور خوش رہنا سکھا دیا تھا۔ یہ وہ ساری باتیں تھیں جو پچھلے دو دن سے ڈاکٹر عمر خود سے پوچھ، پوچھ کر تھک گئے تھے...... انہیں اپنے کسی سوال کا جواب نہیں مل رہا تھا۔ بس دل تھا کہ ایشال کی جانب کھنچا جا رہا تھا...... وہ جتنا اپنے دل کی خواہشوں کو نظر انداز کرتے وہ اتنا ہی انہیں ضدی بچے کی طرح تنگ کرنے لگتا...... ان سے الجھنے لگتا، ان سے لڑنے لگتا، ان کا اپنا ہی دل ان سے بغاوت پر اتر آیا تھا...... چند دن میں اتنا ضدی اور خود سر ہوگیا تھا کہ ایشال اور ان کے بیچ سن و سال کے نمایاں فرق سے بھی اس محبت کو کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔ بس وہ خوشبو بن کر چپکے سے ان کے دل میں رچ بس گئی تھی۔

ولیمے والے دن زارون نے بیش قیمت اسٹائلش تھری پیس سوٹ پہن رکھا تھا جبکہ عنابہ نے سلور گرے کلر کا نہایت قیمتی اور خوب صورت نیٹ فراک پہن رکھا تھا گلے میں ڈائمنڈ کا سیٹ پہنے...... ہاتھوں میں وائٹ گلابوں کا گلدستہ پکڑے زارون اور عنابہ رومینٹک دھن پر ایک دوسرے کی بانہوں میں بانہیں ڈالے ریڈ کارپٹ پر چلتے ہوئے لبوں پر دلفریب سی مسکراہٹ سجائے ہال کے درمیان بنی روش سے گزرتے دائیں، بائیں پہلو پہ تمام مہمانوں کو اسمائل پاس کرتے ان کو ہاتھ ہلاتے اسٹیج کی طرف بڑھ رہے تھے۔

ایک بات میں کئی مطالب اور بیوی کی ایک بات میں کئی مطالبات ہوتے ہیں۔ بیوی تو جوانی میں آیا، ذرا عمر ڈھلے تو ساتھی اور بڑھاپے میں خاوند کی نرس ہوتی ہے۔
دنیا کی کوئی بیوی اپنے خاوند سے عقلمند نہیں ہوتی کیونکہ اگر وہ عقلمند ہوتی تو بے وقوف سے شادی کیوں کرتی۔ خاوند اچھا عاشق بھی ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ بیوی کو پتا نہ چلے۔ گھر میں بیوی کا زیادہ وقت فرنیچر اور خاوند کو جھاڑنے پونچھنے اور انہیں ان کے اصلی مقام پر رکھنے میں گزر جاتا ہے۔ شادی سے پہلے عورت کے پاس گھر گرہستی کا تجربہ ہوتا ہے اور مرد کے پاس مہینے کی تنخواہ...... جبکہ شادی کے بعد عورت کے پاس مہینے کی تنخواہ ہوتی ہے اور خاوند کے پاس تجربہ، خاوند چاہتا ہے اس کی بیوی وہ نہ کرے، جو وہ چاہتا ہے بلکہ وہ کرے جو ہمسائے کی بیوی کرتی ہے۔

تحریر: ڈاکٹر یونس بٹ
پسند: نگہت زیدی، بہارہ کہو

زارون نے پہلے اسٹیج پر کھڑے ہو کر عنایہ کی جانب ہاتھ بڑھایا تھا۔ عنایہ اس کا ہاتھ تھام کر اسٹیج پر آ گئی تھی، اسٹیج پر چڑھتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا گلدستہ عنایہ نے اپنے عقب میں اچھال دیا تھا جسے پکڑنے کے لیے اسٹیج پر بہت سی لڑکیاں اکٹھی ہو کر کھڑی تھیں، ہر لڑکی اس گلدستے کو کیچ کرنے کے لیے بے تاب نظر آ رہی تھی مگر مناب نے کمال مہارت سے وہ گلدستہ کیچ کر لیا تھا...... سب لڑکیوں نے ہوٹنگ کی، مناب کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔ گلدستہ کیچ کر لینے سے مراد پہلے کیچ کرنے والی لڑکی کی شادی جلد ہی متوقع تھی...... زارون نے عنایہ کی کمر کے گرد بازو ڈال رکھا تھا اور وہ فوٹو گرافر کو مختلف پوز دے رہے تھے اس کے بعد دونوں نے بیس پاؤنڈ کا کیک کاٹا تھا اور ایک دوسرے کو کھلایا تھا...... نور منزل کے تمام افراد کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے...... جس شادی کا کئی مہینوں سے سب کو شدت سے انتظار تھا آج اس شادی کی تقریب کا آخری دن تھا۔ اگلے دو دن کے بعد زارون اور عنایہ کو دو مہینے کے لیے ہنی مون ٹور پر یورپ روانہ ہو جانا تھا...... جہاں سب سے پہلے ان کا پڑاؤ پیرس میں ہونا تھا۔

شادی کے ہنگامے ماند پڑے تو سب اپنی اپنی روٹین میں آنے لگے۔ داؤد چوہدری باقاعدگی سے آفس جانے لگے تھے...... سمیرا بیگم کی بھی اپنی سوشل ایکٹویٹیز تھیں وہ پھر سے اُن میں مصروف ہو گئی تھیں۔ ایشال ڈاکٹر عمر کے ساتھ اسپتال جا رہی ہے...... معصم اپنے سونگ کی ریکارڈنگ کے سلسلے میں کراچی گیا ہوا تھا، مناب کا لکھا ڈراما سیریل آن ائر ہو گیا تھا اور اسے اپنے ڈرامے کا بہت اچھا رسپانس مل رہا تھا۔ ولی کو پاکستان آنے میں محض ڈیڑھ دو مہینے ہی رہ گئے تھے...... وہ اپنا دوسرا سیریل ولی کے آنے سے پہلے کمپلیٹ کرنا چاہتی تھی سو مناب بھی اپنی دیگر ایکٹی ویٹی ترک کر کے اپنا اسکرپٹ مکمل کر رہی تھی۔

دوسری طرف زارون اور عنایہ اپنا ہنی مون ٹرپ بھرپور انداز میں انجوائے کر رہے تھے وہ دونوں ایک دوسرے کو پا کر اتنے خوش اور مطمئن تھے کہ انہیں ایسا لگتا جیسے ان کی زندگی حسین رنگوں اور خوشبوؤں سے بھر گئی تھی۔

☆☆☆

سارہ کا بی پی اب اکثر لو رہنے لگا تھا...... اکثر اسے متلی کی کیفیت محسوس ہوتی۔ سارا سارا دن وہ کچھ نہیں کھاتی پیتی تھی۔ آج بھی اس کے معدے میں درد تھا اور متلی کی کیفیت اسے بار، بار واش روم جانے پر مجبور کر رہی تھی۔ زویا نے اسے سونف، سبز الائچی کے قہوے میں تھوڑا لیموں نچوڑ کر پلایا تو اسے اپنی طبیعت کچھ بہتر ہوتی محسوس ہوئی۔
”گھر کے حالات کچھ بہتر ہوتے ہیں تو میں تمہیں معدے کے اسپیشلسٹ ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گی......

کچھ عرصے سے میں دیکھ رہی ہوں...... تم نہ تو کچھ کھاتی پیتی ہو اس کے باوجود تمہارا دل متلاتا ہے، تمہیں بھوک نہیں لگتی۔'' زویا اس کے پاس چارپائی پہ بیٹھی اس کے بال سہلا رہی تھی...... اس کے لہجے میں بہن کے لیے بے پناہ فکر تھی...... جبھی سیما بیگم ہاتھ میں موبائل پکڑے کمرے میں داخل ہوئیں۔

''صبح سے مسلسل گلو کو فون کر رہی ہوں کم بخت نے اپنا نمبر بھی بند کر رکھا ہے۔'' سیما بیگم کے انداز میں غصہ اور جھنجلاہٹ تھی۔

''آپ کے لاڈلے کے کرتوتوں نے ابا کی جان لے لی...... اب شاید ہماری باری ہے۔'' زویا کے انداز میں گلو کے لیے بے پناہ غصہ تھا...... اب کے وہ گھر سے گیا تھا تو ڈیڑھ مہینے سے اس نے گھر سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا...... چندرہ دن پہلے اس نے ایک شخص کو قاصد بنا کر گھر بھیجا تھا جو انہیں بتا گیا تھا کہ گلو اپنے نام نہاد سیٹھ کے ساتھ کام کے سلسلے میں کراچی گیا ہوا ہے...... سیما بیگم اس سے رابطے کے لیے ہر روز اس کے موبائل پر فون کیا کرتی تھیں مگر اس نے اپنا نمبر ہی بند کر رکھا تھا۔ کبھی کبھی سیما بیگم کو شاکر حسین کی پیش گوئیوں سے بڑا ڈر لگتا تھا...... وقت گزرنے کے ساتھ، ساتھ اب سیما بیگم کو بھی گلو پہ شک ہونے لگا تھا کہ وہ کہیں غلط سرگرمیوں میں ملوث تھا جبھی مہینوں گھر نہ آتا اور ہر مہینے اپنا موبائل نمبر بدل لیتا تھا۔ یہ وہ سارے خدشے تھے جو سیما بیگم کو دن رات ڈستے تھے۔

''اماں آپ خالد بھائی سے کہیں ذرا بجو کو لے کر اب چلے جائیں...... چار مہینے سے انہیں گھر بٹھا کر کھلا رہے ہیں بجائے گھر سے بیوی، بچوں کو لے جانے کے الٹا خالد بھائی بھی پچھلے ڈیڑھ مہینے سے یہاں ڈیرا جما کر بیٹھے ہوئے ہیں۔'' زویا کے انداز میں بیزارت تھی۔

''میں بات کرتی ہوں اس نکمے سے...... اب بھی ساتھ والے کمرے میں بیوی، بچوں کے ساتھ بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا ہے۔'' سیما بیگم چارپائی سے اٹھیں...... اسی اثنا میں گھر کا دروازہ کسی نے زور، زور سے پیٹنا شروع کر دیا تھا۔

''یا اللہ خیر...... یہ کون اس طرح دروازہ پیٹ رہا ہے؟'' سیما بیگم نے پریشانی سے سینے پر ہاتھ رکھا۔

زویا پریشانی کے عالم میں کمرے سے باہر نکلی تو خالد بھی دوسرے کمرے سے باہر نکل آیا۔

''زویا تم رکو میں دیکھتا ہوں۔''

دروازے پہ جو بھی تھا وہ دھڑا دھڑ دروازہ پیٹ رہا تھا۔

''ارے کون ہے اتنا بے صبرا...... دروازہ توڑو گے کیا؟'' خالد نے دروازہ کھولا تو سامنے پولیس والے کھڑے تھے۔

''ادھر آ ذرا تجھے بتاتے ہیں۔'' پولیس والے نے خالد کو گریبان سے پکڑ کر دروازے کی چوکھٹ سے گھسیٹ کر اپنے مقابل لا کھڑا کیا۔

''گلو کہاں ہے باہر نکلواسے۔'' دوسرا پولیس والا دہاڑا۔

سیما بیگم اور زویا پریشانی کے عالم میں صحن سے دروازے کی اوٹ میں آ کھڑی ہوئی تھیں۔

''ج...... جی...... آپ کیوں پوچھ رہے ہیں جی گلو کے بارے میں؟'' خالد بری طرح سے گھبرایا

''اوئے الو کے...... گلو ہمیں چوری، ڈکیتی کی کئی وارداتوں میں مطلوب ہے۔ اس پر کئی پرچے کٹے ہوئے ہیں اور ڈیڑھ مہینے پہلے تو اس نے ایک بینک میں ڈاکا ڈالا ہے...... اور بینک کے گارڈ کو قتل کیا ہے...... جلدی بتا کہاں چھپا ہوا ہے وہ؟''

پولیس والے کے انکشاف پر دروازے کے پیچھے کھڑی سیما بیگم اور زویا کے جسم سے جیسے جان ہی نکل گئی۔

دروازے پر کھڑے خالد کی حالت بھی اس انکشاف پہ پٹھان سے مختلف نہیں تھی۔

"جج...... جی آپ یقین کریں جی...... گگ...... گلو کو تو اس گھر سے گئے دو مہینے ہونے کو آئے ہیں جی...... اس کا تو نمبر تک بند ہے جی...... ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے......" خالد پولیس والوں کو دیکھ کر اور ان کے انکشاف پہ گھگھیا گیا۔

"اوئے تو گلو کا کیا لگتا ہے؟ کیا رشتہ ہے تیرا گلو سے؟" دوسرے پولیس والے نے مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے اس سے سوال کیا۔

"جج...... جی میں بدقسمتی سے گگ...... گلو کا بہنوئی ہوں جی۔"

"سر جی اسے بھی شاملِ تفتیش کرلیں...... کیا پتا یہ بھی گلو کے ساتھ وارداتیں کرتا ہو۔" کانسٹیبل نے اپنے افسر کو مشورہ دیا۔

"اوئے فیکے کہتا تو ٹھیک ہی ہے تو...... اس کی چھترول ہوئی تو یہ گلو کے ٹھکانے بھی بتادے گا......" دوسرے پولیس والے نے بدمعاشی دکھاتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"نن...... نہیں جی...... میرا گلو سے کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے جی...... آپ مجھ سے قسم لے لیں جی...... میں نے تو زندگی میں ایسا بھیانک کام کبھی نہیں کیا جی...... میری تو قسمت ہی خراب تھی جی...... جو میں اپنے ماں، باپ سے جھگڑ کر یہاں چوروں کے گھر میں آگیا۔" خالد گھبرا کر پولیس والوں کے آگے ہاتھ جوڑ رہا تھا...... یہ شور شرابا سن کر زارا اور سارہ بھی کمرے سے باہر نکل آئی تھیں۔

"اوئے بندے کا پتر بن کے چل اگے لگ ورنہ گاڑی میں اٹھا کر پھینکوں گا۔" پولیس والا دہاڑا۔

"بھائی صاحب! آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے میرا گلو ایسے غلط کام نہیں کرسکتا......" سیما بیگم ہمت کر کے دروازے کی اوٹ سے بولیں۔

پولیس کی گاڑی دیکھ کر آہستہ آہستہ محلے والے اکٹھے ہو رہے تھے۔

"او بی بی ہر ماں کو اپنا پتر نیک اور پارسا ہی لگتا ہے...... تیرے پتر پہ پرچے کٹے ہوئے ہیں...... ہم تیرے جوائی کو لے کر تھانے جارہے ہیں جب تک تیرا پتر ارقم عرف گلو پکڑا نہیں جاتا تیرا جوائی شاملِ تفتیش رہے گا۔"

پولیس والے نے بلند آواز میں بولتے ہوئے اطلاع دی تو برآمدے میں کھڑی زارا دوڑ کر دروازے کے پاس آگئی۔

"اماں خدا کے لیے انہیں روکو...... وہ خالد کو کیوں لے کر جارہے ہیں؟"

"بھائی صاحب...... ! ہم عزت دار لوگ ہیں خدا کے لیے ہمارے حال پر رحم کریں اور میرے داماد کو چھوڑ دیں آپ کو یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" سیما بیگم نے روتے ہوئے التجا کی۔

"بس کر بی بی یہ ڈرامے بازیاں...... اب جو بھی گل ہوگی وہ تھانے میں ایس ایچ او کے سامنے ہوگی۔" پولیس والے نے فیصلہ سناتے ہوئے خالد کو گریبان سے پکڑ کر گھسیٹا۔

"خدا کے لیے میرے شوہر کو چھوڑ دیں...... ان کا گلو کی کسی واردات کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔" زارا روتی فریاد کرتی دروازے تک آئی تھی مگر پولیس والوں نے اس کی ایک نہیں سنی تھی اور خالد کو گاڑی میں بٹھا کر لے گئے تھے۔ محلے کے لوگ چہ مگوئیاں کر رہے تھے۔ سیما بیگم کا پورا جسم بے جان ہوگیا تھا وہ زویا کا ہاتھ تھام کر کمرے تک آئی تھی...... سارہ برآمدے کی سیڑھیوں پر گم صم انداز میں بیٹھی تھی...... زارا اپنی تینوں بچیوں کو گود میں چھپائے رو رہی تھی، اس کی بچیاں بھی انتہائی خوفزدہ ہوگئی تھیں...... زویا کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے سیما بیگم کو شوہر کی

باتوں کی بازگشت سنائی دے رہی تھی...... انہوں نے اپنا سر تھام رکھا تھا اور وہ رو رہی تھیں...... شاکر حسین کے ساتھ اتنے سال ازدواجی زندگی گزارتے کے دوران کبھی ایک معمولی سی بدنامی نے بھی سیما بیگم کا کبھی سامنا نہیں کیا تھا مگر آج شاکر حسین کی تیس سالہ ایمانداری اور شرافت خاک میں مل گئی تھی۔ ان کے اکلوتے بیٹے گلو نے اپنے ایمان اور کردار کو چند آسائشوں اور حرام کی دو نمبر کمائی سے باپ کی برسوں کی کمائی عزت اور نیک نامی کو مٹی میں ملا دیا تھا ایسے میں شاکر حسین کی شرافت کے کارنامے اس کے کرتوتوں کو کیسے چھپا سکتے تھے؟ آج سیما بیگم کو شاکر حسین کی باتیں رہ رہ کر یاد آ رہی تھیں وہ سچ ہی کہتے تھے دل کی صفائی صرف حلال سے ہوتی ہے حرام کے کمائے پیسے سے برکت اٹھا کر اس میں بدنامی اور ذلت شامل کر دی جاتی ہے جب یہ پیسہ ختم ہو جاتا ہے تو بدنامی اور ذلت مل کر انسان کو بڑا ذلیل کرتی ہیں۔

شاید ذلت اور بدنامی کا وقت سیما بیگم پر آ چکا تھا...... مگر یہ سزا سیما بیگم اور گلو کے ساتھ، ساتھ سب گھر والوں کو بھگتنا تھی۔

گلو کی گرفتاری کے لیے جگہ، جگہ چھاپے مارے جا رہے تھے، گھر میں کئی بار پولیس آ چکی تھی، لیڈیز پولیس ان کے گھر کی تلاشی بھی لے چکی تھی۔ گلو کے کرتوتوں کی خبریں رشتے داروں سے لے کر پورے محلے میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل چکی تھیں۔ اہلِ محلہ نے مکمل طور پر ان کے گھرانے کا بائیکاٹ کر دیا تھا...... گلو کے ساتھ، ساتھ شاکر حسین کا پورا گھرانا جیسے مجرم بن گیا تھا۔ خالد کو پولیس والوں نے تھانے میں بند کر رکھا تھا۔

بالآخر ایک ہفتے کے بعد گلو کو شیخوپورہ سے گرفتار کر لیا گیا...... ان کے گینگ کا سرغنہ ٹیپو اور اس کا ایک اور ساتھی راکی فرار ہو گئے تھے اور گلو کو پولیس نے اپنی حراست میں لے لیا تھا...... سیما بیگم تو زمانے بھر کی بدنامی سمیٹ کر بستر کو جا لگیں۔ زارا کو بیٹے کی خوشی ملی تھی تو وہ بھی ادھوری...... اس کے بھائی کے ساتھ اس کا بے گناہ شوہر بھی تھانے میں بند تھا۔ شاکر حسین کی موت اور ان کے بعد بدنامی کے اس طوفان نے اس گھرانے کے مکینوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ پے درپے غموں نے زویا کے دماغ کو ماؤف کر دیا تھا...... سارہ نہ زندوں میں شامل تھی نہ مردوں میں...... ایک درندہ نما عاشق آئے دن اس کی عزت کی دھجیاں اڑاتا رہتا...... آج کل جو اس کی حالت ہو رہی تھی، ایک انجانا سا خوف سارہ کو اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا خطرے کی گھنٹیاں اسے ہر وقت اپنے آس پاس سنائی دینے لگیں۔ سارہ جس برائی اور گناہوں کی دلدل میں دھنسی ہوئی تھی وہاں سے اس کا نکلنا ناممکن ہو چکا تھا...... زندگی نے اسے ایک بند گلی میں لا کھڑا کیا تھا...... پریشانیوں کے ساتھ، ساتھ ایک بار پھر گھر میں غربت ڈیرے جمانے لگی تھی۔ سب نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا تھا...... صرف ایک خضر ہی تھا جو اُن کو تسلیاں دینے باقاعدگی سے ان کے گھر آیا کرتا تھا۔ اب بھی وہ آفس سے سیدھا ان کے گھر ہی آیا تھا اس نے اپنی کھٹارا سی بائیک صحن میں کھڑی کی اور بائیک پہ لٹکایا شاپر اتار کر صحن میں چارپائی پر پریشان بیٹھی زویا کے پاس لے آیا۔ خضر کی بائیک کی آواز سن کر زارا کی بچیاں دوڑتی ہوئی کمرے سے باہر نکل آئی تھیں۔ شاپر میں کھانے والی اشیا دیکھ کر بے صبری سے وہ شاپر جھپٹ کر کمرے میں واپس بھاگ گئیں۔

”خضر مجھے لگتا ہے میرا نروس بریک ڈاؤن ہو جائے گا......“ زویا کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اس کے لہجے میں بے پناہ دکھ اور مایوسی تھی۔

”اللہ نہ کرے تمہیں کچھ ہو...... انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا زویا...... تم فکر مت کرو۔“ خضر نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے یقیناً اسے جھوٹی تسلی دی تھی۔

”خضر تمہیں پتا ہے بہت سی پریشانیاں اور باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کے جواب میں ہم کہتے ہیں سب ٹھیک

ہو جائے گا۔ حالانکہ سب کچھ پہلے کی طرح بالکل ٹھیک نہیں ہوتا۔''

''زویا پلیز اللہ پر بھروسا رکھو۔''

''مجھے اللہ پر بھروسا ہے خضر مگر خود پر بھروسا ختم ہو گیا ہے...... اور پلیز مجھے جھوٹی تسلیاں مت دیا کرو...... میں جانتی ہوں ایک بہت بھیانک طوفان ہمیں گھیر چکا ہے، اب کچھ بھی ٹھیک نہیں ہوگا...... گلو گرفتار ہو چکا ہے، پتا نہیں اسے کتنی سزا ہوگی؟ گھر کے حالات روز بروز خراب ہو رہے ہیں، اماں اس غم سے بیمار پڑ کر بستر کو جا لگی ہیں...... مجھے اسکول والوں نے نوکری سے نکال دیا ہے۔ محلے والے اب اپنے بچوں کو ہم سے ٹیوشن پڑھانا گوارا نہیں کرتے۔'' زویا رو رہی تھی اس کے لہجے میں بے پناہ تھکن تھی۔ جیسے صدیوں کی مسافت طے کر کے آئی ہو۔ اب کے خضر اسے جھوٹی تسلی بھی نہیں دے سکا تھا کیونکہ وہ جو کہہ رہی تھی بالکل ٹھیک کہہ رہی تھی۔

''خضر پلیز...... مجھے کہیں جاب لگوا دو...... تاکہ گھر میں فاقے تو نہ پڑیں۔'' وہ سسک کر بولی۔

''زویا میں نے بہت عرصے سے اپنے آفس میں بات کر رکھی ہے، وہاں فی الحال کوئی سیٹ خالی نہیں ہے۔ میں نے اپنے کئی دوستوں سے تمہاری جاب کے لیے ان کے اداروں میں کسی خالی سیٹ کے حوالے سے بات کر رکھی ہے۔ میں تمہاری جاب کے حوالے سے بھرپور کوشش کر رہا ہوں...... مگر تمہیں تو ملک کے حالات کا پتا ہے یہاں تو ایم بی اے والے نوکریوں کے لیے دھکے کھا رہے ہیں اور تم نے صرف بی اے کیا ہوا ہے۔'' خضر دھیمے انداز میں اسے تفصیل بتا رہا تھا۔

''بس ابا کی بیماری اور گھر کے حالات اور پھر اسکول کی جاب نے اتنی فرصت بھی نہیں دی کہ ایم اے ہی کر لیتی......'' اس کے انداز میں ازحد افسوس تھا۔ ''ہمارے طبقے کے لوگ اپنی خواہشیں مار، مار کر ایک دن چپکے سے مر جاتے ہیں۔'' خضر نے ایک لمحے کے لیے پریشانیوں اور مایوسی میں گھری اس لڑکی کو دیکھا جس کی آنکھوں میں سوائے دکھوں کے اور کوئی چیز دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اس کے چہرے پر مایوسی کے اندھیرے رقم تھے...... اس کے لہجے میں دکھوں کی داستانیں بول رہی تھیں۔

''تم گلو سے ملے؟''

''ہاں، میں کل تھانے گیا تھا۔''

''کیسا تھا وہ نامراد......؟''

''بہت رو رہا تھا اور مجھ سے بار، بار اس کیس سے چھٹکارا دلانے کی التجائیں کر رہا تھا...... وہ تم سے اور ماں سے ملنے کی التجا کر رہا تھا...... وہ بہت برے حال میں ہے پولیس والوں نے بہت مار پیٹ کی ہے اس کی۔'' خضر کی اطلاع پہ زویا کی آنکھوں سے پٹ، پٹ آنسو گرنے لگے تھے۔

''اس کے کیے کی سزا ہم سب کو بھگتنی پڑ رہی ہے......'' زویا نے اپنے آنسو صاف کیے۔

''زویا پلیز میری بات کو کوئی غلط رنگ مت دینا مگر یہ سچ ہے کہ گلو کا اس کیس سے چھٹکارا پانا بہت مشکل ہے۔ کل میری ایس ایچ او سے تفصیلی بات ہوئی ہے گلو نے اقرارِ جرم بھی کر لیا ہے۔''

''خضر کوئی تو راستہ ہوگا؟ اماں نے رو، رو کر خود کو بیمار کر لیا ہے روز بروز ان کی صحت گرتی جا رہی ہے...... باپ کی شفقت کے بعد اب ہم ماں کی ممتا سے محروم ہونا نہیں چاہتے......'' زویا ایک بار پھر رونے لگی۔

''ایک راستہ ہے جو گلو کی رہائی کا باعث بن سکتا ہے مگر مجھے نہیں لگتا کہ ہم ایس ایچ او کی ڈیمانڈ پوری کر سکیں گے۔'' خضر کے انداز میں بھی مایوسی تھی۔

''کیسی ڈیمانڈ......؟'' زویا نے حیرت سے خضر کو دیکھا۔

"ایس ایچ او نے گلو کو اس کیس سے چھڑانے کے لیے تین لاکھ رشوت مانگی ہے۔" خضر کے انکشاف پہ زویا کی آنکھیں حیرت اور دکھ سے پھیل گئیں۔

"تین لاکھ......؟ یہ تو بہت بڑی رقم ہے۔"

"گلو کے جرائم بھی تو بہت بڑے ہیں...... بینک ڈکیتی کے دوران گارڈ کو بھی قتل کیا ہے گلو اور اس کے دوستوں نے۔" خضر نے دھیرے سے کہا۔ "اچھا اب میں چلتا ہوں۔ کافی دیر ہو گئی ہے۔" خضر چارپائی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ "امی میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔"

"پھپو کیسی ہیں؟ اتنے دنوں سے انہوں نے چکر نہیں لگایا؟" زویا کے استفسار پر وہ سر جھکا گیا تھا۔

"امی ٹھیک نہیں ہیں۔ انہیں موسمی بخار ہو رہا ہے۔ شاید اسی لیے وہ یہاں نہیں آسکیں۔" خضر نے زویا سے نظریں چراتے ہوئے جھوٹ بولا۔ وہ زویا کو کیسے بتاتا کہ اس کی ماں نے اسے یہاں اس گھر میں آنے سے سختی سے منع کر رکھا ہے اب بھی وہ اپنی ماں سے چوری چھپے یہاں آیا تھا۔

"ٹھیک ہے تم پھپو کو میرا اسلام دینا...... اور کل ضرور آنا اماں کو اور مجھے گلو سے ملوا لانا......" زویا کی بات پر وہ فقط سر ہلا کر اپنی بائیک کی طرف بڑھ گیا۔ سورج غروب ہونے میں فقط تھوڑی ہی دیر باقی تھی سارہ...... زویا سے حنا کے گھر تک جانے کا کہہ کر دوپہر سے گئی ہوئی تھی اور ابھی تک نہیں لوٹی تھی۔

☆☆☆

آج سارہ نے اسجد کو فون کر کے خود اس سے ملنے کی درخواست کی تھی اور وہ خوشی سے دوڑا چلا آیا تھا کیونکہ ہمیشہ اسجد ہی اسے دو چار بار فون کرتا تھا، اسے بدنام کرنے کی دھمکیاں دیتا تو وہ ڈرتے، ڈرتے اس کے پاس چلی آتی مگر آج جب سارہ نے اس سے خود ارجنٹ ملنے کی درخواست کی تو وہ بہت خوش ہوا تھا اور وہ سارہ کو اپنے دوست کے خالی فلیٹ میں لے آیا تھا۔

"لگتا ہے میری جان کو آج میری بہت یاد آرہی تھی۔" اسجد نے مخمور سے لہجے میں اپنے ساتھ بیٹھی سارہ کے گال چھوتے ہوئے کہا تو سارہ کا بے اختیار جی چاہا کہ اسے جان کہنے والے کو وہ جان سے ہی مار دے۔ جس نے اسے ایک طوائف بنا دیا تھا۔

"آخر تم مجھے کب تک ایک ٹشو پیپر کی طرح استعمال کرتے رہو گے، خدا کے لیے میری جان چھوڑ دو یا مجھے جان سے ہی مار دو۔" سارہ نے روتے ہوئے اسجد کے آگے ہاتھ جوڑے۔

اسجد کے ایک ہاتھ میں مشروب سے بھرا گلاس تھا اور اپنا دوسرا بازو اس نے سارہ کے کندھے پہ پھیلاتے ہوئے اسے خود سے قریب کر لیا تھا۔

"جب تک میرا دل تم سے بھر نہیں جاتا، میں ایسا نہیں کر سکتا...... تمہیں ایک بات بتاؤں؟ تم میری زندگی میں آنے والی سیکڑوں، لڑکیوں میں سے وہ واحد لڑکی ہو جس سے بار، بار ملنے کے باوجود میں ابھی تک بور نہیں ہوا...... ورنہ دو چار ملاقاتوں کے بعد لڑکیاں میرے دل سے اتر جاتی ہیں...... اور میں انہیں کام پر لگا دیتا ہوں...... یعنی آسان لفظوں میں...... وہ مجھے کما کر دیتی ہیں۔" گلاس منہ سے لگانے کے بعد اس نے سارہ کی طرف رخ موڑ لیا۔ "مگر تم میں نہ جانے ایسا کیا نشہ ہے کہ اپنے علاوہ تمہیں کسی اور کے پاس بھیجنے کو دل ہی نہیں چاہتا...... کم بخت یہ دل چاہتا ہے۔ تمہیں بار، بار دیکھنے کو تمہیں اپنے پاس بلانے کو......" اسجد نے سارہ کے کان کے قریب آتے ہوئے سرگوشی کی...... سارہ کا جی چاہا کہ وہ کوئی چیز اٹھا کر اسجد کے سر پر دے مارے...... مگر فی الحال وہ ایسا نہیں کر سکتی تھی۔

''اسجد کچھ دنوں سے میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے پلیز...... کچھ کرو اور مجھے کسی لیڈی ڈاکٹر کے پاس لے چلو...... مجھے اپنے چاروں طرف خطرے کی گھنٹیاں سنائی دے رہی ہیں...... تمہیں خدا کا واسطہ میری مدد کرو......''
سارہ اپنے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ، پھوٹ کر رو پڑی تھی۔
اسجد اسے تھوڑی دیر دیکھتا رہا اور پھر اس نے فون پر کسی سے بات کی اور بات کرنے کے بعد اس نے سارہ کو اپنے ساتھ چلنے کو کہا سارہ چپ چاپ چلتی ہوئی اس کے پیچھے فلیٹ سے نکل کر گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔ پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد اسجد اسے لے کر کسی لیڈی ڈاکٹر کے پرائیویٹ کلینک میں موجود تھا جہاں اس کے دوست کی محبوبہ، نرس کے طور پر جاب کر رہی تھی۔ نرس نے سارہ کو سمجھا دیا تھا کہ وہ لیڈی ڈاکٹر کے سامنے خود کو شادی شدہ ظاہر کرے...... لیڈی ڈاکٹر نے اس کا مکمل چیک اپ کیا اور اسے مبارک باد دی۔
لیڈی ڈاکٹر کی اطلاع پر اس کا سر چکرانے لگا اسے جس بات کا ڈر تھا وہ بات سچ ثابت ہوگئی تھی۔ لیڈی ڈاکٹر نے ایک لمبا سا پرچہ لکھ کر اس کے ہاتھ میں تھما دیا تھا اور ساتھ ہی اچھا کھانے پینے کی ہدایت کی تھی اور وہ بے جان وجود کے ساتھ اٹھ کر باہر آگئی تھی۔ نرس نے باہر آ کر جب ڈاکٹر کی باتوں سے اسجد کو آگاہ کیا تو وہ یہ سب سن کر اس مصیبت سے جان چھڑوانے کی بات اسی نرس سے کرنے لگا۔
''کیا ہوا؟''
''اگر اس قصے کو ختم کروایا جائے تو......؟ کیا کیا آپ اس سلسلے میں ہماری کوئی مدد کر سکتی ہیں؟''
''یہ بہت مشکل ہے کوئی ڈاکٹر نہیں مانے گی، ہاں کوئی دائی یا تجربے کار نرس شاید مل جائے ویسے یہ بہت مشکل کام ہے کافی رقم خرچ ہو سکتی ہے۔''
''ٹھیک ہے، میں فون پہ آپ سے رابطہ کر کے بتا دوں گا......'' اسجد اسے لے کر گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔
واپسی پر اسجد خاموشی سے گاڑی چلا رہا تھا اور سارہ زارو قطار رو رہی تھی۔
''تم نے میری زندگی برباد کر دی اسجد...... اور اب اس گناہ کے بوجھ کو میں دنیا والوں سے کیسے چھپاؤں گی؟ تم نے مجھے کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا......'' سارہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔
اسجد نے اسے کوئی تسلی کوئی دلاسا نہیں دیا تھا۔ بس وہ کچھ اور سوچ رہا تھا۔
''پلیز اسجد مجھ سے شادی کر لو...... پلیز مجھے اپنا لو...... اپنے اس بچے کو اپنا نام دے دو...... چاہے بعد میں مجھے چھوڑ دینا...... طلاق دے دینا مگر خدا کے لیے مجھے اس بدنامی سے بچا لو اسجد...... میرے گھر والے مر جائیں گے۔'' سارہ جنونی انداز میں اس کا بازو پکڑے اس سے التجائیں کر رہی تھی۔ اسجد نے اس کے گھر کی پچھلی سڑک پر گاڑی روک دی تھی۔
''میری ماں تم جیسی بدکردار لڑکی کو کبھی قبول نہیں کرے گی۔'' اس نے بڑے آرام سے اس کی تمام التجاؤں کا ایک ہی مختصر جواب دے کر اس کے تن بدن میں آگ لگا دی تھی۔
''میں بدکردار نہیں تھی ایک شریف باپ کی باحیا بیٹی تھی، میرے ایک غلط قدم نے تم جیسے لٹیرے کو میری عزت اور کردار کو داغدار کرنے کا موقع دیا اور پھر میں تمہارے جال میں پھنستی چلی گئی۔''
''فی الحال میں تمہاری فضول باتیں سننے کے موڈ میں نہیں ہوں...... میں ایک دو دن میں گل افشاں (نرس) سے بات کر کے تمہیں بتا دوں گا...... تم فکر مت کرنا ہم جلد ہی اس پریشانی سے چھٹکارا حاصل کر لیں گے......'' اسجد رسمی سے انداز میں اسے تسلی دے کر چلا گیا تھا۔ سارہ کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ گھر جانے کے بجائے یہیں سڑک کے بیچ کھڑی ہو کر کسی گاڑی کے نیچے آ جائے مگر گناہوں کے ڈر سے اسے موت سے بھی خوف آنے لگتا تھا۔ کاش اس کی

زندگی کا ریموٹ کنٹرول اس کے ہاتھ میں ہوتا تو وہ اپنی زندگی کو فوراً ریورس کر لیتی مگر ایسا نہیں ہو سکتا تھا۔ ہم جس وقت کو اپنی نادانیوں، اپنے تکبر یا ہنسی مذاق میں اپنے پیروں تلے روند کر گزر جاتے ہیں کبھی، کبھی وہ ہی وقت ہمارے پیروں تلے سے زمین کھینچ لیتا ہے۔

☆☆☆

اگلے دن سیما بیگم اور زویا کو خضر کے ساتھ تھانے جانا تھا انہیں گلو سے ملاقات کرنا تھی وہ کافی دیر سے خضر کے آنے کا انتظار کر رہی تھیں مگر جب کافی دیر گزر جانے کے باوجود وہ نہ آیا تو زویا نے اس کا نمبر ملایا۔

”ہیلو خضر کہاں ہو تم......؟ ہم کافی دیر سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔“ زویا نے اس کی آواز سنتے ہی خضر سے سوال کیا...... زویا کے پاس بیلنس بھی کم تھا۔

”ہاں وہ زویا...... تم اور مامی خود ہی چلی جاؤ...... امی کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی تھی، ان کا بی پی شوٹ کر گیا تھا میں ان کا چیک اپ کرواتے کلینک لایا ہوں۔“

خضر نے زویا سے جھوٹ بولا تھا...... نگہت بیگم نے خضر کو ان تھانے کچہری کے معاملات سے دور رہنے کا سختی سے حکم دے رکھا تھا تاکہ خالد کی طرح اسے بھی گلو کے معاملے میں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔

زویا اور سیما بیگم خود بھی جب گلو سے ملاقات کے لیے تھانے پہنچیں تو پولیس والوں نے گلو کو مار، مار کر اس کا حلیہ بگاڑ رکھا تھا...... ماں اور بہن کو اپنے سامنے دیکھ کر گلو گڑگڑاتے ہوئے ان سے معافیاں مانگنے لگا...... سیما بیگم بیٹے کی حالت دیکھ کر تڑپ اٹھیں۔ زویا کا دل بھی کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔ گلو جیسا بھی تھا...... تھا تو اس کا بھائی ہی ناں......

”اماں تجھے خدا کا واسطہ کسی طرح مجھے یہاں سے نکالو ورنہ یہ لوگ مجھ پر تشدد کر، کر کے مجھے جان سے مار دیں گے۔“ وہ بلک رہا تھا۔

”زویا...... زویا خدایا مجھے اس جہنم سے نکالو...... قسم لے لو میں نے گارڈ پہ گولی نہیں چلائی...... ٹیپو نے اس پر فائر کیے تھے...... میں صرف ڈکیتی میں ان کے ساتھ تھا۔ میں نے گارڈ کو قتل نہیں کیا...... پولیس والے گارڈ کا قتل بھی میرے سر ڈال رہے ہیں...... مجھے بچالو...... میں نے اپنے اور تم سب کے ساتھ بڑا ظلم کیا ہے...... خدا کے لیے مجھے معاف کردو۔“ گلو جیل کی سلاخوں کے پیچھے کھڑا ہاتھ جوڑے گڑگڑا رہا تھا، معافیاں مانگ رہا تھا اور التجائیں کر رہا تھا۔

”اماں...... اماں کچھ بول ناں...... تو چپ کیوں ہے؟ زویا...... خدا کے لیے مجھے معاف کردے...... ایک بار، صرف ایک بار مجھے اس جہنم سے نکال دے...... ابا کی قسم ساری زندگی ایسے غلط کام نہیں کروں گا......“ گلو کسی بچے کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس کے ساتھ، ساتھ سیما بیگم اور زویا بھی رو رہی تھیں۔

”گلو یہ تو نے کیا کردیا؟ اپنے باپ کی عزت کو مٹی میں ملا دیا۔ ہمیں کسی کو منہ دکھانے کے قابل تک نہیں چھوڑا تو نے......“ سیما بیگم سلاخوں سے اپنا سر ٹکراتے ہوئے بین کر رہی تھیں۔

”گلو میں تین لاکھ کہاں سے لاؤں......؟ ہمارے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں۔ پورے محلے نے ہمارا بائیکاٹ کر رکھا ہے...... مالک مکان نے اس مہینے مکان خالی کر دینے کا نوٹس دے دیا ہے...... تمہارے ان غلط کرتوتوں نے ہر طرف سے ہماری زندگی کے گرد گھیرا تنگ کر دیا ہے...... مجھے تو کوئی صورت نظر نہیں آرہی......“ زویا نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

”زویا تم...... تم خضر بھائی سے کہو ناں...... ہمیں کہیں سے دو تین لاکھ روپے کا بندوبست کر دیں۔“

گلو نے سیما بیگم اور زویا کو ایک نیا راستہ دکھایا۔

''اتنی بڑی رقم خضر کہاں سے لائے گا؟'' زویا پریشان ہوئی۔

''کسی سے ادھار لا دیں...... میں باہر آ کر محنت کر کے آہستہ، آہستہ وہ قرض اتار دوں گا۔''

''گلو آج کل کے دور میں کوئی مانگے سے تین ہزار نہیں دیتا...... خضر تین لاکھ کا بندوبست کہاں سے کرے گا؟'' زویا بے حد پریشان تھی۔

''زویا...... گلو ٹھیک کہہ رہا ہے...... خضر سے کہو وہ کہیں سے ہمیں ادھار مانگ دے ہم آہستہ، آہستہ وہ رقم واپس لوٹا دیں گے...... خضر ہمارا ہونے والا داماد ہے، وہ کیا ہمارے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتا......؟'' ممتا نے سیما بیگم کو ایک بار پھر مطلب پرست بنا دیا تھا۔

''مگر اماں آپ......'' زویا زچ ہوئی۔

''زویا خدا کے لیے یہ اگر مگر چھوڑو اور کسی طرح سے مجھے یہاں سے نکالو...... پولیس والے مجھ پر تشدد کر کے مجھے گارڈ کو قتل کرنے کا اقبالِ جرم کروانا چاہتے ہیں...... یہ مجھے ایک چور اور ڈکیت سے قاتل بنا دیں گے، مجھے چھوٹے مجرم سے بڑا مجرم بنا دیں گے۔'' گلو ایک بار پھر رونے لگا تھا۔ اس کے چہرے اور پورے جسم پہ جا بجا نیل پڑے ہوئے تھے اس کے ہونٹ پھٹے ہوئے تھے اور ایک آنکھ بھی سوجی ہوئی تھی۔

''گلو تین لاکھ بہت بڑی رقم ہے۔ شاید اتنی بڑی رقم کا بندوبست نہ ہو سکے۔'' زویا از حد پریشان تھی اس کا ذہن بری طرح سے الجھا ہوا تھا۔

"زویا مایوسی کی باتیں نہ کرو..... کسی طرح سے بھی ایک بار صرف ایک بار مجھے اس جہنم سے نکال دو..... میں..... میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا....." وہ بدستور گڑگڑا رہا تھا۔

"گلو تو پریشان نہ ہو میرے بچے..... ہم تجھے یہاں سے نکال لیں گے۔" سیما بیگم نے دوپٹے سے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے بیٹے کو تسلی دی۔

"بس بی بی ملاقات کا وقت ختم ہو گیا ہے....." کانسٹیبل نے آواز لگائی۔

"اماں تو، تو ماں ہے میری..... تیرا بیٹا یہاں مر جائے گا..... اگر مجھے زندہ دیکھنا چاہتی ہے تو ایس ایچ او کی بات مان لو..... قرض لے لو اور مجھے بچا لو....." گلو، سیما بیگم کے ہاتھ پکڑ کر انہیں ایموشنل بلیک میل کرنے لگا۔

"تو پریشان نہ ہو گلو..... ہم کوئی نہ کوئی بندوبست کر لیں گے۔" سیما بیگم نے جیل کی سلاخوں میں ہاتھ ڈال کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا، اسے تسلی دی۔

"بی بی تجھے صاحب بلا رہے ہیں....." کانسٹیبل نے ان دونوں سے کہا اور وہ دونوں کانسٹیبل کی معیت میں ایس ایچ او کے کمرے کی جانب چل پڑیں۔

"السلام علیکم.....!" کمرے میں داخل ہوتے ہی سیما بیگم نے کرسی پر بیٹھے اس موٹے پچاس پچپن سالہ شخص کو سلام کیا۔

"وعلیکم السلام....." موٹے سے کریہہ چہرے والے ایس ایچ او نے اپنی بڑی، بڑی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے سیما بیگم کے ساتھ پریشان حال زویا کو بڑی گہری اور غلیظ نظروں سے سر تا پاؤں دیکھتے ہوئے سلام کا جواب دیا۔

"ہاں بھئی اپنے ڈکیت بیٹے سے ملاقات ہو گئی؟"

"جی جی ہو گئی ہے..... صاحب ہم بڑے غریب لوگ ہیں، آپ کو دینے کے لیے ہمارے پاس ایک پھوٹی کوڑی تک نہیں ہے۔ خدا کے لیے صاحب میرے بیٹے کو چھوڑ دیں....." سیما بیگم ایک بار پھر جذباتی ہو کر رونے لگیں..... زویا کو عجیب سی شرمندگی ہو رہی تھی۔

"کون کہتا ہے تو غریب عورت ہے، سرعام تو تو اپنے ساتھ ہیرا لیے پھر رہی ہے۔" ایس ایچ او نے زویا کو مسلسل تاڑتے ہوئے جواب دیا۔

زویا اپنی جگہ جز بز سی ہو رہی تھی..... اس نے اپنے سر پر لیا ہوا دوپٹا مزید سر پر کھسکایا۔

"صاحب تین لاکھ بہت بڑی رقم ہے..... میں ایک بیوہ عورت ہوں..... گلو میرا واحد سہارا ہے۔ میں اتنی بڑی رقم کا بندوبست کیسے کروں گی؟" ممتا کے ہاتھوں مجبور ہو کر سیما بیگم اس سرکاری کرسی پر بیٹھے موٹے غلیظ شخص سے التجائیں کر رہی تھیں..... اور زویا وہ تو جیسے زمین میں دھنستی جا رہی تھی۔

" او بی بی تیرا بیٹا مجرم ہے..... بتاشے بانٹتا نہیں پکڑا ہم نے..... تیرا بیٹا راستے میں کھڑا ہو کر لوگوں کو لوٹتا ہے..... ڈکیتیاں کرتا ہے، بینک لوٹا ہے اس نے..... قتل میں ملوث ہے..... کوئی مذاق نہیں..... جتنا بڑا جرم اتنی ہی بڑی قیمت..... یہ میرا اصول ہے....." ایس ایچ او نے اکڑ اور تکبر کے انداز میں وضاحت کی اور پھر اپنی گندی نظروں سے زویا کا پوسٹ مارٹم کرتے ہوئے ریوالونگ چیئر گھماتے ہوئے بولا۔

"ویسے یہ لڑکی کون ہے..... کیا لگتی ہے تیری؟" نگاہیں اب بھی زویا پر مرکوز تھیں مگر سوال شدید پریشانی میں مبتلا سیما بیگم سے کیا گیا تھا۔

زویا کا جی چاہ رہا تھا وہ ٹیبل پر پڑا پیپر ویٹ اٹھا کر اس پولیس والے کے سر پر دے مارے جو مسلسل اپنی نگاہوں سے اسے ہراساں کر رہا تھا..... آج تک تھانے کچہری کا انہوں نے صرف نام ہی سن رکھا تھا، آج گلو کے

غلط کاموں نے انہیں تھانے کا دیدار بھی کروا دیا تھا اور پولیس والوں کا مکروہ چہرہ بھی دکھا دیا تھا۔
"جی...... جی یہ میری بیٹی ہے۔"
"شادی شدہ ہے یا کنواری......؟" ایک بار پھر مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے سوال کیا گیا...... زویا کو شدید غصہ آنے لگا...... مگر وہ مجبور تھی، نہ بول سکتی تھی نہ اس پولیس والے کی بے عزتی کر سکتی تھی۔
"جی غیر شادی شدہ ہے۔" سیما بیگم کو بھی زویا کے حوالے سے اس طرح کے سوال جواب بالکل غیر مناسب لگ رہے تھے۔
"مجھے رشتہ دے دو اس لڑکی کا...... تیرے بیٹے کو تین لاکھ لیے بغیر چھوڑ دوں گا......" موٹی توند والے پولیس افسر نے زویا کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر آفر کی...... تو حیرت سے سیما بیگم نے اس پولیس والے کو دیکھا...... اور زویا کے تو تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔
"اماں چلو یہاں سے...... یہ پولیس والے تو ہوتے ہی گھٹیا ہیں...... ان کے گھر میں مائیں بہنیں نہیں ہوتیں......" زویا غصے میں دہاڑی تھی۔
"سچ کہا ہے کسی نے خاموش جھیل میں بھی اکثر طوفان چھپے ہوتے ہیں۔ لڑکی تو بڑی جی دار ہے...... ایک پولیس والے کے سامنے پولیس والوں کو برا کہہ رہی ہے؟ جانتی ہو اس بدتمیزی کی سزا کیا ہو سکتی ہے تم لوگوں کے لیے؟" ایس ایچ او نے رعب جھاڑا...... سیما بیگم نے زویا کا ہاتھ تھام کر دباتے ہوئے اسے چپ رہنے کو کہا۔
"تم ہمیں کیا سزا دو گے؟ سزا تو تم جیسے لوگوں کو وہ اوپر والا ہی دے گا جو ہم جیسوں کی مجبوریوں کی اتنی آسانی سے قیمت لگا لیتے ہو۔" زویا اپنی بات مکمل کرنے کے بعد ایس ایچ او کے کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔
"صاحب میں معافی چاہتی ہوں...... میری بیٹی نے آپ سے بدتمیزی کی۔" سیما بیگم شرمندہ انداز میں اس پولیس والے سے معافی مانگنے لگیں۔
"بڑی لمبی زبان ہے، بھئی تیری بیٹی کی۔"
"معاف کر دیں صاحب...... اپنی بیٹی کی طرف سے میں معافی مانگتی ہوں۔"
"دل آ گیا ہے میرا...... تیری اس بدزبان بیٹی پہ...... نکاح پڑھوا دے مجھ سے...... چھوڑ دوں گا تیرے بیٹے کو۔" ایس ایچ او نے ایک بار پھر وہی آفر کی۔
"بس...... سوچ کر بتاؤں گی صاحب! اتنی جلدی ایسے فیصلے نہیں ہوا کرتے......"
"سوچ لے...... تجھے سوچنے کے لیے ایک ہفتہ دیتا ہوں...... سودا گھاٹے کا نہیں...... اِدھر تو بیٹی کا نکاح پڑھوائے گی اُدھر تیرا بیٹا گھر پہنچ جائے گا...... ورنہ ایسے، ایسے کیسوں میں الجھاؤں گا تیرے بیٹے کو کہ ساری زندگی جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہی گل سڑ کر مر جائے گا۔" ایس ایچ او نے اٹھ کر ٹیبل پہ ہاتھ رکھے اور آگے کو جھک کر سیما بیگم کو واضح دھمکی دیتے ہوئے فیصلہ سنایا۔
سیما بیگم ایک نئے امتحان میں داخل ہو چکی تھیں ایک طرف ان کے اکلوتے بیٹے گلو کی زندگی تھی اور دوسری طرف ان کی بیٹی کی خوشیاں...... اب سیما بیگم کو دونوں میں سے کسی ایک کو چننا تھا۔
زندگی نے انہیں ایک اور کڑے امتحان میں ڈال دیا تھا۔

☆☆☆

خالد کو پولیس والوں نے بلاوجہ حراست میں لے رکھا تھا۔ گلو کے ساتھ، ساتھ پولیس والوں نے خالد کو بھی تشدد کا نشانہ بنایا تھا...... زارا الگ خالد کو پولیس کی حراست سے چھڑانے کے لیے سیما بیگم سے التجائیں کرتی

تھی...... اس وقت سیما بیگم تین رشتوں میں پھنسی ہوئی تھیں...... زویا نے گھر آتے ہی دوٹوک انداز میں ماں سے اس موٹے غلیظ اپنے باپ کی عمر کے ایس ایچ او سے شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا...... وہ اس صورتِ حال کو خضر کے ساتھ ڈسکس کرنا چاہتی تھی مگر اس کا نمبر بھی بند جا رہا تھا اور اب خضر بھی ان کے گھر کم ہی آیا کرتا تھا۔

دوسری طرف سارہ قابلِ رحم حالت میں سارا دن بستر پر پڑی رہتی، سیما بیگم اب ہمہ وقت شاکر حسین کو یاد کر کے روتی رہتیں...... ان کی ایک، ایک بات سچ ثابت ہو رہی تھی...... ایک عجیب و غریب بے سکونی تھی، ذلت تھی جس نے ان کے گھر کا راستہ دیکھ لیا تھا۔

آج تیسرا دن تھا زویا صبح نوکری کے لیے نکلتی اور دھکے کھا کر شام کو گھر واپس آتی...... کہیں وہ تعلیمی معیار پہ پوری نہ اترتی اور کہیں اپنی اچھی شکل صورت کی بدولت مرد اسے غلط قسم کی نظروں سے دیکھتے ہوئے کچھ اور ہی ڈیمانڈ کر دیتے...... سفارش اس کے پاس نہیں تھی۔ گھر کے حالات اتنے خراب تھے کہ زویا کو اپنی سابقہ کولیگ ٹیچر ...، دوست سے تین ہزار ادھار لینا پڑے۔

آج بھی زویا مایوسی کے عالم میں گھر میں داخل ہوئی تو صحن میں سیما بیگم اور زارا کو روتے ہوئے پایا...... قریب ہی برآمدے میں زارا کی تینوں بچیاں پریشانی کے عالم میں ایک ساتھ جڑ کر بیٹھی تھیں۔

''زویا خالہ پولیس والوں نے گلو ماموں کو مار، مار کر ان کا بازو توڑ دیا ہے۔ انہوں نے میرے ابو جی کو بھی بہت مارا ہے، آج نانی...... میں اور امی تھانے گئے تھے۔ ابو اور گلو ماموں سے ملنے۔'' زارا کی سب سے بڑی نو سالہ بیٹی نمرہ نے آگے بڑھ کر زویا کو اطلاع دی اور وہ پریشانی سے وہیں چارپائی کے قریب رکھے موڑھے پر بیٹھ گئی۔

''اماں یہ نمرہ کیا کہہ رہی ہے؟''

''سچ کہہ رہی ہے اور یہ سب تیرے انکار کی وجہ سے ہوا ہے۔'' سیما بیگم کے انداز میں زویا کے لیے بے پناہ شکوے تھے۔

''زویا میری بہن...... دیکھ ضد نہ کر...... ہمیں اس عذاب سے نکال دے۔ خدا کے لیے اس رشتے کو قبول کر لے...... گلو اور خالد کو بچا لے ورنہ ہم برباد ہو جائیں گے زویا...... ہمیں بچا لے......'' زارا اب زویا کے آگے ہاتھ جوڑ کر رو رہی تھی، گڑگڑا رہی تھی۔ سیما بیگم ایک بار پھر رونے لگی تھیں...... زویا اپنی جگہ پر حیرت سے بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو خودبخود بہہ رہے تھے...... اور وہ سوچ رہی تھی کہ اپنی جان پہ بنے تو یہ رشتے بھی چند لمحوں کو کتنے خودغرض ہو جاتے ہیں۔ اپنے باپ کی عمر کے رنڈوے غلیظ آدمی جسے دیکھ کر ہی اسے گھن آ رہی تھی وہ اپنے چھوٹے بھائی اور بہنوئی کی خاطر اس سے نکاح کیسے کر لیتی؟ بچپن سے اس کے دل پہ خضر کا نام رقم تھا وہ اپنے دل سے اس کا نام کیسے مٹا سکتی تھی؟ اس نے ہوش سنبھالا تھا تو خضر کے نام کی انگوٹھی پہن لی تھی، اس نے تو ہمیشہ سے صرف اس کے ساتھ کے سپنے دیکھے تھے، وہ ان سپنوں سے کیسے جان چھڑا سکتی تھی...... خضر اس کی پہلی اور آخری محبت تھا...... وہ اپنی محبت کا گلا کیسے گھونٹ دیتی؟

''زارا بجو مجھ سے اتنی بڑی قربانی نہ مانگیں...... میں انسان ہوں کوئی فرشتہ نہیں...... میرے اس گوشت کے وجود میں دل بھی تو ہے وہ بھی کسی کے لیے دھڑکتا ہے...... وہ بھی کئی خواہشیں رکھتا ہے۔'' زویا بات کرتے، کرتے اب باقاعدہ رو رہی تھی...... اندر کمرے میں بیٹھی سارہ باہر ہونے والی تمام گفتگو سے انتہائی دل گرفتہ ہو رہی تھی اسے ایسے لگ رہا تھا جیسے کوئی آری سے اس کے تن بدن کو چیر رہا ہو۔

(جاری ہے)

”زاہد تم نے سیما کے لیے ایک رشتہ بتایا تھا۔ اس لڑکے کا کہیں اور تو طے نہیں ہوا؟“ انہوں نے دھیمے لہجے میں پچھلی بات یاد دلا کر بات شروع کی۔

”رشتہ۔۔۔“ میں کچھ دیر کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔ ”او ہاں......“ اچانک مجھے یاد آیا۔ ”مگر بھابی اس وقت تو آپ نے کوئی خاص نوٹس نہیں لیا تھا۔“ میری حیرت بجا تھی۔

”اس وقت بات اور تھی مگر اب......“

”بات اور ہے......“ میں نے بھابی کا جملہ اچک لیا تو وہ دھیرے سے مسکرا دیں۔

”لیکن اس بات کو تو کافی مہینے ہو گئے ہیں اور آپ کو وہ بات اب یاد آرہی ہے؟“ میں حیرت میں مبتلا سوال پر سوال کیے جارہا تھا۔

”تو کیا وہ رشتہ جو تم نے بتایا تھا کہیں اور منظور ہو گیا؟“ انہوں نے گھبرا کر پوچھا تو میں نے نفی میں سر ہلا کر ان کی گھبراہٹ کسی حد تک کم کی۔

”نہیں خیر اب تک تو کہیں بات نہیں چلی۔“ میں نے گویا انہیں تسلی دی۔

اعتراف

غزالہ جلیل راؤ



"شکر ہے تو پھر زاہد تم لڑکے کے گھر والوں کو کل ہی بلا لو......"

بھابی کی اس قدر جلد بازی پر میرا ماتھا ٹھنکا۔

"بھابی پلیز پہلے آپ کھل کر مجھے پوری بات بتائیں......" میں نے استفسار کیا۔

"زاہد بات دراصل یہ ہے کہ......" وہ بولتے، بولتے ہچکچاہٹ کا شکار تھیں اور میں انہی پر نظریں جمائے ان کی بات تفصیل سے سننے کا منتظر تھا۔

"بھابی اگر آپ مجھے پوری بات سے آگاہ نہیں کریں گی تو میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا......"

ایک طرح سے یہ میری دھمکی تھی جو کارگر ثابت ہوئی۔

"زاہد دراصل سیما اپنے کلاس فیلو کو پسند کرتی ہے۔" انہوں نے بغیر کسی تمہید کے بات بتائی۔

"کیا سیما......؟" مجھے حیرت کا جھٹکا لگا۔

"ہاں......" انہوں نے تصدیق کی۔ "اور میں نہیں چاہتی کہ کل کو وہ اتنی باغی ہو جائے کہ اس لڑکے کی خاطر کوئی انتہائی قدم اٹھا لے......"

بھابی بھی ظاہر ہے ایک ماں تھیں اور انہیں اس قسم کے اندیشوں نے گھیرا ہوا تھا۔

"پر آپ کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟" میں ابھی تک ورطۂ حیرت میں ڈوبا ہوا تھا۔

"سیما نے خود مجھے بتایا ہے۔" وہ فکرمند سی دکھائی دیں مجھے۔

"تو تم بولو اب کیا کروں؟" میں بھی فکر سے ان کی طرف دیکھنے لگا۔

"بس تم لڑکے کے گھر والوں کو کل ہی مدعو کرو تاکہ میں جلد از جلد سیما کے فرض سے سبکدوش ہو سکوں۔" انہوں نے تمام بات سمجھا کر مجھے پُرامید نظروں سے دیکھا۔

"ٹھیک ہے بھابی......" میں اٹھ کر کھڑا ہوا۔ "آپ پریشان نہ ہوں میں ان سے جلد ہی بات کرتا ہوں۔"

میری بات کے جواب میں انہوں نے ایک گہری سانس لی۔ جیسے کب کی رکی ہوئی ہو یا اُن کے سینے سے ایک بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا تھا۔

میں ان کی پریشانی تو کم کر کے آ گیا تھا لیکن کمرے میں آ کر میں خود پریشانی میں مبتلا ہو گیا تھا۔ ابھی تک یہ بات مجھ سے ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ مجھے سیما پر تاؤ آ رہا تھا۔ سیما نے ابھی چند مہینے پہلے ہی یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا تھا۔ بھابی تو کسی طرح بھی اسے یونیورسٹی میں پڑھانے کے حق میں نہیں تھیں...... لیکن آج کل کے ماحول اور سیما کی خواہش کو دیکھتے ہوئے میں نے بھابی کو سمجھایا تھا اور بڑی مشکل سے راضی کیا تھا۔ اب سیما کی اس حماقت سے میری نیند اڑ گئی تھی۔ اس سے مجھے اس... بیوقوفی کی امید نہیں تھی۔ میں غصے میں تھا۔

"سیما تم بھی اس کھیل میں کود گئیں جو صرف آگ کا کھیل ہے۔ جس میں زندگی بھر سلگنے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یہ آزمائش کا کھیل ہے۔ کیونکہ اس کھیل کا شکار میں خود بھی تھا ہاں میں...... زاہد آصف، نادیہ سے محبت کر بیٹھا تھا۔"

سیما، نادیہ یہ دونوں نام میرے ذہن میں تکرار کرنے لگے۔ سیما کے حوالے سے سوچتے ہوئے اس اِک پل میں مجھے شدت سے نادیہ کی یاد تڑپانے لگی وہی بے وفا، بے حس، بے مروت لڑکی جس سے میں نے سچا پیار کیا جو میری پہلی اور آخری محبت تھی مگر اس نے میرے پیار کو کھیل سمجھا۔ اسے میری بے لوث محبت پر شک تھا۔ جب ہی مجھے بیچ منجدھار میں چھوڑ کر چلی گئی میرے احساسات، میرے جذبات کسی کا بھی خیال نہ کیا......

میرے سینے میں نفرت اور کرب کی لہریں اٹھنے لگیں اور ماضی کے اوراق میری نگاہوں کے سامنے پلٹنے لگے۔

☆☆☆

ابا جان کے انتقال کے بعد بھابی جان نے میری پرورش کی۔ میں اس وقت آٹھ سال کا تھا، بھابی کی شادی کو تین سال ہو چکے تھے راشد بھائی نے مجھے ایسی ہی شفقت دی جیسے وہ میرے حقیقی باپ ہوں۔ ان کے زیرِ سایہ میں نے جوانی میں قدم رکھا جب میرا یونیورسٹی میں ایڈمیشن ہوا تو بھائی اور بھابی نے بھرپور میرا ساتھ دیا۔ بچپن ہی سے میں کچھ خاموش طبع اور شرمیلا واقع ہوا تھا اس مزاج کی وجہ سے کسی سے کوئی خاص دوستی نہیں

کرسکا۔ سوائے سیف کے...... شاید اس لیے کہ اس کا اور میرا مزاج ملتا جلتا تھا۔

پھر اچانک ایک حادثے میں ہمارا شد بھائی خالق حقیقی سے جا ملے اور یوں گھر کی ساری ذمے داری مجھ پر آن پڑی...... بھابی تو جیسے خود سے بھی بیگانہ ہوگئی تھیں۔ لیکن وقت ہر زخم کا مرہم ہے۔ دھیرے، دھیرے یہ زخم بھی بھرتا گیا اور زندگی اپنی ڈگر پر رواں دواں ہوگئی...... میں اپنی ذمے داریاں احسن طریقے سے نبھا رہا تھا۔ یونیورسٹی کے بعد میں نے ایک پارٹ ٹائم جاب کرلی تھی۔ مکان کے ایک پورشن کا کرایہ بھی آجاتا تھا سو شب و روز مناسب گزر رہے تھے۔ اچانک میری سکون سے بہتی ندی میں ایک پتھر آن گرا اور ایک تلاطم سا برپا ہوگیا۔ یوں تو میری کلاس میں ایک سے بڑھ کر ایک لڑکیاں تھیں۔ اپنی فطری جھجک کی وجہ سے میں کسی سے ضروری بات کرنا بھی معیوب سمجھتا تھا...... کہا جاتا ہے کہ ایک پل میں انسان کی دنیا بدل جاتی ہے یہی کچھ میرے ساتھ بھی ہوا۔ نادیہ سے میری پہلی ملاقات محض اتفاقیہ تھی، اس ایک پل کی ملاقات میں، میں اسی لمحے اس سے دوستی کا خواہش مند ہوگیا حالانکہ میں نے تو کبھی خوابوں میں بھی ایسا نہیں سوچا تھا۔ نادیہ میری کلاس فیلو تھی۔ وہ اپنے آپ میں مگن رہنے والی لڑکی، بناوٹ سے پاک چہرہ، باوقار سنجیدہ انداز لیے مجھے اچانک کافی پرکشش لگنے لگی جبکہ وہ مکمل سادگی کا پیکر تھی۔ مجھے شروع سے ہی ایسی لڑکیاں اپیل کرتی تھیں۔ نٹ کھٹ کھلنڈری سی لڑکیوں کو دیکھ کر میرا پارہ ہائی ہوجاتا تھا۔

شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ میں خود بھی انہی خصوصیات کا حامل تھا۔ مجھے لڑکوں کا لڑکیوں سے یوں بے باک ہو کر باتیں کرنا قطعی ناپسند تھا۔ مگر نادیہ سے مراسم بڑھانے کے بعد مجھے یہ بات بری نہیں لگی۔ شروع، شروع میں تو اس سے دوستی کرنے میں مجھے خاصی دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ بالآخر بیل منڈھے چڑھ گئی۔ دھیرے، دھیرے وہ میرے مزاج کو سمجھ گئی غالباً اسے مجھ پر اعتبار آ گیا تھا۔

اب نادیہ اور میں ہر جگہ ساتھ، ساتھ پائے جاتے۔ ہماری دوستی رفتہ، رفتہ محبت میں تبدیل ہوچکی تھی۔ وہ جس دن یونیورسٹی نہ آتی میری کیفیت میں اضطرابی پن نمایاں ہوتا۔ مجھے اس کی قربت میں سکون ملتا...... میں اسے شریکِ حیات کے روپ میں دیکھنا چاہتا تھا۔ ہم محبت میں اس حد تک آگے بڑھ چکے تھے ہمیں دھڑکا لگا رہتا کہ اگر ہم مل نہ پائے تو کیسے جی پائیں گے۔ میں اسے پرپوز کرنے کا سوچ رہا تھا اور پھر ایک دن میں نے اسے پرپوز کردیا تھا۔

”نادیہ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ میں اتنا بے تاب تھا کہ مزید وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے بے دھڑک کہہ دیا۔

وہ تھوڑا سا شرمائی اور گھبرائی بھی...... میں اس کی گھبراہٹ سے محظوظ ہوا پر کچھ دیر بعد اس نے اپنی حالت پر کنٹرول کرلیا تھا۔

”زاہد تم پہلے اچھی جاب تو کرلو......“ اس نے مجھے مخلصانہ مشورہ دیا۔ بات تو اس کی بھی معقول تھی۔ شاید اسی لیے کہتے ہیں محبت اندھی ہوتی ہے۔ انسان کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہوجاتی ہے یہی حالت کچھ میری بھی تھی۔ پرپوزل بھیجنے سے پہلے مجھے جاب کی ضرورت تھی۔ کیونکہ پارٹ ٹائم جاب پرپوزل کے حساب سے تو واقعی مناسب نہیں تھی۔ میں نے کوشش کی کوئی بہت اچھی سی جاب مل جائے مگر ابھی میرا ایم بی اے کمپلیٹ نہیں ہوا تھا تو اچھی اور معیاری جاب کا ملنا ایک مسئلہ تھا۔ جاب کی تلاش میں مجھے آٹھ ماہ کا عرصہ بیت چکا تھا۔

وقت اتنی تیزی سے گزر رہا تھا مگر ہماری محبت میں رتی برابر فرق نہیں آیا تھا۔ موسم کے بدلنے کی وجہ سے بھابی اور بھتیجی سیما بیمار ہوگئی تھیں سو چار روز تک میں یونیورسٹی نہ جاسکا۔ نادیہ کے بنا ایک پل بھی مجھے صدیوں کے برابر محسوس ہوئے۔ چار روز جس مشکل سے میں نے کاٹے تھے صرف میرا ہی دل جانتا تھا جب بھی میرا موبائل بجتا میں خوش فہمی میں گھر جاتا میرے ذہن کے کسی گوشے میں یہ خیال تیزی سے ابھرتا کہ نادیہ کی کال ہوگی، وہ میری غیر حاضری پر پریشان ہوگئی یا...... مگر میری

خوش تھی، خوش تھی ہی رہی اس بے حس لڑکی نے میرا حال احوال تک نہیں پوچھا۔ چار روز بعد میں نے یونیورسٹی جانے کا سوچا کہ جتنے بھی شکوے شکایت ہیں اس سے کہہ دوں گا۔ اس طرح میرا دل ہلکا ہو جائے گا مگر وہاں نادیہ کی غیر حاضری پر میرا دل ٹھٹکا...... سیف سے دریافت کیا کیونکہ وہ ہی میرا ہمراز تھا۔

''نادیہ بھی تین چار روز سے نہیں آ رہی۔'' سیف کے بتانے پر میرا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا اور شکایتوں کا سلسلہ بھی اپنے آپ ہی دم توڑ گیا۔

''زاہد تم پریشان مت ہو وہ آ جائے گی۔'' سیف نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر گویا میری پریشانی شیئر کی تو میں مسکرا دیا۔

☆☆☆

موسم آج بھی خوشگوار تھا یا شاید میرے دل کا موسم اچھا تھا۔ جبھی مجھے بھلا معلوم ہو رہا تھا۔ نادیہ ایک ہفتے بعد یونیورسٹی آئی تھی۔ اسے اتنے دنوں بعد دیکھنے پر میں گلاب کی طرح کھلا جا رہا تھا، شکوہ شکایت والی بات بالائے طاق رکھ دی تھی۔ میرا موڈ بھی خاصا خوشگوار تھا اور طبیعت میں بھی شوخی نمایاں تھی اور کیوں نہ ہوتی نادیہ جو میرے سامنے بیٹھی ہوئی تھی لیکن ایک بات جو میں نے نوٹ کی کہ نادیہ کچھ الجھی، الجھی، کچھ چپ، چپ سی تھی۔

''نادیہ کیا بات ہے؟'' میں نے کریدا اور میرے اصرار پر جو بات اس نے مجھے بتائی وہ بات سن کر میری آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں...... ساری شوخی رفع ہو گئی۔ بات کیا تھی میرے لیے دھماکے سے کم نہیں تھی۔ میں سکتے میں رہ گیا تھا۔

''نادیہ یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟'' مجھے اپنی سماعت پر یقین نہ آیا۔

''ہاں زاہد، امی نے اچانک میرا رشتہ کہیں اور طے کر دیا ہے۔ شاید ایک دو ماہ بعد میری شادی ہو جائے۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''تو کیا تم نے میرے متعلق اپنی امی کو نہیں بتایا تھا؟'' غصہ دباتے ہوئے میں بہ مشکل بولا۔

''زاہد، امی کو بہت جلدی تھی اور تمہاری کوئی مناسب جاب بھی تو نہیں، پارٹ ٹائم جاب تو اتنی اہم نہیں کہ پروپوزل کے لیے مناسب کہی جا سکے۔''

''جاب کا کیا ہے آج نہیں تو کل اچھی جاب مل ہی جائے گی۔'' میں طیش میں آ گیا۔ ''مگر تم میرا ذکر اپنی امی سے کرتیں تو......'' میں نے گھبراہٹ اور غصے میں اپنے سر کے بالوں کو نوچ ڈالا...... میں اتنا بے بس تھا کہ اور کر بھی کیا سکتا تھا۔

''زاہد میں اتنی بڑی بات اور وہ بھی امی سے نہیں کہہ سکتی ہوں۔'' وہ سہمی ہوئی آواز میں بولی۔ میرا جذباتی پن عروج پر تھا اور وہ حیران سی مجھے دیکھ رہی تھی۔

''واہ نادیہ محبت کرتے وقت تم نے یہ بات نہ سوچی...... اس وقت تمہیں اپنے والدین کا خیال نہیں آیا۔'' میرا لہجہ خود بخود طنزیہ ہو گیا تھا۔ آنکھوں سے شرارے سے نکلنے لگے۔ میری دل جلانے والی باتیں سن کر اس کی جھیل سی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔

اگر میں اس وقت جذبات پر قابو رکھتا اور ذرا سی بھی نگاہ اس غریب پر ڈال لیتا تو حقیقتاً وہ مجھے مجبور اور بے بس نظر آتی مگر میں تو دہکتے انگارے چبا رہا تھا، مجھے تو اپنے چاروں طرف آگ ہی آگ نظر آ رہی تھی۔ میں کب کچھ اور دیکھنے کی پوزیشن میں تھا۔

''پلیز زاہد تم میری پوزیشن کو سمجھو......'' اس کا لہجہ بھیگ رہا تھا جیسے خوب صورت آنکھوں سے پانی چھلکنے کے لیے بے قرار ہو۔ لہجے میں تڑپ تھی، کسک تھی۔ وہ ضبط کا بھرپور مظاہرہ کر رہی تھی۔

''نادیہ تم نے میرے ساتھ ایسا بھیانک مذاق کیوں کیا......؟'' میں سلگ کر رہ گیا...... نادیہ چونکہ آنسو پینے کی کوشش میں مصروف تھی اس لیے اس سے اپنی صفائی میں کچھ نہ بولا گیا۔

''تم بے وفا ہو، خود غرض ہو۔'' میں جھٹکے سے اٹھا اور اسے کڑے تیوروں سے دیکھا میرا دل پاش پاش اور جگر چھلنی، چھلنی ہو رہا تھا۔

''زاہد...... زاہد پلیز......'' اس کے حلق سے۔

بہ مشکل یہ لفظ ادا ہوئے اور اس نے تیزی سے میرا ہاتھ پکڑا میں نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ اس کے ملائم ہاتھوں سے چھڑایا دیکھا جائے تو ترکِ تعلق کی ابتدا میں نے خود اس کا ہاتھ جھٹک کر کردی تھی۔

''تم نے محبت کو رسوا کردیا۔'' میری بات اس کے نازک دل پر نشتر بن کر چبھی۔

''زاہد......'' اس نے رندھی ہوئی آواز میں مجھے پکارا۔ میں اس وقت جذبات کی رو میں بہہ گیا تھا۔ اس لیے نادیہ کی آہ، آنسو، التجا کسی بھی بات کا مجھ پر اثر نہیں ہوا۔ یہی میری پہلی اور آخری محبت تھی...... پہلی محبت میں ہی میں نے ایسی زبردست چوٹ دل پر کھائی کہ مدتوں اس غم سے پیچھا نہ چھوٹ سکا۔ ہر چیز سے میرا دل اچاٹ ہوگیا۔ دل چکنا چور ہوکر رہ گیا تھا۔ اس نے میری ریاضتوں کا کیا صلہ دیا یہی کہ مجھے آزما کر چلی گئی۔ سونے پر سہاگا سیف کی باتوں سے میں مزید نادیہ سے متنفر ہوگیا۔

نادیہ سے آخری ملاقات اس وقت ہوئی جب وہ اپنے بھائی کے ساتھ کسی بہت ضروری کام سے آئی تھی۔ اسے دیکھتے ہی میرے جسم میں نفرت کا الاؤ دہکنے لگا۔ سینے میں دبی، دبی چنگاریاں پھر دہک اٹھیں۔ میں نے نفرت کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ میں مکمل طور پر نادیہ سے بدظن ہوگیا۔ میری بے رخی پر وہ ہرٹ ہوئی...... پھر مجھے اس کی طرف سے شادی کی اطلاع ملی۔ مرے سینے میں ایک طوفان ایک قیامت برپا تھی۔ جو وقت کے ساتھ ساتھ ٹھنڈی پڑنے لگی۔ میں نے محبت میں مات کھائی تھی۔

اگرچہ وہ بابِ محبت تو ماضی ہوچکا تھا لیکن اتنے برس گزر جانے کے بعد بھی نادیہ میرے دل میں روزِ اول کی طرح بسی ہوئی تھی۔ شروع، شروع میں بڑی بھابی میرے پیچھے لگی رہیں کہ میں شادی کرلوں مگر میں نے شادی نہ کرنے کی قسم کھائی تھی اور آج تک اپنی بات پر قائم دائم ہوں۔ مگر یہ کیا ہوا آج تاریخ نے اپنے آپ کو پھر دُہرایا۔ فرق ہے تو صرف وقت اور زمانے کا...... نادیہ میں تو شاید اتنی ہمت نہیں تھی کہ اپنی محبت کے بارے میں گھر والوں سے بات کرتی جبکہ سیما نے تمام ہمتیں مجتمع کر کے بھابی کو صاف اور واضح لفظوں میں اپنی پسند سے آگاہ کردیا تھا مگر سیما کے اتنے صاف اور واضح لفظوں میں بتانے کا کیا فائدہ ہوا۔ بھابی نے وہی کیا جو شاید ہر ماں کرتی ہے۔

میرا اپنایا ہوا رشتہ منظور ہوگیا تھا، آج سیما کا نکاح تھا البتہ رخصتی فی الحال کچھ مہینوں کے لیے ملتوی کردی گئی تھی۔ مگر میں نے دیکھا کہ سیما دن بھر روتی رہی اب بھی وہ ضبط کی انتہا کو چھو رہی تھی۔ اس کے اشک مجھے اپنے دل پر گرتے ہوئے محسوس ہوئے اور اب میں حزنیہ کیفیت کا شکار تھا۔

''کیا میں نے سیما کے ساتھ انصاف کیا تھا؟'' مگر بھابی کا چمکتا دمکتا چہرہ دیکھ میری پریشانی رفع ہوگئی۔ رات کی مہیب تنہائی میں اتنے سالوں بعد نادیہ کی یاد پھر ستانے لگی۔

''یقیناً نادیہ بھی سیما کی طرح بے بس اور مجبور ہوگی مگر میں اس مشرقی لڑکی کی مجبوری نہ سمجھ سکا...... مرد عورتوں کی مجبوری کبھی نہیں سمجھ سکتے۔'' میں نادیہ سے متنفر تھا مگر ان طویل سالوں کے بعد اب میرے دل میں نادیہ کے خلاف نفرتوں کے چھائے ہوئے بادل چھٹ گئے۔ تاریخ نے اپنے آپ کو دُہرا کر میرے سارے سوال وجواب، شکوے گلے دور کردیے تھے۔

''پھر محبت کیوں کی تھی؟'' مسکراہٹ میرے لبوں پر پھیل گئی کتنا نادان تھا۔ یہ بھی نہیں سمجھ سکا کہ......

''محبت کی نہیں جاتی، محبت ہوجاتی ہے، محبت تو قربانی مانگتی ہے۔ سیما اور نادیہ نے قربانی دے کر محبت کو رسوا نہیں بلکہ امر کردیا تھا۔'' میرے دل میں نادیہ کی قدر و منزلت مزید بڑھ گئی۔

''نادیہ آئی ایم سوری......'' میں دل ہی دل میں اس سے مخاطب ہوا۔

''مجھے اب تم سے کوئی شکایت نہیں ہے۔'' ایک آسودہ سی مسکراہٹ میرے لبوں پر بکھر گئی تھی۔



مکمل ناول

میں بھی مسلمان ہوں

اُمِ ایمان

وہ آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی مقفل الماری تک آئیں۔ اسے کھولا اور کسی متاع کی طرح سنبھال کر رکھا ہوا وہ کاغذ اس میں سے نکالا جسے ہر بار دیکھنے پر اُن کی حالت غیر ہو جایا کرتی تھی۔ کانپتے ہاتھوں سے اسے لے کر وہ اپنے بستر پر آبیٹھیں اور جیسے، جیسے ان سطور پر نگاہیں دوڑاتی گئیں۔ شفاف آنسو ٹوٹ کر اُن کے چہرے کی جھریوں میں جگہ بناتے ہوئے نیچے گرتے گئے۔ کتنی ہی دیر وہ اس مختصر عبارت کو بار، بار پڑھتی



رہیں۔ اچانک ہی دروازہ کھول کر وہ داخل ہوئی۔ تیزی سے صورتِ حال کا اندازہ کر کے وہ ان تک آئی اور وہی مخصوص کاغذ ان کے ہاتھ میں دیکھ کر ایک پل کو اس کا رنگ متغیر ہوا پر اگلے ہی پل اس نے بے حد آہستگی سے وہ کاغذ ان کے ہاتھ سے لے کر واپس اسی جگہ رکھا اگرچہ اس عمل میں دل کے تار بری طرح سے ہل گئے تھے کہ وہ مختصر عبارت ان دونوں کی زندگی کی سب سے اہم حقیقت تھی اور جتنا یہ سطور انہیں رنجیدہ کرتیں اتنا ہی گداز بھی پیدا کرتی تھیں۔ آخر کو اس میں ان دونوں سے بے پناہ محبت کا اعتراف پوشیدہ تھا۔ وہ بھی اس شخص کی طرف سے جسے وہ دونوں ہی اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتی تھیں۔

☆☆☆

رخشندہ جہاں قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف تھیں جب دروازہ کھول کر ان کے دوسرے نمبر والے بیٹے راحیل احمد اندر اجازت لے کر داخل ہوئے...... انہوں نے اشارے سے انہیں اندر آنے کی اجازت دے کر ادب سے قرآن پاک بند کر کے ساتھ ہی رکھی سائڈ ٹیبل پر رکھا اور انہیں بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود ذرا آرام دہ حالت میں بیٹھ گئیں۔ راحیل احمد صوفے پر بیٹھنے کے بجائے ان کے پاس ہی آ کر بیٹھ گئے۔ رخشندہ جہاں کو دل ہی دل میں حیرت ضرور ہوئی کہ ناشتا اور شام کا کھانا سب کا اکٹھے ہوتا تھا۔ سو وہیں پر ہی بیٹوں سے ملاقات ہو جایا کرتی تھی تو ٹھیک ورنہ دنوں وہ پلٹ کر اُن کی خبر نہیں لیتے تھے۔ ہاں اپنی بیویوں اور گھر کے ملازمین کو سختی سے تاکید تھی کہ اماں جی کا ہر قسم کا خیال رکھا جائے اور انہیں اس گھر میں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہو سو ہر قسم کی مادی آسائش کا ڈھیر رخشندہ بیگم کے پاس تھا۔ اگر نہیں تھا تو ان کی اولاد کی محبت کا احساس اور وہ طلبِ دیدار جو اُن کی عمر کا تقاضا تھا کہ ان کی اولادیں اگرچہ ہر وقت ان کے آس پاس نہ رہیں پر دن کے کسی ایک وقت انہیں شکل ضرور دکھایا کریں اور وہی دو چیزیں ان کی اولاد کے پاس انہیں

دینے کے لیے نہیں تھیں۔ راحیل احمد نے ان کا حال احوال دریافت کیا پھر کسی بھی چیز کی ضرورت کے متعلق دریافت کیا اور ان کے مثبت جواب پر کچھ دیر کو جیسے اگلی بات کرنے کے لیے تمہید باندھنے کو الفاظ تلاش کرنے لگے۔

"کیا بات ہے راحیل! کہو جو بات کہنے آئے ہو بیٹا۔" ان کی نرمی نے ان کو قدرے سہارا دیا۔

"وہ اماں جی بات یہ ہے کہ نتاشا کی پڑھائی مکمل ہونے والی ہے پھر سونیا اور صبا بھی ہیں ان کا بھی دیکھنا ہے۔ سدید کا تو چلو ریما کے ساتھ جوڑ بنتا ہے اور شکیل بھی مجھ سے کہہ چکا ہے کہ ریما کا سدید کے لیے سوچیں اگرچہ اشاروں میں ہی کہا ہے پر میرا بھائی ہے وہ اس کا میں نہیں سوچوں گا تو اور کون سوچے گا' سدید کو بھی اعتراض نہیں ہے ریما کے ساتھ پر، اچھی خاصی انڈر اسٹینڈنگ ہے دونوں کے بیچ......" وہ ذرا سانس لینے کو رکے۔ رخشندہ بیگم ان کی اس ساری بات میں سے اصل بات اخذ کرنا چاہ رہی تھیں کیونکہ یہ سب ان کے پوتے پوتیاں تھے۔ انہیں یہ سب معلوم تھا۔

"اماں جی! معید ہمارا اپنا بچہ ہے۔ میرے بھائی کی اولاد، میں چاہ رہا تھا کہ اگر نتاشا اور معید کو ایک رشتے میں باندھ دیا جائے تو...... یعنی ادلہ بدلہ کتنی اچھی بات ہو...... پھر معید آپ کا لاڈلا ہے، آپ کی بات مانتا بھی بہت ہے۔" انہوں نے بات مکمل کر کے پُرامید نظروں سے ماں کے چہرے کی جانب نظر کی۔

"راحیل! اس گھر کی بچیاں میری اپنی بچیاں ہیں۔ چاہے وہ نتاشا ہو یا ریما......" انہوں نے اپنے دوسرے بیٹے کی دوسرے نمبر والی بیٹی کا نام لیا...... "وہ گوشی بھی تمہاری بہن کی بچی ہے اور شاید تمہارے علم میں نہیں ہے کہ تم سے پہلے شاہانہ (رخشندہ جہاں کی بیٹی) اور شکیل بیٹا مجھ سے اپنی اپنی بچیوں کا رشتہ معید کے ساتھ جوڑنے کا اصرار کر چکے ہیں۔" راحیل احمد کا

چہرہ اُن کی بات سن کر عجیب سا ہو گیا۔

"یہ دونوں ہر معاملے میں ہی مجھ سے جلد باز ہیں اور ہمیشہ بازی لے جاتے ہیں۔ زرینہ ٹھیک ہی کہتی ہے۔" انہوں نے دل ہی دل میں خود کو لتاڑا۔

"تم مانو یا نہ مانو..... ہمیں تم لوگوں سے زیادہ تمہاری اولاد کا احساس ہے لیکن میرے لیے زیادہ اہم ہے معید کی مرضی..... وہ چند ماہ تک آنے والا ہے۔ میں اس کے سامنے ان بچیوں کے نام رکھوں گی..... جہاں اس کی مرضی ہوئی وہاں پر رشتہ طے ہو جائے گا..... باقی رہی گھر کی اور بچیاں تو ریما کا تم بتا ہی چکے ہو..... شاہانہ کو میں کہہ چکی ہوں کہ بیٹے کا رشتہ کرتے وقت باہر کا منہ ہرگز نہ دیکھے کیونکہ اس کے بھائی کی بچیاں پہلے موجود ہیں۔ باقی تم بھی جانتے ہو اور میں بھی رشتے ناتے تو سب نصیبوں کے کھیل ہیں..... اللہ سب کے لیے بہتری کرے گا....." انہوں نے بیٹے کا متغیر چہرہ دیکھ کر اپنے تئیں اسے تسلی دینے کی کوشش کی..... ایک دو باتیں مزید کر کے راحیل احمد وہاں سے اٹھ گئے تھے۔

رخشندہ جہاں کو وہ سہانے دن یاد آئے جب اپنے گاؤں میں ایک بڑی سی حویلی پر ان کا راج تھا۔ تین جوان بیٹوں کی ماں تھیں میاں تحصیل دار تھے۔ زمین، جائداد اللہ کا دیا سب کچھ تھا..... سارے بیٹے شہر میں زیرِ تعلیم تھے۔ بیٹی البتہ میٹرک کر کے گھر بیٹھ گئی تھی کہ مزید پڑھنے کا شوق ہی نہیں تھا۔ بڑے عقیل اور راحیل دونوں یونیورسٹی میں ایک سال کے فرق سے زیرِ تعلیم تھے جبکہ شکیل ابھی کالج میں تھا۔ وہ عقیل کے لیے اپنی بھانجی بیاہ لانے کی خواہاں تھیں جبکہ زرینہ ان کی بھانجی جو شکل صورت میں اگرچہ خوب صورت اور سلیقے و سگھڑاپے میں اپنی مثال آپ تھی۔ پر عقیل نے ان کی بات سن کر سرے سے ہی اس سے شادی سے انکار کر دیا تھا۔ وہ کسی پڑھی لکھی لڑکی سے شادی کا خواہاں تھا۔ پھر انہوں نے اپنے دوسرے بیٹے راحیل کے سامنے یہ تجویز رکھی تو اسے ماں کی فرمائش پر کوئی اعتراض نہ ہوا..... سو انہی دنوں جب ان کے دونوں بڑے بیٹے تعلیم مکمل کر کے اپنا کاروبار شروع کر کے عملی زندگی کا آغاز کر چکے تھے گھر میں راحیل کی شادی کی تیاریاں زوروں پر تھیں جب عقیل احمد نے اپنی پسند گھر میں لانے کا اعلان کیا۔ لڑکی جب وہ یونیورسٹی میں تھے تب سے ان کو پسند تھی اور راحیل بھی اس بات سے آگاہ تھے۔ رخشندہ بیگم اگرچہ غیر خاندان سے بہو لانے کو تیار نہیں تھیں پر اپنے میاں کے سمجھانے پر..... بادلِ ناخواستہ انہیں ماننا پڑا۔ انہوں نے کہا تھا۔

"رخشندہ بیگم! ہم تم اپنی زندگی گزار چکے ...... اب بچوں کی باری ہے انہوں نے اپنی پوری زندگی گزارنی ہے۔ سو کیوں نہ ان کی پسند کو مدِنظر رکھا جائے اس طرح عائشہ کو عقیل کی اور اپنی بھانجی زرینہ کو وہ راحیل کی دلہن بنا کر حویلی لے آئیں۔ ان کی توقعات کے برعکس عائشہ ایک اچھی اور فرماںبردار بہو ثابت ہوئی۔ شادی کے ایک سال بعد عقیل کے ہاں معید نے راحیل کے ہاں زرین نے جنم لیا۔ شکیل بھی اب دونوں بھائیوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ان کے ساتھ بزنس میں آشامل ہوا تھا۔ جب رخشندہ بیگم کے خاندان میں ہی شاہانہ کے رشتے کی بات چلی اور عین نکاح سے ایک دن پہلے انہوں نے شرط عائد کر دی کہ بدلے میں ان کی بیٹی کا رشتہ شکیل کے لیے لیا جائے..... لڑکی قبول صورت اور ایف اے پاس تھی۔ ماں، باپ کو بے حد پریشان اور بہن کا متوقع خدشات کے تحت زرد پڑتا چہرہ دیکھ کر شکیل اس شادی پر تیار ہو گیا..... شادی کے بعد راحیل ایک سال ہی ماں باپ کے پاس حویلی میں گزار سکا پھر شہر جانے کو پر تول لیے..... ننھا سدید بھی اس کی زندگی میں شامل ہو چکا تھا۔ رخشندہ جہاں اور فرزند علی دیکھتے رہے اور راحیل کے بعد شکیل نے بھی شہر کے لیے رختِ سفر باندھ لیا جبکہ عقیل اور عائشہ جن کے جانے کی توقع ان دونوں میاں، بیوی کو ان

سب سے پہلے تھی، وہ لوگ یہیں تھے۔ عقیل احمد تقریباً روز گاؤں لوٹ آنے پر بھی بیوی، بچوں کو شہر ساتھ لے جانے پر مجبور نہیں کیا...... نہ ہی عائشہ کی طرف سے کوئی ایسی خواہش ظاہر ہوئی۔ فرزند علی ریٹائرمنٹ کے بعد سارا وقت اپنی زمینوں پر گزارتے اور گھر آکر ننھے معید کی سنگت سے لطف اٹھاتے۔ شروع، شروع میں بے رخی برتنے والی رخشندہ بیگم اب عائشہ کے حسنِ سلوک سے متاثر ہو کر اس سے بہت خوش تھیں۔ معید چھ سال کا ہوا تو راحیل کے ہاں دو بیٹوں زرین اور نتاشا کے بعد ریما اور شکیل کے ہاں سدید کے بعد سارہ اور ثنا کا اضافہ ہو چکا تھا جبکہ شاہانہ جو اب اپنے شوہر کے ساتھ شہر میں رہائش پزیر تھیں کے دو بچے احمد اور گوشی تھے۔ عائشہ کے ہاں باوجود خواہش کے مزید اولاد نہ ہو سکی تھی۔ عقیل احمد نے رخشندہ بیگم کی نہ، نہ کے باوجود معید کو بورڈنگ میں ڈال دیا تھا اگرچہ اس کے چچاؤں نے اصرار کیا تھا کہ شہر میں اپنے گھر کے ہوتے ہوئے اسے ایسا کرنے کی ضرورت نہیں لیکن عقیل احمد نے اپنے اکلوتے بیٹے کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے بے شمار سپنے دیکھ رکھے تھے۔ وہ اس وقت ادھورے رہ گئے جب معید سے ہاسٹل سے مل کر واپس آنے والے عقیل احمد اور عائشہ کا شدید ایکسیڈنٹ ہوا اور وہ جانبر نہ ہو سکے...... ماں، باپ کی کمر ہی ٹوٹ گئی تھی۔ ایک ہنستا بستا گھر اجڑ گیا تھا۔ معید ہفتوں گم صم رہا تھا۔ رخشندہ بیگم نہیں چاہتی تھیں کہ وہ دوبارہ بورڈنگ جائے پر فرزند علی بیٹے کی خواہشات سے واقف تھے۔ سو ان کی ضد نظر انداز کر کے دوبارہ سے پوتے کو بورڈنگ چھوڑ آئے تھے۔ وہ دونوں میاں، بیوی اب اگر زندہ بھی تھے تو اس معصوم کی خاطر جس نے جلد ہی ان دونوں کو اپنے ماں، باپ کی جگہ دے دی اور ان کی محبتوں کا عادی ہو گیا۔ وہ شروع سے سنجیدہ مزاج اور کم گو بچہ تھا۔ راحیل، شکیل اور شاہانہ کبھی کبھار سال میں ایک آدھ دفعہ بچوں کی چھٹیوں کے موقع پر ماں باپ کے پاس آجاتے تھے۔ معید اپنے کزنز کی کمپنی میں بھی گم صم رہتا تھا۔ وہ کھیتوں کی طرف نکل جاتا...... اسے فطری مناظر، خوب صورت نظارے، ابھرتا طلوع ہوتا سورج زیادہ متاثر کرتے۔ بہ نسبت اپنے کزنز کی بے سروپا باتوں کے یا وہ اپنے دادا، دادی جن کو اپنے باپ کی طرح ابا جی اور اماں جی کہتا تھا۔ ان کی سنگت زیادہ بھاتی تھی۔

☆☆☆

ساری رات جاگ کر سوچتے رہنے کی وجہ سے صبح آنکھ دیر سے کھلی تھی، اسے نماز کے قضا ہو جانے کا...... بے حد افسوس ہوا۔ بہر حال ناشتے کا ٹائم نہیں تھا۔ اس کا روم میٹ اسمتھ کب کا اٹھ کر جا چکا تھا۔ اسے جگائے بغیر...... بہت دفعہ اسے اس سرد ملک کے سرد لوگوں کی بیگانگی بری طرح کھلتی۔ مشینوں کی طرح چلتے، چلتے انہوں نے اپنے جذبات و احساسات کو بھی مشینوں جیسا ہی بنالیا تھا۔ پہلی کلاس مسٹر ہنسن کی تھی اور وہ لیٹ آنا قطعاً برداشت نہیں کرتے تھے۔ وہ تو شکر ہوا وہ وقت پر کلاس میں پہنچ گیا۔ حسبِ معمول داخل ہونے پر پہلی اور بے ساختہ نظر اسی پر پڑی تھی۔ فل سلیو کے آف وائٹ بلاؤز کے ساتھ بے بی پنک لانگ اسکرٹ پہنے وہ اپنے ریڈش براؤن بالوں کو مکمل طور پر پنک کلر کے اسکارف میں لپیٹے ہوئے فائل پر تیزی سے کچھ لکھنے میں معروف تھی۔ اگرچہ ابھی کلاس شروع ہونے میں کچھ دیر تھی۔ کچھ اسٹوڈنٹ خوش گپیوں میں تو کچھ نوٹس کے مندرجات اتارنے میں معروف تھے کہ سر ہنسن کو آج ایک اسائنمنٹ بھی سب مٹ کرانی تھی۔

”اوہ!“ اسائنمنٹ کا خیال آنے پر اس نے تیزی سے کندھے پر لٹکا اپنا بیگ ٹٹولا...... چند ہی لمحوں بعد سکون بھری سانس نکلی کہ صد شکر وہ اپنا کام وقت سے پہلے کرنے کا عادی تھا اور پرسوں رات کو ہی اس نے اسائنمنٹ مکمل کر کے بیگ میں ڈال دی تھی۔ اس کے ساتھ والی تین کرسیاں چھوڑ کر جگہ خالی تھی۔ وہ بھی وہاں جا کر بیٹھ گیا اور اسائنمنٹ نکال کر فائل نظر دوڑا ہی رہا تھا کہ سر ہنسن کے آنے پر سب ہمہ تن گوش ہو

کر بیٹھے اور کلاس میں ایک مخصوص خاموشی کا راج ہوگیا جو مسٹر رابنسن کی موجودگی میں طاری ہوجایا کرتی تھی۔ زندگی میں پہلی بار اس کا دھیان لیکچر کے بجائے اماں جی کی کہی ہوئی ان باتوں کی طرف تھا جو انہوں نے کی تھیں کہ امتحانات کے بعد وہ شدت سے اس کی منتظر ہیں اور جلد از جلد اس کی شادی کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتی ہیں۔ اور دونوں چچاؤں اور ایک پھوپی کی بیٹیوں میں سے جس کے بارے میں بھی وہ کہے اس کا نام جوڑ دیا جائے گا......" گویا ان تین رشتوں کے علاوہ اس کی زندگی میں اور کسی کی بھی گنجائش نہیں تھی اس حوالے سے...... اسے لگا ایسا سوچتے ہی اسے اپنے اندر بے پناہ گھٹن کا احساس ہوا...... گزشتہ آٹھ ماہ سے جو لڑکی اس کے دل و دماغ اور حواس پر اس قدر حاوی تھی کہ وہ اپنے آپ کو سمجھانے، بھلانے کی کوشش اور ہر حربہ آزما چکا تھا اور ناکام ہونے پر اس نے اپنے دل اور خیالات پر قدغن لگانا چھوڑ دی تھی۔ بہت بار اس کا دل کہتا تھا کہ اواس آنکھوں والی ڈھکی چھپی اس لڑکی کو اپنے خیالات بتائے پھر اس کی آنکھوں کے تاثرات اور چہرے کے پھیلتے رنگوں کو ہمیشہ کے لیے اپنے دل میں محفوظ کرلے...... لیکن ایسے خیالات تب تک تھے جب تک اس نے اس کی ذات کی کھوج نہیں لگائی تھی اس کا نام معلوم ہونے پر اسے اپنی ذات کے پرخچے اڑتے معلوم ہوئے تھے۔ "گیت ڈی سوزا۔" سرسری سا ایک کلاس فیلو سے اس کا نام معلوم کرتے پر مزید یہ معلوم ہوا تھا کہ وہ ایک ہندو ماں اور عیسائی باپ کی بیٹی تھی اور اس کا ڈھکا چھپا انداز اور مشرقی حسن محسوس کرکے اگر وہ خوش فہم ہوا بھی تھا کہ ہوسکتا ہے وہ مسلمان ہو سارے خواب دھڑام سے ٹوٹ گئے تھے۔ پر دل کسی بھی ایسی تاویل کو نہیں مانتا...... اس کے دل نے بھی یہ سب تاویلیں ٹھکرادی تھیں۔ نماز کا وہ پہلے ہی سے پابند تھا۔ اماں جی اور ابا جی کی صحبت نے بہت خاص تربیت کی تھی اس کی پر اب وہ اسے بھلانے کے جتن میں زیادہ عبادت میں مصروف رہنے لگا۔ پڑھائی سے جو ٹائم بچتا وہ نیٹ پر مصروف رہتا، اللہ سے اپنے لیے ہدایت اور بھلائی طلب کرتا اس کی ہر دعا میں پہلی اور آخری طلب یہی ہوتی کہ وہ اس کو بھول جائے پر شاید اللہ کو اس کی آزمائش منظور تھی کہ گیت ڈی سوزا کو بھولنا اس کے لیے ناممکن ہوگیا تھا۔ بہت مشکل سے کتابوں میں دھیان لگاتا کہ اماں جی کو اس سے بہت امیدیں وابستہ تھیں۔ ابا جی (دادا) کی وفات کے بعد وہ بہت اکیلی پڑ گئی تھیں۔

☆☆☆

گرینی کی حالت انتہائی خراب دیکھ کر اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔ مارگریٹ جو صبح ان کی دیکھ بھال کرتی تھی اس کا کہیں اتا پتا نہیں تھا۔ مسز جمشید اور ان کی فیملی میں سے بھی دن کے اس ٹائم گھر میں حسب معمول کوئی موجود نہیں تھا۔ مارگریٹ کو دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی، ان دونوں نے انہیں سیدھا کیا پھر مشکل سے بیڈ تک لے آئیں۔ وہ پتا نہیں کیسے اپنی وہیل چیئر سے نیچے گر گئی تھیں۔ مارگریٹ اپنی بے پروائی پر شدید شرمندہ تھی اور اس کی باز پرس پر اس سے معافی بھی طلب کی تھی کہ اسے اچانک ایک ضروری کام یاد آگیا تھا جس کے لیے وہ مسز جمشید سے اجازت لے کر نزدیکی اسٹور تک گئی تھی اور گرینی اس وقت اپنے بستر پر گہری نیند میں تھیں اس کے بعد اسے نہیں پتا کہ وہ بستر سے وہیل چیئر پر کیسے اور کس لیے پہنچیں۔

"مسز جمشید! ہونہہ......" اس نے دل میں سوچا اگر ان کے گھر والے ان کا دھیان رکھنے والے ہوتے تو وہ ایسی لاچاری کی زندگی نہ گزار رہی ہوتیں۔ مسز جمشید تو چاہتی بھی تھیں کہ جلد از جلد اس بیمار بڑھیا سے ان کی جان چھوٹ جائے اس کا اظہار وہ گاہے بگاہے اس کے سامنے کرتی رہتی تھیں اور مسٹر جمشید پر بھی...... بے حد زور ڈالا تھا کہ ان کو اولڈ ہاؤس بھجوادیا جائے لیکن مغربی تہذیب میں مکمل طور پر رنگ چکے مسٹر جمشید میں

ابھی اتنی قدر باقی تھی کہ وہ ان کی ماں ہیں اور ان کا اصل مقام ان کے گھر میں ہی ہے اولڈ ہاؤس میں نہیں اسی بات پر ان کی کئی شدید قسم کی جھڑپیں ہو چکی تھیں۔ ڈولی اور رومی کو بھی گرینی کا وجود بے حد گراں گزرتا جو اگر کبھی نظر پڑ جاتی کہ وہ ان کے آنے جانے کے اوقات سے لے کر ان کے لباس، اطوار اور دوستوں تک پر اعتراض کرتیں، یہ اور بات تھی کہ ان کی کسی بات کو درخور اعتنا نہیں جانا تھا۔ البتہ ڈولی جو جمشید صاحب کی فقط تیرہ سالہ بیٹی تھی نے باپ کو دھمکی دی تھی کہ آئندہ اگر اس اولڈ لیڈی نے اس کی لائف کے میٹرز میں انٹرفیئر کیا تو وہ یہ گھر چھوڑ کر چلی جائے گی۔

"مام پلیز! میرے لیے پہلے ہی بہت سی پرابلمز ہیں، آپ مزید پرابلمز مت کری ایٹ کریں میرے لیے......وہ، دو ملازمائیں ہیں آپ کی خدمت کے لیے......دنیا جہاں کی چیزوں کا سہولتوں کا ڈھیر لگا دیا ہے آپ کے لیے......ڈاکٹرز سے ہر ماہ چیک اپ ہوتا ہے آپ کا......لوگ ایسی جگہوں اور ایسی زندگی کے لیے ترستے ہیں اور آپ ہیں کہ اس سب کا احساس کیے بغیر میری زندگی کو مشکل بنانے پر تلی ہیں۔ مت بھولیں کہ آپ کے زمانے گزر گئے۔ وہ آپ کا ماضی تھا جب آپ پردہ، لباس، عورت، مرد کی تکرار میں زندہ رہتے تھے۔ اب نیا دور ہے، اس کے نئے تقاضے ہیں۔ بچوں پر روک ٹوک مت کیا کریں......انہیں اپنا اچھا برا سب معلوم ہے، بہت دفعہ سمجھا چکا ہوں میں آپ کو پر آپ ہیں کہ بات کو سمجھتی ہی نہیں۔ یہ پاکستان نہیں ہے۔" بری طرح سے برس کر......وہ ایسی ہی ایک کلاس ضرور ان کی لیا کرتے جب بھی ان کی بیوی یا بچوں میں سے کوئی ان سے ان کی کسی بے جا روک ٹوک اور دخل اندازی کا ذکر کرتا، وہ سب کچھ خاموشی سے سنتی رہتیں اور پھر اکیلے میں گیلی آنکھوں کے ساتھ اپنے رب سے راز و نیاز کیا کرتیں۔

"اللہ مجھے موت دے دے......مجھے ایسی آزمائش میں مت ڈال میرے اللہ......یا ان کو ہدایت دے یا مجھے اٹھا لے......ہر بار مسٹر جمشید کے گھر میں جب پارٹی ہوتی اس کا وہ ماحول، وہ لوگ اور ان کا لباس دیکھ کر وہ بری طرح رو دیتیں۔ وہ کبھی تو ان کو چپ کرائی اور کبھی بے بسی سے صرف دیکھ کر رہ جاتی۔

"تجھے دیکھتی ہوں تو دل سے آہ نکلتی ہے کہ کیسے، کیسے مالک آزمائشوں کے در کھولتا ہے انسان کے لیے پھر ان سے نکلنے کے ہزار راستے بھی دکھاتا ہے پر بندہ سمجھے تب ناں......تم بھی تو کافروں کے گھر پیدا ہوئی ہو پر اللہ کو منظور نہیں تھا تمہارا ایسے بے ہدایت رہنا۔ کیسے من میں ہدایت کی طلب جگا دی بھلے آزمائش کی بھٹی میں گزارا پر اپنے دین میں تو بلا لیا ناں اور میری آل اولاد کو دیکھو بچی! سب کچھ پلیٹ میں ڈال کر دے دیا......سچا دین، اپنا وطن، دولت، عزت پر سب کچھ ٹھکرا کر ہاتھ میں پکڑا بھی تو رسوائی، ذلت اور بدکاری کا دامن۔" وہ ہولے ہولے بول رہی تھیں اور سنتے ہوئے اس کے آنسو قطار میں بہتے اس کے شفاف گالوں پر نشان بناتے چلے گئے۔ اس کی ذات اور شناخت کا سفر بھی بے حد کڑوا تھا پر ہدایت کا ایک جگنو ہاتھ میں تھام کر وہ اندھیروں سے گزر آئی تھی۔

گیت ڈی سوزا کی ماں سونیا اگروال امریکا میں ایک ہوٹل کی مالکہ تھی۔ جسے بار میں آنے والا ایک نوجوان بے طرح بھا گیا اور ان کی محبت بھری کہانی کا انجام شادی جیسے خوشگوار نتیجے پر ہوا۔ وہ کسی سپر اسٹور میں سیلز مین تھا اور شادی کے بعد اس نے ہوٹل کا کام سنبھال لیا۔ دو سال بعد گیت ڈی سوزا پیدا ہوئی۔ ماں کی طرح بنگال کا حسن اور رنگت میں باپ کی طرح گیت ماں، باپ کی طرح بے حد پیاری تھی۔ سونیا نے اس کا نام اپنی ماں کے نام پر رکھا تھا جو اب اس دنیا میں نہیں تھی۔ اس کے مذہب کا فیصلہ وقت آنے پر چھوڑ دیا گیا کہ بڑی ہونے پر وہ خود ہی فیصلہ کرے گی۔ جوڈتھ اس کی عیسائی گورنس تھی جو خاصا مذہبی رجحان رکھتی تھی اور بے اولاد ہونے کی بنا پر گیت سے خاصی انسیت بھی رکھتی تھی۔ سو زندگی کے اولین سالوں میں گیت پر

اس کی سوچوں اور تربیت کا بہت عمل دخل تھا۔

☆☆☆

ٹینا بیگم جو کبھی گاؤں میں تہمینہ تھیں۔ اب ٹینا اور زرینہ اپنے سرکل میں زری کے نام سے مشہور تھیں۔ اس وقت اپنے تمام اختلافات بھلائے وہ بظاہر شیر و شکر ہو کر لونگ روم میں براجمان تھیں جبکہ ان کی بیٹیاں بھی وہیں بظاہر تو اپنی دلچسپیوں میں مگر درحقیقت کان ماؤں کی باتوں پر ہی دھرے تھے کہ بہرحال بہت اہم موضوع اس وقت زیرِ بحث تھا۔

"یہ آج کی بات نہیں ہے اور نہ ہی نیا کام کیا ہے اماں جی نے...... ہمیشہ ہی ایسے کرتی ہیں۔ پہلے ساری زندگی ان کے لیے عقیل بھائی اور ان کی فیملی، ان کی اولاد اہم رہی۔ ان سے کبھی لمحہ بھر کو دھیان ہٹا بھی تو شاہانہ بیگم اور اس کی اولاد کو ہی ہمارے اوپر ہر معاملے میں فوقیت دی۔ ہم تو جیسے کسی کھاتے میں ہی نہیں ہیں۔ فرماتی ہیں ساری بچیاں میرے لیے ایک سی ہیں۔ ارے اگر ایک سی ہوتیں تو آج معید کے سامنے کوشی کا نام ہرگز نہ رکھتیں ہماری بچیوں کے مقابلے پر...... اور مجھے یقین ہے کہ جتنا بھی خود کو اس قصے سے الگ رکھ لیں اور ساری مرضی معید کی ہے کا راگ الاپیں اس پر زور بھی دیں گی کہ کوشی کے لیے ہی ہاں کہے ایسے ہی نہیں شاہانہ بیگم ہر آئے روز ماں کے پاس گھسی ہوتی ہے۔" ایک نے جلے دل کے پھپھولے توڑے۔

دوسری کہاں پیچھے رہتیں۔ وہ بھی چمک کر بولیں۔

"ہاں تو اور کیا بھی بیٹی تھی جو پہلے مہینوں ماں کی پلٹ کر خبر نہیں لیتی تھی۔ ابا جی کی وفات کے بعد جب سے اماں جی کو ہم لے کے آئے ہیں یہاں شہر میں ایک دفعہ بھی ماں کو اپنے گھر بلا لیا یا خیر خبر کو آگئی۔ ایسے ہر کام کے لیے تو بیٹے ہیں۔ اماں کو ہر ہفتے گاؤں لے کر جانا، ڈاکٹروں کے چکر، زمینوں کی دیکھ بھال، منشیوں کی پڑتال...... وہ بی بی یا تو ہر دفعہ زمینوں کی آمدنی کا حساب کتاب لینے آجاتی ہیں یا پھر اب یتیم بھتیجے کی محبت جاگی ہے تو ہر دوسرے دن بیٹی کو ہمراہ لیے ماں کی قدم بوسی کو تیار ہوتی ہے۔ ہونہہ......" ان کی اولاد کے تیور بھی دونوں کی باتوں کو سن کر بگڑ گئے تھے۔ جبکہ کسی کام کے لیے ان کے پاس آتی اماں جان بہوؤں کی بدگمانی سے بھری گفتگو سن کر بغیر اسے دور کیے آنسو بھری آنکھوں کے ہمراہ واپس اپنے کمرے میں لوٹ گئی تھیں۔

☆☆☆

گیت کی زندگی میں دوسرا موڑ تب آیا جب سونیا اور ڈی سوزا ایک کار ایکسیڈنٹ میں جاں بحق ہو گئے۔ ہوٹل پر ان کے کچھ قریبی دوستوں نے یہ کہہ کر قبضہ جما لیا کہ وہ دونوں اُن کے قرض دار تھے جبکہ وہ خود ابھی تک ایک شاک کے زیر اثر تھی۔ محبت کرنے والے ماں، باپ اٹھ کر ایک دم ہی چل دیے تھے۔ نینی ہی تھی جس نے اسے کو ایک بار پھر جذباتی سہارا دیا تھا اور وہ کم گو بھی مزید کم گو ہوتی چلی گئی۔ جوڈتھ بیمار رہنے لگی تھی اس سے کوئی کام نہیں ہوتا تھا ایسے میں گیت کو جا کی جنگ لڑنے کے لیے باہر کی دنیا کا منہ دیکھنا پڑا۔ مغربی معاشرے میں رہ کر ایک مغربی لڑکی ہوتے ہوئے اس کے خیالات خالصتاً مشرقی تھے۔ اسے نہ تو باہر کے لوگ اچھے لگتے تھے نہ ہی پبلک ڈیلنگ کے طریقے آتے۔ تین جانب سے اسے صرف اس لیے نکال دیا گیا کہ اسے کسٹمرز سے نہ تو ڈیل کرنے کا ڈھنگ آتا تھا، نہ ان کو متوجہ کرنے کے طریقے آتے تھے۔ رہی سہی کسر اس کا لباس پوری کر دیتا، جوڈتھ کے کٹر خیالات کی چھاپ اس پر اس حد تک گہری تھی کہ وہ آج تک غیر اخلاقی لباس زیب تن نہ کر پائی تھی۔ انہی دنوں اس نے نیوز پیپر میں ایک ایڈ دیکھا جس میں کسی مسٹر جمشید کی طرف سے اس کی مدد کے لیے ایک کیئر ٹیکر کی ضرورت تھی۔ مسٹر جمشید نے اسے اوکے کر دیا تھا۔ اب یونیورسٹی سے آنے کے بعد وہ سیدھا مسٹر جمشید کے گھر چلی جاتی، رات گئے وہاں سے فارغ ہونے کے بعد جوڈتھ کے پاس لوٹتی۔ یہاں گیت کی زندگی نے ایک تیسرا اور اہم موڑ لیا۔ جب جوڈتھ بھی

اس کا ساتھ چھوڑ گئی۔ تب وہ جس جذباتی توڑ پھوڑ سے گزری اس سے نکلنے میں اسے مسٹر جمشید کی مدد سے بہت مدد ملی۔ وہ اپنے بیٹے کے گھر کے ماحول سے بہت نالاں تھیں اور ان کا زیادہ وقت اپنے کمرے میں عبادت کرتے ہوئے گزرتا تھا وہ ہمیشہ انہیں روتے ہوئے اور اپنے بیٹے کے اہلِ خانہ کی بے راہ روی کا رونا روتی نظر آتیں۔

”یہ ہمارا مذہب، ہماری تہذیب نہیں ہے بیٹا جس میں آج نہ صرف میری بہو بلکہ پوتی اور پوتا تک رنگے نظر آتے ہیں...... ہماری تہذیب تو وہ ہے جہاں ایک عورت ماں ہے، بیٹی ہے اور بیوی ہے، وہ ہر روپ میں ہی قابلِ احترام ہے۔ عورت کی عزت اسی میں ہے کہ وہ چادر اور چار دیواری میں ہی محفوظ ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ... اپنی اوڑھنیاں اپنے سینے پر ڈالے رکھو......اور یہاں میری بہو اور پوتی کے کپڑے دیکھتی ہوں تو شرم سے ڈوب مرنے کو دل کرتا ہے۔“ گیت جو کہ اپنے ہی کسی خیال میں تھی ایک دم چونک کر سیدھی ہوئی جوڈتھ بھی اسے بے حیائی سے بچنے کی تلقین کرتیں، اچھی باتیں بتاتیں اور وہ حتی الوسع ان پر عمل کرتی پر کچھ اور باتیں تھیں جو وہ اُن سے سن کر چونکی تھی اسے لگا کہ سالوں سے ذہن پر جو ایک جمود طاری ہے وہ ٹوٹا ہے اسے یاد تھا کہ اس کی مام کوئی اتنی مذہبی خاتون نہیں تھیں پر ہر روز گھر کے ایک کونے میں بنے مندر میں بنی مورتیوں کے سامنے ضرور ماتھا ٹیکتی اور اسے بھی لے جاتی تھی ساتھ...... کسی میکانکی عمل کے تحت گیت بھی ایسے ہی کرتی تھی پھر پاپا تھے جو ہر سنڈے اسے چرچ لے جاتے۔ اسی طرح تہواروں کو وہ اپنے ماما، پاپا کے ساتھ خوشی سے مناتی، ہولی، دیوالی کرسمس، ایسٹر ایسا تب تک تھا جب تک جوڈتھ اس کی زندگی میں نہیں آئی تھی۔ جوڈتھ نے اگرچہ سونیا... اگروال کو گیت کی طرف سے بے فکر کر دیا تھا پر وہ جوڈتھ سے بہت قریب ہونے کی بنا پر عیسائیت کے زیادہ قریب ہو گئی تھی۔ اس کے مذہب اختیار کرنے کا فیصلہ اس کے ماں، باپ نے اس کی دلچسپی اور بڑے ہونے پر چھوڑ رکھا تھا جبکہ دونوں دل سے یہی چاہتے تھے کہ گیت ان کا مذہب اپنائے جب بھی موقع ملتا سونیا اسے ہندومت اور ڈی سوزا عیسائیت کی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتے یوں اس کا ذہن شروع سے دو حصوں میں بٹ گیا...... اگرچہ اب بھی وہ دونوں کے احکامات پر عمل کرتی پر جوڈتھ کی وجہ سے زیادہ رجحان عیسائیت کی طرف ہو گیا اور غیر اختیاری طور پر وہ جوڈتھ کی باتوں کو دھیان سے سنتی اور انہی جیسی بننے کی کوشش کرتی۔

ماں، باپ کے مرنے کے بعد اس نے سونیا کو تو یاد رکھا لیکن اس کے مذہب کو کلی طور پر بھول گئی اب اس نے کھلم کھلا عیسائیت میں دلچسپی لینا اور اس کی تعلیم لینا بھی شروع کر دی تھی کہ جوڈتھ بھی ایسا چاہتی تھی۔ مسٹر جمشید کے ہاں جاب تک وہ کسی حد تک عیسائیت کو اپنا چکی تھی۔ جوڈتھ کی موت نے ایک بار پھر اسے جذباتی دھچکے سے گزارا تھا۔ مذہب اسلام کے بارے میں اس نے بہت کچھ سن اور تھوڑا بہت پڑھ رکھا تھا پر کسی بھی مسلمان کے ساتھ وقت گزارنا اس کے لیے ایک انوکھا تجربہ رہا...... ایک ہی گھر کے افراد کی مختلف اور مخالف روش اسے بے حد حیران کرتی...... مسلمان مسٹر جمشید کی ماں بھی تھیں اور ان کی بیوی اور بیٹی بھی ان ماں، بیٹی کا رہن سہن، طور طریقے، دوستی، میل جول سب کچھ مغربی لوگوں کے ساتھ تھا۔ مغربی لوگوں کے جیسا تھا...... اسی روش نے مسٹر جمشید کی ماں کو اس حد تک بیمار کر ڈالا کہ وہ بستر پر ہی پڑ گئیں...... اس کی دیکھ بھال اور ڈاکٹروں کے علاج نے ان کو بہتر تو کر دیا پر وہ بہت دلگرفتہ تھیں...... خاوند کی موت کے بعد پاکستان میں ان کا کوئی رشتہ باقی نہ رہا تھا تو مسٹر جمشید انہیں یہاں لے آئے تھے...... بیٹے کی محبت میں سرشار وہ عورت یہاں آنے کے ایک ماہ میں ہی حیرت اور صدمے سے بیمار پڑ گئی تھیں۔ اپنی نسل کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر۔

”بیٹی! میرے پرکھوں نے ہمارا ملک اس لیے

خون کی ندیاں بہا کر حاصل کیا کہ جہاں مسلمان اپنے اسلام کے دائرے میں رہ کر زندگی گزاریں گے......وہاں عزت، جان، مال سب محفوظ ہوگا۔ احمد پور تھا ہمارے گاؤں کا نام...... جمشید کے ابا امام مسجد تھے۔ ساری زندگی لوگوں میں اسلام کی تبلیغ اور ترویج میں گزار دی...... سارے گاؤں کو میں نے اور جمشید کے ابا نے قرآن پاک پڑھایا۔ شکر ہے کہ وہ یہ دن دیکھنے سے پہلے ہی اس دنیا سے چلے گئے کہ ان کا بیٹا اور اس کا پورا خاندان مغربی رنگ میں رنگ گیا ہے۔ گناہ کا کوئی احساس نہیں ہے ان میں۔ جانتی ہو بٹی...... اکہ جاہی کب آتی ہے جب گناہ کو گناہ نہ سمجھا جائے...... میرا رب قرآن پاک میں کہتا ہے......

"قسم ہے طور کی اور لکھی کتاب کی کشادہ ورق میں، اور آباد گھر کی اونچی چھت کی اور ابلتے دریا کی بے شک عذاب تیرے رب کا ہونا ہے...... اس کو کوئی نہیں ہٹانے والا جس دن لرزتے آسمان کپکپا کر اور پھریں پہاڑ چل کر سو خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں پر جو باتیں بناتے ہیں، کھیلتے جس دن دھکیلے جاویں۔ دوزخ کو دھکیل کر یہ ہے وہ آگ جس کو تم جھوٹ جانتے تھے۔"

کئی آیات اور سورتیں مع ترجمہ ان کو زبانی یاد تھیں وہ پڑھتی اور روتی جاتیں یہ جانے بغیر کہ کسی کے دل کے زنگ آلود قفل اُن کی ان باتوں سے کھلنے لگے ہیں۔ یسوع مسیح سے اللہ تک کا سفر اگرچہ بہت کٹھن تھا پر آہستہ، آہستہ طے ہو رہا تھا۔ اب وہ بہت دھیان سے ان کی باتیں غور سے سنتی۔ ان کی تلاوت اور ترجمے کے وقت اصرار کرتی کہ وہ بہ آواز بلند اسے پڑھیں...... پتا نہیں کیسا کلام اور کیسے الفاظ تھے جو سیدھے دل پر جا کر اثر کرتے اور وہ ان کے ساتھ ہی سنتی جاتی اور روتی جاتی تھی۔

"جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ ہر چیز جانتا ہے...... تجھ پر احسان رکھتے ہیں کہ مسلمان ہوئے تو کہہ نہ احسان رکھو مجھ پر اپنی مسلمانی کا بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے۔"

گیت نے اپنا پورا جسم کانپتا محسوس کیا خوف سے۔

"مم...... میں مسلمان ہونا چاہتی ہوں۔ کلمہ پڑھنا چاہتی ہوں۔" اس کے لبوں سے یہ الفاظ ٹوٹ کر نکلے اور مسز جمشید کی والدہ کے ساتھ، ساتھ ساری کائنات کو ساکت کر گئے۔ انہوں نے پہلے دن سے ہی اس لڑکی کے اندر چھپی اس بے چین روح کو پالیا تھا جو حق کی تلاش میں تھی۔ اس کا لباس، انداز، اطوار سب کچھ چیخ، چیخ کر اعلان کرتے کہ وہ چھوٹی سی لڑکی اپنے اصل اور منزل کی تلاش میں ہے۔ پہلے، پہلے تو وہ اسے مسلمان ہی سمجھی تھیں اگر جو تیسرے دن اس کا نام نہ سن لیتیں...... اپنے خاندان کے اپنے اصل سے ہٹ جانے کے دکھ پر یہ جوش حاوی ہوگیا کہ ہوسکتا ہے کہ ان کا یہ چھوٹا سا عمل کسی کی اور خود اُن کی زندگی سنوار دے۔

وہ دلجمعی سے ان کی باتیں سنتی...... پردے کے مسائل...... عورتوں کی شرم و حیا، اسلامی معاشرے اور تہذیب کی چیدہ، چیدہ خصوصیات بتاتے ہوئے وہ اس کے چہرے کو کھوجتیں جہاں شوق و اشتیاق کی موجزن لہریں انہیں اپنا عمل تیز تر کرنے پر مجبور کر دیتیں۔ اب اس کی فرمائش پر وہ قرآن پاک کی تلاوت بہ آواز بلند کرتیں ساتھ میں ترجمہ پڑھ کر سناتیں۔ ان کے شوہر امام مسجد تھے ساری زندگی قرآن کا درس دیتے گزری تھی، اسی طرح اپنے چھوٹے سے گاؤں میں وہ بچیوں کو قرآن کی تعلیم دیتیں...... عورتوں کو روز مرہ کے مسائل کے بارے میں دین کی باتیں بتاتیں جس میں ان کی خانگی زندگی کے کئی حل نکل آتے۔ وہاں بات دوسری تھی، وہ سب مسلمان تھے پر یہاں معاملہ جدا تھا۔ وہ چاہتی تھیں کہ اپنے اندر کا سارا علم اور فہم گیت ڈی سوزا پر انڈیل دیں اور اس کی ساری آلائشیں پاک کر دیں...... مسز جمشید ایک مخصوص رقم گیت کو اور صبح آنے والی میڈ کو تھما کر اپنے فرائض سے سبکدوش ہو جاتے تھے۔ اب گیت میں واضح تبدیلی آچکی تھی اگرچہ انہوں نے اسے کلمہ پڑھایا تھا پھر بھی اس پر زور

دیا تھا کہ وہ کسی اسلامک سینٹر کو جوائن کرلے اور اس نے ایسا ہی کیا تھا...... لباس تو وہ پہلے ہی مکمل پہنتی تھی اب اس نے سر بھی ڈھکنا شروع کر دیا تھا۔

اس کی محسن، اسے دنیا و آخرت کا حقیقی علم اور لافانی دولت عطا کرنے والی مسز جمشید کی والدہ پر فالج کا اٹیک ہوا تھا۔ وہ جی جان سے ان کی خدمت میں مصروف تھی۔ انہی دنوں اس نے کلاس کے ایک لڑکے کا خود کی طرف متوجہ ہونا محسوس کیا مگر نظر انداز کر گئی کہ یہ مغرب تھا یہاں ہر قسم کی بات ممکن تھی مگر اس کے کسی قسم کے ردِعمل کے نہ ہونے کے باوجود اس کی توجہ اور ارتکاز کا وہی حال رہا۔ دو سال سے وہ لڑکا اس کی کلاس میں تھا...... ایک اچھا تعلیمی ریکارڈ رکھنے والا وہ مشرقی لڑکا ہرگز ایسا نہیں تھا کہ وہ کوئی حتمی بات سوچ پاتی۔ گزشتہ چند ماہ سے وہ خود میں اس کی دلچسپی محسوس کر رہی تھی۔ کلاس میں داخل ہوتے وقت وہ بڑی بے قراری سے اسے دیکھا رہتا جب تک وہ اسے پلٹ کر دیکھ نہ لیتی...... اس کے دیکھتے ہی وہ نگاہ چرا کے دوسری طرف متوجہ ہو جاتا...... ان کا فائنل سمسٹر ختم ہونے میں ابھی دو ڈھائی ماہ تھے۔ اس کا اسلامی نام مریم رکھا گیا تھا۔ وہ مسز جمشید کی والدہ کو ان کی خواہش پر بی بی بلانے لگی تھی کیونکہ ان کے گاؤں میں سب لوگ انہیں بی بی کہتے تھے۔ بی بی اس کا سہارا تھیں اور وہ ان کی صحت و سلامتی کی پورے دل سے دعا کرتی۔ جنہوں نے کئی سنہرے سپنوں کی ڈور اس کے ہاتھ میں تھما دی تھی کہ ٹھیک ہوتے ہی وہ اسے اپنے ملک لے جائیں گی، کوئی اچھا مسلمان لڑکا دیکھ کر وہیں اس کی شادی کر دیں گی۔

☆☆☆

معید نے اماں جی کو فون کیا تھا کہ وہ ان سے کوئی خاص بات شیئر کرنا چاہتا ہے اور اب امتحانات کے فوراً بعد پاکستان نہیں آ رہا بلکہ چند ماہ اور لگ جائیں گے اسے آنے میں۔ اماں جی جو اس کے آنے کی خبر سن کر پُرجوش تھیں اداس ہو گئی تھیں، وہ اس کا گھر بسا کر اپنی حویلی واپس جانا چاہتی تھیں۔ معید اور اس کی بیوی کے ہمراہ۔ بہوؤں کا رویہ جو کبھی بے حد چاپلوسانہ سا ہو گیا تھا...... معید کو بیٹی دینے کی غرض سے پر اب ان کی بات معید کی مرضی پر ڈال دینے کے بعد روکھا پڑ گیا تھا۔ وہ ہفتے کے ہفتے کسی بیٹے کے ساتھ گاؤں کا چکر لگا تیں اور کبھی بیٹے مصروفیت میں انہیں انکار بھی کر دیتے تھے۔ پوتے پوتیاں تھے جو کبھی آتے جاتے حال احوال پوچھ لیتے تھے، وہ دن گن، گن کر گزار رہی تھیں۔ اور بالآخر خدا، خدا کر کے ان بوجھل دنوں کا خاتمہ ہوا اور آخر وہ دن بھی آ ہی گیا جب ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے جگر کے ٹکڑے معید نے پورے دو سال بعد دوبارہ اپنے وطن میں قدم رکھا تھا...... وہ اسے کتنی دیر گلے سے لگا کے بیٹے کی خوشبو کو محسوس کرتی رہیں۔ وہ بھی ان کی جذباتی حالت کو سمجھ کر آبدیدہ ہو گیا تھا۔ کافی دیر بعد وہ ان سے علیحدہ ہوا اور پھر اس نے اپنے پیچھے کھڑے وجود کو آگے بڑھ کر انہیں سلام کرنے کو کہا جسے بیٹے کے آنے کی اور ملنے کی خوشی میں وہ دیکھ ہی نہیں پائی تھیں۔ پھر وہ کانچ سی لڑکی کی نرم اور مہین آواز کو شفقت بھرا جواب دے کر اس کے سر پر ہاتھ پھیر ہی رہی تھیں کہ معید کا اگلا جملہ صرف ان کو ہی نہیں وہاں کھڑے ہر شخص کو ہی ساکت کر گیا۔

"مریم میری بیوی ہے اماں جی...... یہی وہ بات تھی جسے کرنے کے لیے میں بہت عرصہ ہمت باندھتا رہا ہوں...... زندگی کے اس اہم موقع پر میں چاہتا تھا کہ میری اماں جی میرے ساتھ ہوں۔" اور اب وہ صوفے پر بیٹھا ان کو تمام تفصیل بتا رہا تھا کہ وہ پہلے گیت ڈی سوزا تھی اب مریم معید ہے اور اس کے لیٹ آنے کی وجہ بھی یہی تھی کہ وہ گیت کے اسلام قبول کرنے کے بعد اس کے کاغذات، پاسپورٹ اور امیگریشن کے ضروری کاغذات کا بہت مسئلہ بنا لیکن بہت سی مشکلات سے گزرنے کے بعد بالآخر وہ اپنی بیوی کو لے کر پاکستان آ چکا تھا۔ اس کے منہ سے شادی کی بات کا سن کر جو حیرت اماں جی کے چہرے پر پھیلی تھی اس کا پہلے

ہندو اور پھر مسلمان ہونے کا سن کر وہ تاثر اب صدمے میں بدل گیا۔

''نتاشا انہیں روم دکھادیں تاکہ یہ فریش ہوجائیں بہت لمبی فلائٹ لے کے آئے ہیں ہم۔'' ان سب کے چہروں کی ناگواری اور خاموشی محسوس کر کے معید نے ایک طرف کھڑی نتاشا کو مخاطب کیا۔ بہر حال وہ اپنے گھر میں پہلے ہی دن مریم کے سامنے کوئی ناخوشگوار واقعہ نہیں چاہتا تھا۔ دونوں چچا ابھی گھر نہیں لوٹے تھے۔ تاہم باقی لوگ گھر پر ہی تھے۔ مریم کے وہاں سے چلے جانے کے بعد وہ آہستہ سے اٹھ کر بالکل خاموش بیٹھی اماں جی کے قدموں میں آبیٹھا۔

''میں جانتا ہوں اماں جی آپ کو بہت دکھ پہنچا ہے میرے اس طرح بغیر بتائے یہ قدم اٹھانے پر لیکن آپ یقین کریں میرے پاس یہ سب کرنے کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں رہا تھا۔ مریم کے مسلمان ہونے کے بعد اس کے لیے وہاں کے حالات بہت خراب ہوگئے تھے پھر جس لینڈ لیڈی کے پاس یہ رہتی تھی، ان کا بھی اچانک انتقال ہوگیا...... میں اسے کسی کے بھروسے پر چھوڑ نہیں سکتا تھا۔''

''ہونہہ سب کچھ کر کرا کے لوگ کیسے معصوم بن کے آجاتے ہیں، نرے ڈرامے......'' بڑی چچی کو صورت حال بڑی کھلی تھی۔ سو انہوں نے چھوٹی چچی کے کان میں سرگوشی کی۔

''میں اپنے کمرے میں جانا چاہتی ہوں۔'' معید جو اماں جی سے کسی بھی ردِعمل کی توقع کر رہا تھا ان کے غیر متوقع جواب پر بھونچکا رہ گیا۔ اماں جی نے اپنے گھٹنوں پر رکھا اس کا ہاتھ نرمی سے ہٹایا اور اٹھ کر آہستہ سے چلتی لاؤنج سے باہر نکل گئیں۔

''واہ یار معید! تم تو چھپے رستم نکلے بھئی...... ایک ساتھ چھکا ہی مارا بھئی...... نہ افیئر کی خبر نہ کوئی اسکینڈل شسکینڈل کی اطلاع، ڈائریکٹ گوری کو لے آکر دھماکا ہی کر ڈالا۔'' اماں جی کے جانے کی دیر تھی کہ ینگ پارٹی کے حواس بھی واپس آگئے۔ وہ جو اماں جی کے

دعا

یا اللہ میں تجھ سے مانگتی ہوں...... ایسی معافی جس کے بعد کوئی گناہ نہ ہو...... ایسی ہدایت جس کے بعد کوئی گمراہی نہ ہو، ایسی رضا جس کے بعد کوئی ناراضی نہ ہو...... ایسی رحمت جس کے بعد عذاب نہ ہو، ایسی کامیابی جس کے بعد ناکامی نہ ہو، ایسی عزت جس کے بعد بے عزتی نہ ہو، ایسی خوشی جس کے بعد کوئی غم نہ ہو۔

یا ربّ العالمین مجھے معاف کرنا اور ازل سے ابد تک سب کو معاف کرنا...... ہر ذی روح کو معاف کرنا کہ بے شک تو سب سے بڑا معاف کرنے والا ہے۔

از: ایمان چوہدری، پنجاب

وقت

چاہے کتنی جتنی ترلے کرلیں مجال نہیں کہ وقت کی کسی بھی گھڑی کو صرف ایک پل کے لیے روک سکیں۔ کبھی یہ ریت کے مانند مٹھی سے پھسل جاتا ہے تو کبھی پانی کے ریلے کی طرح گزر جاتا ہے۔ اسے نہ تو ہم اسٹاپ کر سکتے ہیں نہ ریورس اور نہ ہی فارورڈ...... بس وقت کی ایک، ایک گھڑی کو ہر حال گزارنا ہی پڑتا ہے تب ہی تو بڑے، بوڑھے کہتے ہیں کہ جو وقت گزارا جارہا ہے اسے ہنس مسکرا کر گزار لو کہ وقت چاہے جیسا بھی ہے بالآخر اسے گزر ہی جانا ہے۔

از: انعم حیدر خان، پاکپتن

ویران تھے راستے

یہ جو دھڑکن ہے دل کی
ان راستوں پر کھڑے ہو کر
تم نے ویران راستوں کو
پُر بہار کردیا
اور میرے دل کے خانے کو
لازوال کردیا

شاعرہ: رفعت خادم حسین، ملتان

جاتے کے بعد کچھ الجھا ہوا بیٹھا تھا پھیکا سا مسکرا دیا۔

"ویسے ڈیئر کزن آپ کو پورے امریکا میں لڑکی بھی پسند آئی تو وہ بھی ہندو......؟" نتاشا جو اس کی سب سے زیادہ امیدوار تھی طنزیہ بولی تو معید بہ مشکل ہی ضبط کر سکا۔

"وہ اس کا ماضی تھا اب وہ الحمدللہ مسلمان ہے اور اب اس گھر میں اس کا حوالہ میرا نام ہے۔" وہ کافی سنجیدگی سے بولا جبکہ چھوٹی چچی نے ثمینا کو معنوی آنکھیں دکھا کر نتاشا کو ڈپٹا۔

"تم کیا یہ فضول باتیں لے کر بیٹھ گئی ہو۔ ویسے معید جہاں تک اماں جی کی بات ہے تو ایک وقت تھا کہ وہ اس خاندان میں غیر خاندان سے بھی بہو لانے کو تیار نہیں تھیں ناں کہ غیر مذہب...... میرا مطلب ہے اتنا انتہائی قدم اٹھانے سے پہلے اگر تھوڑا دماغ سے سوچ لیتے تو تمہیں اندازہ ہو جاتا کہ تمہیں پاکستان جا کر کتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔" بڑی چچی کب پیچھے رہتیں...... انہوں نے بھی حتی الوسع اپنا حصہ ڈالا...... معید کو سخت ردعمل کی توقع تو تھی پر اتنے شدید ردعمل کی ہرگز نہیں۔

"او کے، میں ذرا مریم کو دیکھ لوں......" وہ آہستگی سے کہتے ہوئے گیسٹ روم میں آ گیا جہاں وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے کسی گہری سوچ میں بیٹھی گم نظر آئی۔

"آپ نے کچھ کھایا؟" معید کی آواز پر وہ چونک کر سیدھی ہوئی اور نفی میں سر ہلاتے ہوئے آہستہ سے بولی۔

"نہیں، پلین میں اتنا کچھ کھالیا تھا کہ اب ضرورت ہی محسوس نہیں ہو رہی۔" اور وہ جانتا تھا کہ اس نے پلین میں کتنا کچھ کھایا تھا، وہ الٹے قدموں پلٹ کر کچن تک آیا۔ ملازمہ کو کہہ کر کھانے کی ٹرے تیار کروائی اور اماں جی کے رویے کو سوچتا ہوا کھانا اندر کمرے میں لے آیا۔

وہ چند ماہ پہلے کتنا خوش تھا، لگتا تھا کہ دنیا جہاں کی خوشیاں اس کی جھولی میں ڈال دی گئی ہوں۔ امتحانات سے پہلے فیئر ویل نائیٹ میں جب کلاس کے تمام اسٹوڈنٹس نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی بیان کی۔ اس کی سانسیں تھم گئی تھیں جب اس نے ڈائس پر اسے آتے دیکھا۔ دو ماہ سے اسے نظر انداز کرنے، اسے نہ سوچنے اور اسے نہ دیکھنے کی تمام کوششوں پر بری طرح پانی پھر گیا تھا۔ وہ اول روز کی طرح ہی دل کی مسند پر پوری ملکیت کے ساتھ براجمان تھی۔

"یا اللہ تو نے میرے لیے اتنی سخت آزمائش کو کیوں منتخب کیا کہ جس لڑکی کا میری زندگی میں آنا ناممکن ہے اسے میری سوچوں کا حصے دار ٹھہرا دیا۔" اس نے اپنی بے بسی پر اپنی آنکھوں میں نمی کو محسوس کیا۔ دفعتاً اس کے الفاظ اسے چونکا گئے۔ یوں لگا اس کی سماعتیں دھوکا کھا رہی ہوں کہ وہ وہی کچھ کہہ رہی تھی جو وہ سننا چاہتا تھا۔

"میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی میرا اسلام قبول کرنا ہے۔" اپنی نرم اور خوب صورت آواز میں اس انکشاف کے بعد وہ اب اسلام کی چیدہ چیدہ خصوصیات اور اپنی زندگی میں اس کی اہمیت بتا رہی تھی۔

"مریم!" معید نے زیر لب اس کے نام کو بے آواز دہرایا اور اس کا دل چاہا کہ وہ یہیں سجدہ ریز ہو کر اپنے رب کے حضور شکرانے کے نوافل ادا کرے جو یقیناً انسانوں کی سوچ سے بھی زیادہ رحیم و کریم ہے اس نے اسی رات اس کو پرپوز کیا تھا اور اس کے چہرے پر کھلتے رنگ اور مثبت جواب نے اسے گویا ہفت اقلیم کی دولت دے دی تھی۔ اگلے ہی دن وہ اس کی لینڈ لیڈی سے ملا تھا جو اب بہتری کی طرف گامزن تھیں وہ بہت خوش ہوئی تھیں۔ اسلامک سینٹر میں نکاح کے بعد مریم کے کاغذات کے لیے مسز جمشید کی والدہ نے اپنے بیٹے پر زور دیا تھا کہ وہ معید کی جتنی مدد کر سکتا ہے کرے...... بی بی بھی شاید اسی انتظار میں تھیں کہ وہ بہتری کی طرف آئے اور اس کے آتے ہی وہ اچانک دنیا چھوڑ گئیں۔ یوں ڈھائی تین ماہ کی دوڑ دھوپ کے بعد وہ

لوگ پاکستان آنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ پر یہاں آکر معید کو اپنوں کی ۔۔۔ بیگانگی بہت دکھ پہنچا رہی تھی۔ دونوں چچا بھی خاصے برہم تھے اور اپنی، اپنی فیملی کے ہمنوا تھے پر اصل افسوس اسے اماں جی کے رویے پر تھا جو آج تین دن گزر جانے کے بعد نہ تو اس سے کلام کر رہی تھیں نہ اس کی کوئی بات سن رہی تھیں۔

''تم سے میری محبت شدید تھی...... پر میں یہ کبھی برداشت نہیں کروں گی کہ میری نسل میں کوئی فرنگن آکر میری نسل کو خراب کرے۔'' معید ان کی اس بات پر تڑپ ہی اٹھا۔

''اماں جی وہ فرنگن نہیں ہے مسلمان ہے۔''

''تم جو بھی کہو اس حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتے...... اگر مجھ سے تعلق رکھنا ہے تو اس لڑکی کو چھوڑنا ہوگا تمہیں۔'' ان کا رویہ بہت بے لچک اور دوٹوک تھا اور اس کے دونوں چچا اور ان کی بیویاں بھی اس وقت وہاں موجود تھے جب تین دن کی مسلسل اور طویل خاموشی کے بعد اماں جی نے ایک بار پھر وہی فیصلہ سنایا تھا جو پہلے دن سے ان کا رویہ چیخ، چیخ کر بتا رہا تھا۔ دونوں چچاؤں اور ان کی بیویوں کے تاثرات کم و بیش وہی تھے جو اماں جی کے تھے...... معید نے کچھ کہنے کی کوشش میں منہ کھولا پر انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

''ہم اپنی بات کہہ چکے ہیں معید...... اب ہمیں اور کچھ نہ تو کہنا ہے نہ سننا ہے۔'' وہ جب غصے کی انتہا پر ہوتیں تو اسی انداز میں مخاطب ہوتی تھیں۔

''بس بھی کرو معید...... دیکھ نہیں رہے ہو اماں جی کی طبیعت پہلے ہی کتنی خراب ہے اور تمہاری فضول ضد نے پورے گھر کو پریشان کر رکھا ہے۔'' بڑی چچی جنہوں نے کچھ دنوں سے اماں جی کو نظر انداز کر کے اپنی ناراضی ظاہر کی ہوئی تھی، ایک دم ہی اماں جی کی سب سے بڑی خیر خواہ نظر آنے لگیں۔

''مریم ایک فضول ضد نہیں ہے، میری بیوی ہے چچی جان...... فضول ضد تو وہ ہے جو آپ لوگ کر رہے ہیں۔'' اس وقت اس کا انداز اس قدر تھکا ہوا تھا کہ ایک پل کو اماں جی کا دل دھڑک اٹھا، لاڈلا پوتا اپنی اولاد سے زیادہ چاہا تھا اسے پر دوسرے ہی پل اپنے خول میں۔۔ دوبارہ سمٹ گئیں۔ معید نے ایک پل ان سب کو باری باری دیکھا اور اٹھ کر باہر چلا گیا...... اگلا دن سب کے لیے ہی ایک دھماکا خیز خبر لایا تھا۔ معید، مریم کو اماں جی کے سہارے چھوڑ کر خود ہی گھر چھوڑ کر جا چکا تھا۔ اس نے اماں جی کے لیے ایک خط چھوڑا تھا۔

''میری ماں! میری جنت اماں جی......!

آپ میری زندگی میں اپنی اہمیت کو جانتے ہوئے بھی اتنی بڑی ضد لگا کے بیٹھ گئیں...... آپ کہتیں معید مرجاؤ، معید اسی پل مرجاتا...... پر آپ نے مانگا بھی تو کیا جان نہیں زندگی ہی مانگ لی...... آپ میری جنت ہیں، مریم میری زندگی ہے۔ اور میں ایسا دنیا دار کہ اپنی جنت کے لیے زندگی کو نہیں چھوڑ پا رہا...... کیا کروں اس کے معاملے میں خود کو ایسے ہی بے بس پاتا ہوں...... کہاں جا رہا ہوں کچھ پتا نہیں...... آپ کا فیصلہ بدلنے تک یہاں نہیں آؤں گا...... جس دن آپ نے دل سے پکارا آپ کا معید آپ کے پاس ہوگا...... مریم میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی آپ کے پاس امانت چھوڑے جا رہا ہوں، اس کا ایسے خیال رکھیے گا جیسے اپنے معید کا رکھتی تھیں۔ وہ اپنوں کی محبت کی ترسی ہوئی ہے۔ وہ دنیا کے ہر مسلمان کو ویسا ہی سمجھتی جیسا اس نے کتابوں سے جانا ہے۔ اسلام اور مسلمانوں پر اس کے اعتماد اور مان کو ٹوٹنے مت دیجیے گا۔

آپ کا معید......''

صبح مریم نے سرخ آنکھوں اور ستے چہرے کے ساتھ جب وہ خط اماں جی کو پکڑایا تھا تو اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ انہوں نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھتے ہی وہ کاغذ کا ٹکڑا تھام لیا تھا۔ دل نا تواں کسی انہونی کے ڈر سے خواہ مخواہ ہی دھڑک اٹھا تھا۔ ان کا معید اتنی بڑی آزمائش میں انہیں چھوڑ کر جا چکا تھا۔ انہیں اس لڑکی سے نئے سرے سے نفرت محسوس ہوئی

جس کی وجہ سے ان کا انتہائی فرمانبردار پوتا جو زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے معاملے میں بھی ان کی رائے اور مرضی کا محتاج ہوتا تھا، آج ایک انتہائی قدم اٹھا چکا تھا۔ انہیں یاد تھا کہ وہ باہر بھیجنے پر اسے راضی نہیں تھیں اور وہ اپنی شدید خواہش سے دستبردار ہونے کو تیار تھا کہ اماں جی اگر نہیں چاہتیں تو وہ نہیں جائے گا وہ تو ابا جی نے اماں جی کو سمجھایا تھا کہ اپنی محبت اور جذباتی وابستگی کو اس کے لیے اتنا نہ ظاہر کریں کہ وہ اپنا کیریئر ہی نہ بنا سکے پھر اماں جی کے کہنے پر وہ باہر پڑھائی کے لیے گیا تھا۔ آخر کیا تھا اس لڑکی میں اس نے انہیں بتانا تو ایک طرف پوچھنا یا مشورہ کرنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں یہ خبر پورے گھر میں پھیل گئی تھی۔ اب سوائے مریم کے سب ہی اماں جی کمرے میں جمع تھے۔

”اماں جی......! آپ کی دی ہوئی ڈھیل ہے یہ جو اتنی خودسری کا مظاہرہ کیا ہے اس نانجار نے...... ارے اتنا ہی خیال نہیں کیا اس نے کہ بے شک اس کے باپ کا جائداد زمینوں اور کاروبار میں حصہ تھا پر عرصہ ہوا یہ سب تو دیکھنے والے ہم ہی ہیں...... اتنی مہنگی پڑھائی کا خرچا برداشت کرتے رہے ہیں۔ غیر ملک میں جہاں ایک ایک پائی کمانے کے لیے جوتیاں گھسانی پڑتی ہیں وہ شہزادوں کی طرح رہا ہے۔ تو صرف ہم دونوں کی وجہ سے...... سوچا تھا ہم دونوں میں سے کسی ایک کا داماد بن کے دایاں بازو ہی بن جائے گا۔ اسے دیکھو لے آیا ایک فرنگن بیاہ کے جس کا نہ کوئی آگا نہ پیچھا نہ خاندان نہ حسب نسب...... اتنے دن بھی اسے فضول میں دیے آپ نے اور منتیں، ترلے برداشت کرتی رہیں اس کے...... چاہیے تو یہ تھا کہ فوراً سے بیشتر طلاق دلواتیں اور روانہ کرتیں اس لڑکی کو۔“ غصے سے شکیل چچا کا چہرہ سرخ پڑ گیا...... اماں جی خاموشی سے تسبیح کے دانے گراتی رہیں۔ شکیل چچا کی بات اور اماں جی کی خاموشی نے چھوٹی چچی کو مزید شہہ دی۔

”تو اور کیا اماں جی، یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میں تو کہتی ہوں اب بھی کچھ نہیں بگڑا نکال باہر کریں اس لڑکی کو...... اور معید کے آنے پر کہہ دیں گے کہ خود ہی چلی گئی کہیں...... ہمیں کیا پتا...... بھلا بھروسا کر سکتے ہیں ایسے کسی انجان لڑکی پر۔“ وہ اماں جی کے نزدیک ہو کر ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر ذرا سرگوشیانہ انداز میں بولیں۔

”اور ہاں شاہانہ کا بھی فون آیا تھا۔ صبح سویرے میرے پاس...... ناراض ہو رہی تھی کہ اتنی بڑی بات ہو گئی گھر میں اور مجھے کسی نے بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا، ابھی تو اسے صرف صاحبزادے کے ایک کارنامے کی خبر ہوئی تھی دوسرے کا تو یہاں آ کر پتا چلے گا۔“ بڑی چچی نے اماں جی کا سنجیدہ اور رنجیدہ چہرہ دیکھ کر نئی خبر پہنچائی۔

”مجھے تو بھابی کی تجویز ٹھیک لگ رہی ہے اماں جی......“ بڑے چچا نے ٹانگ پر ٹانگ جمائی اور تکبر سے گویا ہوئے۔

”میرا فیصلہ جو کل تھا آنے والے کل میں بھی وہی رہے گا کہ اس لڑکی کو کبھی معید کی بیوی کے طور پر جگہ نہیں دوں گی۔ نہ اس دل میں نہ اس گھر میں لیکن تم سب یہ بھی جانتے ہو کہ ہم نے ساری زندگی تم لوگوں کو بھی امانت میں خیانت نہ کرنے کا درس دیا اور خود بھی اس بات پر کاربند رہنے کی ہمیشہ کوشش کی...... وہ لڑکی بھی خوش نہ ہو کہ وہ جیت گئی ہم سے...... ہمیں چھوڑ کر چلا گیا ہے وہ تو پایا تو اس نے بھی کچھ نہیں...... خالی ہاتھ تو وہ بھی رہ گئی ہے...... وہ لڑکی معید کے آنے تک ہمارے پاس اس کی امانت ہے اور تم دونوں بھی سن لو اس بار اس کے آنے پر میں خود اسے تم میں سے کسی ایک کی دامادی میں دوں گی...... ٹھیک کہا تم نے یہ ہماری ڈھیل کا نتیجہ ہے اور اپنی غلطی سدھارنا ہم خوب جانتے ہیں۔“ ان کی یہ طویل بات سب نے بڑی خاموشی سے سنی لیکن خواتین کے چہروں پر اب بھی ناگواری دیکھی جا سکتی تھی۔ غالباً وہ اس لڑکی کو اس گھر میں برداشت کرنے کے حق میں نہیں تھیں۔ جبکہ مرد حضرات کے چہروں پر

کچھ سکون نظر آرہا تھا۔ باقی رہی تو جوان پارٹی تو وہ باہر اندر ہونے والی میٹنگ کے اسباب تو جانتے تھے اثرات سے باخبر ہونا چاہتے تھے۔ اسی گھر کے ایک کمرے میں اکیلی بیٹھی ... مریم معید اپنی قسمت کے فیصلے کی منتظر تھی۔ جب کمرے میں صرف اماں جی اور ان کی بہوئیں رہ گئیں تو اسے بھی کمرے میں طلب کرلیا گیا۔

"دیکھو لڑکی تم جو کوئی بھی ہو اور جس مقصد کے لیے بھی اس گھر میں داخل ہوئی ہو ہمارے جیتے جی کبھی اس مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکو گی کیونکہ ہم نے نہ تو تمہیں معید کی بیوی تسلیم کیا ہے نہ اس گھر کی بہو...... ہاں وہ ایک وعدے کا پابند ہمیں ضرور کرگیا ہے تم اس کے واپس آنے تک یہاں رہ سکتی ہو لیکن یہاں میرے کمرے میں رہوگی...... تمہارے برتن، کھانا پینا سب الگ ہوگا کیونکہ ہمارا پوتا دل کے ہاتھوں مجبور ہوکر ان لغویات پر یقین رکھ سکتا ہے، ہم نہیں...... ہمارے نزدیک تم ایک غیر مسلمان ہو۔" مریم سفید پڑتے چہرے کے ساتھ اس کٹھور عورت کی طرف دیکھے گئی جس کی مشقت اور محبت کے قصے وہ اس شخص کے منہ سے سن چکی تھی جس کے ساتھ محبت اور رشتے کی ڈور میں بندھی وہ سات سمندر پار چلی آئی تھی اور وہ اسے ان بے رحم لوگوں کے پاس پتا نہیں کس امید کے تحت چھوڑ گیا تھا۔ پر ابھی اسے بہت کچھ مزید دیکھنا اور سننا باقی تھا اماں کے چپ ہوتے ہی بڑی چچی کی باری آگئی تھی نشتر چلانے کی۔

"تم تو احسان مانو اس نیک عورت کا جس نے اتنا بڑا احسان کیا تم پر...... ورنہ ہم لوگ تو تمہیں یہاں رکھنے کے حق میں نہیں تھے۔ لیکن بی بی اب مفت بٹھا کے تو تمہیں نہیں کھلا سکتے ناں...... ملازمہ کے ساتھ مل کر گھر کا کام بھی دیکھنا ہوگا لیکن کھانے پکانے کی کسی چیز میں تمہارا کوئی عمل دخل نہیں ہوگا...... بس تمہارا کھانا تمہیں مل جایا کرے گا...... اور تمہیں بھی یہاں سنبھل کے رہنا ہے جوان بچوں والا گھر ہے، تمہیں کیا معلوم کیا آداب اور طور طریقے ہوتے ہیں مسلمان گھروں میں رہنے کے۔" بڑی چچی نے بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ وہ آنسو ضبط کرتے ہوئے وہ سب نشتر اپنے اندر اتارتی گئی۔ اسے کتاب میں پڑھا ہوا ہجرت کا وہ موقع یاد آیا جب نبی پاک نے ایک ایک مہاجر کا ہاتھ ایک، ایک انصار کے ہاتھ میں دے کر کہا تھا۔

"آج سے تم سب بھائی، بھائی ہو۔" انہوں نے ظرف کی وہ اعلیٰ مثال قائم کی تھی جو رہتی دنیا تک قائم رہے گی وہ بھی مسلمان تھے جنہوں نے لٹے پٹے مہاجرین کو نہ صرف سینے سے لگایا تھا بلکہ رواداری اور محبت کا ایسا مظاہرہ کیا کہ انہیں اپنے گھروں، جائیدادوں تک کا حصے دار بنا دیا اور ایک یہ مسلمان تھے جن کے دل اس قدر سخت تھے کہ گھر کی بہو کو اس کا جائز مقام تو ایک طرف ایک ملازمہ کا درجہ دینے کو بھی تیار نہیں تھے۔ اسے یاد آیا کہ سونیا اگروال ہندو ہوتے ہوئے بھی ذات پات اور چھوت چھات کے اس طریقے سے مبرا تھی جو ہندو برہمن کا شیوہ ہے، اس کے ہوٹل میں ہر مذہب اور قوم کے ملازمین تھے مسلمان بھی...... اس نے کبھی ان سے نفرت و حقارت کا مظاہرہ نہیں کیا تھا نہ صرف ان کو ان کے کام کا معاوضہ دیتی تھی بلکہ ان کے دکھ درد میں بھی شریک ہوتی...... وہ سب ایک کمیونٹی کی طرح تھے، جس جوش و جذبے سے ہولی مناتے اسی طرح عید...... ایسٹر پر ان کی خوشی دیکھنے کے قابل ہوتی۔ سونیا اور ڈی سوزا نے اپنے ملازمین کو بھی کبھی ایسے نہیں کہا تھا جیسے اسے کہا گیا تھا۔ اس کی زندگی کی مشکلات کا آغاز ہوچکا تھا۔ ملازمین کو بھی اس کی قدر پتا چل گئی تھی۔ سو مالکان کے بعد وہ بھی مالکان کی جو کسر رہ جاتی وہ پوری کرلیتے تھے۔ اس روز اماں جی کی آواز ایک خوش الحان قرآن پڑھتی آواز سے کھلی۔

"اور کہتے ہیں ہرگز نہ جاویں گے جنت میں مگر جو ہوں گے یہود یا نصاریٰ یہ آرزوئیں باندھ لی ہیں انہوں نے کہہ لے آؤ اپنی سند اگر تم سچے ہو کیوں

نہیں جس نے تابع کیا منہ اپنا اللہ کی طرف اور وہ نیکی پر ہے اسی کو ہے مزدوری اس کی اپنے رب کے پاس اور نہ ڈر ہے ان پر نہ ان کو غم اور یہود نے کہا نصاریٰ نہیں کچھ راہ پر اور وہ سب پڑھتے ہیں کتاب اس طرح کہی ان لوگوں نے جس کے پاس علم نہیں انہی کی سی بات اب اللہ حکم کرے گا ان میں دن قیامت کے جس بات میں جھگڑتے تھے۔"

(القرآن)

پہلے پہل تو آنکھیں موندے چپ چاپ دل پذیر لفظوں کو اپنے اندر اتارتی رہیں کہ اس وقت کچھ بیداری اور کچھ نیند کے غلبے کے زیرِ اثر تھیں لیکن سسکیوں پر آنکھیں کھول کر دیکھا تو دوسرے بستر پر قرآن پاک کے ترجمے کو بڑے خشوع اور عاجزی کے ساتھ پڑھتی وہ لڑکی نظر آئی جس کا جسم رونے اور سسکیاں لینے کے باعث ہلکے، ہلکے جھٹکے کھا رہا تھا۔ کل کا سارا دن وہ باہر کے کاموں میں مصروف رہی تھی صرف رات کے کھانے پر انہوں نے اسے دیکھا تھا۔ جب وہ کچن سے مختلف کھانے پینے کی چیزیں لا، لا کر رکھتی رہی تھی اس کے بعد ایک دفعہ ان کی دوائیاں دودھ کے ساتھ ان کے حوالے کی تھیں یقیناً یہ نیا کام اس ملازمہ نے اس کے ذمے لگا دیا تھا جو اس سے پہلے یہ کام سرانجام دیتی تھی۔ پھر پتا نہیں رات کو کب وہ آکر اپنے بستر پر سوئی تھی۔ اماں جی نے بہ مشکل خود کو اس کیفیت سے نکالا جس کا اس وقت شکار ہو رہی تھیں۔ نماز کا وقت نکل نہ جائے سو تیزی سے اٹھیں اور واش روم کی جانب بڑھ گئیں۔ ان کے واپس آنے تک مریم وہاں سے جا چکی تھی۔

شاہانہ بیگم نے آکر ایک الگ واویلا کھڑا کیا تھا۔ ان کو بہ مشکل ٹھنڈا کر کے بھائیوں نے سدید کی شادی تک کے لیے روک لیا تھا۔

زرین گھر کی سب سے بڑی اور بیاہی بیٹی تھی سو اسے بھی بلوا لیا گیا تھا اور شادی کی تاریخ مقرر کر کے تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔ مریم کے لیے نہ ختم ہونے والے کاموں اور تھکا دینے والے دنوں کا آغاز ہو گیا تھا۔ اسے بہ مشکل نماز پڑھنے کا وقت ملتا اور ایسے ہی کسی وقت میں گھر والوں کی طنزیہ مسکراہٹ اور دل جلانے والے کلمات کو برداشت کرنا ایک صبر آزما مرحلہ ہوتا ابھی وہ نذیراں (ملازمہ) کو بریانی ذمے لگا کر ظہر کی نماز ادا کرنے آئی تھی۔ اہلِ خانہ جنہوں نے اسے کچن میں نہ جانے اور کھانے پینے کی چیزوں کو ہاتھ نہ لگانے کا حکم دیا تھا اب اپنے اس حکم سے یکسر بے پروا نظر آتے تھے۔ اب کچن کا کام کلی طور پر اس کے سپرد تھا۔ ہاں گھر والوں کے ساتھ کھانا کھانے کی اجازت نہیں تھی، نہ ہی روزمرہ کے برتن استعمال کرنے کی...... بڑی چچی نے پہلے ہی دن اس کے لیے چند معمولی برتن نکال کر الگ کر دیے تھے۔ اس نے صبر و شکر سے یہ سب قبول کیا تھا کہ اسے ایک چار دیواری کا تحفظ تو حاصل تھا، یہ ہی بہت بڑی بات تھی اس کے لیے...... اب بھی اماں جی نے چائے بنانے کا حکم بجھوایا تھا۔ نذیراں اسے کچن میں دوبارہ دیکھ کر کھسک لی تھی۔

"بہت دکھ ہوتا ہے واللہ آپ جیسی حسین خاتون کے ساتھ یہ ظلم دیکھ کر مگر کیا کریں کہ بے بس ہیں اس معاملے میں کچھ بھی کرنے سے...... مگر قطعی فکر کی ضرورت نہیں ہے۔ کچھ نہ کچھ راہ نکال ہی لیں گے حضور کہ حسن اور ظلم ایک ساتھ کچھ جچتے نہیں ہیں۔" اپنے خیالوں سے وہ چونک کر اتنی حواس باختہ ہوئی کہ ہاتھ بے ساختہ گرم کیتلی کو چھو گیا...... وہ اس کے بے حد قریب تھا۔ زرین کا شوہر...... تیسرا دن تھا اسے آئے ہوئے بیوی کے ساتھ کہ سدید کی شادی کے سلسلے میں یہیں براجمان تھے۔ جس کی نظروں کی غلاظت کو اس نے بارہا محسوس کیا تھا لیکن پھر خود ہی محتاط ہو کر اس نے ایسی جگہوں پر جانا خود ہی ختم کر دیا تھا۔ جہاں اس کی موجودگی کا احتمال ہوتا...... اس گھر میں بھلے اس کا جائز مقام نہیں دیا گیا تھا پر بری نظر بھی کسی نے نہیں ڈالی تھی۔

"آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں؟ میں کچھ بھی نہیں...... یہ میرا گھر ہے اور گھر کا کام عورتیں ہی کرتی

ہیں۔ اس میں آپ کو ظلم وستم کہاں نظر آ گیا۔" ہاتھ کی جلن کو دل میں چھپاتی وہ جلدی سے کپ میں چائے ڈالنے لگی۔

"ارے ہمیں اپنا خیر خواہ ہی سمجھیں اور مت چھپائیں اپنے دکھے دل کے راز......" وہ مزید قریب آ کر بولا گویا ٹلنا ہوں سے ہی نکلنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

"مجھے کوئی دکھ نہیں ہے ایاز بھائی اور نہ ہی کسی رازدار کی ضرورت ہے۔ راستہ دیں اماں جی کو چائے دینے جانا ہے۔" وہ دل میں خوفزدہ ہوتے ہوئے بھی بظاہر بہادری سے بولی اور کنی کترا کر اس کے پاس سے گزر گئی۔ اماں جی کے کمرے میں آ کر انہیں چائے دے کر اس نے اپنے بستر پر بیٹھ کر گہری، گہری سانسیں لیں۔ چند انمول آنسو اپنی بے وقعتی پر پلکوں کی باڑھ توڑ کر نکل آئے۔

"کیا ہوا ہے! کیوں رو رہی ہو؟" نہ چاہتے ہوئے بھی چائے کا سپ لیتی اماں جی نے پوچھا اگرچہ لہجہ کسی قسم کی محبت یا تشویش سے خالی تھا ایسے جیسے کسی راہ چلتے سے برسبیلِ تذکرہ بندہ کوئی بات پوچھ لے۔

"کچھ نہیں ہاتھ جل گیا ہے......" اس نے آہستہ سے دل کے درد کو دبا کر کہا۔

"ہوں......" دل میں اگرچہ ایک افسوس کی لہر بھری اور جی میں آئی کہ کہہ دیں کہ ان کے بیڈ کے دراز میں مرہم موجود ہے وہ نکال کے لگا لے پر جب، جب اس لڑکی کی وجہ سے ان کے فرمانبردار پوتے نے ان سے بغاوت کی تھی۔ اسے دیکھ کر وہ احساسِ زیاں اس قدر شدید ہو جاتا کہ اس کی سب اچھائیوں پر جو ایک لمحے میں دل میں گھر کرتیں، پانی پھر جاتا...... کتنے دن ہو گئے وہ دیکھ رہی تھیں، وہ ان سے بھی پہلے بیدار ہو کر نماز ادا کر کے قرآن پاک کی تلاوت کرتی ایسے میں اس کا زارو قطار رونا انہیں بہت متاثر کرتا۔ پھر دن میں نمازوں کے اوقات میں وہ کمرے میں آ کر نماز ادا کرتی۔ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں مصروف نظر آتی اس کی آواز بہت کم سنی تھی۔ اس کا لہجہ اگرچہ مغربی تھا پر اردو وہ اچھی خاصی بول لیتی تھی۔ یقیناً معید نے سکھائی ہو گی۔ نہیں جانتی تھیں کہ وہ بہت پہلے ہی اردو اور عربی سیکھ چکی تھی۔ اگرچہ معید نے اس کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو کھول کر ان کے سامنے رکھ دیا تھا پر غصہ اتنا شدید تھا کہ وہ سن کر بھی غافل رہی تھیں۔ آج کل تو شادی والا گھر ہونے کی وجہ سے اس کے کاموں میں بے حد اضافہ ہو گیا تھا۔ اس دن کے بعد مریم بہت خوفزدہ رہنے لگی تھی۔ پے در پے اس کی زندگی نے اتنے رنگ دیکھے تھے کہ اب اسے حیرت نہیں ہوتی تھی۔ اسے مسلمان گھرانے میں جا کر بسنے اور انہیں دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ اور اب اس کا یہ شوق دھرا کا دھرا رہ گیا تھا۔ معید نماز کا بہت پابند تھا اور بہت سچا اور کھرا انسان تھا، اسے اس کے گھر والوں سے بھی ویسی ہی توقعات تھیں پر سب توقعات دنیا میں کب پوری ہو پاتی ہیں۔ اس نے گھر کے کسی فرد کو بھی کسی بھی وقت نماز ادا کرتے نہیں دیکھا تھا سوائے اماں جی کے۔ بڑے چچا، چھوٹے چچا کی بیٹیاں آرام سے بغیر آستینوں والے اور تنگ کپڑے پہنے گھر میں پھرتیں اور بہت دفعہ گھر سے باہر بھی فنکشن وغیرہ میں ایسے کپڑے زیب تن کر کے جاتیں جس کا استعمال اس نے مغربی ملک میں رہتے ہوئے بھی دائرہ اسلام میں داخل ہونے سے پہلے بھی نہیں کیا تھا۔ دونوں چچیاں بھی کم نہیں تھیں، لباس و انداز میں مغربی رنگ جھلک جاتا۔ اسے مسز جمشید کا گھرانا یاد آ جاتا۔ جبکہ اس پر تنقید اور طنز کے حوالے سے وہ سب ہی ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے...... جیسا پرسوں کی بات تھی نذیراں گھر جا چکی تھی، بڑے چچا کے رات کو اچانک مہمان آ گئے تھے۔ بڑی چچی نے صبا کو اسے بلانے کے لیے بھیجا تھا کہ جلدی سے تواضع کا کچھ انتظام کر لے۔

وہ اس وقت اماں جی کے کمرے میں نماز پڑھنے میں مصروف تھی جبکہ اماں جی قرآن پاک پڑھ رہی تھیں۔

"بیٹا وہ نماز پڑھ رہی ہے آپ جب تک کام شروع کرو...... یہ نماز ختم کر لے تو میں اسے بھیجتی

ہوں۔" اس کے بلاوے پر اماں جی نے ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر پوتی کو دیکھا اور نرمی سے جواب دیا تھا۔ جواباً وہ ہونہہ کہتی پاؤں پٹختی پلٹ گئی تھی اور جاتے ہی ماں کو پتا نہیں کیا جا کے سنایا تھا کہ وہ تن فن کرتی آئی تھی۔

"اماں جی! آپ بھی کس کے ڈھکوسلوں میں آ رہی ہیں...... لگتا ہے ماضی بھول گئیں اس کا...... بھلا کافر بھی کبھی مسلمان ہوا ہے...... جو آپ ایسی باتیں کرتی ہیں۔ بی بی ختم کرو یہ ڈراما اور جلدی سے کچن میں آؤ......" دعا کرتے اس کے لب ساکت رہ گئے اور درد کی تیز لہر نے اندر تک جا کر دکھ دیا...... بھلے وہ اسے مار لیں، کچھ بھی کہہ دیں لیکن اسے کافر کہنا ہر بار نئے سرے سے دکھی کر جایا کرتا تھا۔ اماں جی نے بھی تاسف سے اس کی طرف دیکھا اور نظریں چرا کر دوبارہ سے قرآن پاک کی طرف متوجہ ہوگئیں۔ اس نے جائے نماز لپیٹ کر سائڈ ٹیبل پر رکھی اور خود آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی باہر نکل گئی۔ اماں جی کے دل میں ملال کی ایک لہر اٹھی پر وہ نظر انداز کیے قرآن پاک پڑھنے میں مصروف رہیں۔ پھر وہ رات گئے کب آ کر سو بھی گئی انہیں پتا ہی نہ چل سکا۔

☆☆☆

شادی کے فنکشنز شروع ہو چکے تھے۔ مایوں اور مہندی کا مشترکہ فنکشن گھر میں ہی منعقد کیا گیا تھا...... اماں جی تھوڑی دیر کو شریک ہوئی تھیں ویسے بھی وہ مخلوط پارٹیوں میں نہیں جاتی تھیں جبکہ مریم تو ویسے ہی اپنا کام ختم کر کے کمرے میں ہی تھی۔ آج کھانے کے لیے ہوٹل کی سروس تھی تو شکر ہوا اس کی ضرورت نہ پڑی۔ اگلے دن صبح سے ہی چچا اور بڑے چچا کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ وہ مسلسل خواتین اور لڑکیوں کو تاکید کر رہے تھے کہ شادی ہال میں وقت سے پہلے پہنچ جائیں...... اماں جی نے البتہ کہا تھا کہ انہیں وقت پر ہی ہال میں لے جایا جائے تاکہ وہ بے جا انتظار اور کوفت سے بچ سکیں۔ دلہن اور اس کی دو کزنز دوپہر سے ہی پارلر چلی گئی تھیں۔ آخر میں اماں جی شادی ہال کے لیے نکلی تھیں۔ گھر میں صرف چوکیدار اور مریم تھے۔

اس نے سکون سے عشا کی نماز ادا کی اور لاؤنج میں ہی بیٹھ کر اپنی گزری زندگی اور موجودہ زندگی کے بارے میں سوچنے لگی۔ "معید" ایک نام دل کی سطح پر ابھرا اور آنکھیں نم کر گیا۔

"اللہ مجھے اپنا گھر بچانے میں ثابت قدم رکھنا۔"

صوفے پر پاؤں اوپر کیے بیٹھی وہ معید کے خیالوں میں ہی گم تھی جب چہرے کے قریب کسی سرسراہٹ نے اسے اچھل کر کھڑا ہونے پر مجبور کر دیا۔

"آ...... آپ ایاز بھائی...... اس وقت؟" بہت چاہ کر بھی وہ اپنے خوف کو نہ دبا سکی۔

"آپ کو نہ پا کر محفل ہی اداس ہوگئی۔ سو اپنی محفل میں دل کیا لگتا تھا ہمارا...... ارے ڈر کیوں رہی ہو؟ ہم ہیں ناں جانِ من......" سطحی انداز میں کہتے ایاز نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ مریم نے سیکنڈوں میں اپنا ہاتھ چھڑا کر ایک تھپڑ اسے رسید کیا اور خود بھاگنے کو تھی کہ انہوں نے اسے جا لیا...... وہ مزاحمت کرتے ہوئے خود کو چھڑانے لگی ساتھ ہی اس نے چوکیدار کو آوازیں دینا شروع کر دیں لیکن لاؤنج، گیٹ سے بہت دور تھا۔ یہاں تک تو گاڑی کی آواز مشکل سے آتی تھی۔

"چھوڑو مجھے...... درندے...... گھٹیا انسان۔"

اس نے اس کے بازو پر اتنی زور سے دانت گاڑے کہ وہ بلبلا کر اپنی گرفت ہلکی کر گیا...... مریم نے اتنے کو ہی کافی سمجھا اور خود بھاگ کر لاؤنج کا دروازہ کھول کر باہر نکلی اور اندر آنے والی اماں جی سے ٹکرا کر نیچے گر گئی جو اپنی طبیعت گھبرانے پر سدید کی منتیں کر کے اسے مجبور کر کے لے آئی تھیں جو انہیں گیٹ پر چھوڑ کر ہی واپس ہو لیا تھا۔ اب مریم کی ایسی حالت...... دفعتاً وہ اٹھ کر ان سے لپٹ گئی۔

"مجھ...... مجھے بچا لیں اماں جی...... اس درندے سے...... میری عزت خطرے میں ہے...... مت ایک بہو سمجھیں، بیٹی بھی نہ سمجھیں، ایک مظلوم عورت سمجھ کر ہی بچا لیں۔" بے ربطی سے کہے گئے جملوں میں ہی اتنا

ربط تو تھا کہ اماں جی ساکت ہو کر سامنے لاؤنج کے دروازے میں نظریں چراتے ایاز کو پتھرائی نظروں سے دیکھتی رہیں۔ دفعتاً وہ خود ہی آگے بڑھ آیا۔

"دیکھا بڑی اماں اس آوارہ عورت کے کام...... مجھے خود بلایا تھا یہاں پر...... میرے انکار پر اب نئی کہانی گھڑ لی ہے اس نے 'وہ تو میں گھڑی بھول گیا تھا...... وہی لینے آیا تو یہ راستہ روک کر کھڑی ہو گئی، میں تو کہتا ہوں لگا لیں اس کو ایک منٹ کے اندر، اندر......"

اماں کی کی خاموشی اسے مزید شیر بنا گئی۔

"یہ...... یہ جھوٹ بول رہا ہے۔" وہ پوری قوت سے چیخی...... اتنی کہ آواز پھٹ گئی۔

"تم اندر جاؤ لڑکی اور تم بھی فی الحال فنکشن میں پہنچو...... سب کے آنے پر بات ہو گی۔" انہوں نے سنجیدگی سے کہہ کر بات سمیٹی...... مریم خدا کا شکر پڑھتی فوراً ہی کمرے کی طرف بھاگ گئی تھی مگر وہ ابھی تک کچھ دیر پہلے والے خوف کے زیر اثر تھی۔ ایاز بھی اتنی جلدی جان چھوٹ جانے پر اپنی حیرت کو اندر چھپاتے ہوئے فوراً شادی ہال روانہ ہو گیا...... رات کو سب کی واپسی پر اماں نے سب کو اپنے کمرے میں بلا بھیجا۔

"کیا بات ہے اماں جی خیر تو ہے ناں...... اتنی رات کو آپ نے یاد فرمایا۔ صبح بھی بات ہو سکتی تھی، اچھی خاصی رات تو اب ہو گئی ہے صبح پھر ولیمہ ہے۔" بڑی چچی کا لہجہ اچھا خاصا بیزاری لیے ہوئے تھا جبکہ اپنے خاوند کی تیز گھوری پر منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا کر چپ ہو رہیں۔

"ایاز کہاں ہے، اسے بھی بلاؤ۔" سب کے درمیان انہوں نے سب پر طائرانہ نظر ڈال کر کہا۔

"ان سے کیا کام ہے اماں جی آپ کو...... بہت تھک گئے تھے سونے چلے گئے ہیں۔" یہ ان کی بڑی پوتی تھی ایاز کی بیوی۔

"تم اسے بلا لاؤ، اس کے سامنے ہی بات ہو گی۔" زرین دل ہی دل میں جھنجلاتی خاوند کو بلانے چل دی۔

"اماں جی پر بھی جیمز بانڈ بننے کا شوق سوار ہوا ہے جو لے کے آدھی رات کو اسرار پھیلا کے بیٹھ گئی ہیں۔" وہ خود سے کہتی ایاز کو بلا لائی جس کا ماتھا تو ٹھنک گیا پر اوپر سے کچھ ظاہر نہیں ہونے دیا۔

"اماں جی گھر کی کوئی بات ہے بھی سہی تو اس لڑکی کو تو باہر بھیج دیں۔ ان کا نقطہ بن کے ادھر ہی ٹک گئی ہے۔" چھوٹی چچی نے ایک طرف خاموش بیٹھی مریم کے ستے ہوئے چہرے پر نگاہ غلط ڈال کر کہا۔

"یہ یہیں بیٹھی رہے گی۔" اماں جی نے کہا تو سب لوگوں نے بے حد اچنبھے سے اماں جی کی جانب دیکھا جیسے انہوں نے بہت انوکھی بات کر دی ہو لیکن جب اماں جی نے مختصراً وہ سارا واقعہ سنایا تو پھر جتنے منہ تھے اتنی ہی باتیں تھیں لیکن کسی نے ایک بھی مریم کی حمایت میں ایک لفظ نہیں کہا۔ زرین تو باقاعدہ رونے لگ گئی۔

"یہ عزت ہے اب ایک بیاہی بیٹی کی اس گھر میں...... ایک آوارہ لڑکی اٹھ کر کسی کے بارے میں کچھ بھی کہہ دے اور آپ خاموشی سے سن بھی لیتی ہیں اور مان بھی لیتی ہیں۔"

بیوی کی حمایت پا کر ایاز مزید شیر ہوا۔

"اتنی خوب صورت بیوی کے ہوتے ہوئے مجھے کیا ضرورت ہے کسی انجان عورت پر بری نظر ڈالنے کی۔ میں نے پہلے بھی بتایا تھا کہ میں اپنی گھڑی......" اس نے مریم کو حقارت سے دیکھتے ہوئے اپنا رات والا بیان پھر دہرایا۔

"مجھے تو حیرت آپ پر ہو رہی ہے اماں جی آپ نے اس لڑکی کا یقین کر لیا اور گھر کے داماد کو دو کوڑی کا کر دیا۔" بڑی چچی کی زبان نے زہر اگلا۔

"اس کی بات کا یقین کیا ہوتا تو آپ سب کو یہاں زحمت نہ دیتی۔"

"میں پوچھتی ہوں اتنی شریف زادی تھی تو لاؤنج میں ہی تمام دروازے کھلے چھوڑ کر بیٹھنے کی کیا تک بنتی تھی۔ پہلے ایک مرد کو اداؤں سے اندھا کیا، اب

دوسرے پر ڈورے ڈال رہی ہے ایسی عورتیں ہوتی ہیں مردوں کے ایمان خراب کرنے والی...... اسے تو ابھی اور اسی وقت نکالیں ورنہ میں اس گھر میں پھر کبھی قدم نہیں رکھوں گی۔" زرین نے چیخ کر کہا۔

"بس بہت ہو گیا اماں جی...... اس لڑکی کا کوئی بندوبست کریں نہیں تو مجھے ہی کچھ سوچنا پڑے گا...... میری بیٹی اور داماد میرے گھر سے بے عزت ہو کے جائیں، یہ مجھے گوارا نہیں ہے۔" چچا نے ماتھے پر تیوریاں ڈال کر اماں جی سے کہا۔

"تم کیا کہتی ہو لڑکی؟" اماں جی نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد زرد پڑتی اس لڑکی سے سوال کیا جسے آگے کیا ہوگا کا خوف خون خشک کیے دے رہا تھا۔

"میں اللہ کو حاضر و ناظر جان کر کہتی ہوں کہ میں سچ بول رہی ہوں۔" کپکپاتے ہوئے اس نے کہا اور فقرے کے آخر میں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رو ہی پڑی...... سارے مردوں کے درمیان اسے اس شخص کے مکروہ عزائم بیان کرنا اور اپنی عزت نفس کی بقا کو سہارا دینا بہت مشکل ہو گیا تھا۔

"لو تم اور تمہاری قسم...... بی بی تمہارا تو مسلمان ہونا ہی مشکوک ہے ابھی تک......"

"بس کرو بہو......" اماں جی نے بڑی چچی کو ٹوک کر کہا۔ "کسی بھی فرد پر فرد جرم اس وقت عائد کی جاتی ہے جب جرم ثابت ہو جائے یہ لڑکی اگر سچ نہیں بول رہی تو ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ ایاز بھی سچ بول رہا ہے یا نہیں...... اس لڑکی کو باہر نکالنے کا فیصلہ ہم اس وقت تک نہیں کر سکتے جب تک معید واپس نہ آجائے کہ بہر حال اسے وہ میرے پاس ایک امانت کے طور پر چھوڑ گیا ہے۔ تم لوگوں کو اس کا وجود گوارا نہیں ہے تو جلد ہی ہمارا حویلی پہنچنے کا انتظام کرو۔ ہم اب واپس جانا چاہتے ہیں اس لڑکی سمیت...... اب تم لوگ جا سکتے ہو۔" اماں جی نے سب سے مخاطب ہو کر کہا۔

"اماں جی کیوں اس لڑکی کے لیے اپنی اولادوں کو ناراض کرتی ہیں۔ یہاں آپ بھرے پرے گھر میں ہیں۔ وقت پر ڈاکٹر سے چیک اپ ہو جاتا ہے وہاں گاؤں جا کر کیا کریں گی۔ مجھے بہت فکر رہتی ہے آپ کی جب وہاں جاتی ہیں آپ۔" ان سب کے جانے کے بعد شاہانہ وہیں بیٹھی رہیں اور اماں جی کو سمجھاتے ہوئے بولیں۔

"ہم نے بہت سوچ سمجھ کر ہی یہ فیصلہ کیا ہے پھر گاؤں کے سب لوگ بہت محبت کرتے ہیں، عزت دیتے ہیں ہمیں۔ حویلی کو ملازمین کے سر پر کب تک چھوڑے رکھوں گی۔" انہوں نے کہا تو شاہانہ بیگم ایک زہریلی نظر مریم پر ڈال کر وہاں سے باہر چلی گئیں۔

"سو جاؤ اب تم بھی بہت رات ہو گئی ہے۔" الفاظ اگرچہ عام سے تھے پر لہجہ اب بھی اماں جی کا بہت سخت تھا۔ مریم سے بات کرتے ہوئے زمانے بھر کی سختی ان کے لب و لہجے میں سمٹ آیا کرتی تھی۔ اگلے دن ولیمے میں شرکت کر کے پھر اس کے بعد اماں جی کا مریم سمیت گاؤں جانے کا ارادہ تھا جب ایک اور ایسا ہی واقعہ رونما ہو گیا جس میں مریم کو پھر شدید حالت سے دوچار ہونا پڑا۔ ہوا یوں کہ ولیمے کی تقریب سے بھی سب لوگ بہت لیٹ واپس آئے تھے۔ رات گئے اماں جی کو شدید سردی کی شکایت ہوئی تو مریم نے ان پر ان کے کمبل کے علاوہ اپنا کمبل بھی ڈالا۔ دودھ بھی گرم کر کے لا کے پلا دیا پھر جب وہ کچھ سکون محسوس کرنے لگیں تو انہوں نے مریم کو پچھلی طرف موجود اسٹور میں سے ایک اضافی کمبل لانے کے لیے بھیجا...... رات ڈیڑھ دو بجے کا ٹائم تھا مریم نے جونہی اسٹور کا دروازہ کھولا.... بے ساختہ اس کی چیخ نکل گئی۔ چچا کی چھوٹی بیٹی کے ساتھ ایک لڑکا بھی وہاں موجود تھا اس کو دیکھ کر وہ دونوں پہلے تو بہت حواس باختہ ہوئے پھر اس لڑکی نے ایک ہی لمحے میں ساری صورت حال کا جائزہ لے کر کھیل کا پانسہ ہی پلٹ دیا۔ اس سے پہلے کہ مریم مزید کچھ کہتی اس نے زور، زور سے چیخنا اور چلانا شروع کر دیا لمحے بھر میں ہی سارا گھر اکٹھا ہو گیا۔ جس پر اس نے بتایا کہ وہ کمرے میں پانی موجود نہ پا کر کچن سے پانی پینے جا رہی تھی

جب اس نے چوری چھپے اور مشکوک انداز میں مریم کو اسٹور کی طرف جاتے دیکھا اس کا انداز دیکھ کر وہ مشکوک انداز میں اس کے پیچھے گئی اور اسٹور میں اس نے اس لڑکے کو اور مریم کو جس حالت میں دیکھا وہ وہ بیان نہیں کرسکتی، لڑکی کا بیان سن کر لڑکے نے بھی تائید کردی کہ واقعی وہ مریم کے بلانے پر وہاں آیا تھا نہ صرف آج بلکہ اس سے پہلے بھی وہ دو تین دفعہ آچکا ہے اور ہر ہفتے کے روز رات بارہ بجے کے بعد وہ اسٹور میں موجود پچھلا دروازہ جو گیلری میں کھلتا ہے وہاں سے وہ اندر آجایا کرتا ہے۔ چچی نے تو یہ سنتے ہی مریم کو بری طرح سے مارنا شروع کردیا۔

"آوارہ...... بد ذات یہ صلہ دے رہی ہو ہمارے احسانوں کا......" جبکہ چچا نے لڑکے کو کالر سے پکڑ کر گھسیٹا اور خوب مارا...... سدید تو اسے تھانے لے جانے پر بضد تھا لیکن بڑے چچا نے کہا کہ تفتیش میں کئی باتیں پوچھی اور دریافت کی جائیں گی اس آوارہ عورت کی وجہ سے ان کی بیٹیوں کی عزت پر حرف آئے انہیں گوارا نہیں سو پولیس میں معاملہ لے جانا ٹھیک نہیں ہے۔ سو مار، مار کر اس لڑکے کا حلیہ بگاڑ دیا گیا اور کئی دھمکیاں دے کر اسے چھوڑ دیا گیا۔

"لیکن اس بے غیرت کی اب مزید ہمارے گھر میں جگہ نہیں ہے۔" بڑی چچی جب اسے گھسیٹتی ہوئی لاؤنج تک لائیں پھر مین گیٹ کی جانب دھکیلنے لگیں تو وہ کچھ کہہ رہی تھی لیکن اس وقت سب اپنی، اپنی بولی بول رہے تھے اور چچی کو اس کارِ خیر میں حق بجانب سمجھ رہے تھے۔ دفعتاً مریم کو اماں جی کا مہربان چہرہ دکھائی دیا۔ چیخ، چیخ کر اس کا گلا بیٹھ گیا تھا لیکن پتا نہیں کیا ہوا اس پل مریم کو لگا کہ اس گھر میں وہ ضرور اس کی بات سنیں گی۔

"چھوڑو خالو مجھے! میں معید کے بچے کی ماں بننے والی ہوں مجھے اپنے بچے کی قسم ہے، میں نے اس لڑکے کو نہیں بلایا تھا۔" اس کی آواز اور بات میں ایسا کیا تھا کہ اماں جی ایک دم سے آگے آئیں اور بڑی چچی کے ہاتھ سے اس کے بال چھڑوائے۔

"کیا معاملہ ہے بہو! کیا آفت آگئی ہے رات کے اس وقت جو اس کے ساتھ یہ سلوک کیا جارہا ہے۔"

"آفت پر آفت ہی تو آرہی ہے اس گھر پر جب سے یہ منحوس لڑکی یہاں آئی ہے۔ آجائیں آپ بھی سن لیں اپنی لاڈلی کے کرتوت پھر میں دیکھتی ہوں کیسے اپنی ضد پر اڑی رہتی ہیں کہ اس لڑکی کو کچھ بھی ہوجائے گھر رکھنا ہے معید کا کہنا نہ ہوگیا کوئی حدیث ہوگئی۔ جس پر عمل کرنا لازمی ہے۔" بڑی چچی ہاتھ نچا، نچا کر بول رہی تھیں پھر ساری بات ایک ہی سانس میں کہہ سنائی۔

"میں اس لڑکی کی بے جا طرف داری نہیں کررہی نہ ہی مجھے پوری بات کا علم ہے لیکن عشا کی نماز کے بعد سے یہ لڑکی میرے پاس تھی میرا سامان پیک کرتی رہی تھی پھر میری طبیعت خراب ہونے پر مجھے سنبھالا ہے اور اب سے کچھ دیر قبل میں نے ہی اسے اسٹور سے کمبل لے آنے کو کہا تھا۔"

"خدا کے لیے اماں جی بس کردیں اب...... اس بدذات کو آپ کا لاڈلا چھوڑ گیا ہے، وہ آپ کا پوتا ہے تو ہمارے بچے بھی آپ کے کچھ لگتے ہیں۔ ساری زندگی بھی کچھ کیا ہے آپ نے...... لیکن اب آپ کی کوئی ناانصافی برداشت نہیں کریں گے ہم، یہ لڑکی اس گھر میں نہیں رہے گی اب اور یہ جو بچے والا نیا قصہ ہے تو یہ بھی اسی آوارگی کا نتیجہ ہے معید نے آکے تھوکنا بھی نہیں اس پر۔" بڑی چچی کی سانس پھول گئی، اور لہجہ کسی قدر توہین آمیز تھا کچھ بھی تھا اماں جی سے کبھی کسی نے اتنی بدتمیزی سے بات نہیں کی تھی اماں جی نے ایک طائرانہ نظر سب کے چہروں پر ڈالی کم وبیش سب کے چہروں پر وہی تاثرات تھے جو چچی کی زبان کہہ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے رات آدھی سے زیادہ گزر چکی ہے مجھے صرف چند گھنٹے اس گھر میں گزارنے کی اجازت دے دو۔ صبح ہوتے ہی میں اس لڑکی کو لے کر یہاں سے چلی جاؤں گی۔"

"دیکھا آپ نے پھر ہمیں کہتے ہیں کہ تم لوگ

زیادتی کرتے ہو اماں جی کے ساتھ اب ان کا رویہ دیکھا۔اس لڑکی کے لیے گھر چھوڑ کر جارہی ہیں۔جس نے ایک دن ان کو ہاتھ دکھا کے بھاگ جانا ہے پھر روتی پھریں گی سر پر ہاتھ رکھ کر۔'' بڑی چچی نے اپنے خاوند کا بازو پکڑ کر اماں جی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

اماں جی نے کوئی جواب نہیں دیا آہستہ سے چلتے ہوئے کارپٹ پر بیٹھی بے حال پڑی مریم کی طرف آئیں۔

''اٹھو تم میرے ساتھ آؤ۔'' نرمی سے اسے کہا اور اپنے ساتھ لے کر لاؤنج سے باہر نکل گئیں۔پیچھے رہ کر اپنی، اپنی بولی بولنے والے اہلِ خانہ کی پروا کیے بنا۔وہ ساری رات دونوں نے آنکھوں میں کاٹی تھی۔

مریم نے روتے ہوئے اور اماں جی نے کسی بہت گہری سوچ میں تاہم مریم کے لیے ان کے پاس کسی تسلی یا دلاسے کے لیے کوئی الفاظ نہیں تھے۔ہمیشہ کی طرح۔

علی الصباح اماں جی اسے لے کر ڈرائیور کے ہمراہ گاؤں کے لیے روانہ ہوگئی تھیں۔اگرچہ ان کے دونوں بیٹوں نے اماں جی کو ایک دفعہ پھر اپنے ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی اور کہا کہ اس کو دارالامان یا کسی ایسے ادارے میں بھجوا دیتے ہیں جو ضرورت مند افراد کے لیے رہائش دیتا ہے اور وہ بھی ان کی تسلی کے لیے ورنہ جس لڑکی نے ان کے گھر کا سکون اور ماحول خراب کر کے رکھ دیا ہے اس کے لیے ان کے دلوں میں ذرا بھی ہمدردی نہیں ہے۔اماں جی نے ان کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا بس بولیں تو اتنا ہی کہ فی الحال تو ڈرائیور کو کہا جائے کہ انہیں گاؤں چھوڑ آئے۔۔۔۔

دونوں بیٹوں نے ایک نظر ایک دوسرے کو دیکھا تھا پھر چھوٹے چچا ہی بگڑے تیوروں کے ساتھ انہیں ڈرائیو وے تک چھوڑ آئے تھے۔دوپہر تک کے تھکا دینے والے سفر کے بعد وہ حویلی میں تھیں۔ملازمین تین عورتیں اور دو مرد تھے حویلی پر جنہوں نے حویلی کو بہت صاف ستھرا رکھا ہوا تھا۔عورتیں تو ان کے آتے ہی کھانے وغیرہ کے انتظام میں لگ گئی تھیں۔مریم اس وقت چونکی جب اماں جی نے اسے بھی اپنے ساتھ کھانے کے لیے کہا۔جبکہ ان کے بیٹوں کے گھر میں اس کے الگ برتن تھے جن میں وہ کھانا کھایا کرتی تھی۔اس نے جھجکتے ہوئے بس تھوڑا سا کھانا لیا تھا۔

ظہر کی نماز کے بعد دونوں لیٹیں تو عصر کے وقت ہی آنکھ کھلی جب وہ اٹھی اماں جی نہیں تھیں وہ باہر آئی تو بہت سی عورتوں کے درمیان تھیں اماں جی۔۔۔۔۔ ان کے مریم کے حوالے سے استفسار پر اماں نے بتایا کہ وہ ان کی رشتے دار ہے ابھی رہے گی یہاں۔وہ نماز کے لیے وضو کر کے ایک بار پھر کمرے میں چلی گئی تھی۔

''اب مجھے سچ، سچ بتاؤ اس خبر میں کتنی صداقت ہے جو تم نے بچے کے حوالے سے کی تھی۔'' رات کو جب وہ نماز پڑھ کر معمول کے مطابق قرآن پاک لے کر بیٹھی تو قرآن پاک کھولنے سے پہلے اماں جی نے اس سے پوچھا تھا۔مریم کے ہاتھ وہیں ساکت رہ گئے۔

''میں کوئی قسم نہیں کھاتی نہ ہی یقین دلانے کے لیے کوئی بھاری بھرکم الفاظ استعمال کروں گی لیکن میں سچ کہتی ہوں کہ میں معید کے بچے کی ماں بننے والی ہوں۔'' اس کی لرزتی، کانپتی آواز اور لہجے میں بولتا یقین اماں بی کو لگا وہ اب ڈھے جانے کو ہیں۔تھکے، تھکے انداز میں وہ کچھ دیر اس کے جھکے سر کو دیکھتی رہیں اور پھر اپنے بیگ میں سے کچھ نکال کر وہاں سے چلی گئی تھیں بغیر کچھ کہے۔۔۔۔۔ ان کا رخ معید کے کمرے کی طرف تھا۔وہاں آکر انہوں نے ہاتھ میں تہ کیا ہوا معید کا لکھا ہوا خط نکال کر کئی بار پڑھا اور ہر بار پڑھنے پر دل کی اتنی عجیب حالت ہوئی کہ ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔اس لڑکی کے انداز و اطوار نے بہت پہلے ان کے دل میں جگہ بنالی تھی لیکن انا کی ایک بہت بڑی دیوار تھی جو ان کو اس کے دوسری پار کھڑے رہنے پر مجبور رکھے ہوئے تھی۔

بہت رات گئے جب وہ کمرے میں واپس آئیں مریم سوچکی تھی۔اب ان کا معمول بن گیا تھا روز سونے سے قبل معید کا خط لے کر کمرے میں جاتیں اسی کو معید سمجھ کر شکوے شکایت کرتیں، روتیں، اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرتیں، اس بات کو پندرہ دن گزر گئے تھے شہر سے نہ تو

انہوں نے کوئی رابطہ رکھا تھا نہ شہر سے کسی نے کسی قسم کا رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی۔

"مجھے آپ سے ایک بات کرنا تھی۔" ایک دن مریم نے انگلیاں چٹخاتے ہوئے بہت تذبذب کے سے انداز میں کہا۔

رات کو ہی وہ دونوں کمرے میں تنہا ہوتیں ورنہ اماں جی کے نزدیک ہر وقت گاؤں کی عورتیں ہی گھیرا ڈالے رکھتیں۔ وہ ان کے مسائل حل کرتیں اور کسی حد تک ان کے جھگڑے بھی نپٹاتیں۔ شہر سے بہرحال زیادہ پرسکون تھیں اماں جی۔

"ہوں کہو...... ہم سن رہے ہیں۔"

"میں نے......" اس نے کچھ دیر رک کر ان کا بے تاثر چہرہ دیکھا پھر اپنی بات دوبارہ شروع کی۔

"اماں جی میں نے قرآن پاک کو ترجمے اور تفسیر کے ساتھ پڑھا ہے۔ جہاں تک میرا ناقص علم ہے وہ یہ کہتا ہے کہ ہم مسلمانوں کی تنزلی اور بدحالی کا سبب قرآن کی تعلیمات سے دوری ہے۔ اِدھر اُدھر چلتے پھرتے یہاں کے لوگوں کی باتیں...... مسائل کانوں میں پڑتے ہیں، بہت سی عورتوں سے مجھے خود پتا چلا ہے کہ قرآن پاک اول تو کسی نے پڑھا نہیں ہوا اگر پڑھا بھی ہوا ہے تو اسے ترجمے تفسیر کے ساتھ نہیں پڑھا گیا نہ ہی اس کی اصل روح سمجھنے کی کوشش کی گئی۔ میں اپنی بے مصرف زندگی کو کام میں لانا چاہتی ہوں۔ آپ اجازت دیں تو یہاں کی بچیوں، عورتوں کو نہ صرف قرآن پاک کی تعلیم بلکہ دینی تعلیم سے بھی بہرہ ور کرنا چاہتی ہوں۔" ان کو ہنوز چپ اور اپنی طرف دیکھتا پا کر وہ ایک دم چپ ہوگئی اور آہستہ، آہستہ چلتی ہوئی ان کے پاس آگئی۔

"آپ یقین کریں جو اللہ آپ کا ہے میں بھی اسی کی عبادت کرتی ہوں۔ پیارے نبی کی ختم نبوت پر جیسے آپ کو یقین ہے مجھے بھی ہے۔ قرآن کو صرف میں نے پڑھا ہی نہیں، سینے میں ابھی اتارا ہے اور اب سمجھنا بھی چاہتی ہوں۔ میں مسلمان ہوں اماں جی...... میرا

روشن راہ

محبت، دوستی، خلوص، مروت، درست راہ نمائی یا کوئی اور نیکی بھرا عمل نشانی کے طور پر اپنی گزرگاہ پر ضرور ثبت کریں جو بتائے کہ اس راہ سے آپ گزرے تھے۔

از: صدف آصف، کراچی

شکرانِ نعمت

نعمت سے بغاوت زوال کا آغاز ہے۔

اور......

استغفار کا سفر عروج کا آغاز ہے۔

استغفراللہ، سربلندی کا وظیفہ ہے۔

اور......

الحمدللہ، انعام یافتہ بندوں کا ورد......

از: جبین نیاز، ملتان

یقین کریں میں جھوٹ نہیں بولتی۔" ان کے دونوں ہاتھ پکڑ کر وہ زاروقطار روتی چلی گئی۔ یہ دیکھے بغیر کہ ضد اور نفرت کے گلیشئر میں دراڑ پڑی تھی اور اماں جی کے سرخ و سفید چہرے پر آنسو قطار بناتے چلے گئے۔ بالآخر انہوں نے اپنا لرزتا کانپتا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا۔ مریم نے چونک کر ان کی جانب دیکھا۔

"آپ...... آپ کو یقین آگیا ناں میں آپ ہی کی طرح پیارے نبی کی امتی ہوں۔ میں مسلمان ہوں اماں جی۔" ان کے اثبات میں ہلتے سر کو دیکھ کر وہ شدت جذبات سے ایک بار پھر رو دی۔ اس کا رواں، رواں اپنے خدا کے حضور شکرانہ ادا کررہا تھا۔

"آکر دیکھو معید...... میرے اللہ نے مجھے ان کی نظر میں سرخرو کردیا۔ مجھے یقین ہے میری محبت اور آپ کی قربانی جلد ہی رنگ لائے گی اور مجھے بہو کے طور پر بھی تسلیم کرلیں گی۔"

اگلے روز اماں جی نے مریم کی موجودگی میں منشی کو

بلوایا تھا کہ حویلی کا پچھلا صحن اور چار کمرے وہ اسی مقصد کے لیے استعمال کرنا چاہتی ہیں جو مریم چاہتی ہے، مریم سے پوچھ کے ملازمین کو بلا کے انہیں ویسے ہی سیٹ کر دیا جائے جیسے مریم چاہتی ہے اور وہ سرمایہ بھی فراہم کریں گی کتابوں اور دیگر لوازمات جو بھی اس مقصد کے لیے چاہیے ہوں گے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے منشی کو ایک ہفتے کا ٹائم دیا تھا۔ انہوں نے اس کام کے بعد تمام علاقے کی خواتین کو بلوایا تھا اور کہا تھا۔

"کچھ ہی دنوں میں آپ اپنی، اپنی بچیوں کو مدرسے بھیجیں جہاں ان کو دنیاوی و دینی تعلیم دی جائے گی۔ ہم کوشش کریں گے جلد ہی ہمارے اپنے علاقے میں اور کچھ نہیں تو ایک سرکاری پرائمری اسکول کا اجرا ہو جائے تاکہ والدین اس ڈر سے بچیوں کو گھر نہ بٹھا لیں کہ اتنی دور اپنی بچیوں کو اسکول کون بھیجے۔ اس سلسلے میں جلد ہی سرکار کو درخواست دینے والے ہیں اور اس سلسلے میں علاقے کا تعاون درکار ہوگا۔" سب خواتین کی طرف سے بہت خوشی کا اظہار کیا گیا تھا۔

"ہاں ایک اور اہم بات جس سے آگاہ کرنا میں آپ سب کو ضروری خیال کرتی ہوں۔ یہ لڑکی مریم جس کا تعارف میں نے آپ لوگوں سے اپنی رشتے دار کے طور پر کرایا تھا پر رشتے کی نوعیت کچھ وجوہات کی بنا پر نہیں بتائی تھی آج بتاتی ہوں۔ یہ میرے معید کی دلہن اور میری بہو ہے۔ حالات کچھ ایسے ہو گئے تھے کہ اس کے والدین کا حادثے میں انتقال اور مرنے سے پہلے شدید اصرار کہ جلد ہی شادی کر دی جائے سو ہمیں حالات کے تقاضوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے..... ایمرجنسی میں شادی کرنا پڑی تھی۔ معید ضروری کام کے لیے ملک سے باہر ہے اس کی واپسی پر ولیمے کی تقریب میں آپ تمام لوگوں کو دعوت دی جائے گی۔" مریم کو لگا اس کا وجود روئی کے گالے سے بھی ہلکا ہو کر ہوا میں اڑ رہا ہو..... معتبری کا، عزت کا، مان کا خوب صورت احساس..... اماں جی کا اس کے پہلو میں بیٹھ کر اسے عزت دینا اور تمام عورتوں کا والہانہ لگاؤ اسے اپنے پیارے اللہ پر بے حد پیار آیا جس کا وعدہ ہے وہ کسی کو کسی کے ضبط سے زیادہ نہیں آزماتا..... صرف ایک ہفتے میں ہی اماں جی نے اس کے لیے پچھلے کمرے اور صحن کو ایک چھوٹے سے تعلیمی مدرسے کی شکل دے دی تھی۔ انہوں نے معافی مانگنے کی غرض سے مریم سے کچھ کہنا چاہا تھا پر اس نے انہیں کچھ بھی بولنے سے موقع نہیں دیا تھا۔

"اماں جی! میں نے پہلے دن سے آپ کو اپنی ماں سمجھا اور مانا ہے اور ہمارے مذہب میں ماں کا درجہ بہت بلند ہے۔ کچھ کہہ کر مجھے گناہ گار مت کریں۔" انا کی وہ فصیل گرا کر اماں جی خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھیں۔ اب معید کے خط کو مریم سے چھپا کر نہیں پڑھتی تھیں اس کے خط کو آنکھوں سے لگاتیں چومتیں اور کہتی جاتیں۔

"تو نے کہا تھا کہ اماں جی! دل سے پکاریں گی تو میں آجاؤں گا، دیکھ تو معید تیری اماں جی دہلیز پر نگاہیں لگائے بیٹھی ہے۔ آجاؤ بچے! ایسے تو میں سکون سے مر بھی کہاں سکوں گی۔" ایسے میں مریم ان کو تسلی دیتی اور ان سے خط لے کر انہیں باتوں میں لگا لیتی۔ اپنی باتیں، اپنی ماں کی باتیں..... جمشید کے ہاں اپنے اندر کی کایا پلٹ اماں جی کچھ بہل جاتیں مگر اگلے دن پھر وہی صورتِ حال ہوتی..... ان کی توقعات سے بھی زیادہ بچیاں مریم کے پاس پڑھنے آنے لگی تھیں۔ پھر ایک دن شرمندہ، شرمندہ سے بڑے چچا آگئے۔ انہوں نے بہت ندامت سے اماں کو بتایا کہ صبا ان کی بیٹی نے اسی لڑکے سے کورٹ میرج کر لی تھی جو اس سے ملنے آیا تھا اور اس نے ڈر کے مارے مریم کو پھنسانا چاہا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ جب انہیں اس بات کا پتا چلا کہ وہی لڑکا اور صبا آپس میں شادی کرنا چاہتے ہیں تو انہوں نے رسوائی کے ڈر سے انکار کر دیا تھا کہ کیسے اس لڑکے کو داماد بنا لیں جسے مریم کے حوالے سے وہ مار اور دھتکار چکے تھے اور بیٹی کو بھی بہت مارا اور لعنت

ملامت کی تھی پر اس کا نتیجہ یہ نکلا انہوں نے کورٹ میرج کر لی۔ ایاز کی اصلیت بھی کمل کے سامنے آچکی تھی وہ بہت عیاش اور بگڑا ہوا انسان تھا۔ آئے روز زرین کو مار پیٹ کر گھر سے نکال دیتا، غیر عورتوں سے تعلقات تھے اس کے ...... باز پرس کرنے پر نوبت مار پیٹ تک پہنچ گئی تھی اور زرین ایک بار پھر ماں باپ کے گھر پر تھی جھگڑے کی وجہ یہی کہ کسی عورت کے ساتھ اس کا افئیر تھا۔

"اماں جی مجھے معاف کر دیں۔ آپ کی دعائیں تھیں تو سب ٹھیک تھا اور آپ نے ہاتھ اٹھا لیے تو ہم پر مصیبتوں اور ذلتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں۔ مجھے تو لگتا ہے اس لڑکی کی بد دعا لگ گئی ہے۔" وہ روتے ہوئے بہت کچھ کہہ رہے تھے اور اماں جی نے دل ہی دل میں اپنے رب کا بے حد شکر ادا کیا جو انہیں ہر بار مریم کے ساتھ انتہائی قدم اٹھانے سے کوئی غیبی طاقت روک دیا کرتی تھی، ورنہ آج وہ بھی ان پچھتانے والوں کے ساتھ ہوتیں۔

"ہم تو خود مرتے دم تک اپنے اس رویے اور باتوں پر پچھتائیں گے جو ہم نے مریم کے ساتھ روا رکھا جس سے میرا بچہ پتا نہیں کہاں، کہاں کی خاک چھان رہا ہوگا۔ اب تو اللہ سے یہی دعا ہے کہ میرا بچہ خیر خیریت کے ساتھ واپس آئے۔ اپنے گھر جہاں اس کی ماں، اس کی بیوی بہت شدت سے اس کے منتظر ہیں۔" اماں جی نے گلوگیر لہجے میں کہا تو ان کی آخری بات پر وہ چونک گئے اور استفہامیہ نظروں سے ان کی جانب دیکھا۔

"ہاں......! ہم سے صحیح فیصلہ کرنے میں دیر ہو گئی لیکن اتنی نہیں ہوئی کہ پچھتاوا شدید ہو۔ مریم، معید کی بیوی اور اب اس کے بچے کی ماں بننے والی ہے۔ تم سب مجھے جوانی میں چھوڑ کر چلے گئے اس نے بڑھاپے میں آکر مجھے سہارا دیا۔ تمہاری تعلیم، تمہارے عہدے، تمہاری دولت کسی کام نہیں آسکی مگر اس بچی کی وجہ سے آج پورا گاؤں میری عزت کرتا ہے۔ مجھے اور اسے دعائیں دیتا۔ لوگ بڑے فخر سے میرے حوالے سے اس کا تعارف کراتے ہیں کہ اماں جی کی بہو کی وجہ سے آج گاؤں کے گھر، گھر میں دین و دنیا کی تعلیمات کی شمعیں روشن ہیں۔ مریم کے مدرسے میں بچیوں کی تعداد اب ڈیڑھ سو ہو گئی ہے۔ میں پہلے گاؤں کی عورتوں کو اپنے تجربات کی بنا پر ان کے مسائل کے حل بتاتی تھی اب مریم قرآن و احادیث کی روشنی میں انہیں اتنے سادہ حل بتاتی ہے کہ میں خود حیران رہ جاتی ہوں۔ قرآن تو میں نے بھی پڑھا ہے یقیناً تم لوگوں نے بھی...... لیکن اس نے اپنے عمل سے، محبت سے، خدمت، صبر اور سب سے بڑھ کر اللہ پر ایمان سے یہ ثابت کیا کہ قرآن بھی تو ہمیں یہی درس دیتا ہے۔ اس نے تو مسلم ہو کر بھی سب کچھ پالیا اور ہم جنہیں مسلمان ہونے کا پیدائشی شرف حاصل تھا ہم تہی داماں رہ گئے۔ میرے معید کا پتا کرو، کہیں سے اسے ڈھونڈ لاؤ، وہ ناراض ہو گیا ہے مجھ سے...... اسے ڈھونڈ لاؤ۔" یہ سب بتاتے ہوئے وہ بے ساختہ رو پڑیں۔ اماں جی نے مریم کو مدرسے سے بلوایا تھا۔ چچا نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر دعا دی تھی۔

"ہم سب تم سے شرمندہ ہیں بیٹی...... ہو سکے تو ہمیں معاف کر دینا۔" ٹوٹے ہوئے لہجے میں انہوں نے کہا تھا۔ "سدید سے کہہ کر میں معید کے دوستوں وغیرہ سے اور نیٹ کی مدد سے کچھ پتا کرتا ہوں۔ آج کل سائنس کی دنیا ہے اماں جی لمحوں میں ایک بات پوری دنیا میں پھیل جاتی ہے۔ آپ پریشان مت ہوں۔ جلد ہی معید آپ کے پاس ہوگا انشاءاللہ......"

"انشاءاللہ۔" ان دونوں نے بھی زیر لب کہا۔

مزید جاتے، جاتے اماں جی نے بڑے چچا سے کہا کہ صبا نے جو قدم اٹھانا تھا اب اٹھا لیا۔ اسے معاف کر کے دنیا دکھاوے کو ہی سہی اسے دوبارہ سے گھر سے رخصت کر دیں۔ وہ صرف گہری سانس بھر کر رہ گئے۔

رات کو ایک دفعہ پھر اماں جی، معید کو یاد کر کے رنجیدہ

ہو کر سو گئی تھیں۔ رات کے کسی پہر اپنے پاؤں پر نمی کا احساس کر کے وہ چونک کر جاگی تھیں۔ وہ معید تھا، ان کے پاؤں پر سر رکھ کر وہ رو رہا تھا۔ اماں جی خوشی سے ساکت رہ گئیں۔

”معید میرے بچے! میرے چاند! کہاں چلا گیا تھا تو...... شکر ہے میرے اللہ...... شکر ہے میرے مالک......! تو نے میری لاج رکھ لی، مجھے میری نظروں سے شرمندہ ہونے سے بچالیا۔ مریم...... مریم...... دیکھو تو میرا معید آگیا۔“ اسے بے تحاشا چومتے ہوئے وہ بہت زیادہ رو رہی تھیں جبکہ مریم بھی پاس کھڑی نم آنکھوں سے مسکرا رہی تھی۔

”بس دیکھ لیں اماں جی! میں نے کہا تھا ناں کہ جس دن آپ دل سے پکاریں گی، آپ کا معید آپ کے پاس ہوگا۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”میں تو تجھے ایک پل بھی نہیں بھولی بچے...... پوچھ مریم سے۔“

صبح اذانوں کے وقت وہ دونوں اپنے کمرے میں آئے تھے۔ بہت دیر بعد اماں جی کو خیال آیا کہ پتا نہیں وہ کہاں سے آیا ہے تھکا ہوا ہوگا۔ انہوں نے مریم کو بھی ساتھ ہی بھیجا تھا کہ وہ اسے کھانے کو بھی پوچھے اور کپڑے وغیرہ نکال کے دے۔

”بہت مایوس ہوگیا تھا میں...... بہت مایوس...... کبھی دل کرتا جا کر تمہیں ان سب کے بیچ سے لے آؤں اور ہم کہیں دور جا کر نئی دنیا بسائیں لیکن صرف اماں جی کا خیال میرے منصوبوں پر پانی پھیر دیتا۔ مت پوچھو تمہارے میسج پڑھ کر راتیں کاٹنی اور دن گزارنا مشکل ہوجایا کرتا تھا۔“ وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولا۔ مریم نم آنکھوں کے ساتھ مسکرادی۔ ابھی تو اس نے وہ واقعات و حالات اسے بتائے ہی نہیں تھے جب اس کی عزت کئی دفعہ سخت خطرے میں پڑی تھی۔ کئی دفعہ اس کا مرنے کو دل چاہا تھا، ایسے میں وہ ہوتی اور اس کا اللہ ہوتا تھا۔ اماں جی نے جب ان کی شادی ماننے سے انکار کر دیا تھا تو یہ تجویز معید کی تھی کہ وہ صبح ہوتے ہی چلا جائے گا پر اس کے ساتھ فون پر اس سے رابطہ رکھے گا لیکن سب لوگوں کے علم میں لائے بغیر کہ اس سے اس کا مقصد پورا نہیں ہوگا۔ وہ پھر سے امریکا آگیا تھا۔ رات کو جب اماں جی سو جاتی تھیں تب اپنے بیگ میں سے آف سیل آن کر کے ساری روداد لکھ بھیجا کرتی تھی۔ ہر گزرتا دن معید کو مزید مایوس کر رہا تھا۔ وہ اپنے ایک دوست کے پاس امریکا میں تھا ان دنوں جب سخت پریشان کن دنوں میں مریم نے اسے باپ بننے کی نوید دی تھی لیکن گھر والوں خصوصاً اماں جی کا رویہ ہنوز سخت تھا۔ مریم بہت پریشان ہو کر اسے ٹیکسٹ کرتی کہ ابھی تو اس کا مسلمان ہونا تسلیم نہیں کیا جا رہا تو بہو ہونا تو بہت دور کی بات تھی، اس سارے عرصے میں صرف ایک دن ان کی بات ہوئی تھی۔ جب سب لوگ شادی میں گئے تھے اور ایاز والا واقعہ پیش آیا تھا۔

”یقین کرو مریم، خوشخبری کا سن کر میرا اُڑ کر تمہارے پاس آنے کو دل کیا لیکن پھر سوچا اتنے دن کی دوری کا کچھ فائدہ ہی نہیں ہوا تو میرا پردیس میں تمہیں چھوڑ کر آنے کا مقصد ہی کیا رہ جاتا...... تمہاری طرف سے حالات کے ٹھیک ہوتے اور اماں جی کے مان جانے کی خبر گویا ایسی تھی... جیسے پیاسے کو بہت دور ریگستان کا سفر طے کرتے ہوئے میٹھے پانی کا چشمہ نظر آگیا ہو۔ سوری جان معید ان تمام مشکلات، رویوں اور کٹھنائیوں کے لیے جو تمہیں یہاں برداشت کرنا پڑیں لیکن یقین کرو میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب کے بعد ایک بہت خوب صورت زندگی ہماری منتظر ہے۔“ معید نے اس کا ہاتھ لبوں سے لگا کر کہا۔ مریم کچھ کہے بغیر آسودگی سے اس کے کندھے کے ساتھ سر لگا گئی کہ خوب صورت زندگی کے خوش رنگ لمحات کی آہٹیں اسے ابھی سے سنائی دے رہی تھیں۔

آئینے کے سامنے خود کو مختلف زاویے سے دیکھتی وہ کب سے کھڑی تھی۔ کبھی لمبے بالوں کی چٹیا... آگے کرتی نہ... تو کبھی پیچھے۔ بڑی، بڑی پلکوں والی گہری بادامی آنکھیں۔ مدھم آئینے میں بھی جگر، جگر کررہی تھیں۔ متناسب سراپا، اس پر الہڑ معصوم جوانی کا بہکتا خمار، سادہ سے جامنی سوٹ میں اس کی چمپئی رنگت دمک رہی تھی۔ ملگجا سوٹ کسی بھی طرح اس کے دلکش حسن سے میل نہیں کھا رہا تھا۔

کرچیاں

نصیحہ آصف خان



ثمرین سے دو سال چھوٹی نادیہ اس کی ان بچکانہ حرکات پر ہنس پڑی۔ ثمرین ایک جھٹکے سے، غصے سے بل کھاتی اس کی طرف لپکی۔

"کیا تکلیف ہے تمہیں؟" وہ اس کے قریب آکر پھنکاری۔

"آپی..... تم پاگل ہو جاؤ گی، ہر وقت آئینہ دیکھتی رہتی ہو۔"

ثمرین اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"پگلی وہی تو ہے میرا سب کچھ۔ تمہیں پتا نہیں، ہر بار شاید کچھ نیا ہی دکھتا ہو....." وہ جھومتی ہوئی بولی۔

"کیا دکھتا ہے۔ ویسی کی ویسی ہو، جیسی ہو۔" نادیہ بل کھا کر بولی۔

"ہاں نیا ہی دکھتا ہے۔ مجھے اپنا آپ پہلے سے زیادہ خوب صورت دکھائی دیتا ہے۔ جو میرے خوابوں کو اور تقویت دیتا ہے۔" ثمرین بیڈ پر آکر لیٹ گئی اور آنکھیں موند کر مسکرا کر بولی۔

"خواب؟" نادیہ نے طنزیہ انداز میں دُہرایا۔

"دن کے وقت خواب نہ دیکھا کرو۔ جھوٹے ہوتے ہیں۔"

"تم چلو....." ثمرین یک دم اٹھ بیٹھی اور ناگواری سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔" میرے خواب ایک دن ضرور پورے ہوں گے..... یہ بڑا سا محل نما گھر، اتنی بڑی لش، لش کرتی گاڑی، قیمتی ملبوسات، زیورات، نوکر چاکر اور ایک بانکا سجیلا وجیہ شہزادہ!" ثمرین کے خواب اس کی سوچ سے بھی بلند تھے۔ اور نادیہ کو بعض اوقات اس کے خوابوں سے خوف سے آتا تھا۔

☆......☆......☆

وہ متوسط طبقے کے لوگ تھے، دو ہی بہنیں تھیں۔ ابو سرکاری ملازم تھے صبح سے شام تک زندگی کی گاڑی کھینچنے کی تگ و دو میں رہتے۔ دو کمروں کا چھوٹا سا گھر..... اس پر ثمرین کے بلند و بالا ہمالیہ سے بھی اونچے خواب..... جسے سر کرنے کے لیے وہ سپنوں میں کھوئی رہتی۔

"سو جاؤ آپی..... باقی سپنے نیند میں دیکھنا۔ مجھے پڑھنے دو کل ٹیسٹ ہے۔" نادیہ نے اسے نیند کے خمار میں دیکھ کر کہا تو ثمرین وہیں لڑھک گئی۔ نادیہ کے لبوں پر مسکراہٹ ابھر آئی۔

دسویں کے امتحان کی تیاری کرتی نادیہ نے اٹھ کر ٹیبل لیمپ آن کیا اور ٹیوب لائٹ بند کر دی کہ ثمرین سکون سے سو جائے۔ وہ ایف اے کے امتحان دے کر فارغ تھی، مزے کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس کے ہلکے، ہلکے خراٹے اس کی آسودہ نیند کا اشارہ دے رہے تھے، نادیہ نے دعائیہ انداز میں اس پر پھونک ماری اور پڑھنے میں جت گئی۔

☆......☆......☆

"اٹھ جاؤ ثمرین، کیا گھوڑے بیچ کر سوتی ہو۔ نہ وقت دیکھتی ہے نہ موقع۔ بس اسے بستر مل جائے۔ حد ہو گئی ہے بھئی۔" امی بری طرح تپی ہوئی تھیں۔ ساتھ ہی ثمرین کو جھنجھوڑ کر اٹھا دیا۔ کچی نیند کے خمار میں وہ جھوم رہی تھی۔

"بس کرو، اٹھ جاؤ۔ کام سمیٹ لو، کہا بھی تھا آج مارکیٹ جانا ہے۔" اماں بدستور غصے میں تھیں۔

"اوہ، اماں سوری، بھول گئی تھی۔ بس ابھی سارا کام نمٹا کر تیار ہوتی ہوں۔ آپ فکر نہ کریں۔" ثمرین نے ماں کے گلے میں بانہیں ڈال کر کہا اور بجلی کی سی تیزی سے اٹھی۔ پھرتیلی تو تھی ہی۔ آناً فاناً کام سمیٹ کر وہ کچھ ہی دیر بعد اماں کے ساتھ مارکیٹ میں تھی۔

آج اماں نے اسے اور نادیہ کو سوٹ، جیولری دلانا تھی۔ اگلے ماہ پھپھو کی بیٹی کی منگنی تھی۔ سو آج شاپنگ کرنا لازمی تھا۔

کپڑے لے کر وہ جیولری شاپ پر آ گئیں۔ ثمرین اپنی پسند کی چیزیں منتخب کر رہی تھی۔ نادیہ کو بھی اس کی پسند کی ہوئی چیزوں پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ وہ فطرتاً صابر و شاکر لڑکی تھی کہ یک دم اماں کے برابر کھڑی

ایک نفیس خاتون نے اماں سے سلام و دعا بڑھائی۔ پھر ثمرین کو بھی اُن سے بات کرنے کا حکم ملا۔ یوں کچھ ہی دیر بعد گھر کے ایڈریس اور فون نمبرز کے تبادلے ہو گئے۔

خاتون جن کا نام روبینہ تھا انہوں نے آنے کا کہا۔ گویا دوستی کا سفر شروع۔ اماں کی ملنسار عادت انہیں پسند آئی۔ روبینہ آنٹی ثمرین کا بغور جائزہ لیتی رہی۔ ثمرین اپنی خریداری میں مگن تھی۔ یہاں تک کہ گھر جانے کا وقت ہو گیا۔ وہ خوش تھی کہ اس کی پسند کی تمام چیزیں مل گئی تھیں۔

☆......☆......☆

دو دن بھی نہیں گزرے ایک دوپہر روبینہ آنٹی آگئیں۔ اماں کو وہ بہت اچھی لگیں۔ ثمرین تو اُن کو ویسے ہی بہت پسند آئی تھی بسکٹ، چائے، کباب کے ساتھ انصاف کر کے وہ دوبارہ آنے کا کہہ گئیں۔

”اچھی طرح صفائی کرنا۔ آج روبینہ کے ساتھ کچھ لوگ آرہے ہیں۔ پہلی بار تمہیں کوئی دیکھنے آرہا ہے۔ ڈھنگ سے تیار ہونا۔“

ثمرین نے سنا تو خاصی جز بز ہوئی۔

”پتا نہیں کون ہیں، کنگلے نہ ہوں، خوب پیسے والے ہوں۔“ وہ کاموں کے ساتھ، ساتھ دعا کرتی رہی۔

شام تک روبینہ آنٹی کے ساتھ بے حد امیر و کبیر شاندار خاتون قیمتی لباس میں ملبوس آگئیں۔

اماں کو سخت تعجب ہوا کہ روبینہ ان کی ظاہری حالت دیکھ کر بھی انتہائی امیر خاتون کو بڑی سے گاڑی میں لے کر آگئیں۔

ثمرین کو دیکھ کر اُن کی آنکھوں میں پسندیدگی کی لہر ابھری۔ اماں پر حیرت کا حملہ اس وقت ہوا جب آنے والی (صبیحہ خاتون) نے انیسویں سال میں لگی ثمرین کے ہاتھ پر ہزار، ہزار کے کئی نوٹ رکھ کر اپنی ملکیت ظاہر کر دی۔

”بس بہن، اپنی بیٹی کو ہماری بیٹی بنا دیں۔ ہمارا اکلوتا بیٹا ہے سکندر...... آپ اسے آکر دیکھ لیں۔ راج کرے گی آپ کی بیٹی۔“ صبیحہ آنٹی ثمرین کو ساتھ لپٹا کر بولیں تو وہ ان کی شخصیت، اُن کے لباس اور لباس سے اٹھنے والی قیمتی مہک میں کھو گئی۔

خوابوں کو گویا منزل مل رہی تھی، ثمرین بے حد خوش تھی۔

دو دن بعد ابا، اماں ان کے بیٹے کو دیکھ آئے تصویر بھی ہمراہ لائے۔

نادیہ نے دیکھا تو وہ بھی استعجاب میں غرق ہوئی۔ سچ تھا کہ ثمرین کے خواب مکمل ہو رہے تھے۔ ثمرین کے معصوم حسن اور نوخیز جوانی نے صبیحہ کو اس کا گرویدہ کر دیا... سو انہوں نے تو دہلیز پکڑ لی۔ اماں، ابا کو ہاں کرتے ہی بنی۔ انکار کا جواز بھی کوئی نہ تھا۔ سادگی سے منگنی کی۔ البتہ قیمتی چیزیں انہوں نے تحفتاً ضرور دیں۔ دو ماہ بعد شادی کی تاریخ رکھ دی گئی۔ اماں، ابا پریشان تھے کہ اتنی جلدی سب کیسے ہوگا۔

صبیحہ آنٹی نے جہیز کے نام پر کچھ بھی لینے سے انکار کر دیا۔

”پھر بھی کچھ نہ کچھ تو تیار کرنا ہی ہے۔ رسم دنیا

ہے، دستور ہے۔" اماں بولیں۔

"ٹھیک ہے آپ جو بھی مناسب سمجھیں کرلیں۔ ہمیں تو بس ثمرین چاہیے۔"

صبیحہ آنٹی ثمرین کو پیار، بار بار پیار کرتیں تو وہ خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کرتی۔ نادیہ بس اس کی خوشیوں کی دعا کرتی کہ اللہ اسے نظر بد سے بچائے۔

یوں اس عرصے میں کچھ نہ کچھ مناسب حد تک تیار ہوگیا۔ اور یوں ایجاب وقبول کے بعد ثمرین سورج چاند کی جوڑی کے مانند بجی سنوری گاڑی میں اماں ابا کی دعاؤں کے سائے تلے رخصت ہوگئی۔

نادیہ بھیگی سے آنکھوں بہن کی دائمی خوشیوں کے لیے دعا گو تھی۔

☆......☆......☆

گھر کا کیا تھا "جواد منزل" ایک خوشنما محل تھا۔ جواد کریم بہت بڑے بزنس مین تھے اور سکندر ان کا اکلوتا لاڈلا بیٹا تھا۔ شہزادوں کی آن بان والا، منہ دکھائی میں سکندر نے اسے ہیروں کا سیٹ دیا۔ ثمرین کو یقین نہیں آرہا تھا۔ وہ حقیقت کی دنیا سے زیادہ خوابوں کے سفر میں تھی۔

دن عید اور رات شب برات کے مانند تھی۔ اب اس کا ماں کی طرف جانے کو بھی دل نہ کرتا تھا۔ صبیحہ آنٹی الگ اس کے ناز اٹھاتیں۔ جواد کریم بھی حسین، کم عمر بہو کو دیکھ کر پھولے نہ سماتے۔ سکندر تو جی جان سے اس کا دیوانہ تھا۔ مگر......

مگر خوشی کے لمحات میں بھی اس کے وجیہہ چہرے پر ایک بے نام اداسی اور آنکھوں میں نمی سی تیر جاتی۔ جسے ثمرین خوشیوں کے ہنڈولے میں محسوس ہی نہ کرسکی۔

اماں، ابا اور نادیہ کو صبیحہ آنٹی دوسرے، تیسرے دن گاڑی بھیج کر بلوا لیتیں اور وہ سب اپنی عزت افزائی پر پھولے نہ سماتے۔

☆......☆......☆

شادی کو دو ماہ گزرے تھے ثمرین نے کسی کام کو ہاتھ تک نہ لگایا تھا۔ نوکروں کی فوج جو موجود تھی۔ اس کو کام کرنا بھی کیا تھا۔ اپنی پسند کی چیزیں خریدتی اور روز کے سیر یں کرتی۔ اپنی تشنہ آرزوؤں کی تکمیل میں لگی رہتی۔ اسے ایسا لگتا جیسے خوش قسمتی اس پر آکر ختم ہوگئی ہے۔ ہونٹوں کے کنول بے بات مسکراتے رہتے۔

یک دم...... ہاں یک دم وہ اس سہانے سپنے سے جاگ گئی۔ جب اس رات سکندر کی طبیعت خراب ہوگئی۔ وہ سر درد کی وجہ سے بری طرح تڑپ رہا تھا، روئے جارہا تھا۔ سر تھامے بے حال ہورہا تھا۔ جواد صاحب نے فوراً گاڑی نکالی اور اسے اسپتال لے گئے۔

صبیحہ نے روتی ثمرین کو گلے لگایا اور خود بھی سسک اٹھیں۔

صبح دم سکندر اسپتال سے آگیا تھا۔ وہ دواؤں کے زیر اثر تھا۔ آکر سو گیا ثمرین کا دل بے چین تھا۔

اسے کسی انہونی کا احساس ہورہا تھا۔ اماں، ابا بھی سکندر کا حال پوچھنے آئے۔ ثمرین بے حد خاموش تھی۔ اداسی چاروں اور محسوس ہوئی۔ وہ روتی تو صبیحہ آنٹی اسے چپ کروادیتیں۔

رات دن میں یکسر تبدیلی آگئی تھی۔

پھر ہر دوسرے، تیسرے دن سکندر کے سر میں شدید درد اٹھتا کہ وہ بے حال ہوجاتا۔ صبیحہ آنٹی اس کی حالت دیکھ، دیکھ کر روتی رہتیں۔ سکندر اب بیشتر وقت دواؤں کے اثر سے سویا رہتا۔ ثمرین پاگلوں کی طرح کمرے اور پورے گھر میں ٹہلتی رہتی۔ سکندر پہلے جیسا نہ رہا تھا۔ زرد رنگ، ہڈیوں کا ڈھانچا بنتا جارہا تھا۔ دودھ، جوس پر اس کا گزارہ تھا۔ آنکھ کھلتی تو اجنبیوں کی طرح سب کو دیکھتا اور پھر غنودگی میں چلا جاتا۔

ثمرین کا اوڑھنے، پہننے سے دل اچاٹ ہوگیا تھا کس کے لیے سجتی سنورتی؟ پورے گھر پر ویرانی نے ڈیرے جمائے ہوئے تھے۔

تین، چار ماہ کے اندر ہی سب کچھ الٹ ہوگیا تھا۔ سکندر ذرا دیر کو جاگتا، نیم غنودگی میں کوئی بے ربط بات کرتا پھر غافل ہوجاتا۔ ثمرین کے لیے یہ سب کچھ برداشت کرنا جان لیوا اور اذیت ناک تھا۔

"آخر سکندر کو تکلیف کیا ہے؟" اس نے بہت سوچ کر صبیحہ آنٹی سے بات کرنے کی ٹھانی۔
"کینسر، دماغ میں رسولی۔" ثمرین کی سماعتوں میں دھماکے ہونے لگے۔ "جو کسی لمحہ بھی موت کا سبب بن سکتی ہے۔" ان کا بتانا تھا کہ ثمرین آسمان سے زمین پر آ گئی بلکہ اپنی تئیں زمیں بوس ہو گئی اور کلیجا ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔
"آپ نے دھوکا کیا ہمارے ساتھ۔" وہ صدمے سے چیخی۔ "بے ایمانی کی میرے ساتھ۔" وہ بری طرح رو رہی تھی۔
"ہاں کی ہے بے ایمانی... دھوکا کیا... اور کرتے بھی کیا؟ ہمیں اپنے بیٹے کے سر پر سہرا دیکھنے کی تمنا تھی، وہ موت کے منہ میں جا رہا تھا۔ ہمارا اکلوتا بیٹا...... ہمارے بھی خواب تھے، آرزوئیں تھی۔ ہم اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ اس دنیا میں کچھ عرصے کا مہمان ہے۔" صبیحہ آنٹی تڑپ رہی تھیں۔
"ہمارے بھی سپنے تھے کہ گھر میں بہو، بیٹے کے ساتھ چند دن خوشیوں کے گزار لیں۔" وہ اشکوں میں ندیاں بہاتے گلوگیر آواز میں کہہ رہی تھیں۔
"میں ہی ملی تھی آپ کو؟" وہ پھٹی پھٹی آنکھوں اور روتی آواز میں انہیں دیکھ کر پوچھنے لگی۔ جو خوابوں کی کرچیوں پر چل رہی تھی اور بری طرح زخمی تھی۔
وہ اسے خود غرضی کی انتہا پر بیٹھی دکھائی دے رہی تھیں۔ ثمرین کو عرش سے فرش پر لا پھینکا تھا دولت کا لالچ دے کر۔
"تم ہماری حالت کا اندازہ تو کرو۔" وہ مسلسل سسک رہی تھیں۔
اب ثمرین کے سر پر آسمان تھا نہ پاؤں تلے زمین۔
"اور میرے خواب؟" وہ پاگلوں کی طرح بول رہی تھی۔ اور اپنی بربادی پر ماتم کناں تھی۔ کیا اسی دن کے لیے سپنے سجائے تھے۔ مقدر نے دھوکا دیا۔
"آپ نے جان بوجھ کر ہمیں لوٹا، شب خون مارا۔" ثمرین زمین پر بیٹھی روئے جا رہی تھی۔ صبیحہ

رمضان المبارک کے فضائل

انا انزلنہ فی لیلۃ القدر (القدر)
ترجمہ: ہم نے قرآن شب قدر میں اتارا۔
دونوں آیتوں کو ملانے سے معلوم ہوا کہ شب قدر رمضان میں ہی ہے اور وہ ستائیسویں شب ہے کیونکہ لیلۃ القدر میں نو 9 حروف ہیں اور یہ لفظ سورۂ قدر میں تین 3 بار آیا ہے۔ جس سے 27 حاصل ہوں گے۔
رمضان میں پانچ حروف ہیں۔

1۔ ر
2۔ م
3۔ ض
4۔ ا
5۔ ن

1۔ ر سے مراد، رحمت الٰہی عزوجل
2۔ م سے مراد محبت الٰہی عزوجل
3۔ ض سے مراد ضمان الٰہی عزوجل
4۔ الف سے مراد امان الٰہی عزوجل
5۔ ن سے مراد نور الٰہی عزوجل

رمضان المبارک کی پانچ عبادات خصوصی ہیں۔
1 نماز۔ 2 روزہ۔ 3 زکوۃ۔ 4 تراویح
5۔ اعتکاف

مرسلہ: امینہ عندلیب، سلانوالی

کی سسکیاں تھیں، ثمرین کی چیخیں اور اندر کمرے میں سکندر نے آخری ہچکی لی تھی۔ ثمرین کی دنیا اجڑ گئی تھی۔
صبیحہ آنٹی کے خواب پورے ہو گئے۔ ثمرین کے خواب لٹ گئے۔ کاش دولت کے پجاری معصوم لڑکیوں کے ساتھ ایسا گھناؤنا کھیل کھیلنے سے باز آ جائیں، ادھر ثمرین سوچ رہی تھی کہ ان ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں عمر بھر چبھیں گی، آنکھیں لہو لہو رہیں گی۔



شمع ہدایت

اختر شجاعت

صدقہ...... فضلِ الٰہی

دعائیہ کلمات

اے ہمارے بہت پیارے اللہ! سفیدۂ سحری کو ظاہر کرنے والے اور رات کو آرام وسکون کا ذریعہ بنانے والے...... آفتاب ومہتاب کو مقرر حساب سے چلانے والے، اے عزت کے مالک! اے بخشش وکرم، قوت و طاقت اور فضل واحسان اور جلال و بزرگی کے سرمایہ دار! اے اللہ! اے رحم والے خدا...... اے ایک اکیلے یگانہ! اے امن واطمینان کے دینے والے اے ظاہر! اے باطن، اے زندہ رہنے والے...... سوائے تیرے کوئی معبود برحق نہیں...... اے اللہ تیرے لیے ہیں بہترین نام...... اور بلند ترین مثالیں اور بزرگی اور تمام تعریفیں......

اے اللہ مجھے ان لوگوں میں سے قرار نہ دے جبکہ وہ صحیح وسالم ہوں تو غافل ہو جائیں اور جب بیمار ہوں تو تجھ سے خوف کریں جب مالدار ہوں تو فریب دنیا کا شکار رہیں اور جب فقیر ہوں تو تجھ سے لو لگائیں...... جب بیمار ہوں تو گناہوں سے توبہ کریں اور جب اچھے ہوں تو پھر گناہوں میں مبتلا ہو جائیں...... اور اے اللہ......! نہ ان لوگوں میں سے قرار دے جو اچھے آدمیوں کی محبت کا دعویٰ تو رکھتے ہیں مگر ان کے سے اعمال نہ کرتے ہوں اور برے آدمیوں سے نفرت کا اظہار تو کرتے ہیں مگر خود اپنے افعال کے لحاظ سے ان ہی برے آدمیوں میں داخل ہوں...... جو اپنے دوسرے بھائیوں کی برائی تو ظاہر کرتے ہوں اور خود اپنی برائیوں پر پردہ ڈالتے ہوں۔ خداوندا! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ہدایت وپرہیزگاری عفت اور بے نیازی کا ان چیزوں سے جنہیں تو نے حرام قرار دیا...... اور عمل کا تیری اطاعت کے ساتھ ان باتوں میں...... جو تجھے پسندیدہ ہیں...... پروردگار......! میرے چہرے کو آتشِ جہنم سے موڑ دے...... میرے دل میں پاکیزگی پیدا کردے اور میرے اعمال میں اضافہ کردے۔

اے جلالت و بزرگی کے مالک......! درود بھیج اور اپنی رحمت نازل فرما حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور ان کی آل پر...... آمین!

☆☆☆

آج ہم جس موضوع پر بات کریں گے وہ ہے صدقہ...... صدقہ کے لغوی معنی خیرات کے ہیں۔ صدقہ دو طرح کا ہے، ایک فرض اور دوسرا نفلی صدقہ...... زکوٰۃ فرض ہے۔ اور دوسری خیرات نفلی صدقہ ہیں۔ آج یہاں ہم صرف نفلی صدقے کا ذکر کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پاک کلام اور اس کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات میں خرچ کرنے کی اتنی زیادہ ترغیب اور فضائل اس قدر کثرت سے موجود ہیں کہ ان کو دیکھنے سے احساس ہوتا ہے کہ پیسہ پاس رکھنے کی چیز نہیں ہے...... یہ پیدا ہی اس لیے ہوا ہے کہ اس کو اللہ کے راستے میں خرچ کیا جائے...... جتنی کثرت سے ارشادات موجود ہیں اس کا چند فیصد بھی یہاں تحریر کرنا ناممکن ہے...... بہرحال چند آیات اور احادیث کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں......

ارشادِ باری تعالیٰ ہے سورۂ بقرہ:

"سارا کمال اسی میں نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کی طرف کرلو یا مغرب کی طرف لیکن اصل کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر ایمان لائے اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور اللہ کی کتابوں پر اور سب پیغمبروں پر اور اللہ کی محبت میں مال دیتا ہو اپنے رشتے داروں اور یتیموں کو اور غریبوں کو اور مسافروں کو اور لاچاری میں سوال کرنے والوں کو اور (قیدیوں اور غلاموں کی) گردن چھڑانے میں خرچ کرتا ہو...... اور نماز کو قائم رکھتا ہو اور زکوٰۃ کو ادا کرتا ہو۔" کہ اصل کمالات یہی چیزیں ہیں...... یہی لوگ سچے اور متقی ہیں۔ نیکی درحقیقت اللہ کی اطاعت میں ہے...... اللہ کی محبت میں مال کا دینا سے مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور

خوشنودی کی وجہ سے خرچ کرے نام و نمود اور اپنی شہرت، عزت کی وجہ سے خرچ نہ کرے کہ اس ارادے سے خرچ کرنا نیکی برباد کرنا ہے.....اس طرح کہ مال بھی خرچ کیا اور اللہ تعالیٰ کے یہاں بجائے ثواب کے گناہ ہوا.......

حضور اقدس ﷺ کا فرمان ہے کہ ”حق تعالیٰ شانہ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتے بلکہ تمہارے اعمال اور تمہارے دلوں کی طرف دیکھتے ہیں۔ (کہ کس نیت اور کس ارادے سے خرچ کیا)“

حدیث مبارکہ ہے کہ بہترین صدقہ یہ ہے کہ ایسے وقت میں خرچ کرے جب تندرست ہو اور اپنی زندگی اور بہت زمانے تک دنیا میں رہنے کی امید ہو...... ایسا نہ کرکہ کوئی صدقے کو ٹالتا رہے یہاں تک کہ جب دم نکلنے لگے اور موت کا وقت قریب آجائے تو کہنے لگے کہ فلاں کو دیا جائے اور اتنا فلانی جگہ دیا جائے...... مطلب یہ کہ جب تک اپنی ضرورتیں وابستہ تھیں تب تک تو خرچ کی توفیق نہ ہوئی اب جبکہ وہ دوسرے وارث کو جانے لگا تو اس وقت اللہ واسطے دینے کا خیال پیدا ہوا...... اللہ کے نزدیک یہ پسندیدہ نہیں ہے۔

☆☆☆

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو...... یہ فقر کے ڈر سے اللہ کے راستے میں خرچ کا چھوڑ دینا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہلاکت میں ڈالنا یہ نہیں ہے کہ آدمی اللہ کے راستے میں قتل ہوجائے بلکہ یہ کہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے رک جاتا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ”لوگ آپؐ سے پوچھتے ہیں کہ خیرات میں کتنا خرچ کریں آپؐ فرمادیجیے کہ جتنا (ضرورت سے) زائد ہو۔“

یعنی مال تو خرچ کرنے کے ہی واسطے ہے جتنی اپنی ضرورت ہو اس کے مطابق رکھ باقی جو زائد ہو وہ خرچ کردے...... حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ”اپنے اہل عیال کے خرچ سے جو بچے وہ عفو ہے۔“ حضورِ اقدس ﷺ کا مبارک فرمان ہے کہ ”اے آدمی! جو تجھ سے زائد ہے اس کو تو خرچ کردے یہ بہتر ہے تیرے لیے اور تو اس کو روک کر رکھے یہ تیرے لیے برا ہے...... اور بقدرِ ضرورت پر کوئی ملامت نہیں...... اور خرچ کرنے میں ان لوگوں سے ابتدا کرنے جو تیرے عیال میں ہیں۔ اور اونچا ہاتھ (یعنی دینے والا ہاتھ) بہتر ہے اس ہاتھ سے جو نیچے ہو (یعنی لینے والا) حضرت عطاؒ سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے کہ عفو سے مراد ضرورت سے زائد ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدسؐ نے ارشاد فرمایا کہ ”جس کے پاس سواری زائد ہو وہ ایسے شخص کو سواری دے، دے جس کے پاس سواری نہیں...... جس کے پاس توشہ زائد ہو تو ایسے شخص کو دے، دے جس کے پاس توشہ نہ ہو......“ حضور نے اس قدر اہتمام سے یہ بات فرمائی کہ ہمیں گمان ہونے لگا کہ کسی شخص کا اپنے کسی ایسے مال پر حق ہی نہیں ہے جو اس کی ضرورت سے زائد ہو...... اور یہی کمال بھی ہے کہ جو چیز بھی آپ کی ضرورت سے زائد ہو وہ خرچ کردے...... آسان زبان میں یوں سمجھیں کہ جتنا آسانی سے خرچ کرسکے اس کو خرچ کرنے سے خود پریشان ہوکر دنیاوی تکلیف میں مبتلا نہ ہو...... یعنی ایسا صدقہ بھی نہ کرے کہ اپنے کھانے کے لیے بھی نہ رہے۔

☆☆☆

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”ہر امت کے لیے ایک فتنہ ہوتا ہے، میری امت کا فتنہ مال ہے۔“

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص ساری دنیا کا مال محض اللہ تعالیٰ کے واسطے لیتا ہے (اپنی غرض سے نہیں) تو وہ زاہد ہے اور اگر ذرا سا بھی نہیں لیتا اور یہ نہ لینا اللہ کے واسطے نہیں ہے بلکہ دنیاوی غرض کی وجہ سے ہے تو وہ دنیادار ہے۔ ”ایک حدیث میں ہے کہ دنیا کیا ہی اچھا گھر ہے اس شخص کے لیے جو اس کو آخرت کا توشہ بنائے اور اللہ تعالیٰ کو (اس کے ذریعے) راضی کرے اور کتنا برا ہے اس شخص کے لیے جس کو آخرت سے روک دے اور اللہ تعالیٰ کی رضا میں کوتاہی پیدا کرے۔

☆ حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ مال میں نفع بھی ہے اور نقصان بھی...... اس کی مثال سانپ کی سی ہے جو شخص اس کا منتر جانتا ہے وہ سانپ کو پکڑ کر اس کے دانت نکال دیتا ہے پھر اس سے تریاق تیار کرتا ہے اس کے برعکس کوئی ناواقف شخص اس سانپ کو پکڑے تو وہ اس کو کاٹ لے گا اور ہلاک ہوگا۔ اسی طرح...... مال کے زہر سے وہ شخص محفوظ رہ سکتا ہے جو پانچ چیزوں کا اہتمام کرے۔

1۔ یہ غور کرے کہ مال کا مقصد کیا ہے اور کس غرض سے پیدا کیا گیا ہے۔

2۔ مال کے آنے کے ذرائع کی سختی سے نگرانی کرے

کہ اس میں ناجائز شامل نہ ہو۔ مثلاً ایسا ہدیہ جس میں رشوت کا شائبہ ہو۔

3۔ اپنی حاجتوں کی مقدار سے زیادہ اپنے پاس نہ رہنے دے۔ زیادہ کو فوراً خرچ کردے۔

4۔ خرچ کے طریقے کی نگرانی کرے تاکہ ناجائز موقع پر نہ خرچ ہو جائے۔

5۔ نیت خالص رہے محض اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرے۔

☆☆☆

مال بری چیز نہیں، اچھی چیز ہے کارآمد ہے اور بہت سے دینی اور دنیوی فوائد اس سے وابستہ ہیں لیکن چونکہ اس میں ایک زہریلا اور گری مادہ ہے اور قلوب عام طور سے بیمار ہیں اس لیے کثرت سے قرآن پاک کی آیات اور احادیث میں اس کی زیادتی اور کثرت سے بچنے کی ترغیب آئی ہے۔ مال کی کثرت کو خاص طور سے ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ مال کی کثرت سے عموماً زیادہ نقصان پہنچتا ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ ہمارے قلوب ایسے صاف نہیں ہیں کہ وہ اس کے نشے سے متاثر نہ ہوں...... اسی وجہ سے حضور اقدسؐ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی شخص ایسا ہے جو پانی پر چلے اور اس کے پاؤں پانی سے تر نہ ہوں...... صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا تو کوئی بھی نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا...... یہی حال دنیا دار کا ہے کہ اس کا گناہوں سے بچنا مشکل ہے۔ اور مشاہدہ بھی یہی ہے کہ بخل، حسد، کبر، بغض، کینہ، ریا، تفاخر جیسے قلبی گناہ اور امراض جتنے ہیں وہ مال کی وجہ سے بہت جلد اور بہت کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔

سورۂ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ”آراستہ کردی گئی لوگوں کے لیے خواہشات کی محبت مثلاً عورتیں ہوئیں اور بیٹے ہوئے اور ڈھیر لگے سونے اور چاندی کے...... اور نشان لگے ہوئے عمدہ اور اعلیٰ گھوڑے اور دوسرے مویشی اور زراعت...... لیکن یہ سب چیزیں دنیاوی زندگی کے استعمال کی چیزیں ہیں اور انجام کار کی خوبی...... (اور کام آنے والی چیز تو) اللہ ہی کے پاس ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے احوال سے خوب واقف ہے...... جن لوگوں کے لیے آخرت کی نعمتیں اور چیزیں ہیں وہ ایسے لوگ ہیں جو کہتے ہیں ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے پس آپ ہمارے گناہوں کو معاف کر دیجیے اور ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا دیجیے...... یہ لوگ (وہ ہیں جو مصیبتوں پر) صبر کرنے والے ہیں، سچ بولنے والے ہیں (اللہ تعالیٰ کے سامنے) عاجزی کرنے والے ہیں اور (نیک کاموں میں مال) خرچ کرنے والے ہیں اور پچھلی رات میں گناہوں کی معافی چاہنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان سب چیزوں کی محبت کو شہوتوں سے تعبیر کیا ہے۔

☆☆☆

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”آدمی کے لیے تین چیزوں کے علاوہ کوئی حق نہیں...... ایک اتنی مقدار کھانا جس سے کمر سیدھی رہے۔ اتنا کپڑا جس سے بدن ڈھکا رہے۔ اور ایک گھر جس میں آدمی سما سکے...... اس سے زیادہ جو کچھ ہے وہ حساب ہے اس ضرورت سے زائد جو ہو اس کو محتاجوں، ضرورت مندوں پر خرچ کردے۔“

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ ”دنیا کے حلال مال کا حساب ہے اور اس کے حرام میں عذاب ہے۔“

ایک آدمی نے حضرت حسن بصریؒ سے دریافت کیا کہ ”آپ اس شخص کے متعلق کیا فرماتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے مال و دولت عطا کیا ہو اور وہ اس میں سے صدقات بھی کرتا ہے اور صلہ رحمی بھی کرتا ہے کیا اس کے لیے یہ موزوں اور مناسب ہے کہ خود بھی اچھے، اچھے کھانے کھائے اور نعمتوں میں زندگی گزارے؟“ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا۔

”نہیں اگر ساری دنیا بھی اس کو مل جائے تو اس کو وہ اپنے اوپر بقدر ضرورت ہی خرچ کرنا چاہیے اور اس سے زیادہ کو اس دن (یعنی آخرت کے دن) کے لیے بھیج دینا چاہیے جو دن اس کی سخت احتیاج (حاجت، ضرورت) کا ہوگا۔“

حضرت امام حسنؓ کا ارشاد ہے کہ ”اللہ تعالیٰ جس بندہ کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو تھوڑی سی دنیا مرحمت فرما کر روک لیتے ہیں، جب وہ مال اس کے پاس ختم ہو جاتا ہے تو پھر اس کو تھوڑا سا اور دے دیتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذلیل ہوتا ہے اس پر دنیا کو پھیلا دیتے ہیں۔“

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ ”بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنے کے باوجود صرف دنیا کی محبت نے بت پرستی

تک پہنچا دیا تھا۔ حقیقت یہ کہ آدمی اپنے مال کو تو ہمیشہ کم سمجھتا ہے مگر اپنے عمل کو کبھی کم نہیں سمجھتا۔“

☆☆☆

ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہے کہ ”جب تم وسعت کو آتے دیکھو تو سمجھو کہ کسی گناہ کی سزا میں یہ آرہی ہے اور جب فقر و فاقہ کو آتا دیکھو تو کہو کہ صالحین کا شعار آرہا ہے۔“

اگر کوئی حضرت عیسیٰ کا اتباع چاہتا ہے تو ان کا یہ ارشاد ہے کہ میرا سالن بھوک ہے (یعنی بھوک میں فقط روٹی بھی سالن جیسی لذیذ محسوس ہوتی ہے) اور میرا شعار اللہ تعالیٰ کا خوف ہے اور میرا لباس صوف ہے (بھیڑ بکری کے بال) اور میرا سردی میں سینکنا دھوپ ہے اور میرا چراغ چاند کی روشنی ہے اور میری سواری میرے پاؤں ہیں اور میرا کھانا اور میوے زمین کی گھاس ہے، میں صبح اس حال میں کرتا ہوں کہ میرے پاس کچھ نہیں ہوتا اور ساری دنیا میں مجھ سے زیادہ غنی (بے پرواہ جو کسی کا محتاج نہ ہو) کوئی بھی نہیں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا...... ”جس نے اپنی حلال کمائی سے صدقہ کیا خواہ وہ ایک کھجور ہی کیوں نہ ہو...... یاد رہے کہ اللہ رزقِ حلال یا حلال کمائی کا ہی صدقہ قبول کرتا ہے نیز اسے برکت عطا کرتا ہے پھر اس صدقے کو اس طرح پالتا ہے جس طرح تم اپنے بچھڑوں کو پالتے ہو...... حتیٰ کہ وہ اُحد پہاڑ کے برابر بڑھ کر ہو جاتا ہے۔

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ”کیا انہیں علم نہیں ہے کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور صدقات لیتا ہے۔“ (سورۂ توبہ) ایک اور فرمانِ الٰہی ہے کہ ”اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔“ صدقے سے مال کم نہیں ہوتا بلکہ اس بخشش کے طفیل اللہ تعالیٰ انسان کی عزت اور وقار کو بڑھاتا ہے، وہ اللہ کے لیے کسی کی تواضع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے مرتبے کو بلند کرتا ہے...... صدقہ مال کو کم نہیں کرتا...... بندہ جب صدقہ دینے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھاتا ہے تو بڑھ کر اللہ کے ہاتھ میں جاتا ہے یعنی سائل کے ہاتھ میں جانے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمالیتا ہے...... جب کوئی سوالی کے لیے بے پروائی اختیار کرتا ہے یا دستِ سوال دراز کرنے والے کو خالی ہاتھ لوٹا دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر تنگ دستی مسلط کر دیتا ہے...... بندہ یہ کہتا رہتا ہے کہ یہ میرا مال ہے وہ میرا مال ہے حالانکہ اس کے مال کے تین حصے ہیں...... جو کھایا وہ فنا ہو گیا...... جو پہنا وہ پرانا ہو گیا جو راہِ حق میں دیا وہی فائدہ مند ہے اور جو باقی ہے وہ لوگوں کے لیے ہے......

روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ تم میں سے ہر ایک کے ساتھ بغیر ترجمان کے کلام فرمائے گا...... آدمی اپنے ساتھ دائیں بائیں آگے پیچھے وہی دیکھے گا جو اس نے دنیا میں اللہ کی راہ میں خرچ کیا تھا۔ اس سے ہٹ کر اسے آگ نظر آئے گی...... لہٰذا آگ سے بچو خواہ کھجور کا ایک چھلکا ہی خیرات کر کے بچو...... روزِ حشر آخرت میں جو سوالات ہوں گے ان میں سے ایک سوال مال سے بھی متعلق ہے کہ مال کہاں سے کمایا......؟ اور مال کہاں خرچ کیا؟

آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا...... ”صدقہ گناہوں کو اس طرح مٹا دیتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔“

صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو بجھاتا ہے اور بری موت کو ہٹاتا ہے...... ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ صدقے کی وجہ سے بری موت کے ستر دروازے بند کر دیتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ”ہر آدمی قیامت کے دن اپنے صدقے کے سایہ میں ہوگا حتیٰ کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا...... ایک دوسری روایت ہے کہ انسان بھی کچھ صدقہ کرتا ہے تو اس کی وجہ سے شیطان کے ستر جال ٹوٹ جاتے ہیں۔

☆☆☆

احمد بن اسکاف دمشقی ایک بہت بڑے متقی اور پرہیز گار تھے فریضۂ حج تو ادا کر چکے تھے۔ مگر خدا کی حضوری میں حاضر ہونے کا بہت شوق رکھتے تھے۔ چنانچہ اس ارادے کے تحت انہوں نے بے حد محنت و مشقت کر کے کچھ مالِ حلال جمع کیا تھا۔ ایک روز کسی کام سے اپنے لڑکے کو ایک پڑوس کے گھر میں بھیجا کچھ دیر بعد وہ لڑکا وہاں سے روتا ہوا آیا...... احمد بن اسکاف نے اس لڑکے سے رونے کی وجہ دریافت کی تو اس نے بتایا کہ جس پڑوس کے گھر میں گیا تھا تو میں نے دیکھا کہ وہ لوگ گوشت روٹی کھا رہے تھے میں ان کا منہ تکتا رہا مگر انہوں نے مجھے کھانے کا پوچھا تک نہیں اور میرے سامنے کھاتے رہے...... احمد بن اسکاف یہ بات سن کر مغموم ہوئے پڑوسی کے اخلاق کو غیر اسلامی سمجھ کر اس کے گھر گئے تاکہ اس بداخلاقی کا سبب جان سکیں۔ تب آپ پڑوسی کے پاس پہنچے اور کہا کہ کیا ہمسایہ کا حق اتنا بھی

نہیں ہوتا کہ ایک پڑوسی کا بچہ آپ کے گھر آئے اور آپ اس کے سامنے گوشت روٹی کھاتے رہے اور اس کو ایک ٹکڑا تک نہیں دیا...... یہ بات سن کر وہ پڑوسی زار و زار رونے لگا اور کہا کہ ہائے افسوس آج ہمارا پردہ فاش ہو گیا۔

پڑوسی نے احمد بن اسکافؒ کو بتایا کہ خدا گواہ ہے پانچ دن سے کسی گھر والے نے ایک دانہ تک نہیں کھایا جب نوبت ہلاکت تک پہنچی تو مجبور ہو کر میں جنگل میں گیا تو وہاں ایک مری ہوئی بکری پڑی تھی اس کا گوشت بقدرِ ضرورت لے آیا اور اسے کچا پکا کر کے ذرا ذرا سا سب نے کھایا۔ اس لڑکے کو میں نے اس لیے نہیں دیا کہ اس کو اس گوشت کا کھانا حرام تھا ورنہ ایسا کب ہو سکتا تھا کہ سب کھاتے رہتے اور وہ منہ تکتا رہتا۔ یہ واقعہ سن کر احمد بن اسکافؒ کے دل پر ایک چوٹ سی پڑی اور دل میں سوچنے لگے کہ ایسے شخص کی مالی مدد کرنا حج سے زیادہ بہتر ہے یہی سوچ کر وہ گھر گئے اور سب درہم و دینار جو مدت سے حج کے لیے جمع کیے تھے چپکے سے لا کر اس پڑوسی کو دے دیے اور پھر اپنے گھر واپس پہنچ کر یادِ الٰہی میں مشغول ہو گئے۔

اسی سال حج سے فارغ ہو کر سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس آ گئے ان میں حضرت ذوالنون مصریؒ بھی تھے۔ انھیں اس سال حج میں ایک عجیب بات کا مشاہدہ ہوا جس سے وہ سخت حیرت میں تھے۔ انہوں نے بیان کیا کہ میں جبلِ عرفات پر تھا تو میں نے ایک آواز سنی کہ کوئی کہتا ہے...... اے ذوالنون مصریؒ! اس مرتبہ کسی کا حج قبول نہیں ہوا یہ سن کر مجھے بڑا تعجب ہوا کہ حج میں لاکھوں مسلمان جمع ہیں اور کسی کا بھی حج قابلِ قبولیت نہیں ہو سکا...... میں اسی فکر میں تھا کہ پھر آواز آئی کہ احمد بن اسکافؒ دمشقی کے ساتھ کے سبب سے سب کا حج قبول ہو گیا ہے۔ اگرچہ اس نے حج پر آنے کے لیے نیت کی تھی مگر نہ آ سکا...... تو ذوالنونؒ فرماتے ہیں کہ یہ سب بات سن کر میں سخت حیرانی میں پڑ گیا کہ یہ کیا بات ہے؟ احمد بن اسکافؒ کا وہ کون سا عمل ہے جو اللہ رب العزت کو اس قدر پسند آیا کہ سارے حاجیوں کا حج اللہ تعالیٰ نے قبول فرما لیا۔

چنانچہ جب حضرت ذوالنونؒ واپس دمشق پہنچے تو آپؒ احمد بن اسکافؒ کے پاس پہنچے اور دریافت کیا کہ تمہارا تو اس سال حج پر جانے کا ارادہ تھا مگر تم گئے کیوں نہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ اس پر انہوں نے اپنے پڑوسی کا سارا حال سنا دیا۔ تب حضرت ذوالنون مصریؒ نے کہا...... اے احمد بن اسکافؒ مبارک ہو تم کو کہ اللہ رب العزت نے تمہارا ہی حج نہیں بلکہ تمہارے حج کے ساتھ اس سال کے تمام حاجیوں کا حج قبول فرما لیا...... یہ کہہ کر آپ نے جبلِ عرفات کا تمام واقعہ بیان کر دیا پھر کہا میں اسی لیے اس وقت تمہارے پاس آیا تھا کہ معلوم کروں کہ وہ کون سا ایسا عمل تم نے کیا کہ اللہ رب العزت نے اتنا بڑا اجر تم کو عطا فرمایا۔ سبحان اللہ......!

☆☆☆

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک سال حج کے لیے گیا، حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ زیارتِ روضۂ انور کے لیے گیا تو دن بھر کی حاضری کے باوجود تسکین نہ ہوئی چنانچہ رات بھی میں نے روضۂ انور کے قریب گزار دی...... رات کو غنودگی ہوتے ہی دیکھتا ہوں کہ مزار مبارک سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے بلکہ میرے پاس رونق افروز ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے عبداللہ بن مبارکؒ جب تم بغداد اپنے وطن واپس پہنچو تو فلاں محلے میں ایک شخص بہرام یہودی رہتا ہے اس کے پاس جانا اور ہمارا سلام کہنا اور کہنا کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی ہو گیا اور اس نے تجھے بخش دیا۔"

یہ دیکھ کر فوراً ہی عبداللہ بن مبارکؒ بیدار ہو گئے اور اٹھ بیٹھے اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام پہنچانے کے لیے چل پڑے بغداد پہنچ کر سیدھے بہرام یہودی کے گھر پہنچے اور کہا اے بہرام! تمہارا کیا طریقۂ عمل ہے اور وہ کون سا نیک عمل کرتے ہو ذرا اتنا تو بیان کرو......!

بہرام یہودی نے کہا...... اے عبداللہ بن مبارکؒ نیک عمل کرنا تو درکنار میں نے تو نیک عمل کبھی خواب میں نہیں دیکھے البتہ ایک روز ایسا واقعہ ہوا تھا کہ میرے گھر ایک مسلمان عورت آئی تو اور میرے چراغ سے اپنا چراغ جلا کر چلی جب دروازے پر پہنچی تو چراغ کو پھونک مار کر بجھا دیا۔ پھر دوبارہ آ کر اس نے میرے چراغ سے چراغ جلایا پھر جب دروازے پر پہنچی تو چراغ گل کر دیا...... جب اس عورت نے کئی دفعہ ایسا کیا تو مجھے اس کی طرف سے شبہ ہوا کہ یہ عورت کوئی جاسوس ہے اور میرے گھر کا بھید لے رہی ہے۔ آخر بات کیا ہے یہ خیال آتے ہی میں کھڑا ہو گیا اب وہ عورت پھر چراغ جلانے کے لیے مجھے دیکھ کر نہیں پلٹی بلکہ باہر نکل کر چلی گئی...... میرے دل میں پہلے ہی شبہ ہو گیا تھا کہ یہ کوئی مشتبہ عورت ہے اس لیے میں اس کی تلاش...... میں اس کے پیچھے چلا گیا کہ دیکھوں یہ عورت کہاں جاتی ہے

اور کس سے جا کر میرا حال کہتی ہے...... پھر میں نے دیکھا کہ وہ عورت ایک ٹوٹے ہوئے گھر میں گھسی جس میں سے کتنے ہی بچوں کی رونے کی آواز آرہی تھی یہ عورت ان بچوں کی ماں تھی...... ماں کے گھر میں قدم رکھتے ہی بچوں نے بھوک کی شدت سے بلک بلک کر رونا شروع کر دیا۔

اماں ! ہمیں کھانے کو دے، تین دن سے بھوکے پڑے ہیں...... ہمیں کچھ کھانے کو دے...... اس عورت نے بے بسی سے بچوں کو سینے سے چمٹا لیا اور کہا...... بچوں میں ایک یہودی کے گھر گئی تھی مگر مانگتے ہوئے شرم آگئی اس لیے واپس چلی آئی...... بس بچوں صبر کرو اللہ ہی دے گا تمہیں۔

بہرام یہودی نے کہا کہ جس وقت اس عورت اور بچوں کا بھوک کے سبب رونا اور چلانا میں نے سنا تو میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور مجھے اس قدر رونا آیا کہ کچھ ٹھکانا نہیں، میں جلدی سے گھر گیا اور جس قدر کھانا اس وقت میرے گھر میں موجود تھا وہ سب اور اس کے ساتھ کچھ اشرفیاں لے کر میں اس عورت کے گھر پہنچا۔ بچوں کو آواز دے کر وہ کھانا اور اشرفیاں ان کے حوالے کیں اور اپنے گھر چلا آیا...... اے عبداللہ بن مبارکؒ بس یہ ایک عمل تو میں نے کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا...... اے بہرام ! آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجھے سلام فرمایا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرا یہ عمل قبول فرما لیا اور تجھے بخش دیا...... بہرام یہودی نے یہ بات سنتے ہی فوراً کلمۂ طیبہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ (سبحان اللہ)

☆☆☆

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ”سوالی کرنے والے کو محروم نہ لوٹاؤ چاہے تمہیں ایک بکری کا کھر دینا پڑے۔“

سات آدمی ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ عرش کا سایہ عطا فرمائے گا جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا ان میں سے ایک وہ ہے کہ جو صدقہ کرے اور اس کو پوشیدہ رکھے کہ بائیں ہاتھ کو معلوم نہ ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا خیرات کیا ہے۔

بھلائی کے کام برے مقامات سے بچاتے ہیں اور پوشیدہ صدقہ قادرِ مطلق کا غصہ بجھاتا ہے اور صلہ رحمی عمر میں اضافہ کرتی ہے۔

پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ کون سا صدقہ افضل ہے؟

آپؐ نے فرمایا جو پوشیدہ طور پر فقیر کو دیا جائے اور تنگدستی میں مشقت اٹھا کر دیا جائے پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی...... ”اگر تم صدقات کو ظاہر کرو تو یہ بھی بہت بہتر ہے اور اگر انہیں چھپاؤ اور چھپا کر فقیر کو دو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے۔“ (سورۂ بقرہ) جو مسلمان کسی مسلمان کو ننگے بدن ہونے میں کپڑے پہنا دے اللہ تعالیٰ اسے جنت کا سبز لباس پہنائے گا اور جس کسی مسلمان کو بھوک کی حالت میں کھانا کھلائے اللہ تعالیٰ اسے جنت کے پھلوں میں سے کھلائے گا اور جو مسلمان کسی مسلمان کو پیاس کی حالت میں پلائے تو اللہ تعالیٰ اسے خوشبودار مشروب پلائے گا۔

☆ مسکین پر صدقہ ایک صدقہ ہے اور رشتے دار پر دو صدقہ اور صلہ رحمی ہے۔

☆ کون سا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا اس رشتے دار پر جو تیری دشمنی چھپائے ہوئے ہو۔

☆ ہر قرض صدقہ ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے ایک جماعت کے پاس فرمایا...... میں نے معراج کی رات کو جنت کے دروازے پر لکھا ہوا دیکھا کہ صدقے کا اجر دس گنا ہے اور قرض کا اجر اٹھارہ گنا ہے۔

☆ جو تنگدست پر آسانی کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس پر آسانی اور فراخی فرمائے گا۔

☆ کون سا اسلام بہتر ہے؟ فرمایا۔ کھانا کھلاؤ جس کو جانتے ہو یا نہیں اسے سلام کرو......

☆ رحمٰن کی عبادت کرو اور کھانا کھلاؤ اور سلام عام کرو تم جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔

☆ رحمت کے اسباب میں سے ایک مسکین مسلمان کو کھانا کھلانا ہے۔

☆ جس نے اپنے بھائی کو کھلایا حتیٰ کہ وہ سیر ہو گیا اور پانی پلایا حتیٰ کہ وہ سیراب ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اسے آگ سے سات خندق دور کر دے گا...... ہر دو خندقوں کے درمیان پانچ سو برس کی مسافت کا فاصلہ ہے۔

☆☆☆

حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں نے آپ سے پوچھا کہ ”کیا وجہ ہے کہ آپ پانی پر چل سکتے ہیں اور ہم اس سے قاصر ہیں؟“ آپؑ نے فرمایا...... ”تم مال و دولت کو کیسا سمجھتے ہو؟“ انہوں نے کہا۔ ”بہت اچھا......“ آپؑ نے فرمایا...... ”میرے نزدیک مٹی کا ڈھیلا اور رقم دونوں برابر ہیں۔“

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک درہم ہاتھ میں رکھ کر فرمایا...... "جب تک تو مجھ سے جدا نہیں ہو جاتا مجھے کوئی فائدہ نہیں دے گا۔"

حضرت حسنؓ کا ارشاد ہے کہ "جس نے دولت کو عزت دی اللہ نے اسے ذلیل کیا۔" کہا جاتا ہے کہ جب کرکسی (پیسہ) بنتی ہے تو شیطان اسے اٹھا کر ماتھے سے لگا کر چومتا ہے اور کہتا ہے جس نے تجھ سے محبت کی وہ یقیناً میرا بندہ ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذؒ کا قول ہے کہ "مال و زر ایسا بچھو ہے جس کے کاٹے کا منتر نہ آتا ہو تو اسے ہاتھ نہ لگاؤ اگر اس نے تمہیں ڈنگ مار دیا تو اس کا زہر تجھے ہلاک کر دے گا...... پوچھا کہ اس کا منتر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ذرائع حلال سے حلال مال کمانا اور صحیح کام میں خرچ کرنا۔"

روایت ہے کہ محمد بن کعب القرظیؒ کو کہیں سے بہت سی دولت ملی تو لوگوں نے انہیں کہا کہ اس دولت کو آپ اپنی اولاد کے لیے جمع کر دیجیے...... آپ نے فرمایا...... کہ "میں اس دولت کو اپنے اللہ کے ہاں جمع کروں گا اور اپنے رب کو اپنی اولاد کے لیے چھوڑوں گا۔"

ایک بار حضرت بایزید بسطامیؒ کو عبادت میں کچھ لطف نہ آیا...... تو آپ نے خادم کو بلا کر کہا...... دیکھو گھر میں کیا چیز ہے؟ اس نے دیکھا تو ایک انگور کا خوشہ نظر آیا...... تب آپ نے فرمایا۔ "یہ کسی کو دے دو کیونکہ ہمارا گھر بنیے کی دکان نہیں ہے۔" اس کے بعد آپ کو اپنی عبادت میں لطف محسوس ہونے لگا۔

☆☆☆

صدقہ اس وقت کا افضل ہے جب آدمی کو مال کی محبت ہو...... ایک حدیث میں ہے کہ اللہ جل شانہ اس شخص سے سخت ناراض ہوتا ہے جو اپنی زندگی میں تو بخیل ہو اور مرنے کے وقت سخی ہو...... اس لیے جو صدقات میں مرنے کے وقت کا انتظار کرتے ہیں، یہ پسندیدہ چیز نہیں ہے...... اول تو کسی کو اس بات کا علم نہیں کہ کب اور کس طرح اسے موت آ جائے بہت سے عبرت ناک واقعات دیکھنے میں آئے کہ مرنے کے وقت بہت کچھ صدقات کرنے کی امنگیں لوگوں میں تھیں لیکن بیماری نے ایسا گھیرا کہ مہلت ہی نہیں لینے دی۔ کسی پر فالج گر گیا، کسی کی زبان بند ہو گئی، کہیں ورثا اور تیماردار حائل ہو گئے تو بہتر یہ ہے کہ تندرستی کی حالت میں صدقہ کرے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "صدقہ کرنے میں جلدی کیا کرو اس لیے کہ بلا صدقے کو پھلانگ نہیں سکتی۔"

اپنے بیماروں کی صدقے سے دوا کیا کرو...... تجربہ بھی اس کا شاہد ہے کہ صدقے کی کثرت بیماری کی شفا ہے...... صدقہ بیماریوں کو ہٹاتا ہے کثرتِ بیماریوں کو ہٹاتا ہے اور نیکیوں میں اضافہ کرتا ہے اور عمر بڑھاتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا...... "ایک شخص ایک جنگل میں تھا اس نے ایک بادل میں سے یہ آواز سنی کہ فلاں شخص کے باغ کو پانی دے دو...... اس آواز کے بعد وہ فوراً بادل کی سمت چلا کہ جس طرف بادل جا رہا تھا، وہ ایک پتھریلی زمین میں خوب برسا اور وہ سارا پانی ایک نالے میں جمع ہو کر چلنے لگا۔ یہ شخص جس نے آواز سنی تھی اس پانی کے پیچھے چل دیا۔ وہ پانی ایک جگہ پہنچا جہاں ایک شخص بیلچے سے اپنے باغ میں پانی پھیلا رہا تھا۔ اس نے باغ والے سے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ انہوں نے وہی نام بتایا جو اس نے بادل میں سنا تھا پھر باغ والے نے اس سے پوچھا کہ تم نے میرا نام کیوں پوچھا؟ اس شخص نے کہا کہ میں نے اس بادل میں جس کا یہ پانی آ رہا ہے یہ آواز سنی تھی کہ فلاں شخص کے باغ کو پانی دے دو اور تمہارا نام بادل میں سنا تھا...... تم اس باغ میں ایسا کیا کام کرتے ہو جس کی وجہ سے بادل کو یہ حکم ہوا کہ اس کے باغ کو پانی دو......؟

باغ والے نے کہا...... میں اس باغ میں جو کچھ پیدا ہوتا ہے اس کے تین حصے کرتا ہوں۔ ایک حصہ فوراً اللہ کے راستے میں صدقہ کرتا ہوں اور ایک حصے میں، میں اور میرے اہل و عیال کھاتے ہیں اور ایک اسی باغ کی ضروریات میں لگا دیتا ہوں۔" سبحان اللہ...... کس قدر برکت ہے اللہ کے نام پر خرچ کرنے کی...... کہ پردۂ غیب سے ان کے باغ کی پرورش کے سامان ہوتے ہیں۔

ان میں ایک بہترین سبق یہ ہے کہ آدمی اپنی آمدنی کا کچھ حصہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے لیے متعین کرے کہ یہ بے حد مفید ہے کیونکہ آدمی جب طے کر لیتا ہے کہ اتنی مقدار اللہ کے راستے میں خرچ کرنی ہے تو پھر خیر کے مصارف اور خرچ کرنے کے مواقع بہت ملتے رہتے ہیں۔ اگر مہینے کے شروع ہی میں تنخواہ ملنے پر ایک حصہ علیحدہ کر کے رکھ دیا جائے یا روزانہ تجارت کی آمدنی میں سے

صندوقچی کا ایک حصہ علیحدہ کر کے اس میں معینہ مقدار ڈال دی جائے کہ یہ صرف اللہ کے راستے میں خرچ کرنا ہے تو پھر خرچ کے وقت دل میں تنگی نہیں ہوتی کہ اس کو تو بہر حال وہ مقدار خرچ کرنا ہی ہے...... بڑا مجرب نسخہ ہے جس کا دل چاہے تجربہ کرے۔

☆☆☆

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک فاحشہ عورت کی اتنی بات پر بخشش کر دی گئی کہ وہ جا رہی تھی اس نے دیکھا کہ ایک کنویں کے قریب ایک کتا کھڑا ہے جس کی زبان پیاس کی شدت سے باہر نکلی پڑی ہے اور وہ مرنے کو ہے اس عورت نے اپنے پاؤں کا (چمڑے) کا موزہ نکالا اور اس کو اپنی اوڑھنی میں باندھ کر کنویں سے پانی نکالا اور اس کتے کو پلایا...... تب نبی کریمؐ سے کسی نے پوچھا...... کیا ہم لوگوں کو جانوروں کے صلے میں بھی ثواب ملتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا...... ہر جگر رکھنے والے (یعنی جانداروں پر) احسان کرنے پر ثواب ہے۔" (مسلمان ہو یا کافر یا جانور ہو) کتے جیسے جانور کے ساتھ سلوک پر اس قدر ثواب ہے تو پھر آدمی تو اشرف المخلوقات ہے...... اس کی مدد پر اس قدر اجر و ثواب ہوگا۔

ایک حدیث میں ہے کہ مخلوق ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کی عیال ہے پس اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کی عیال کو نفع پہنچانے والا ہے۔

اعمالِ صالح صدقہ ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ہر بھلائی صدقہ ہے اور اس میں یہ بھی داخل ہے کہ تو اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ کسی کو نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا بھی صدقہ ہے۔ کسی بھولے ہوئے کو راستہ بتانا بھی صدقہ ہے۔ راستے سے پتھر، کانٹے وغیرہ یا تکلیف وہ چیز کا ہٹانا بھی صدقہ ہے۔ اپنے ڈول میں سے کسی کے برتن میں پانی ڈالنا بھی صدقہ ہے۔ حتیٰ کہ نرم دلی سے اور مسکرا کر کسی بھی پریشان حال کو تسلی دینا بھی صدقہ ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس گھر سے لوگوں کو کھانا کھلایا جاتا ہو خیر اس گھر کی طرف ایسے بڑھتی ہے جس تیزی سے چھری...... اونٹ کی کوہان میں چلتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ کہاں ہیں وہ لوگ جنہوں نے فقیروں اور مسکینوں کا اکرام کیا کہ آج تم جنت میں ایسے داخل ہو جاؤ کہ تم پر نہ کسی قسم کا خوف ہے اور نہ تم غمگین ہو...... اور ایک اعلان ہوگا کہ کہاں ہیں وہ لوگ جنہوں نے بیمار، فقیروں اور غریبوں کی عیادت کی کہ آج وہ نور کے منبروں پر بیٹھیں اور اللہ جل شانہ سے باتیں کریں اور دوسرے لوگ حساب کی سختی میں مبتلا ہوں گے۔

بھوکے کو کھانا کھلانے سے زیادہ افضل کوئی صدقہ نہیں......

اللہ جل شانہ کے نزدیک سب اعمال سے زیادہ محبوب کسی مسلمان کو خوش کرنا ہے یا اس پر سے غم کا ہٹانا ہے یا اس کا قرض ادا کر دینا ہے یا بھوک کی حالت میں اس کو کھانا کھلانا ہے۔ یعنی یہ سب اعمال زیادہ پسندیدہ ہیں ہم آپ سے جو بھی ہو سکے۔

حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا۔ "خوب خرچ کیا کر اور شمار نہ کر اگر ایسا کرے گی تو اللہ جل شانہ بھی تجھ پر شمار کرے گا اور محفوظ کر کے نہ رکھ اور اگر ایسا کرے گی تو اللہ جل شانہ تجھ پر محفوظ کر کے رکھے گا۔ (یعنی کم عطا کرے گا) عطا کر جتنا بھی تجھ سے ہو سکے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا...... "دو آدمی قابلِ رشک ہیں ایک وہ شخص جس کو اللہ نے قرآن کی دولت عطا کی اور وہ دن رات اس میں مصروف رہتا ہو اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے مال دے رکھا ہو اور وہ اسے اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہو۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جب بھی کوئی سوال کیا گیا تو آپ نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ "نہیں" بلکہ ہمیشہ عطا فرماتے......

ارشادِ نبویؐ ہے کہ "جس نے اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کیا اس کا ثواب سات سو گنا لکھا جائے گا۔"

حضرت بہیسہؓ فرماتی ہیں کہ میرے والد صاحب نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ وہ کیا چیز ہے جس کا کسی مانگنے والے کو دینے سے روکنا جائز نہیں؟ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا...... "پانی......" والد نے پھر بھی سوال دُہرایا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "نمک" انہوں نے پھر بھی سوال کیا تو فرمایا...... "جو بھلائی تو کسی کے ساتھ کر سکے وہ تیرے لیے بہتر ہے۔"

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا...... "تین چیزوں کا روکنا جائز نہیں...... پانی، نمک اور آگ......" میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانی کو ہم سمجھ گئے کہ واقعی بہت مجبوری کی چیز

ہے لیکن نمک اور آگ میں کیا بات ہے؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا...... "اے حمیرا جب کوئی شخص کسی کو آگ دیتا ہے تو گویا اس نے وہ ساری چیز صدقہ کی جو آگ پر پکی...... اور جس نے نمک دیا اس نے گویا وہ ساری چیز صدقہ کی جو نمک کی وجہ سے لذیذ ہو گئیں...... گویا ان دونوں معمولی خرچ سے دوسرے کا بہت زیادہ نفع ہے تو جو کچھ تم اللہ کے راستے میں خرچ کرو گے تو اللہ جل شانہ اس کا بدلہ عطا فرمائے گا۔"

حضرت سعدؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری والدہ کا انتقال ہو گیا۔ ان کے ایصال ثواب کے لیے کون سا صدقہ زیادہ افضل ہے...... حضور اقدسؐ نے فرمایا "پانی سب سے افضل ہے۔" اس پر حضرت سعدؓ نے اپنی والدہ کے ایصال ثواب کے لیے ایک کنواں کھدوایا۔

جو انسان پانی کا سلسلہ جاری کر جائے تو جو انسان یا پرند بھی اس سے پانی پیے گا تو مرنے والے کو قیامت تک اس کا ثواب ملتا رہے گا۔ سبحان اللہ......!

☆☆☆

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے پاس ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی کہ میرے گھٹنے میں ایک زخم ہے سات برس ہو گئے ہر قسم کی دوا اور علاج کر چکا ہوں کسی سے بھی فائدہ نہیں ہوتا۔ آپؒ نے فرمایا...... "جس جگہ پانی کی قلت ہو وہاں ایک کنواں بنواؤ مجھے اللہ کی ذات سے امید ہے کہ جب اس میں پانی نکل آئے گا تمہارے گھٹنے کا خون بند ہو جائے گا......" چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور گھٹنے کا زخم اچھا ہو گیا۔ سبحان اللہ......

مشہور محدث حضرت عبداللہ حاکمؒ کے چہرے پر ایک زخم ہو گیا تھا ہر قسم کے علاج کیے مگر کوئی کارگر نہ ہوا...... ایک سال اسی میں گزر گیا ایک مرتبہ استاد ابو عثمان سے دعا کی درخواست کی۔ جمعہ کا دن تھا انہوں نے بڑی دیر تک دعا کی مجمع نے آمین کہی...... دوسرے جمعہ کو ایک عورت حاضر ہوئی اور ایک پرچہ مجلس میں پیش کیا جس میں لکھا تھا کہ جب گزشتہ جمعہ کو میں گھر واپس گئی تو حاکم کے لیے بہت اہتمام سے دعا کرتی رہی...... میں نے خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی...... آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا...... کہ "حاکم سے کہہ دو کہ مسلمانوں پر پانی کی وسعت کرے......" حاکم نے یہ بات سن کر اپنے گھر کے دروازے پر ایک سبیل قائم کر دی جس میں پانی کے بھرنے کا اور اس میں برف ڈالنے کا اہتمام کیا، ایک ہفتہ گزرا تھا کہ چہرے کے سارے زخم بالکل اچھے ہو گئے اور چہرہ پہلے سے زیادہ خوشنما ہو گیا۔

حضرت سعدیؒ کہتے ہیں کہ آخرت کی جستجو کرنے کا مطلب یہ ہے کہ صدقہ کر کے اللہ جل شانہ کا قرب حاصل کر۔

آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا...... میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا دونوں جنت میں ایک دوسرے کے اس طرح قریب ہوں گے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی بلند کر کے اشارہ فرمایا۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ بقدرِ ضرورت اپنے لیے روک کر باقی زائد کا خرچ کر دینا اور آگے بھیج دینا یہ دنیا میں سے اپنا حصہ ہے۔

اللہ جل شانہ اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات بڑے غور اور اہتمام سے عمل کرنے کی چیزیں ہیں۔ دنیا کی زندگی کو جو بالکل خواب کی مثال ہے بہت اہتمام سے آخرت کی تیاری کے لیے غنیمت سمجھو اور جو کمایا جا سکے کما لے...... ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی غرض ہماری خیرات اور صدقات کے ساتھ وابستہ نہیں ہے...... اس نے جس قدر ترغیبات اپنے پاک کلام اور اپنے پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے فرمائی ہیں وہ ہمارے ہی نفع کے لیے ہیں...... جب ایک حاکم، خالق، مالک کسی شخص کو ایسے کام کا حکم دے جس سے حکم دینے والے کا کوئی فائدہ نہیں ہو بلکہ جس کو حکم دیا ہے اس کا نفع ہو اور پھر وہ حکم عدولی کرے تو یقیناً اس خطا کا جتنا بھی خمیازہ بھگتے وہ ظاہر ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت سے لوگوں کو نعمتیں اس لیے دیتا ہے کہ وہ لوگوں کو نفع پہنچائیں جب تک وہ لوگ ایسا کرتے ہیں نعمتیں ان کے پاس رہتی ہیں اور جب وہ اس سے روگردانی کرنے لگتے ہیں تو یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ ان سے چھین کر دوسروں کو منتقل کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم اپنے پروردگار کے حکم پر عمل کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ مال اللہ کی راہ میں خرچ کریں اور اس عمل میں اخلاص ہو ریاکاری نہ ہو۔ آمین......

نوٹ: اس مضمون کی تیاری میں جن قابلِ احترام ہستیوں کی کتب سے مضامین کا استفادہ کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین۔



پاکیزہ کے مہمان

شائستہ زریں





باوقار، خوش اخلاق اور
باغ و بہار سماجی و ثقافتی شخصیت

جہاں آرا حئی

سے خوب صورت گفتگو......

صحنِ چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا
آپ آگئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے

عزیز قارئین! جگر صاحب نے جانے کس کی شان میں یہ شعر کہا تھا لیکن ہماری پاکیزہ کی آج کی مہمان پر یہ شعر صد فی صد صادق آتا ہے۔ بہاروں پر اپنا تسلط جمانے والی باغ و بہار شخصیت جہاں آراء آپا سے پہلی ٹیلی فونک ملاقات سے تاحال آپ کے بارے میں ایک ہی تاثر قائم ہے محسن بھوپالی صاحب کے اس شعر کی

صورت کہ

گلوں کے کھلنے پہ ہی منحصر نہیں محسن
ملے وہ جس میں وہی ہے بہار کا موسم

بہاروں کی نوید دیتی یہ دلنواز، پُربہار، بناوٹ سے پاک، شفاف اور عمدہ فکر و عمل کی حامل، اپنے رویوں میں بے حد شائستہ، با اخلاق، پیکرِ اخلاص، متحمل مزاج، منکسر المزاج، شگفتہ مزاج ہستی ہماری جہاں آراء آپا ہیں جو ثقافتی اور سماجی حلقوں میں یکساں مقبول ہیں۔ یہ ریڈیو، ٹی وی کی مقبول فنکارہ تو ہیں ہی اس کے علاوہ آپا بہت ہر دلعزیز شخصیت بھی ہیں آئیے آپ بھی پاکیزہ کی ہمہ جہت مہمان سے ملاقات کیجیے۔

پاکیزہ ✧......آپ کی کوثر و تسنیم میں دھلی زبان کا راز کیا ہے؟

جہاں آراء حئی ✧......گھر میں یہی زبان بولی جاتی تھی سو ہم نے بھی سیکھ لی۔ بچپن ہی سے یہ عادت رہی کہ کوئی بھی نیا لفظ سنا تو فوراً لغت میں سے اس کا مطلب دیکھ لیا۔ یوں ایک لفظ کے کئی، کئی معنی بھی معلوم ہو جاتے اور درست تلفظ بھی سیکھ لیا۔ ابھی کل ہی کی بات ہے شوٹ کے دوران ایک عام سا لفظ تھا جو ایک بچی سے ادا ہی نہیں ہو پا رہا تھا میں نے اس کا متبادل سہل لفظ اسے بتایا تو وہ خوش ہو گئی اور حیران بھی کہ جو لفظ اسے بہت مشکل لگ رہا تھا اسی مفہوم کا ایک آسان لفظ معلوم ہو گیا اور ادائیگی بھی سہولت سے ہو گئی۔ میں ڈائریکٹر سے بھی کہتی ہوں۔ ٹی وی پر صحیح اردو بولنی چاہیے تاکہ دیکھنے والوں خصوصاً نئی نسل پر اس کے مثبت اثرات نظر آئیں۔

پاکیزہ ✧......آپ کی اصلاحِ زبان کا کسی نے کبھی برا تو نہیں مانا؟

جہاں آراء حئی ✧......کبھی نہیں بلکہ ایک صاحب نے تو یہ تک پوچھ لیا کہ کیا آپ یونیورسٹی کی ڈین ہیں؟ میں نے کہا کہ کوشش کرتی ہوں کہ صحیح لفظ بولنے کی ترغیب دوں۔

پاکیزہ ✧......زمانہ طالب علمی نصابی و غیر نصابی سرگرمیوں کے حوالے سے کتنا فعال رہا؟ اور اس ضمن میں آپ کے والدین نے کتنا تعاون کیا؟

جہاں آراء حئی ✧......پہلے میں تمہارے سوال کے دوسرے حصے کا جواب دوں گی کہ والدین نے بھرپور تعاون کیا۔ اتنا کہ بے انتہا حوصلہ افزائی کر کے ہماری صلاحیتوں کو خوب ابھارا یہی وجہ تھی کہ اسکول و کالج میں ہونے والے تمام فنکشنز میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا بالخصوص ڈراموں میں...... اسکول براڈ کاسٹ اور پھر بزمِ طلبا میں خوب، خوب شرکت رہتی۔

پاکیزہ ✧......زمانہ طالب علمی کے بعد پھر کبھی ریڈیو کا رخ کیا؟

جہاں آراء حئی ✧......ان دنوں میرا بچہ بہت چھوٹا تھا۔ اپوا کے ایک میلے میں ریڈیو پاکستان سے جمیل زبیری صاحب تاثرات ریکارڈ کر رہے تھے۔ وہ میری اردو سے بہت متاثر ہوئے۔ مجھے ریڈیو پاکستان بلایا نشریات کا ایک امتحان لیا اور ورلڈ سروس کا ایک گھنٹے کا پروگرام میں نے کیا، ایک سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ دنیا بھر سے خطوط آتے تھے، بڑا لطف آتا تھا۔ اس کے کئی برس بعد ایف ایم 101 کراچی کی اس وقت کی سینئر پروڈیوسر ربیعہ اکرم کے ساتھ ایک پروگرام کیا۔ میں ان ہنر مند خواتین کے انٹرویوز کرتی تھی جو گھر بیٹھے اپنے ہنر سے آمدنی حاصل کرتی ہیں اور ان تمام خواتین سے مل کر مجھے یقین آ گیا کہ اگر خواتین چاہیں تو گھر بیٹھے اپنے ہنر کے ذریعے اپنے معاشی حالات درست کر سکتی ہیں اس میں کوئی عار نہیں کہ یہ مہنگائی کا دور ہے۔

پاکیزہ ✧......اس ضمن میں آپ پاکیزہ کی قاری بہنوں کی رہنمائی کیجیے کہ یہ کیسے ممکن ہے؟

جہاں آراء حئی ✧......اس کے لیے سب سے پہلے تو آپ کو اپنی صلاحیتوں کو پہچاننا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو کوئی نہ کوئی ہنر عطا فرمایا ہے سو آپ بھی اپنا ہنر پہچان کر اسے استعمال کریں کہ یہی ہنر آپ کی شناخت بن جائے گا۔ اگر آپ نے بیوٹیشن کورس کیا ہوا ہے تو اپنے گھر کے ایک کمرے میں بیوٹی پارلر کھول

لیں۔خواتین کی آرائش وزیبائش کے ساتھ، ساتھ سیکھنے کی آرزومند لڑکیوں کو تربیت بھی دیں۔اسی طرح سلائی کڑھائی اور دیگر امور میں مہارت رکھنے والی خواتین بھی کر سکتی ہیں۔ یوں تو قرآن حکیم کی تدریس کو کمائی کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیے۔ لیکن اگر کوئی خاتون بہت ضرورت مند ہیں تو باعزت زندگی بسر کرنے کے لیے اپنے گھر میں قرآن حکیم کی تعلیم دے کر ہدیہ لے سکتی ہیں۔ کھانا پکانے کی ماہر خواتین کوئی بھی خوش ذائقہ پکوان بنائیں اور گھر کے مردوں کو اپنے ساتھ ضرور شامل کریں کہ وہ آپ کے ہنر کی تشہیر کریں اور اسکول و کالج کی کینٹین میں فروخت کے لیے رکھوائیں۔اسی طرح اچار چٹنی بنا کر دکانوں میں رکھوائیں۔ مہنگائی کے اس دور میں آپ اپنے خداداد ہنر کی بدولت گھر بیٹھے اپنے معاشی مسائل حل کر سکتی ہیں اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔

پاکیزہ✧......اور اب ہم آپ کے ہنر کی جانب بڑھتے ہیں یہ بتائیں کہ آپ نے ماڈلنگ کی اور وہ بھی اس دور میں جب معزز گھرانوں میں اسے معیوب سمجھا جاتا تھا اور ایک معزز گھرانے کی خاتون نے یہ کمال کر ڈالا......مگر کیسے؟

جہاں آراء حئی✧......طارق روڈ میں بچوں کے کپڑوں کی ایک بہت بڑی دکان تھی۔جس کا تمام اسٹاف خواتین پر مشتمل تھا۔ایک دن میں وہاں گئی اور جب بچوں کے کپڑے خرید کر نکلنے لگی تو ان کی منیجر نے کہا کہ ہماری باس آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔جانے کس روزن سے انہوں نے مجھے دیکھ لیا تھا۔بہر حال جب میں اندر گئی تو انہوں نے کہا کہ ''ایک فیشن شو کر رہی ہوں اور مجھے ساڑی کی ماڈلنگ کے لیے ماڈل کی ضرورت ہے اور اس میں ہمیں آپ سے بہتر کوئی نظر نہ آیا۔'' یہ ان کا کہنا تھا میں نہیں کہہ رہی۔'' (جہاں آرا آپا نے پُرزور ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔ ویسے ہماری انجم باجی مدیرہ پاکیزہ کہتی ہیں کہ جس طرح جہاں آراء حئی کی بات چیت میں ایک قرینہ نظر آتا ہے۔جو رکھ رکھاؤ، سادگی اور شائستگی ان کی شخصیت کا خاصہ ہے وہی قرینہ ان کے لباس میں بھی دکھائی دیتا ہے بالخصوص ساڑی کو آپ نے وقار عطا کر دیا) بہر حال میں نے اپنے شوہر فاروق سے اجازت طلب کی جو انہوں نے بخوشی دے دی اور ہم نے ماڈلنگ کا آغاز کر دیا۔

پاکیزہ✧......اس وقت کی اور آج کی ماڈلنگ میں کیا فرق ہے؟

جہاں آراء حئی✧......جب ماڈلنگ سادگی میں ہوتی تھی، خواتین چھوٹے، چھوٹے فیشن شوز کا انعقاد کرتی تھیں۔آج یہ کام اعلیٰ پیمانے پر ہو رہا ہے۔کل کی بہ نسبت فیشن بدل گیا ہے۔سادگی کی جگہ گلیمر نے لے لی۔مکمل طور پر مختلف ماحول ہے۔

پاکیزہ✧......اشتہار کی دنیا میں آمد کیسے ہوئی؟

جہاں آراء حئی✧......جاوید جبار کی اشتہاری کمپنی MNJ کی جانب سے طاہر لے خان صاحب نے کمرشل کرنے کو کہا تو ہم نے حسبِ عادت فاروق کو بتایا تو آپ نے خوشی کا اظہار کیا۔یوں ہم نے اشتہارات کی دنیا میں قدم رنجہ فرمایا(شرارتی ہنسی)

پاکیزہ✧......پہلا اشتہار کون سا تھا؟

جہاں آراء حئی✧......پکی پکائی تازہ روٹی کا تھا اور اس کے چھ سات مختلف اشتہار بنے تھے اور ہم ہر اشتہار میں تھے۔

پاکیزہ✧......پہلے ماڈلنگ پھر کمرشل، کسی نے خاندان میں اعتراض کیا، دستور کے مطابق؟

جہاں آراء حئی✧......بری بھلی کہنے والے تو ہر جگہ ہوتے ہیں کسی نے ہماری اماں جی (ساس) سے خاص لہجے میں کہا۔سنا ہے آپ کی بہوٹی وی پر آرہی ہے؟ اماں جی نے ان کا لہجہ اور نیت محسوس کرتے ہوئے نہایت خوش دلی سے کہا کہ ''کتنی خوب صورت نظر آرہی ہے ناں!'' اماں جی کے مثبت طرز عمل پر خاتون اپنا سا منہ لے کر رہ گئیں اماں جی کی طرح سسرال کا ہر شخص جب بھی میری ڈھال تھا اور اب بھی ہے۔

پاکیزہ✧......زمانہ طالب علمی میں آپ کی خیر



نصابی سرگرمیوں کا ایک جز ڈراما بھی تھا جو آپ اپنی خوشی سے کرتی تھیں لیکن ٹی وی ڈراما کس کی خواہش پر کیا؟

جہاں آراء حئی ✧......بجیا سے ہمارے دیرینہ خاندانی مراسم تھے۔ ان دنوں بجیا کی نامور مسلمان خواتین کے کارناموں پر مبنی ڈراما سیریز آئینے ٹی وی پر دکھائی جا رہی تھی تب ایک دن بجیا نے فون کر کے حکم دیا کہ فوراً ٹی وی اسٹیشن چلی آؤ۔ بجیا کو اسپین کی ملکہ کے کردار کے لیے کسی خاتون کی تلاش تھی۔ جانے کیسے بجیا کی نگہ انتخاب ہم پر پڑ گئی۔ ہم نے پس و پیش سے کام لیا لیکن بجیا کی محبت آمیز ڈانٹ کے آگے ہماری ایک نہ چلی اور بجیا نے ہمیں راضی کر لیا۔ فاروق نے تو کبھی کوئی اعتراض ہی نہیں کیا۔ یوں بجیا کی بدولت ٹی وی اسکرین پر ہم اسپین کی ملکہ بن کر چھا گئے۔ ہمارے کردار کو لوگوں نے بہت سراہا۔ گھر والوں نے خوب تعریف کی۔ بجیا نے بہت داد دی بلکہ بجیا تو ہمیشہ یہی کہتی تھیں کہ اپنے ڈراموں میں بعض کردار میں نے تمہیں سوچ کر لکھے۔ یہ بجیا کی بڑائی اور محبت تھی۔

پاکیزہ ✧......ٹی وی کے ناظرین پر اپنی دھاک بٹھانے والی اسپین کی ملکہ عرصہ دراز تک اسکرین سے کہاں غائب رہیں؟

جہاں آراء حئی ✧......اس وقت میرے بچے بہت چھوٹے تھے اور ٹی وی بہت زیادہ وقت مانگتا ہے۔ بچے نظر انداز ہوں یہ مجھے کسی صورت گوارا نہ تھا۔ کئی برس بعد شہزاد خلیل مرحوم نے اپنی ڈراما سیریل سایہ میں مجھے بہت اہم کردار دیا یہ ان کی آخری اور میری پہلی ڈراما سیریل تھی۔ میں نے اس ڈرامے میں ایک ذہنی معذور بیٹی کی ماں کا کردار ادا کیا تھا جو حد درجہ وہمی تھی کہ پلنگ پر ایک خاص چھوٹی سی چادر بچھا کر بیٹھتی تھی۔ ایک خاص کٹورے میں پانی پیتی تھی۔ دوپٹے کی مدد سے دروازہ کھولتی تھی۔ غرض یہ کہ اسے صفائی کا مراق تھا۔

پاکیزہ ✧......مجھے بخوبی یاد ہے یہ ایک مشکل کردار تھا جسے آپ نے بڑے سلیقے سے نبھایا۔ اس کردار کی کامیابی کیسے ممکن ہوئی؟

جہاں آراء حئی ✧......ایک ایسی ہی وہمی خاتون مجھے یاد تھیں، اس کے علاوہ میں نے تھوڑی بہت ریسرچ کر کے یہ کردار کیا اور بے انتہا پسند کیا گیا۔ اسے نگار ایوارڈ بھی ملا۔ ایک مرتبہ میں پشاور گئی تو ایک بچے نے کہا۔ کہ ہم آپ کا ڈراما بہت شوق سے دیکھتے ہیں کہ ہماری اماں ٹی وی پر آ گئیں۔ کیونکہ وہ بالکل آپ کے کردار کی طرح ہی ہیں۔

پاکیزہ ✧......حقیقی زندگی میں کتنی توہم پرست ہیں؟

جہاں آراء حئی ✧......توبہ کرو دور، دور تک بھی میری واہموں سے کوئی وابستگی نہیں۔ اللہ کا بڑا کرم ہے۔

پاکیزہ ✧......گھر ایک نگر کو غیر معمولی مقبولیت اور شہرت ملی۔ آپ کے کردار کے اثرات ناظرین پر کیسے اثر انداز ہوئے؟

جہاں آراء حئی ✧......نہایت مثبت۔ میرا مرکزی کردار تھا۔ وہ حقیقت میں گھر، گھر کی کہانی تھی۔ ایک

سمجھدار عورت کیسے گھر کو جوڑ کر رکھتی ہے۔ میرے کردار سے واضح تھا۔ میں ایک جگہ شادی میں گئی ایک ادھیڑ عمر کے صاحب کھانا نکال کر میری پلیٹ میں ڈال رہے تھے۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا تو انہوں نے کہا کہ میرے گھر میں تین حافظِ قرآن ہیں۔ آپ نے ایسا زبردست کردار ادا کیا کہ ہمارے گھر کا ماحول ہی بدل گیا۔ اسی طرح ایک نوجوان مجھ سے ملے تو ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے، کہنے لگے، میری اماں اور بیوی میں ہر وقت جھک، جھک رہتی ہے۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ تم لوگ اس طرح نہیں رہ سکتیں؟ کافی عرصے بعد میری ان سے ملاقات ہوئی اس وقت تک ان کا بچہ کالج میں جا چکا تھا، وہ بہت خوش تھے کہ آپ کی وجہ سے میرا گھر ٹوٹنے سے بچ گیا۔

پاکیزہ ✧...... آپ ترجیحاً کیسے کردار کرنا پسند کرتی ہیں؟

جہاں آراء حئی ✧...... جب مجھے کسی ڈرامے کے لیے کہا جاتا ہے تو میں اپنا کردار ضرور معلوم کرتی ہوں کہ کیسا ہے؟ اور میری ترجیح ہمیشہ مثبت کردار ہے۔ دو ایک منفی کردار بھی کیے مثلاً ایک ڈرامے میں نکتہ چیں ساس کا کردار ادا کیا لیکن وہ بھی کلی طور پر منفی نہ تھا، نکتہ چینی بھی اصلاح کی غرض سے کی جاتی تھی۔ گویا آدھا تیتر آدھا بٹیر قسم کا تھا۔

پاکیزہ ✧...... فنِ اداکاری میں کامیابی کیسے ممکن ہے؟

جہاں آراء حئی ✧...... اس کے لیے میں محض یہ کہوں گی کہ اداکاری مت کرو اپنے کردار کو سمجھو اور ادا کرو۔

پاکیزہ ✧...... نئی ڈراما آرٹسٹ لڑکیوں کی رہنمائی کے لیے کیا کہیں گی؟

جہاں آراء حئی ✧...... اپنے کام کو سنجیدگی سے لو، اپنے سینئرز سے ایسے سیکھو جیسے کسی ادارے سے سیکھ رہی ہو کہ وہ اپنے کام میں مشاق ہونے کی وجہ سے اپنی ذات میں ایک تربیتی ادارہ ہیں۔ اگر اداکاری کے جراثیم ہیں تو ان کو پروان چڑھاؤ لیکن مسلسل محنت اور لگن سے کہ اسی میں تمہاری جیت ہے۔

پاکیزہ ✧...... سماجی کاموں کا خیال کیسے آیا؟

جہاں آراء حئی ✧...... خیال آنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ گھر کا ماحول ہی سماجی کاموں سے بھرا پڑا تھا اور میں اسی فضا میں پروان چڑھی۔ ابا جان اور امی دونوں ہی اعزازی سماجی کارکن تھے۔ ابا جان ڈاکٹر خورشید رفیق الدین ماہرِ تپ دق تھے۔ آپ نے کراچی میں "پیشنٹس ٹیوبک ایسوسی ایشن" کی بنیاد رکھی۔ جب تک ابا جان حیات رہے تنظیم چلتی رہی پھر مالی مشکلات کا شکار ہوگئی۔ امی، بیگم خورشید، اپوا (APWA) یعنی آل پاکستان ویمن ایسوسی ایشن کی بانی ممبران میں شامل تھیں اور بیگم رعنا لیاقت علی خان کی رفیقہ کار تھیں۔

پاکیزہ ✧...... شادی کے بعد آپ اپوا سے وابستہ ہوئی تھیں؟

جہاں آراء حئی ✧...... شادی سے پہلے کی بات ہے۔ زمانہ طالب علمی میں اپوا کے یوتھ سیکشن کی سیکریٹری تھی، ریڈیو پاکستان کراچی سے ایک پروگرام "اپوا میگزین" کے نام سے نشر ہوتا تھا۔ نیلوفر عباسی کی والدہ نون خاتون اس کا اسکرپٹ لکھا کرتی تھیں۔ میں اس پروگرام میں خبریں پڑھتی تھی اور انٹرویو بھی کیا کرتی تھی۔ پھر شادی ہوگئی تو دس سال ملک سے باہر رہی واپس آئی تو دوبارہ اپوا سے منسلک ہوگئی۔

پاکیزہ ✧...... اپوا میں کس نوعیت کی ذمہ داریاں تھیں؟

جہاں آراء حئی ✧...... اپوا کے کچھ انڈسٹریل ہوم تھے۔ میں پی آئی بی کالونی کے انڈسٹریل ہوم کی انچارج تھی۔ تب میں نے لڑکیوں کے لیے میلے لگوائے، پکوان کے مقابلے کروائے۔ اس کے بعد اپوا انٹرنیشنل افیئر کی چیئر پرسن ہوگئی بعد میں تعلیم کے شعبے کی نائب صدر منتخب ہوگئی۔

پاکیزہ ✧...... اپوا کے حوالے سے آپ کی سرگرمیاں پاکستان تک محدود رہیں یا اس ضمن میں بیرونِ ملک جانے کا بھی اتفاق ہوا؟

جہاں آراء حئی ✧...... گرل چائلڈ کے سلسلے میں چائنا میں منعقدہ کانفرنس میں شریک ہوئی۔ اس کے علاوہ

اپوا کے حوالے سے انڈونیشیا اور دیگر ممالک میں اپوا کی نمائندگی کی۔

پاکیزہ✧...... اپوا میں کام کے دوران تربیتی کورسز کیے؟

جہاں آراء حئی ✧......جی جناب! بالکل کیے، سماجی امور سے متعلق مینجمنٹ کے چند کورسز کیے۔ ان کورسز کا اعلان مقامی یا بین الاقوامی یونیورسٹیز سے کیا جاتا تھا۔

پاکیزہ✧......اپوا کا خاص امتیاز آپ کی نظر میں؟

جہاں آراء حئی ✧...... یہ خواتین کی وہ پہلی تنظیم ہے۔ جس نے قیام پاکستان کے فوری بعد ہی خواتین کی فلاح و بہبود کے لیے کام کیا اور تا حال... سرگرم عمل ہے۔ غریب اور مستحق خواتین کی آبادکاری میں اہم کردار ادا کیا۔ اقوام متحدہ سماجی و فلاحی کام کرنے والی بین الاقوامی تنظیموں کو بی کیٹیگری میں رکھتا ہے۔ بلاشبہ یہ اپوا کا امتیاز ہے کہ دنیا بھر میں واحد تنظیم ہے جسے صرف ملکی تنظیم ہونے کے باوجود اقوام متحدہ نے بی کیٹیگری میں رکھا۔ اسی سے اندازہ لگا لیجیے کہ اپوا کتنا فعال ادارہ ہے۔ اپوا سے اپنی وابستگی پر مجھے فخر ہے۔

پاکیزہ✧......بیگم رعنا لیاقت علی خان نے کبھی اپوا کے حوالے سے آپ کی حوصلہ افزائی کی؟

جہاں آراء حئی ✧......جب بھی ہم کسی کانفرنس سے واپس آتے تو فوراً ہمیں بلوا بھیجتیں، ہم جاتے تو وہاں کا حال احوال دریافت کرتیں اور یہ ہمارے لیے بڑا اعزاز ہے کہ وہ ہمیں اس قابل سمجھتی تھیں، آپ کو ہمارے کام پر بھروسا تھا۔ آپ کی ہمت افزائی نے ہمارے اندر کام کی تحریک کو بڑھایا۔ ان کا پیغام یونیورسل پیغام تھا۔

پاکیزہ✧...... ابھی آپ نے فرمایا کہ ان کا پیغام ”یونیورسل پیغام تھا“ وہ پیغام کیا تھا بھلا؟

جہاں آراء حئی ✧......عورت کی ترقی اور اس کے لیے خصوصی اہمیت دراصل خود انحصاری، تعلیم، تربیت اور صحت کو دینی چاہیے۔

پاکیزہ✧...... بیگم رعنا لیاقت علی خان کی شخصیت کے کس پہلو نے آپ کو متاثر کیا؟

جہاں آراء حئی ✧......ان کا ہر انداز دل میں گھر کرنے والا تھا، نہایت سادگی پسند، سادہ مزاج، بااصول، وقت کی پابند، کفایت شعار چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے والی خاتون تھیں۔ فضول خرچی نہ اپنی ذاتی زندگی میں کرتی تھیں اور نہ ہی اپوا کی میٹنگز میں۔ ہمیشہ لائٹ ریفریشمنٹ کی ترغیب دیتیں۔

پاکیزہ✧......اچھی اور کامیاب سماجی کارکن کی پہچان آپ کی نظر میں؟

جہاں آراء حئی ✧......جو بھی کام کریں صلے اور ستائش کی تمنا سے بے نیاز ہو کر کریں ورنہ آپ ”سماجی“ نہیں ”پرسنل“ کارکن ہوں گی۔ اس کے ساتھ ساتھ لگن بہت ضروری ہے۔

پاکیزہ✧......ثقافتی و سماجی زندگی کی باتیں تو بہت ہو گئیں کیوں نہ آپ کی نجی زندگی کے حوالے سے بھی گفتگو ہو جائے؟

جہاں آراء حئی ✧......بصد شوق کرو۔ اپنی صحافتی ذمے داری پوری طرح نبھاؤ۔ ہم بھی تیار بیٹھے ہیں۔ کہاں سے شروع کرو گی بات! (شرارتی لہجہ)

پاکیزہ✧......شادی سے پہلے شریک حیات کے لیے کوئی خیالی پیکر تراشا؟

جہاں آراء حئی ✧......ارے نہیں بھئی، ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ بس ایک خواہش تھی کہ میرا ہمسفر خوش شکل ہو۔ اللہ نے کرم فرمایا فاروق بہت خوش شکل تھے۔

پاکیزہ✧......شادی سے پہلے ملاقات ہوئی؟

جہاں آراء حئی ✧......بالکل ہوئی اور ہماری خواہش پر ہوئی۔ میں نے کہہ دیا تھا کہ جب بھی میرا رشتہ آئے گا میں خود مل کر فیصلہ کروں گی۔ اماں ہماری بہت روشن خیال تھیں انہیں کوئی اعتراض نہ تھا جب فاروق کا رشتہ آیا یہ اس وقت سلہٹ میں چائے کے باغات کی کمپنی میں ڈائریکٹر اور گارڈن کے منیجر تھے۔ ہر لحاظ سے گھر



جہاں آراء حیٔ ایک تقریب کا افتتاح کرتے ہوئے

والے مطمئن تھے لیکن میں نے نہیں دیکھا تھا اور دیکھنا چاہ رہی تھی۔ بہرحال فاروق آئے۔ میں نے دیکھا اور حامی بھرلی۔ اس وقت میں انٹر میں پڑھ رہی تھی۔ منگنی ہوگئی شادی میرے گریجویشن کے بعد ہونا طے پائی لیکن ہوا یوں کہ دو ماہ بعد ہی ہماری شادی ہوگئی۔

پاکیزہ ✧......دو سال کی مدت سمٹ کر دو ماہ پر کیسے محیط ہوگئی؟

جہاں آراء حیٔ ✧......ہمیں خط کتابت کی بھی آزادی تھی اور فون پر بات کرنے کی بھی اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ فاروق ہر روز ایک خط لکھتے ان دنوں ڈاک کا نظام بہت اچھا تھا خط ڈِل بھی جاتا تھا۔

پاکیزہ ✧......گویا داستانِ الفت پر مبنی ایک کتاب تیار ہوگئی تھی؟

جہاں آراء حیٔ ✧......ارے داستانِ الفت کہاں؟ روایتی محبت ناموں جیسا کوئی خط نہ تھا، بس عام سی باتیں ہوتی تھیں اپنی دن بھر کی مصروفیات کی روداد۔

پاکیزہ ✧......یہ تو بتائیں کہ پھر شادی جلدی کیوں ہوگئی؟

جہاں آراء حیٔ ✧......فاروق برٹش کمپنی میں ملازم تھے۔ کمپنی کے اصول کے مطابق تین سالہ ملازمت کے بعد چھ ماہ کی چھٹی دی جاتی تھی۔ یورپ کے ٹرپ کا موقع بھی دیا جاتا تھا۔ بس فاروق نے اسی کا فائدہ اٹھایا اور اپنی اماں کو بھی ساتھ ملا لیا ابھی شادی ہو جائے گی تو یورپ کے ٹرپ پر بیوی کے ساتھ چلا جاؤں گا۔ دلیل معقول تھی اس لیے بہر دو جانب تسلیم کرلی گئی۔

پاکیزہ ✧......گریجویشن نامکمل رہ جانے کا قلق تو بہت ہوا ہوگا؟

جہاں آراء حیٔ ✧......میری امی علیگڑھ کی گریجویٹ اور میں صرف انٹر میں نے امی سے کہا تو انہوں نے مجھے سمجھایا کہ جب میری شادی ہوئی تھی تو اس وقت میں بھی تھرڈ ائیر کی طالبہ تھی شادی کے بعد میں نے اپنا گریجویشن مکمل کیا تم بھی کرلینا۔ سو ہم نے مزید تعلیم کے حصول کی شرط پر ہامی بھرلی۔ فاروق نے وعدہ نبھایا یوں شادی کے بعد ہم نے اپنا گریجویشن مکمل کرلیا۔

پاکیزہ ✧......اس مادری وراثت کو آگے بڑھایا یا یہ سلسلہ یہیں ختم کردیا؟

جہاں آراء حیٔ ✧......ختم...... کیونکہ فیصلہ کرلیا تھا کہ جب تک بیٹی گریجویٹ نہ ہو جائے گی اس کی شادی نہیں کروں گی۔ انہوں نے تیرہ برس کی عمر میں میٹرک کرلیا۔ بی کام کے بعد انٹیریر ڈیزائننگ کا ایڈوانس کورس کیا۔ اس کے بعد ان کی شادی کردی۔ اپنا گھر انہوں نے خود تیار کیا۔ اب گھر بیٹھے مزے سے اپنا ہر

آزمارہی ہیں۔

پاکیزہ ✧......فاروق بھائی کے جذبے کی یہ شدت ہمیشہ برقرار رہی یا گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ شعلے مدھم پڑتے گئے؟

جہاں آراء حیٔ ✧......الحمدللہ، فاروق کے آخری وقت تک یہ شدت برقرار رہی۔ زندگی کے مختلف ادوار میں شعلے کی حدت قائم رہے تو اس سے بڑی رحمت اور کوئی نہیں۔ ہمارے اطراف رہنے والے خاص طور پر بچے بہت محسوس کرتے تھے کہ ہمارے مابین ذہنی ہم آہنگی اور دلی تعلق ہمیشہ قائم رہا۔

پاکیزہ ✧......کامیاب ازدواجی زندگی کے اصول آپ کی نظر میں؟

جہاں آراء حیٔ ✧......آپس کے اختلاف کو کبھی آگے نہ بڑھنے دو، اس سے گھر کا ماحول خراب ہوتا ہے۔ خاص طور پر بچے بہت متاثر ہوتے ہیں۔ میاں بیوی ایک دوسرے کو بدلنے کی کوشش کرتے ہیں جس کا نتیجہ ناچاقی کی صورت سامنے آتا ہے اور بالآخر یہ ہوتا ہے کہ

کچھ تم کھنچے، کھنچے رہے کچھ ہم کھنچے، کھنچے
اس کشمکش میں ٹوٹ گیا رشتہ چاہ کا

اگر زوجین کو باہمی تعلق برقرار رکھنا ہے تو ایک دوسرے پر اپنی مرضی مسلط نہ کریں۔ ایک دوسرے کی رائے کا احترام کریں۔ ہمیشہ بھروسا کرو۔ باہمی اعتماد قائم رہے تو ازدواجی زندگی صرف کامیاب ہی نہیں کامیاب ترین ہے اور زندگی میں چین اور سکون ہے۔

پاکیزہ ✧......آپ کی اخلاقی اور ذہنی تربیت میں کن امور کو پیشِ نظر رکھا گیا؟

جہاں آراء حیٔ ✧......ہمارے بڑوں نے براہِ راست نصیحت کبھی نہیں کی۔ جو بھی سیکھا اپنے بڑوں کے عملی رویوں سے سیکھا۔ ہاں ہمیں یہ ضرور بتایا گیا کہ تمہاری وجہ سے کبھی کسی کو تکلیف نہیں پہنچنی چاہیے۔ ہم نے اپنے بڑوں کو گھریلو ملازمین کی عزت کرتے دیکھا سو ہمارا رویہ بھی یہی رہا۔ اور الحمدللہ آج ہمارے بچے ہی نہیں ان کے بچے بھی ملازمین کا احترام کرتے ہیں اور عزت کے نام سے مخاطب کرتے ہیں۔ ہماری تربیت کا حصہ رہا کہ معاشی طور پر کمتر انسان سے بھی انسانی سطح پر بات کرو کہ انسان کے ظاہری مراتب میں فرق ضرور ہے مگر انسانیت میں نہیں۔ ایک مرتبہ ہمارے خانساماں کا پاؤں زخم کی وجہ سے پک گیا تھا، ابا جان خود ان کے زخم صاف کر کے مرہم پٹی کرتے تھے۔

پاکیزہ ✧......میکے کا وہ اصول جو آج بھی اختیار کیا ہوا ہے؟

جہاں آراء حیٔ ✧......امی اور ابا جان کے طرزِ عمل سے ہم نے نشست و برخاست کے طریقے سیکھے۔ دونوں ہی اصول کے تحت زندگی بسر کرتے تھے۔ دونوں ہی ناشتے کی میز پر نہا دھو کر تیار ہو کر آتے تھے۔ ابا جان کو قطعاً پسند نہیں تھا کہ ناشتے کی میز پر سر جھاڑ منہ پھاڑ بیٹھ جائیں۔ سوچوں تو آج بھی وہ خوشبو محسوس کرتی ہوں جو امی اور ابا جان میں سے آتی تھی۔ برسوں ہم نے میکے کا یہ اصول برقرار رکھا لیکن اب کبھی، کبھی اصول شکنی ہو جاتی ہے۔

پاکیزہ ✧......آپ کا تصورِ حیات کیا ہے؟

جہاں آراء حیٔ ✧......زندگی اللہ کا دیا ہوا بہت حسین تحفہ ہے۔ اللہ جو دے اسی پر صابر و شاکر رہو اور شرافت کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنی زندگی کو جتنا چاہو بہتر بناؤ۔

پاکیزہ ✧......دل پسند مشغلہ؟

جہاں آراء حیٔ ✧......کتب بینی خاص طور پر تاریخی کتب پڑھنا۔ ہسٹری کے نوٹس بناتے وقت دیگر متعلقہ کتب کا مطالعہ ضرور کرتی تھی۔ غزوات کا ذکر نصاب میں پڑھا تو قرآن حکیم میں غزوات کے حوالے سے تفسیر پڑھی اس کے حوالے کے ساتھ نوٹس تیار کیے اور امتحان میں ہسٹری کے پرچے میں امتیازی نمبروں سے کامیابی حاصل کی۔ اسلامی تاریخ ہو یا عمومی تاریخ دونوں کی کتب پڑھنے میں بہت لطف آتا ہے۔ ہاں اچھے شعری مجموعے

بھی شوق سے پڑھتی ہوں۔ مطالعے کے شوق کا یہ عالم ہے کہ اگر بازار سے کسی پڑیا میں چورن آئے تو وہ پڑیا بھی کھول کر پڑھ لیتی ہوں۔

پاکیزہ ✧......غصے کی کیفیت میں آپ کا ردِعمل؟

جہاں آراء حئی ✧......مجھ سے بن نہیں پڑتا کہ جواب کیسے دوں؟ کہ غصے کا جواب غصے سے نہیں دے سکتی بے شک اندر غصہ ہوتا ہے۔

پاکیزہ ✧......ماں بیٹی کا رشتہ آپ کی نظر میں؟

جہاں آراء حئی ✧......بہت بڑا اعتماد کا رشتہ اور یہ اعتماد ہونا بھی چاہیے۔

پاکیزہ ✧......وہ دلچسپ معروفیت جو معمول کا حصہ ہے؟

جہاں آراء حئی ✧......عرصۂ دراز تک باغبانی کا شوق تھا بڑی پُربہار معروفیت تھی۔ اب اپنی پوتیوں کے ساتھ شام کو روز کرکٹ کھیلتی ہوں۔ اس کی اپنی خوشی اور رنگ ہے۔

پاکیزہ ✧......پسندیدہ ٹی وی پروگرام، رشتہ، خوشبو، وقت، پکوان، کھیل، تہوار، تفریحی مقام اور رنگ؟

جہاں آراء حئی ✧......وہ سیاسی مذاکرات جس میں لڑائی جھگڑا نہ ہو مکالمہ ہو اور معلوماتی پروگرام محبت کا رشتہ، خوشبو جو اچھی لگ جائے وہی اچھی، جو خوشی سے گزرے وہی وقت اچھا، سادہ وخوش ذائقہ کہ بدذائقہ کھانا اللہ بڑی مشکل سے حلق سے اترتا ہے لیکن یہ سوچ کر کھالیتی ہوں کہ رزق ضائع نہ جائے۔ جس کھیل میں پاکستان جیت جائے وہ اسی وقت پسندیدہ بن جاتا ہے، تمام مذہبی وملی تہوار، جہاں نیچر زیادہ ہو۔ قدرت کا ہر رنگ مجھے بہت پسند ہے کہ نیچر سے بڑھ کر حسین شے دنیا میں اور کوئی نہیں فاروق بھی نیچر کے عشاق میں سے تھے۔ سلہٹ میں قیام کے دوران میں جی بھر کے نیچر سے لطف اندوز ہوئی۔ وہاں کے جنگلات اور باغات کے قدرتی حسن کا تصور آج بھی مسحور کردیتا ہے۔

پاکیزہ ✧......آپ کی زندگی کا بہترین اور خوب صورت وقت کہاں گزرا؟

جہاں آراء حئی ✧......سلہٹ میں۔ شادی سے پہلے چائے نہیں پیتی تھی اور شادی چائے والے سے ہو گئی۔ چائے کے اگائے جانے سے لے کے بعد کی دیکھ بھال تک کے سارے مناظر دیکھے اور بہت لطف اندوز ہوئی۔

پاکیزہ ✧......پاکیزہ کی قلمکار اور قاری بہنوں سے کچھ کہنا چاہیں گی؟

جہاں آراء حئی ✧......کیوں نہیں ضرور کہوں گی۔ پاکیزہ ایک اچھا اور معیاری رسالہ ہے۔ قلمکاروں کی بڑی ذمے داری ہے کہ اپنی تحریر کو ہمیشہ مثبت رکھیں، پڑھنے والوں کے دلوں میں نفرت نہیں محبت کے پھول کھلائیں، کبھی تفرقہ نہیں ڈالیں۔ قارئین، پاکیزہ مدیران اور لکھنے والوں سے رابطے میں رہیں اور انہیں اپنی آراء اور تجاویز دیتی رہیں اس سے رسالے کا معیار مزید اچھا ہو جائے گا اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہوں گی کہ پاکستان کے لیے جیو اور پاکستان کے لیے جو بھی اچھا کرسکتی ہو وہ کرو کہ پاکستان ہمارے لیے بہت اہم ہے۔

☆☆☆

قارئین کرام! جہاں آرا آپا نے اپنی بے انتہا معروفیت اور دن بھر کی تھکاوٹ کے باوجود جس طرح شوٹ سے واپس آکر رات گئے پاکیزہ کے لیے وقت نکالا اور دو تین ٹیلیفونک ملاقاتوں میں یہ انٹرویو مکمل کرایا۔ آپ سے اپنی دوستی پر میں بے حد فخر اور خوشی محسوس کر رہی ہوں۔ جہاں آراء آپا کی بے لوث محبت اور بے غرض تعاون کے لیے میں اپنی اور ادارۂ پاکیزہ کی جانب سے ممنونیت کے اظہار کے سوا اور کیا کہہ سکتی ہوں بھلا......اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کو صحت وسلامتی کے ساتھ اپنے مقاصد میں مزید کامرانیاں عطا ہوں۔

☆☆☆

دلہن بنی میری شہزادی!

صائمہ قیصر



دائیں سے صائمہ قیصر، ان کی بھانجی، دلہن ماہ نور اور دلہن کی خالہ......

ماہ نور قیصر ہاشمی جو تین بھائیوں اور اماں، بابا کے آنگن کی چہکتی مہکتی چڑیا تھی الحمد للہ آج ارسلان بیٹے کے گھر کے آنگن میں چہچہا رہی ہے۔

یہ ماہنو (ماہ نور) کی گڈ لک تھی کہ سبھی رشتے داروں نے دل کھول کے اس کی شادی میں نہ صرف حصہ لیا بلکہ بقول ان کے نور کی شادی ان کے لیے زندگی کی یادگار شادی تھی...... بفضلِ الٰہی شادی کی تاریخ 12-02-2016 طے پائی۔ (اتفاقاً ہم ماں بیٹی دونوں کے نکاح کی ڈیٹ بھی ہے۔ بس سن کا فرق ہے۔)

دلچسپی کی بات یہ ہے کہ نور کی مہندی مسلسل تین دن ہوتی رہی۔ ہوا یوں کہ مہندی کی ڈیٹ 10 فروری تھی...... 9 فروری کو ہمارا گھر ماشاء اللہ سے مہمانوں سے پُر تھا...... نیو جنریشن پُر جوش تھی۔ انہیں کرنے کو کچھ نہ ملا تو ڈھولک پر دھواں دھار گیت گانے شروع کر دیے۔ ماہ نور مایوں کے پیلے جوڑے میں ان کے ساتھ ہنستی گاتی بہت بھلی لگ رہی تھی۔ میں کاموں میں مگن آتے جاتے اس پہ نگاہ ڈالتی تو دل میں دو طرح کے احساسات ابھر آتے۔ پہلا کلیجا چھلنی کرنے والا کہ وہ جا رہی ہے۔ دوسرا اور خوشی بھرا کہ ایک اہم ترین فرض ادا ہو رہا ہے۔ نور بالکل ٹھیک عمر میں اپنے گھر کی ہو رہی ہے۔ اور یہی احساس پہلے پر حاوی ہو جاتا اور میں بھی سب کے ساتھ ہنسنے، بولنے لگتی۔ بچے ضد کرتے تو ان کے ساتھ خوب ہلا گلا کرتی۔ اس رات مہندی کے تمام لوازمات پورے کر لیے گئے۔

سوائے مہندی لگانے کے...... ڈھولک، بچوں کے ڈانسز، قہقہے، مزیدار کھانا اور نور کے لیے ڈھیر ساری دعائیں۔ رات ڈھل رہی تھی اور ٹھنڈ کی انتہا ہو رہی تھی...... 10 فروری کا دن بھی آن پہنچا۔ راول پنڈی یا پہاڑی علاقوں میں سردی کے دن بہت چھوٹے لگتے ہیں۔ دولہا کی فیملی کے لاہور میں ہونے کی وجہ سے مہندی کی رسم یکطرفہ ادا کی گئی۔ ہاں البتہ دونوں طرف سے دولہا، دلہن کے ملبوسات اور دیگر لوازمات کا تبادلہ

پہلے ہی ہو گیا تھا۔ سب کو ارسلان کا اپنی پسند سے چنا نور کی مہندی کا جوڑا بے حد پرکشش لگا۔

میرج ہال میں...... ماہ نور کو ڈھول کی تھاپ پر رقاص مردوں کی ٹولی نے لڈی ڈال کے ویلکم دیا۔ نور کے چچا، تایا، بابا اور دیگر انکلو، بھائی، کزنز اس پر سے ڈھیروں نوٹ وار، وار کر پھینکتے رہے... بعد ازاں تمام کزنز مل کر بھنگڑا رقص کرتے ہوئے نور کو اپنے گھیرے میں لیے اسٹیج تک لے گئے۔

قیصر (نور کے بابا) اور تایا جان نے اسے اسٹیج پہ رکھے پھولوں سے سجے جھولے پہ جا بٹھایا۔ لاتعداد موویز اور تصاویر بننے لگیں۔ نور بڑی دلکش لگ رہی تھی۔ مہندی سے پہلے باقاعدہ ایک سجے ہوئے کمرے میں فوٹو سیشن ہوا۔ اور نہایت بہترین شاٹس لیے گئے۔ جو آج ہمارے لیے یادگار ہیں...... بعد ازاں لڑکے لڑکیوں نے مل کر خوب ہنگامہ مچایا۔ لڈی، ڈھولک، اور شرارتیں...... اب بھی یاد آتی ہیں۔ مانو کی مہندی کی ایک یادگار اور قابل ستائش بات یہ بھی ہے کہ اس رات مانو کی سہیلی اس کے لیے الگ سے مہندی لائی تھی جس میں مانو کے لیے بے شمار تحائف مثلاً کپڑے، جوتے، چوڑیاں، میک اپ، پرفیومز اور خوشبو بھرے گلابوں کا زیور، مٹھائی اور بہت کچھ شامل تھا۔ یہ واقعی اس بچی کی محبت اور خلوص تھا جس کے لیے ہم شکر گزار ہیں۔

کھانے کے بعد نور کو مہندی لگائی گئی...... باہر کا موسم اس قدر شدید سرد ہو گیا کہ تیز سرد آندھی اور یخ بستہ بارش کی بوچھاڑوں نے اندر کے گرم ماحول میں بھی کپکپی طاری کر رکھی تھی۔ چند خواتین نور کو چھیڑتے ہوئے کہنے لگیں کہ...... نور ہمیشہ بریانی کا مسالا چاٹتی پائی جاتی تھی۔ اسی لیے اس کی شادی پہ بارش نے ڈیرے ڈال لیے ہیں۔

12 فروری آن پہنچا۔ میں اور قیصر تھکاوٹ کے باوجود بھی سو نہیں پائے تھے۔ دل مٹھی میں جو تھا۔ اکلوتی بیٹی رخصت ہونے والی تھی۔ بابا کی لاڈلی، ماما کی بیسٹ فرینڈ اور بھائیوں کی رونق...... آج ہمیشہ کے لیے اس گھر سے پرائی ہو رہی تھی۔ نور ہمارے سامنے کافی دنوں سے خود پر قابو کیے ہوئے تھی۔ بڑا حوصلہ شو کراتی تھی۔ ہمارے رونے پر ہمارے ساتھ خوب شرارتیں کر کے ہنسا دیتی۔ مگر آج نہ جانے کیوں بہت سیریس سی تھی۔

بارات دوپہر کی تھی۔ سوناشتے کے بعد نور کو شہر کے مشہور پارلر لے گئی۔ جہاں وہ پیاری سی گڑیا رفتہ رفتہ اپنے ہونے والے شوہر کے استقبال کے لیے خوب سجنے سنورنے لگی...... پارلر سے اسے پہلے گھر لایا گیا۔ جہاں اس نے اپنی زندگی کے اکیس برس بتائے



تھے۔ آنگن میں آن رکی۔ جہاں ابھی کل ہی اس نے پاؤں پاؤں چلنا شروع کیا تھا...... وہ جذباتی ہونے لگی تو ہم بھی رو دیے...... بابا اور تایا جان فوراً اسے ویڈنگ پیلس کو لے جانے لگے پھر ایک رسم ادا کی گئی۔ نور مٹھیاں بھر، بھر کے چاول اپنے سر پہ سے واپس گھر کی جانب اچھالتی۔ جو اس کے بھائیوں اور بابا پر گرتے

تھے (جنھیں بعد ازاں فوراً زمین سے چُن لیا گیا) پھر وہ...... میرے دیکھتے ہی دیکھتے...... اس آنگن کو اپنی تمام تر رونقوں سے سونا کر کے چلی گئی۔

نور کے بابا نے اس کی رخصتی کے لیے بے حد شاندار ویڈنگ مارکی بک کروا رکھی تھی۔ جیسے کوئی رائل سا ماحول ہو...... اور اس میں ان کی بیٹی شہزادی بنی اپنے شہزادے کے ساتھ بیٹھی ہو...... نکاح کی مقدس رسم ادا کی گئی اور پھر لذیذ اور پُرتکلف کھانے کا دور چلا۔

چاند سورج کی جوڑی سنا تو تھا۔ پر دیکھ بھی لی۔ (یقیناً سارے والدین کو اپنی اولاد یونہی منفرد لگتی ہوگی)

لڑکیاں بڑھ کے دودھ پلائی کی رسم میں دو، دو ہاتھ کرنے ایک دوسرے کے آمنے سامنے آن کھڑے ہوئے۔ خوب شرارتی قسم کا بحث و مباحثہ چلا اور آخر کار ہم لڑکی والے...... لڑکے والوں سے خطیر رقم بٹورنے میں کامیاب ہو گئے۔ جو بعد میں تمام بچوں میں یکساں تقسیم کر دی گئی۔ (بھئی آخر ان کی محنت کی کمائی جو تھی)

نعیم بھائی نور کے تایا نے اپنی عادت کے مطابق کچھ نیا کیا۔ یعنی اپنی جانب سے دولہا اور دلہن کو ہاتھ ملا کر ایک خوب صورت اور لذیذ ویڈنگ کیک کٹوایا۔ تاکہ دونوں کے درمیان ایک رابطہ شروع ہو جائے۔ شام ڈھل رہی تھی۔ دور کا سفر تھا۔ بارات کو لیٹ نائٹ سے پہلے لاہور واپس جانا تھا۔ سو...... ماہ نور کو اپنے بچا کے ساتھ مجھوں، دعاؤں اور اداسی بھری مسکراہٹوں کے جلو میں رخصت کر دیا گیا۔ اس کی گاڑی قدرے دور جا کے نگاہوں سے اوجھل ہونے کی دیر تھی...... کہ میں اور قیصر بچوں سمیت پھوٹ، پھوٹ کے رو دیے۔

اگلے روز نور کی آواز میں موجود کھنک نے ہمیں وہ اطمینان بخشا۔ جو آج بھی ہمیں سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ بتا رہی تھی۔ ”ماما! وہ سب آپ کی توقع سے بڑھ کے اچھے ہیں۔ سب نے میرا بے حد خیال رکھا اور ارسلان...... سب سے بڑھ کر ایک اچھے انسان ہیں۔“

بیٹی کے منہ سے نکلنے والے اطمینان بخش الفاظ والدین کے لیے کیا معنی رکھتے ہیں۔ یہ تو بس وہی جان سکتے ہیں۔ جنھیں اپنی پناہ گاہ سے اپنی سب سے قیمتی متاعِ حیات کے چلے جانے کا تجربہ ہوتا ہے...... جن کے دل...... اس کے اچھے مستقبل کی خبر سننے کے لیے بے قرار رہتے ہیں اور جن کی صرف ایک ہی بیٹی ہو۔ ان کا حال تو مت ہی پوچھیے۔ والدین تو بس دعا ہی کرتے رہتے ہیں۔

ولیمے کی تقریب...... لاہور کے ایک شاندار ہوٹل میں منعقد کی گئی تھی۔ دولہا نے حسب روایت ہماری طرف کا لباس یعنی تو پیس پہن رکھا تھا۔ اور وہ ہوٹل کے لان میں، عزیز و اقارب اور دوستوں کے جلو میں بذاتِ خود ہمارا منتظر تھا۔ اس کی یہ میزبانی بہت بھائی۔ اسی روز ماہ نور کی اکلوتی نند ماہ رخ کی بھی رخصتی تھی۔ دونوں دلہنوں کو ان کے دولہا کے ساتھ، ایک ہی ہال میں دو مختلف اسٹیجوں پہ بٹھایا گیا۔ ماہ رخ سرخ کامدار لہنگے میں جبکہ ماہ نور نے ارسلان کی پسند کردہ بیج کلر کی کامدار میکسی پہن رکھی تھی۔ اس پہ بہترین اور مشہور پارلر کا لائٹ سا بادامی اسکا ڈمیک اپ دونوں ہی اپسرائیں لگ رہی تھیں۔ فوٹو سیشن کے بعد پُرتکلف کھانے کا دور چلا۔ اور پھر...... تمام رشتے داروں سمیت ارسلان اور ماہ نور نے بحیثیت بڑے بھائی اور بھابی کے...... ماہ رخ کو دعاؤں کے سائے میں رخصت کیا۔ کہ وہ بن ماں کی بچی بھی تھی۔ میرے کان میں رخصتی کے وقت کہنے لگی۔ ”آنٹی میری ماما نہیں ہیں آپ مجھے یاد رکھیے گا۔“ میرا دل بے تحاشا بھر آیا۔ اسے گلے لگا کے ماں کی طرح الوداع کہا۔

نور کو ہدایت کی کہ ہمیشہ اپنی اکلوتی نند کا خیال رکھنا۔ (آج وہ دونوں بیسٹ فرینڈز ہیں)

آج...... نور کی شادی کو تین ماہ ہو چکے ہیں۔ آج بھی نور اور ارسلان کی شادی کی دعوتیں چل رہی ہیں اور وہ دونوں ماشاء اللہ سے بے حد خوش ہیں۔ یہ باتیں دُہرا کے میں نے جیسے اپنی تمام پاکیزہ بہنوں کو بھی اس شادی میں شامل کر لیا۔ تو دل کو بے حد سکون ملا۔

☆☆☆

باتیں بہار و خزاں کی

زندگی رات دن کی گردش ہے
کچھ خزاں کی ہے کچھ بہار کی بات

عزیز بہنو! ہم ہمیشہ ہی سے کچھ نہ کچھ نیا اور دلچسپ کرتے چلے آئے ہیں سو آج بھی ایک مختصر مگر جامع سوالنامہ حاضرِ خدمت ہے تاکہ آپ کی اپنی شخصیت کے بھی کچھ نہاں پہلو سب کے سامنے آئیں اور آپ کے ذاتی افکار، خیالات اور تجربات سے ہم سب بھی آگاہ ہوں اور لطف بھی اٹھائیں۔ امید ہے آپ کو یہ اچھوتا سلسلہ بہت پسند آئے گا۔

سوالات حاضرِ خدمت ہیں۔

1۔ روز و شب کے اس گزرتے گورکھ دھندے میں خواتین اپنی شخصیت کو کیسے پُر اثر بنا سکتی ہیں، آپ کا مشورہ اپنے تجربے کے حوالے سے......

2۔ آپ کی زندگی کا کوئی دلچسپ قصہ، واقعہ یا لمحہ جس نے آپ کے فکر و خیال کا رخ موڑ دیا۔

3۔ پاکیزہ کے مختلف سلسلے کیوں پسند ہیں؟ اور آپ کون سا ایسا سلسلہ شروع کرنا چاہیں گی جو سب کو پسند بھی آئے؟

4۔ پاکیزہ مصنفات سے آپ کیا کہنا چاہتی ہیں......کوئی دل کی بات؟

5۔ اپنے تعارف کو دو جملوں یا دو اشعار میں بیان کیجیے۔

آپ کے قیمتی خیالات کا انتظار رہے گا۔ آپ چاہیں تو اپنی تصویر بھی ارسال کر سکتی ہیں۔

سیدہ رفیعہ ابدالی......کراچی

جواب 1: میری امی مرحومہ جنہیں مرحومہ کہتے ہوئے دل خون کے آنسو روتا ہے اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے (آمین) انہوں نے اپنی زندگی میں ایک شیر خوار بچی، ایک نوجوان لڑکی اور سب سے بڑے شادی شدہ بیٹے کی اموات دیکھی اس موقع پر جس صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا اس کی مثال ملنی مشکل ہے، ان سانحات کے باوجود وہ بہت بذلہ سنج اور مزے، مزے کی باتیں کرنے والی تھیں جو اُن سے ملتا ان کا گرویدہ ہو جاتا اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ صبر و تحمل، خوش اخلاقی وہ اعلیٰ صفات ہیں جس کو اپنا کر اپنی شخصیت کو پُر اثر بنایا جا سکتا ہے۔

2۔ ایک تپتے ہوئے گرم دن کا ذکر ہے، میں نے ظہر کی نماز پڑھی اور امی سے کہا امی، کھانا کھانے چلیں امی نے کہا میری پیٹھ میں بہت درد ہو رہا ہے، میری پیٹھ دبا دو میں پیٹھ دبانے لگی، یہ آموں کا سیزن تھا۔ اس سیزن کے آم ابھی تک نہیں کھائے تھے، مجھے آم بے حد پسند ہیں۔ میرے ابو کو بھی آم پسند تھے اور وہ اعلیٰ قسم کے آم لاتے تھے۔ امی نے دس پندرہ منٹ کے بعد کہا کہ اب بس کر دو میں نے اللہ تعالیٰ سے بہت پیار سے دعا کی۔ ”اللہ میاں جی بلے بلے آم دے دو ناں......“ ابھی ہم کمرے سے باہر بھی نہیں آئے تھے تو آم والے کی آواز آئی جب ہم گیٹ پر پہنچے تو آم والا کھڑا تھا، امی نے آم لیے جب ہم نے اسے کھایا تو وہ بہت رسیلے اور میٹھے تھے میں نے آج تک اتنا لذیذ آم نہیں کھایا اس وقت میں نے امی سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت سے یہ آم بھیجا ہے امی بھی ہنسنے لگیں اور کہا کہ لگتا تو کچھ ایسا ہی ہے۔ مزے کی بات تو یہ ہے کہ آم والے کی دوبارہ آواز نہیں آئی اسی دم مجھے یہ ادراک ہوا کہ اپنی ہر حاجت، خواہش کو اللہ تعالیٰ سے ہی مانگنا چاہیے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

3۔ مجھے پاکیزہ میں بہنوں کی محفل بہت پسند ہے بہت اپنائیت محسوس ہوتی ہے۔ ''میں بہت ہنسی'' کے عنوان سے نیا سلسلہ شروع کریں جس میں قارئین، بہنیں اپنے گھروں میں ہونے والے دلچسپ واقعات تحریر کریں جسے پڑھ کر سب محظوظ ہوں۔ (اچھا خیال ہے)

4۔ میں اپنی قابلِ صد احترام مصنفات سے دو باتیں کرنا چاہتی ہوں پہلی یہ کہ اردو کا رسالہ ہے اس میں انگریزی کی پیوندکاری کیوں؟ میں تو خیر اتنا پڑھی ہوئی ہوں کہ انگل پچو سے سمجھ جاتی ہوں اب صحیح یا غلط تو اللہ بہتر جانتا ہے لیکن ہماری وہ بہنیں جو اے بی سے واقف نہیں ان کے تو سر پر سے گزر جاتی ہوگی۔ تجی افسانوں کا سارا مزہ کرکرا ہو جاتا ہے۔ دوسری بات جو میں کہنا چاہتی ہوں جسے لکھتے ہوئے بھی مجھے شرم آرہی ہے یہ گھروں سے بھاگنے والی لڑکیوں کے افسانے، یہ ناجائز اولادوں کے قصے یہ ہوس گیری کے واقعات، میں تو اسے پڑھتے ہوئے شرم سے پانی، پانی ہو جاتی ہوں، میں اپنی قابلِ صد احترام مصنفات سے یہ کہنا چاہوں گی کہ کوئی گھریلو افسانے کوئی مزاحیہ قصے کوئی نصیحت آموز کہانی تحریر کریں اگرچہ ہمارا میڈیا بہت آزاد ہو گیا ہے لیکن کیا ضروری ہے کہ ہماری قابلِ صد احترام مصنفات بھی اس میں اپنا حصہ ڈالیں، یہ پاکیزہ رسالہ ہے اسے پاکیزہ ہی رہنے دیں۔ اسے کم سن بچیاں بھی تو پڑھتی ہیں ناں......!

5۔ اپنا تعارف دو جملوں یا دو اشعار میں حیرت ہے بھئی اس کے لیے دو صفحات بھی کم ہیں بہرحال آپ کا حکم سر آنکھوں پر......

کروں کیوں کسی کی خوشامد کہ میں
کسی سے خوشامد کراتی نہیں
ادب اور چیز ہے خوشامد ہے اور
ادب سے تو جی چراتی نہیں
خوشامد کا فن مجھ کو آتا نہیں

☆ تسنیم کوثر...... پنڈی بھٹیاں

1۔ سب سے پہلے تو بہت شکریہ کہ قارئین کو بھی آپ نے ان صفحات میں شامل کیا یعنی ان کے خیالات بھی تو مصنفات تک پہنچیں ناں...... آج کل کے اس پُرآشوب زمانے میں خواتین ترقی کی راہ میں سب سے آگے، آگے ہیں مگر پھر یہ بھی سننے کو ملتا ہے کہ گھر اور بچے نظر انداز ہو رہے ہیں۔ سسرالی رشتے داریاں نبھانے کا وقت نہیں...... میں بھی ایک اسکول ٹیچر ہوں، میرے خیال میں وقت کا درست استعمال کر کے ہم تمام کام نمٹا سکتے ہیں اس طرح ہماری شخصیت بھی پُراثر رہے گی اور دوسرے بھی خوش ہوں گے...... میرا تجربہ یہ ہے کہ آپ اپنے کام میں اخلاص پیدا کریں اپنی طرف سے کام ایمانداری سے کریں اور نتیجہ اللہ پر چھوڑ دیں...... انشاء اللہ سب کچھ بہتر ہوگا۔

2۔ جی ہاں...... میں اسکول میں پڑھاتی ہوں تو ایک بچی جو چھٹی کلاس میں تھی مجھے بہت اچھی لگتی تھی اس لیے کہ وہ بہت تابعدار اور لائق بچی تھی، وہ اسی کلاس میں داخل ہوئی تھی ایک روز میں نے دیکھا وہ رو رہی تھی۔ میں نے وجہ پوچھی تو بولی آج میرے، ابا نے میری امی کو صبح صبح بہت مارا۔ امی کے چوٹ لگی تھی تو انہوں نے لنچ بھی نہیں دیا۔ میرے تو ہوش اڑ گئے۔ بہت افسوس ہوا۔ میں اسے لیے اس کے گھر کی طرف روانہ ہوئی ابھی کچھ دور ہی گئے تھے کہ وہ بولی مس آپ گھر تک نہ جائیں ابا نے دیکھ لیا تو ناراض ہوں گے۔ اس کا گھر نزدیک تھا میں وہیں سے اپنے راستے مڑ گئی۔ ابھی گھر پہنچی ہی تھی کہ کچھ دیر بعد وہی بچی ایک آدمی کے ساتھ چلی آرہی تھی۔ پتا چلا وہ اس کا باپ تھا۔ بچی نے آکر سارا قصہ کچھ یوں بتایا کہ اس نے باپ سے بتا دیا تھا کہ میں نے آپ کی شکایت اپنی ٹیچر سے کر دی ہے، وہ شخص اب مجھ سے معافی مانگنے آیا تھا کہ بچی کی بات نے اس کے دل پر بہت اثر ہوا تھا پھر میں نے محسوس کیا کہ بچی کافی خوش رہنے لگی ہے۔ اس قصے نے میرے خیال کا رخ تو کیا موڑا ہوگا اس بچی کی کیفیت سے مجھے کافی اطمینان

ہو گیا تھا کہ وقت پر اپنی غلطی کا احساس ہو جائے تو اس سے بڑھ کر کوئی بات نہیں ہوتی۔

3۔ پاکیزہ ایک مکمل گھریلو اور اصلاحی رسالہ ہے۔ اس میں شامل کہانیاں مختلف طبقوں کی نمائندگی کرتی ہیں یوں ہمیں کافی باتوں سے آگاہی بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ اسلامی مضامین تو بہت اچھے ہیں۔ اور کبھی، کبھی مزاحیہ کہانیاں بھی اچھی لگتی ہیں۔ ایک بات کہنا چاہوں گی کہ اچھے اور بڑے، بڑے شاعروں کے کلام بھی دیا کریں جیسے پہلے میرا انتخاب تھا یا لازوال شاعری کے عنوان سے...... میں تو ایک کارنر ادبی لطیفوں کا بھی شروع کرنا چاہوں گی۔

4۔ تمام پاکیزہ مصنفات بہت اچھی ہیں، اچھا لکھ رہی ہیں کبھی کبھی بیکار کی تفصیل بھی شامل ہو جاتی ہے جس کا کہانی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا مگر چھوٹی کہانیوں میں کبھی، کبھی بڑی سے بڑی بات بھی کہی جاتی ہے۔

5۔ اپنا تعارف تو کیا بتاؤں کہ......

ہوں تو میں نازک اندام
پر کام کروں صبح شام
تیری میری بے جا شکایتوں سے
بچتی ہوں ہر آن ہر گام

منیزہ نعیم...... راولپنڈی:

1۔ پُر اثر شخصیت کیسے بنتی ہے واہ بھئی آپی جان انجم انصار اور عذرا رسول کو دیکھ کر اور پاکیزہ پڑھ کر پُر اثر شخصیت بنانا کون سا مشکل ہے جناب ہماری پیاری رائٹرز زندگی کا ہر پہلو تو اجاگر کرتی ہیں وہ علیحدہ بات ہے کہ ایک کان سے سنو دوسرے سے اڑا دو...... بھئی تعلیم اپنی جگہ سگھڑاپا اپنی جگہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ باادب بامراد بے ادب بے مراد بھئی سیدھی سی بات ہے کہ اگر ان سب چیزوں کے ساتھ ملنساری اور دوسروں کی عزت کرنے کا جذبہ آپ میں نہیں ہے تو ہر چیز زیرو...... سگھڑاپا بھی اور تعلیم بھی...... پہلے دور تھے کہ بچے بڑے بزرگوں کا احترام کرتے تھے جو کہ آج کل کم نظر آتا ہے آج کل بچوں سے بات کرو تو ان کی تمام توجہ موبائل پر ہوتی ہے پھر ایک دم سے کہہ دیں گے۔ جی جی چاہے بات سمجھ آئے یا نہ آئے آخر اس دور کے بچے اتنے ذہین تو ہیں ظاہر نہیں کرتے کہ سنی ان سنی کی ہے۔ شخصیت پُر اثر بنانی ہے تو دوسروں کی عزت کرنا سیکھیں۔

2۔ دکھ بھرا واقعہ...... جب میرے شوہر نعیم رضا کو ہیپاٹائٹس سی ہوا ہمارے حالات خراب ہوئے۔ میں نماز زیادہ نہیں پڑھتی تھی پھر پانچ وقت نماز اور دعاؤں سے ہمارے حالات بدلے پھر یہ سمجھ آیا کہ ملتا ہے کیا نماز میں سجدے میں جا کے دیکھ سبحان اللہ جب ہر رشتے نے منہ موڑا اور اللہ تعالیٰ سے ڈائریکٹ رابطہ ہوا تو اب ہم ہر دکھ اللہ تعالیٰ سے بیان کرتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ ہمارے ہاتھوں کسی کی دل آزاری نہ ہو، ہم کوشش کرتے ہیں کہ اپنے رب کو راضی کریں۔ میرا رب بھی جب راضی ہے جب میرے اللہ کے بندے ہم سے راضی ہوں۔ باقی اللہ کے ہاتھ ہے۔

3۔ پاکیزہ کے تمام سلسلے پسند ہیں بغیر کسی منافقت کے لکھ رہی ہوں کہ تمام سلسلے پاکیزہ، پاکیزہ معطر، معطر ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس ادارے سے وابستہ ہر بندے اور بندی کو اپنی رحمت کے سائے میں رکھے۔ (آمین)

4۔ پاکیزہ مصنفات سے کیا کہیں یہ پیاری سی حساس سی رائٹرز ہمیں معاشرے کی ہر اچھائی اور برائی سے آگاہ رکھتی ہیں۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ......

5۔ ہمارا تعارف، تعریف اس خدا کی جس نے ہمیں بنایا۔ (آہم)

سوچوں کا تھا ہجوم اور تنہا کھڑی تھی میں
مجھ پر ہی میری سوچ کی دیوار گر پڑی

☆☆☆



بہنوں کی محفل

مدیرہ

☆ عزیز از جان بہنو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ......!

☆ حمد وستائش اس ذات کے لیے جس نے کارخانۂ عالم کو وجود بخشا اور درود وسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا...... اللہ پاک آپ کو ہمیشہ خوش رکھے اور اپنے خزانۂ غیب سے وہ سب کچھ عطا فرمائے جو آپ کے حق میں بہتر ہو...... یاالٰہی دونوں جہاں میں ازل سے ابد تک سب کی خیر ہو اور تو ہم سے ہمیشہ راضی رہے...... الٰہی آمین۔

☆☆☆

☆ پیاری بہنو! موسم گرما کی تعطیلات کہیں شروع ہوگئی ہیں اور کہیں شروع ہونے والی ہیں...... ہمیشہ کی طرح میں وہی پرانی بات دُہراؤں گی کہ ان چھٹیوں کو سو کر، ٹی وی دیکھ کر یا سیر سپاٹے میں مت گزار دیجیے گا...... چھوٹی بچیوں کو سلاد کی ڈش سیٹ کرنا، ٹیبل سیٹ کرنا، اپنے کپڑے تہ کرکے اُن کو جگہ پر رکھنا اور اپنا کمرا اور الماری خود صاف کرنا سکھائیں...... اور بڑی بچیوں کو جو آٹھویں سے میٹرک تک کی طالبات ہیں انہیں گوشت کے دو پکوان، دو سبزیاں اور دو میٹھے لازمی سکھائیں۔ اللہ ہماری سب بچیوں کا نصیب بہت اچھا کرے کہ انہیں اپنی عملی زندگی میں کوئی کام بھی نہ کرنا پڑے...... مگر جب تک انہیں کام کرنا نہیں آئے گا...... تو وہ ملازمین سے بھی نہیں کروا سکیں گی۔

کالج اور یونیورسٹی میں پڑھنے والی بچیوں سے آپ اپنے گھر کا بجٹ بنوائیں بلکہ اُن سے کہیں کہ اس ماہ گھر کا سارا انتظام تم نے ہی سنبھالنا ہے اور اپنا سارا حساب کتاب ایک کاپی پر لکھنا ہے تاکہ تمہیں معلوم رہے کہ پیسے کس مد میں زیادہ خرچ ہوئے اور کس میں کم...... اس سے لڑکیوں میں اعتماد پیدا ہوتا ہے اور ان کی عملی زندگی میں انہیں آسانی رہے گی...... اور اب ایک اور پرانی بات دُہراؤں گی...... رمضان سے پہلے، پہلے اپنی الماریوں کے ساتھ، ساتھ بڑے صندوق کو بھی ہلکا کرلیجیے...... وہ کپڑے جو ہم استعمال نہیں کرتے اور وہ جوتے کے ڈھیر، بیگز وغیرہ جو پڑے سوکھ رہے ہیں...... اگر کسی کے استعمال میں آجائیں تو ہمیں بھی دلی طمانیت ہوا کرتی ہے ناں...... (تو چلو آج ہی یہ کام کرتے ہیں)

☆ آئیے اب سرگرمیوں پر نظر ڈالنے سے پہلے صرف ایک بار درودِ ابراہیمی پڑھتے ہیں جو ہر نماز میں پڑھا جاتا ہے اور اس کے بعد صرف تین بار آیتِ کریمہ پڑھ کر اپنے لیے، اپنے ملک کے لیے اور عالمِ اسلام کی پریشانیوں کو رفع کرنے کے لیے ضرور دعا مانگیں۔

مصنفات، شاعرات اور قارئینِ پاکیزہ بہنوں کی تازہ بہ تازہ سرگرمیاں

☆ گزشتہ دنوں مصنفہ اور ریڈیو پروڈیوسر سیما رضا ردا نے اپنی رہائش گاہ پر مصنفات کے اعزاز میں ایک لنچ دیا جس میں محترمہ عذرا رسول، نیلوفر عباسی، تسنیم کاظمی، نعت خواں سارہ، عشرت، شگفتہ شفیق، ہما بیگ، سیما مناف، عقیلہ حق، منزہ سہام مرزا، راحیلہ فردوس، عنبرین حسیب عنبر، رخ چوہدری، ناہید چوہدری، رضوانہ پرنس وغیرہ شریک تھیں۔ اس تقریب میں نیلوفر عباسی نے اپنی کتاب میں سے اقتباس پڑھ کر سنایا۔ ہم نے جلترنگ کا خاکہ پڑھا...... اور سارہ اور شگفتہ شفیق نے اپنی نعتوں اور غزلوں سے ایک سماں باندھ دیا...... ماشاء اللہ عنبرین حسیب نے بھی اپنی شاعری سنائی۔

☆ آئینہ، عکس اور سمندر نام ہے ایک ناول کا جو ایک ماہنامے میں قسط وار شائع ہوتا رہا ہے۔ اب 512 صفحات پر مشتمل یہ ایک ضخیم ناول کی صورت شائع ہوا ہے۔ جس میں بڑی عمدگی سے ایک محبت کی کہانی معاشرتی مسائل کو حل کرتی ہوئی رواں دواں ہے۔ طرزِ تحریر دلچسپ ہے، خصوصاً عقیلہ حق کے مکالمے جاندار ہیں، کتاب کا انتساب ان تمام لوگوں کے نام ہے جن کے رویوں نے انہیں لکھنا سکھایا۔ کتاب کی قیمت صرف پانچ سو روپے ہے جسے آپ اس ایڈریس سے حاصل کرسکتے ہیں۔ الحمد پبلی کیشنز، کراچی M,35 الفردوس پرائڈ بلاک 2 گلشن اقبال کراچی، سیل نمبر 0322.2830957 (عقیلہ حق بے حد مبارک باد)

☆ نبیلی فردوس احمد کا دوسرا ناول دل دیا درد لیا ایک پُر محبت کہانی ہے، طرزِ تحریر مزے کا ہے، نبیلی تمہیں افسانے بھی لکھنے چاہئیں۔ کرداروں پر تمہاری گرفت مضبوط ہے۔ ہیپی اینڈ کا یہ ناول اپنی جگہ ضرور بنائے گا۔ کتاب کی قیمت صرف چار سو روپے ہے۔ کتاب منگوانے کا ایڈریس یہ ہے۔ دعا پبلی کیشنز الحمد مارکیٹ اردو بازار، لاہور فون۔ 042.7233585

☆ محترمی آفاق سعید کی کتاب ذرا سا گھوم لوں میں تین ملکوں کا دلچسپ سفر نامہ ہے۔ جس کا انتساب ہمارے نام ہے۔ کتاب کے فلیپ پر محترمہ عذرا رسول، عامرہ شاہد اور دیگر مصنفات کی رائے شائع کی گئی ہے۔ کتاب کی قیمت صرف تین سو روپے ہے، کراچی میں یہ کتاب ویلکم بک پورٹ اردو بازار سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ لاہور اور دیگر شہروں کے قارئین کتاب کے پبلشر محمد علی قریشی سے لاہور پر ان کے فون نمبر پر رابطہ کر کے کتاب بذریعہ وی پی بھی منگوا سکتے ہیں۔ فون نمبر یہ ہیں۔ 0423765 2546..0423766 8959

دعائے صحت کے لیے التماس ہے

- پاکیزہ کی مستقل قاری مسز شیخ، کراچی بیمار ہیں۔
- عابدہ پروین، راولپنڈی ان دنوں شدید علیل ہیں۔
- پاکیزہ کی مستقل قاری مسز شہلا ظفر، کراچی بے حد بیمار ہیں۔
- ڈاکٹر میمونہ غوری، کراچی ہنوز بستر علالت پر ہیں۔
- شاعرہ، مصنفہ خالدہ نسیم ملتان کا بیٹا ناصر احمد بیمار ہے۔
- ہماری شاعرہ اور مستقل تبصرہ نگار امینہ عندلیب، سلانوالی کو بھی آپ کی دعاؤں کی شدید ضرورت ہے۔
- عذرا بی بی، راولپنڈی کی طبیعت ان دنوں ناساز ہے۔

انتقالِ پُرملال

- پاکیزہ کی مستقل قاری امبر مسرت کے شوہر مسرت حسین خاں دبئی میں انتقال کر گئے۔
- صائمہ سجاد بخش، کوہاٹ کے چچا ایک حادثے میں انتقال کر گئے۔
- اس ماہ رقیہ بجیا، کراچی کی برسی ہے۔
- اس ماہ پاکیزہ کی مستقل تبصرہ نگار نشاط فاطمہ، کراچی کی برسی ہے۔

نوٹ: تمام مرحومین کی مغفرت کی دعا کے ساتھ صرف تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ کر ان کے درجات کی بلندی کے لیے دعا کریں۔

☆☆☆

ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی، کراچی سے۔ "بہنوں کی محفل میں بہن پروین چوہدری، لاہور کا خط پڑھا، جن کے گھر میں کیڑے ہر طرف ہیں اور کسی صورت ختم ہونے کا نام نہیں لے رہے۔ میں نے ان کے لیے دعا کی ہے مگر میں ان سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ میں نہ تو عالمہ ہوں اور نہ ہی مفتی اس لیے آپ اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے اپنے ہی مسلک کے کسی مفتی سے رابطہ کریں اور وہ جو بتائیں اس پر عمل کریں کہ یہ مسئلہ مجھے کوئی عام مسئلہ نہیں معلوم ہو رہا۔ دیگر بہنوں کے خطوط بھی مجھے ملے ہیں اور بہت سی بہنیں فون پر انجم انصار سے رابطہ کر رہی ہیں اور دعا کے لیے کہہ رہی ہیں۔ پیاری بہنو! آپ سب کے لیے پاکیزہ پڑھنے والے تمام قارئین کے لیے بھی میں دعا کرتی ہوں۔ میں سب کے لیے دعا کرتی ہوں اور دعا آپ سب کو بھی کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کی تمام بیماریاں اور پریشانیاں دور فرمائے...... اور ہم پر ہمیشہ اللہ کا رحم، کرم اور فضل جاری رہے، آمین۔" (آپ کی رائے پہنچائی جا رہی ہے)

پروفیسر شیریں سلیم، لاہور سے۔ "انجم آپ نے ہمیں یاد کیا اور ہم حاضر ہو گئے بلکہ مجھے بے شمار فونز اپنے دوستوں کے آئے کہ آپ کو پاکیزہ میں یاد کیا جا رہا ہے۔ ماشاء اللہ پاکیزہ بہت اچھا جا رہا ہے۔ سالگرہ کے دونوں نمبر بہترین رہے...... سب ناول پڑھ کر مزہ آ رہا ہے اور گم شدہ محبت کو پڑھ کر بہت ہی اچھا لگ رہا ہے...... اس ماہ عقیلہ حق کا انٹرویو بھی بھرپور رہا۔ ان کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ مدیحہ تبسم بلال کے ناول کی قسط میں کپڑوں کی تفصیل کچھ زیادہ ہی ہوئی۔ مصنفات کو ہر بات اتنی لمبی تمہید کے ساتھ پیش نہیں کرنی چاہیے۔ بہنوں کی محفل فرسٹ کلاس، روحانی مشورے اور شمع ہدایت

پڑھ کر بھی اچھا لگا۔" (تبصرے کا شکریہ)

☆ طلعت حبیب، راول پنڈی سے۔ "پہلی مرتبہ رابطہ کر رہی ہوں۔ پاکیزہ مجھے سارے کا سارا ہی پسند ہے مگر سب سے زیادہ پسندیدہ سلسلہ جلترنگ ہے۔ ذکیہ بلگرامی کی تحریریں ہمیشہ سے پسند ہیں۔ عظمیٰ آفاق کا طرزِ تحریر بہت چلبلا سا ہے مگر اس میں بے ساختگی ہے اور وہ لگی لپٹی بغیر کہنے کی عادی ہیں ایسی تحریریں جس میں خود نمائی نہ ہو وہ سب کو اچھی لگا کرتی ہیں۔" (شکریہ اس بزم میں خوش آمدید)

☆ سمیرا حمید فاروق، کراچی سے۔ "آپ کا اداریہ پڑھا، ہمیشہ کی طرح بہت اچھے انداز میں آپ نے بات سمجھائی ہے مگر اس کے باوجود میں آپ کی ہم خیال نہیں ہوں، میں بچوں کو ہر بات بتانے کے حق میں نہیں ہوں۔ سارے ناول پڑھے سب اچھے ہیں مگر ماشاء اللہ آپ کی گم شدہ محبت سو پر رہی۔ ثریا انجم کا پیغام اچھا تھا مگر بات کو بے وجہ طول دیا گیا...... رفاقت جاوید کا معما...... معما ہی رہا، تشنگی ہوئی آخری سطر میں کہانی واضح ہوئی۔ اس مرتبہ سب سے شاندار تحریر شیریں حیدر کی اور پھر اس کے بعد فرحین اظفر کی رہی۔ مدیحہ شاہد کی تحریر پڑھ کر بھی تشنگی رہی۔ (یہ مدیحہ کے ناولٹ کی پہلی قسط تھی ان کے ناولٹ کے اختتام پر جاری ہے لکھنا رہ گیا تھا اس وجہ سے آپ کو ایسا لگا) سارے مستقل سلسلے، سروے سب اچھے تھے...... عقیلہ حق کا بھی انٹرویو پڑھا بس ٹھیک ہی لگا اب تک شائع ہونے والے تمام انٹرویوز میں سب سے اچھا انٹرویو شیریں حیدر کا رہا......" (تبصرے کا شکریہ...... عقیلہ حق نے اپنے انٹرویو میں تمام تر معلومات دی ہیں۔ بلکہ بڑا بھرپور انٹرویو ہے ان کا...... رفاقت جاوید کا معما تو کھل گیا تھا تو پھر آپ کو کیوں تشنگی رہی...... دیگر تحریروں کو پسند کرنے کا شکریہ)

☆ شاہدہ رحمان، راول پنڈی سے۔ "انجم باجی میں آپ کی جنم بھومی اور آپ کے پسندیدہ شہر راول پنڈی کی رہنے والی ہوں۔ افسانے لکھتی ہوں جو کسی رسائل میں تو نہیں شائع ہوئے مگر اب بہت جلد کتابی صورت میں آنے والے ہیں۔ اگر آپ کی رائے میں خود لکھ کر اپنی کتاب میں شائع کرلوں تو کوئی حرج تو نہیں ہوگا۔ ویسے بھی رائے دینے والے تحریر کی تعریف ہی کیا کرتے ہیں...... آپ مجھے نہیں جانتیں...... مگر میں تو آپ کو جانتی ہوں۔" (پیاری بہن آپ اپنی کتاب میں، میری جانب سے جو دل چاہے لکھ لیں۔ بلکہ خوب ساری تعریفیں لکھ لیں۔ اور آپ خوش رہیں)

☆ انجم مشیر، کراچی سے۔ "میگزین کھولتے ہی جس چیز پر نظر پڑتی ہے وہ ہے مجھے کچھ کہنا ہے۔ نصیحت وہی جو دل میں اتر جائے نہ کہ دل سے گزر جائے بہت خوب...... اپریل، مارچ دونوں شمارے خوب رہے۔ ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کی یادوں کی مالا میں قدوائی فیملی کا ذکر ین کرامی کو اپنے خالہ زاد جلیل قدوائی سابقہ ایمبسڈر، مصنف، شاعر کی یاد تازہ ہوگئی حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا بہت دل آویز یادیں ہیں۔ نگہت سیما کا اضطراب وفا اب اختتام کی طرف گامزن لگتا ہے ساتھ ہی ابھی گتھیاں بھی سلجھ رہی ہیں۔ فہیم فضل خالق کا یار غار بس ٹھیک ہی رہا، تابندہ نعیم کا ناولٹ اپنے خوب صورت انجام کو پہنچا۔ اور بھی اب ذکر ہے انجم انصار کے ناول گم شدہ محبت کا ایک بات ہے بڑی خوب صورت تحریر ہے شروع تا آخر بوریت کا دخل نہیں ہے بلکہ اپنا بے فکری کا زمانہ یاد آتا ہے۔ زبردست انجم دیر آید درست آید...... مصنفہ افسر سلطانہ سے ملاقات خوب رہی مگر خوب تر انٹرویو تو شیریں حید کا رہا کہ جنہیں ان کی پختہ تحریروں کی بنا پر ایک عمر دراز اور تجربہ کار خاتون سمجھتے تھے مگر وہ تو اپنی تحریروں کی طرح خوب صورت اور صاف گو نکلیں بہت اچھے...... بدگمانی آنے میں نمک رہا، اے عشق ترے ہیں کھیل عجب، دلہن بلال اچھا ناول ہے مگر...... عقیلہ حق کا سود و زیاں ہمیشہ کی طرح اچھی تحریر...... آج کل نزہت اصغر بہت محنت کر رہی ہیں۔ ہر ماہ ایک رائٹر کا انٹرویو، محی الدین نواب کا مضمون بھی معلومات میں اضافہ رہا۔ عظمیٰ آفاق کا سفرنامہ ذرا سا گھوم ہوائی کی عذرا رسول کے ہاتھوں رونمائی اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ...... عذرا اور آپ سب ہی تصویروں میں بہت اچھے لگ رہے ہیں۔ جلترنگ کی کیا بات ہے اور بہنوں کی محفل تو ہے ہی اپنی تو پھر کیوں نہ زبردست لگے۔ اس کی خوب صورتی بڑھتی ہی جا رہی ہے اس پر اختر شجاعت کی ایمان افروز نعتیں۔" (بھرپور پسندیدگی کے لیے ممنون ہوں)

☆ صائمہ سجاد بخش، کوہاٹ سے۔ "بہنوں کی محفل میں ایک بہن نے خط میں لکھا ہے کہ ہمارے گھر میں کیڑا لگا ہے سب کھا جاتے ہیں ان سے کہیں کہ انہوں نے یا ان کے گھر والوں میں سے کسی نے کسی کا ناجائز حق تو غصب نہیں کیا...... ناحق کسی کی زمین تو نہیں لی کسی کی بددعا یا آہ تو پیچھا نہیں کر رہی ہے؟ اگر ایسا ہے تو معافی مانگ لیں لیکن کسی کی بددعا نہ لیں۔ بہت

چھوٹے، چھوٹے واقعات زندگیوں میں طوفان بن کر آجاتے ہیں، انسان خطا کا پتلا ہے اگر بڑوں نے غلطیاں کی ہوں تو وہ بھی، کبھی اولاد کے لیے آزمائش بن جاتی ہے۔ اللہ کسی کو بھی آزمائش میں نہ ڈالے۔‘‘ (آپ کی رائے پہنچائی جا رہی ہے)

٭ پروین افضل شاہین، بہاول نگر سے۔ ’’آپ کا اداریہ بچوں کو خود اعتمادی کی تحریک دے رہا تھا۔ دین کی باتیں اور یادوں کی مالا پڑھ کر اپنی روح کو سرشار کیا۔ چاروں سلسلے وار ناولز کے ساتھ، ساتھ پھانس، ٹھنڈی پھوار، گھڑی کی ٹک ٹک، چندا کا شیری، معما، محبت فاتح عالم بہت ہی پسند آئے...... خصوصی مضامین میں شمع ہدایت، وہ آئے بزم میں، میری ماں، پُربہار تقریب پسند آئے۔ سعدیہ ہاشم سال میں دو، تین مرتبہ اپنی ہونہار بیٹی حورین فیصل کے بارے میں خوش خبریاں ضرور دیتی ہیں ہمیں بہت ہی اچھا لگتا ہے۔ مسز نگہت غفار کا شکریہ کہ انہیں میری نگارشات پسند آتی ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ ہماری پیاری، پیاری لاڈلی بہنوں فریدہ جاوید فری اور امینہ عندلیب کو مکمل صحت دے، آمین۔ میری طرف سے تمام پاکیزہ بہنوں کو رمضان کی مبارک باد قبول ہو۔‘‘ (آپ کو بھی قبول ہو)

٭ گل شاہین، رحیم یار خان سے۔ ’’محترمہ ذکیہ آنٹی نے بہت خوب صورتی، تسلسل اور جانفشانی سے یہ مالا پروئی ہے ان کی غیر معمولی ذہانت، عبادت اور ریاضت کو پڑھ کر رشک آتا ہے۔ اللہ پاک نے ان پر اپنے کلام اور اپنی عبادت کے لیے خصوصی کرم نوازی کی ہے۔ اللہ پاک ان کو صحت و تندرستی کے ساتھ لمبی عمر عطا فرمائے، آمین۔ اعتبار وفا کی اس قسط میں پتا چلا کہ رواحہ پروفیسر صاحب کا بیٹا نہیں اور عقام بھی لگتا ہے ثمر حیات کا بیٹا نہیں ہے۔ نگہت سیما بہت کمال سے ماضی اور حال کو ساتھ لے کر چل رہی ہیں۔ یا پرتو یہ سب کی تباہی کا ذمے دار ہے۔ آپ کے ناول گم شدہ محبت کی چوتھی قسط پڑھی ناول اب دلچسپ ہوتا جا رہا ہے۔ صبا کی منگنی ہو چکی تھی لیکن ندیم خان ہی صبا کے لیے موزوں ہے۔ شاید مستقبل قریب میں عامر کی انٹری ہو جائے۔ محترمہ شیریں حیدر کا چندا کا شیری پڑھا۔ غریب اپنے خوابوں کی تعبیر کیوں نہیں پا سکتے...... کیا تھا اگر شیری اس کو اپنی دلہن بنا لیتا...... بہر حال یہ حقیقت ہے۔ محترمہ رفاقت جاوید کا معما...... بھی قابل توجہ ہے۔ موبائل اور انٹرنیٹ نئی نسل کو تیزی سے تباہی کی طرف لے جا رہے ہیں اگرچہ یہ انفارمیشن کا ذریعہ ہے مگر ہر انفارمیشن کا ایک مناسب وقت ہوتا ہے زندگی کے کسی بھی معاملے میں قبل از وقت آگاہی منفی اثرات مرتب کرتی ہے۔ ویسے میں تو ذاتی طور پر انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کے خلاف ہوں۔ شبینہ گل نے لیبر ڈے کے حوالے سے اچھا لکھا۔ اس بار خصوصی مضامین زبردست رہے۔ شائستہ زریں کا سروے خوب رہا۔ عظمیٰ آفاق نے میری ماں کے حوالے سے مصنفات کی رائے کو خوب صورت انداز میں ترتیب دیا۔ رخ چوہدری نے پُربہار تقریب کو دلچسپ انداز میں پیش کیا۔ تصاویر بھی اچھی ہیں سب کی۔ اختر شجاعت کا شمع ہدایت کسی تعریف کا محتاج نہیں الحمدللہ بہت کچھ سیکھنے کو مل رہا ہے۔‘‘ (تبصرے کا شکریہ)

٭ عظمیٰ خورشید، لاہور سے۔ ’’طبیعت خرابی کی وجہ سے بہت عرصے بعد اس محفل میں شامل ہو رہی ہوں۔ پاکیزہ باقاعدگی سے پڑھتی رہتی ہوں۔ اس میں سرفہرست جلترنگ تھا...... دراصل اپنی ٹینشن ختم کرنے کے لیے ہلکی پھلکی تحریریں کسی ٹانک سے کم نہیں ہوا کرتیں...... اس مرتبہ رائٹرز کی تقاریب کا احوال پڑھا، تصویر صرف دو ہی لگیں۔ تو وہ بھی دھندلی، دھندلی سی مگر سب کو دیکھ کر بہت اچھا لگا...... تمہارے ناول کے بارے میں اکٹھی رائے دوں گی...... اس ماہ کے روحانی مشورے بہت اچھے تھے...... میں تو فوٹو اسٹیٹ کروا کے آگے دیا کرتی ہوں...... ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کی یادوں کی مالا بہت ہی اچھی ہے۔ باقی تحریریں میں آہستہ، آہستہ پڑھ رہی ہوں۔‘‘ (پیاری بہن عظمیٰ اللہ تعالیٰ تمہیں کلی صحت عطا فرمائے، آمین۔ اب پہلے کی طرح غائب مت ہو جانا...... تمہاری کمی بہت محسوس ہوتی ہے)

٭ ثمینہ وحید، پنجاب سے۔ ’’بہت دنوں کے بعد اس محفل میں آئی ہوں۔ مجھے تو کوئی یاد ہی نہیں کرتا، اس دفعہ کے ناولز بہترین رہے پڑھ کر سواد آ گیا۔ فرحین اظفر نے اچھا لکھا۔ ماجرہ ریحان کی ہلکی پھلکی سی تحریر پسند آئی۔ خصوصی مضامین بے حد سوئٹ رہے۔ ذکیہ بلگرامی، اختر شجاعت، رخ چوہدری، عظمیٰ آفاق اور نزہت اصغر نے بہت اچھا لکھا مگر عقیلہ حق کی تصویریں کم تھیں۔ ہم اپنی رائٹرز کی بہت سی تصویریں دیکھنا چاہتے ہیں...... اور انہوں نے اپنے بارے میں کم بتایا۔ ہمیں ان کے کورسز سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ (پیاری ثمینہ پسندیدگی کا شکریہ...... ہماری رائٹرز کے ساتھ ایک مسئلہ ہے کہ اگر وہ اپنے بارے میں کچھ بتائیں تو آپ کو دلچسپی نہیں اور کچھ نہ بتائیں تو آپ کو مزید تفصیلات چاہئیں۔ انٹرویو کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ

رائٹر اپنے بارے میں الف سے لے کر یے تک ہر بات آپ سے شیئر کرے...... ہاں رہی بات تصویروں کی کمی کی تو وہ آئندہ کسی موقع پر شائع کر دی جائیں گی)

﴾ سدرہ، فیصل آباد سے۔ "مئی کی بہنوں کی محفل میں اپنا خط دیکھ کر بہت خوشی ہوئی...... سب سے پہلے ذکیہ آنٹی کو سلام، عذرا آنٹی کو سلام، شگفتہ آفاق اور سب بہنوں کو میرا اسلام پہنچا دیں اور ان سب سے یہ ضرور کہنا ہے کہ وہ میرے لیے اولادِ نرینہ کی دعا ضرور کریں...... سلسلے وار ناول سب بہت اچھے لگے۔ رخ چوہدری نے پُربہار تقریب کے بارے میں اچھا لکھا۔ میری ماں کے بارے میں معنفات کی باتیں دل کو چھو گئیں۔ عقیلہ حق آپ تو بہت خوب صورت ہیں آپ کا انٹرویو بہت پسند آیا ہے۔" (عقیلہ حق شکریہ کہہ رہی ہیں)

﴾ نادیہ عثمان، جہلم سے۔ "پاکیزہ کا سالگرہ نمبر پڑھا، آپ ہر سال ہی ہم سے جدا ہو جانے والی معنفات شاعرات اور تبصرہ نگار پاکیزہ بہنوں کا اتنی محبت سے ذکر کیا کرتی ہیں۔ میری خواہش ہے کہ پاکیزہ کے کسی شمارے میں ہماری مرحومین معنفات کی تصاویر بھی لگائی جائیں۔" (اس محفل میں خوش آمدید...... آپ کی یہ تجویز تو بہت اچھی ہے۔ ہم بہت جلد اپنی جدا ہونے والی معنفات کی تصاویر ایک یادگار نمبر میں ضرور شائع کریں گے)

﴾ سلمیٰ غزل، کراچی سے۔ "یادوں کی مالا، شمعِ ہدایت اور بہنوں کی محفل سب سے پہلے پڑھی جاتی ہے باقی کا نمبر بعد میں آتا ہے۔ سلسلے وار کہانیاں میں صرف آپ کی پڑھ رہی ہوں کیونکہ میں پاکستان میں تھی نہیں اور آپ کی کہانی حال ہی میں شروع ہوئی ہے۔ مزہ آ رہا ہے مگر اس مرتبہ فرحین اظفر کی ٹھنڈی پھوار سب پر بازی لے گئی انداز بیاں خوب صورت اور موضوع بھی لاجواب...... انھوں نے ثابت کر دیا کہ ماں تو صرف ماں ہوتی ہے نہ سوتیلی نہ سگی...... اور یہ کہاوت بھی فی زمانہ غلط ہو گئی کہ اپنا مارے تو چھاؤں میں ڈالتا ہے جب بندہ مر ہی گیا تو دھوپ میں ڈالو یا چھاؤں میں کیا فرق پڑتا ہے۔ دیکھا جائے تو ثریا انجم کی پھانس بھی لکھنے کی حد تک بہت اچھی ہے یعنی تحریری طور پر لیکن مجھے رابعہ نیس کی قربانی بالکل بھی اچھی نہیں لگی کیونکہ حدیث ہے کہ بیوہ کی فوراً شادی کی جائے اور وہ بھی کم عمر جوان بیوہ...... پڑھنے میں تو کہانی اچھی لگی لیکن حقیقت سے بہت دور کم از کم اس زمانے میں تو زندہ بہویں یعنی شادی شدہ اس طرح کی قربانی نہیں دیتیں بھلا بیوہ کو سسرال کی کیا پڑی ہے جس کے دم سے سسرال...... جب وہ ہی نہیں رہا تو کیسا سسرال...... دین کی باتیں بہت اچھی لگتی ہیں اور میں کافی پر عمل کرنے کی کوشش بھی کرتی ہوں میں خود چونکہ گھٹنوں کے درد کا شکار ہوں اس لیے بہنوں کے لیے کچھ ٹپس...... شکر الحمدللہ تقریباً چھ ماہ سے کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہی ہوں ورنہ 2012ء سے کرسی پر پڑھ رہی تھی۔ دودھ میں پسی ہلدی 1/2 چمچ۔ پسی کالی مرچ 1/4 چمچ۔ پسی دار چینی 1/2 چمچ اور ایک ٹی اسپون ناریل کا تیل اچھی طرح ملا کر پی لیں۔ روزانہ ایلوویرا کا گودا ایک انچ کا ٹکڑا صبح سویرے کھائیں بغیر چبائے۔ سات مرتبہ سورۂ بقرہ کی آخری آیات امن الرسول سے آخر تک پڑھ کر پورے جسم پر دم کریں، ہر نماز کے بعد سات مرتبہ الحمد شریف پڑھ کر دم کریں اللہ فضل کرے گا انشاءاللہ......" (جزاک اللہ)

﴾ مسز نگہت غفار، کراچی سے۔ "ٹائٹل اچھا لگا، ہمیشہ کی طرح دعا ہے کہ اللہ اس کی حفاظت کرے...... سالگرہ بہت، بہت مبارک ہو۔ مجھے کچھ کہنا ہے ہمیشہ کی طرح بے حد خوب صورت تحریر تھی۔ بے شک نیکی کی توفیق دینے والی ذات صرف اللہ ہی کی ہے۔ زندگی کا کوئی بھی شعبہ ہو اس میں اگر ہم نیکی کے نظریے کو سامنے رکھ کر لائحہ عمل تیار کریں گے تو انشاءاللہ کامیابی یقینی ہے۔ دین کی باتیں، روح کو منور کر گئیں۔ واقعی رب کریم نے اتنی چھوٹی، چھوٹی نیکیوں کا کتنا ثواب رکھا ہے۔ یادوں کی مالا بے حد خوب صورت عنوان کے ساتھ بے حد پُرنور دلچسپ اور ذہنی روح کی الجھی گرہیں کھولنے والی پُراثر تحریر ہے۔ سچ پوچھیں تو مجھے لگا جیسے آج میں نے محترمہ ذکیہ بلگرامی کے روحانی سفر کو بہت ہی شوق سے انہماک سے توجہ سے پڑھا، ہر، ہر لفظ قیمتی جگمگاتا ستارہ لگ رہا تھا۔ ذکیہ صاحبہ کی شخصیت سے میں پہلے ہی متاثر تھی بہت عقیدت تھی محترمہ سے مجھے مگر اس بار پڑھ کر میں بہت ہی زیادہ متاثر ہوئی اللہ رب العزت سے انتہائی عجز و انکساری کے ساتھ دعا گو ہوں کہ اے رب ایسی ہستیوں کو تاقیامت سلامت رکھے، مکمل صحت اور دین و دنیا کی ہر نعمت سے مالا مال فرمائے اور ہمیں ایسی ہستیوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین ثم آمین) عقیلہ حق کی لو ہے کی روٹی سبق آموز کہانی تھی۔ نیلم احمد آنکھوں کے دیے مختصر لیکن پُراثر کہانی تھی۔ نگہت اعظمی کی کہانی انعام بھی پسند آئی۔ رضوانہ پرنس کی کٹھن بے حد اچھی تحریر تھی۔ ویلڈن ڈیئر رضوانہ جی انجم

جی بے چینی سے آپ کے ناول کی اگلی قسط کا انتظار رہے گا۔ اختر شجاعت کی تحریر ہمیشہ کی طرح ہماری بقا کے لیے ہوتی ہے۔ ذرا سا کھوم لوں میں بھی بخشی جی بہت، بہت بلکہ ڈھیروں ڈھیر مبارک باد قبول کروائی آنٹی مسز نگہت غفار کی طرف سے اللہ رب العزت تمہیں ادب کی بلندیوں تک پہنچائے...... ایک، ایک لفظ تفصیل سے پڑھ کر بہت خوشی ہوئی...... آپ یار، بار کہہ رہی ہو کہ اوروں کو نہ بلا سکیں تو بیٹا جانی افسوس کیوں کرتی ہو تحریر سامنے تھی آنکھیں بند کر کے خوب صورت حسین چہکتی مہکتی خوشیوں میں معطر روشنیوں سے جھلملاتی محفل کا لطف اٹھالیا ہم نے سب کچھ بہت حسین و خوب صورت لگ رہا تھا۔ تمہارے چہرے کی خوشی اور مسرت...... تمہارے وجود کی سرشاری، تمہاری روح میں اتری طمانیت سب ہی کچھ تخیل میں آ گیا۔ ہماری پیاری سی باجی انجم جن کو میں نے ملکہ مزاح کا خطاب دیا ہے ان کو بھی میں دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ انہیں سدا سلامت رکھے اور وہ اسی طرح اپنے بچوں پوتا، پوتی، نواسا، نواسی کی ہر قسم کی کامیابیوں پر خوش ہوتی رہیں، آمین ثم آمین۔ (یہ آپ کی محبت ہے) بہنوں کی محفل میں عذرا جی نے ہم سے خیال پوچھا ہے تو عرض ہے کہ بے شک اگر ہم سچ کے سفر کو اسی طرح کامیابی اور خوب صورتی سے آگے بڑھاتے رہیں گے تو ہمیں اس سفر کو جاری رکھنے کے لیے سب سے پہلے سچ، ایمان داری، خلوص، وقت داری، ان سب کے حصار میں ہم اس سفر کو خوب صورتی سے رواں رکھ سکتے ہیں اور کامیابیاں حاصل کر سکتے ہیں۔ (پسندیدگی کا شکریہ) نزہت اصغر نے سالگرہ نمبر کے سروے کے لیے "پاکیزہ کو بحیثیت سنگی ساتھی کیسا پایا؟" یہ میری نظر سے گزرا نہ کچھ پتا چلا ورنہ میں بھی لکھنے کی کوشش کرتی۔" (یہ سروے شائستہ زریں نے کیا تھا)

یاسمین کنول، پسرور سے۔ "مئی کے گرم ترین مہینے میں اتنی تازہ دم ماڈل دیکھ کر مسرت و راحت کا احساس ہوا سالگرہ مبارک۔ عقیلہ حق کا بہنوں کی بزم میں آنا بہت اچھا لگا۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ...... مجموعی طور پر عقیلہ حق سے ملاقات پسند آئی تصاویر اچھی لگیں۔ بہنوں کی محفل میں آپ نے حالات حاضرہ پر افسوس ظاہر کیا اور اپنے حصے کی نیکی کرنے کے بارے میں راغب کیا واقعی نیکی کبھی رائیگاں نہیں جاتی جو کچھ ہم کر سکتے ہیں وہ ضرور کریں۔ رخ چوہدری نے رضوانہ پرنس کی تقریب رونمائی کو بڑے اچھے انداز میں تحریر کیا صفحہ نمبر 265 پر آپ گروپ فوٹو میں بڑی پیاری لگ رہی ہیں۔ میری ماں کے بارے میں عظمیٰ آفاق سعید نے اچھے تاثرات اکٹھے کیے اور سب سے پہلا تاثر اپنا لکھا جو سب سے زیادہ پسند آیا۔ حافظہ مسعود نے بھی اچھا لکھا۔ اداریہ مجھے کچھ کہنا ہے۔ بچوں سے ہر بات شیئر کرنے کے حوالے سے بے حد اچھا لگا واقعی بچوں کو گھر کے سرد و گرم حالات سے آگاہ ضرور کرنا چاہیے۔ عزیز و اقارب کی عیادت کے وقت بھی انہیں ساتھ لے کر جانا چاہیے اور آپس میں تعلقات کے حوالے سے کوئی موقع ملنے ملانے کا ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ باقی تمام سلسلے اچھے جا رہے ہیں اینڈ عندلیب کی صحت کے لیے دعا گو ہوں اللہ انہیں صحت کلی عطا فرمائے، آمین......" (اللہ تعالیٰ آپ کی دعاؤں کو قبولیت بخشے)

منیزہ نعیم، راولپنڈی سے۔ "محفل پڑھتے، پڑھتے پروین چوہدری لاہور کے خط پر نظر پڑی فوراً کاغذ قلم لے کر لکھنے بیٹھ گئی ہوں۔ اللہ تعالیٰ انہیں پریشانی سے نجات دے، آمین۔ آپی میں سال پہلے ہمارے سسرالی گھر میں بھی لال بیگ چھت دیوار اور فرش کالے کر گئے ہم ہانڈی ڈھکن ڈھک کر پکاتے تھے مگر پھر بھی کیڑے گرتے تھے دنیا جہاں کی دوائی جس نے جو ٹوٹکا بتایا کیا مگر کوئی حل نہیں ہوا ایسا ہوا کہ میں ویسے ہی ہربل تیج، شام جلاتی تھی حیرت انگیز طور پر وہ لال بیگ بھی غائب ہو گئے میں پاکیزہ پڑھنے والی تمام بہنوں سے یہ کہوں گی کہ ہربل، لوبان، گوگل، جلائے ان چاروں چیزوں پر آیۃ الکرسی چاروں قل، منزل یا سورۃ بقرہ کی آیات پڑھ کر پھونکیں اور گھر میں صبح شام دھونی دیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اللہ کے فضل و کرم سے جادو ٹونے، نظر بد ہر چیز ختم ہو جائے گی چند مہینے مسلسل کریں۔ (جزاک اللہ) جہانزیب خالد کو اپنی بھابھی شاہ جہانزیب اور بھائی راحت یاسمین کو عمرے کی مبارک دے رہی ہوں کیونکہ یہ سب کراچی میں مقیم ہیں اس کے ساتھ سعودیہ میں مقیم جیٹھ سلیم بھائی اور ان کی مسز تہمین زہرہ کو بھی عمرے کی مبارک ہو۔ لندن سے آنے والے دیور یامین رضا اور بھتیجی ارم یامین کو بھی عمرے کی مبارک جو اپنے چاروں ننھے شہزادوں زین، ایان، اذان اور مستقیم کے ساتھ آئے تھے اور میرا پیارا بھانجا فاران ظفر جس نے دبئی سے آ کر عمرہ کیا یہ سب وہاں اکٹھے تھے۔" (آپ کی آرا پہنچائی جا رہی ہے اور ہماری جانب سے عمرہ کرنے والوں کو دلی مبارک باد)

حافظہ بنت البنات، ہتھو نسہ شریف سے۔ "محترمہ شیریں حیدر صاحبہ کا انٹرویو اور تصویریں دونوں ہی بہت پسند آئے ماشاء اللہ...... عظمیٰ آفاق صاحبہ کو بہت، بہت مبارک باد صاحب کتاب بن گئیں۔ شمع ہدایت میں محترمہ اختر شجاعت نے

بہت ہی پیاری باتیں بتائی ہیں، اللہ پاک عمل کی توفیق دے ہم سب کو۔ میمونہ صدف نے حقیقت کے قریب تر لکھا ہے۔ ہالہ احمد نے بہت اچھا لکھا ہے کہ کسی سے یونہی بدگمان نہیں ہوا کرتے...... دیارِ صبح کے اجالوں میں کا ہر حصہ پسند آیا۔ شعور میں میڈم کوثر نے سحاب اور فواد کا ساتھ دیا تو میڈم کے اپنے ساتھ بھی اچھا ہوا۔ یادگار کچھ خاص اچھا نہیں لگا۔ مریم حسن بلال صاحبہ سے گزارش ہے کہ تھوڑا اچھو ہولا رکھیں۔ پڑھنے والوں میں ایسی بچیاں بھی شامل ہیں جن کے گھروں میں آج بھی ٹی وی نہیں ہے۔ عمر، مناب اور اقصم کے کردار بہت اچھے ہیں۔ شیریں حیدر کا افسانہ انہی کی طرح پیارا تھا۔ چار پل کم نہیں تھے کی آمنہ نے اداس کر دیا۔ حیثیت بس گزارے لائق تھی۔ گم شدہ محبت کی پہلی اور تیسری قسط بہت اچھی لگی دوسری قسط ذرا روکھی لگ رہی تھی باجی۔ لوہے کی روٹی اور گلشن دونوں بہترین تحریریں تھیں۔ کھوئے کھوئے لمحے کی مصنفہ کو بہت مبارک باد اتنا اچھا ناولٹ لکھا ہے (ان کا نام تابندہ نعیم ہے) انعام کو پڑھ کر اچھا لگا۔ اعظم کو فروا کی دعائیں زندگی کی طرف لے آئیں۔ آنکھوں کے دیے کی سمجھ نہیں آئی اور اعتبارِ وفا ابھی پڑھا نہیں۔ انشاء اللہ ہر بار کی طرح اس بار بھی اچھا ہوگا۔" (تبصرے کا شکریہ)

٭ سدرہ کلثوم مروت، صوبہ سرحد سے۔ "انتہا کی نا امیدی کے ساتھ آپ کی خدمت میں یہ خط ارسال کر رہی ہوں۔ معلوم نہیں بے شمار خط آپ کی خدمت میں بھیجنے کی جسارت کی سوائے ایک نظم کی اشاعت کے بعد ایک مصرعہ تک شائع نہیں کیا۔ آپی جس طرح آپ نے نظم کے سلسلے میں میری حوصلہ افزائی کی اس کی مجھے خوشی ہوئی۔ پاکیزہ ہمیں واقعی میں بھول نہ جائے۔ ہم نے تو کئی بار یاد کیا پر معلوم نہیں ہمارے لکھے ہوئے نامے ہوا لے اڑتی ہے یا ردی کی ٹوکری اپنا پیٹ بھر لیتی ہے۔" (پیاری بیٹی سدرہ آپ کا خط جب بھی مجھے ملے گا وہ ضرور شائع ہوگا ہاں اپنی نظمیں علیحدہ صفحات پر لکھ کر بھیجا کریں)

٭ سیدہ حجاب فاطمہ، کراچی سے۔ "سالگرہ نمبر دیکھ کر دل باغ و باغ ہو گیا۔ ویسے بھی ماہ اپریل سے ہمیں بھی بڑی نسبت ہے کہ خدا نے ہمیں بھی اسی ماہ میں عرش سے فرش (زمین) پر اتارا اور میرے بیٹے کو بھی۔ سرورق نہایت خوب صورت ہے اور آپ کی شب و روز کی محنتوں کا گواہ بھی۔ تمام مستقل سلسلے خوب جا رہے ہیں۔ دیارِ صبح کے اجالوں میں خوب جا رہا ہے۔ ہر ماہ سسپنس بڑھ جاتا ہے کہ آگے کیا ہوگا۔ افسانوں میں چار پل کم نہیں تھے۔ بس آئینہ کوئی اور ہے اور اگر ایسا ہو جائے پسند آئے۔ آپی ایک بات جو مجھے شاید خط کے اوائل میں کہنی چاہیے تھی وہ یہ کہ ستمبر کے شمارے میں میرا خط شائع کر کے اور مجھے لکھنے کی اجازت دے کر آپ نے اس بندیِ ناچیز کو بہت معتبر کر دیا اس کے لیے صد بار شکریہ۔" (گڑیا ہماری ہر بہن ہمارے لیے نہایت معتبر ہے اب آپ تمام تحریروں کے بارے میں اپنی رائے دیں)

٭ نگینہ ضیا بخش، کراچی سے۔ "کچھ لمحے کے لیے سکتے میں آ گئی۔ باجی مجھے عظمیٰ کے انتقال کا جب امینہ نے بتایا تو آپ یقین کریں باجی مجھے بے حد صدمہ ہوا جس عقیدت و احترام سے عظمیٰ اپنے سفرنامے میں ذکر کر چکی تھی۔ اللہ پاک ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کریں اور امبر کو اور ان کی بچیوں کو بلکہ تمام اہلِ خانہ کو صبرِ جمیل عطا فرمائے، آمین...... مئی کا شمارہ بے حد اچھا لگا سرورق کی حسینہ نشیلی آنکھوں سے بڑے پیار سے دیکھ رہی تھی۔ مجھے کچھ کہنا ہے۔ میں آپ نے کیا کچھ کہہ دیا واقعی ہم بچوں سے ہر بات چھپاتے ہیں اب آپ کی بات پر عمل کریں گے۔ دین کی باتوں سے اپنے دل کو منور کیا۔ ذکیہ آپا کو اللہ صحت کے ساتھ لمبی عمر دے، ان کی تعریف کے لیے الفاظ نہیں، ماشاء اللہ۔ شینہ گل کی گھڑی کی ٹک ٹک نے رونے پر مجبور کر دیا زبردست تحریر رہی۔ ماں بیٹے کا پیار دیکھ کر دل سے دعا نکلی کہ اللہ پاک ہر ماں کو ایسا بیٹا دے، آمین۔ پتھر کا دیس، مدیحہ شاہد کا ناولٹ اے ون رہا۔ چندا کا شیری، شیریں حیدر نے بہت خوب لکھا۔ پھانس ثریا انجم کا ناولٹ بھی سبق آموز تھا اچھا لگا، موسٹ فیورٹ گم شدہ محبت باجی آپ کا ہر لفظ میں اپنے دل میں اترتا محسوس کرتی ہوں باجی پلیز شہلا کے ساتھ کچھ برا مت کیجیے گا۔ رفاقت جاوید کی تحریر بھی لاجواب رہی۔ محبت فاتح عالم، شمیم فضل خالق کی تحریر نام کی طرح منفرد لگی۔ پہلی محبت کو کوئی بھول نہیں سکتا۔ سب ناول بھی اے ون رہے مکمل ناول ٹھنڈی پھوار فرحین اظفر کا بے حد پسند آیا۔ اختر شجاعت کو بس جزاک اللہ ہی کہوں گی۔ عقیلہ حق کا انٹرویو بہت اچھا لگا۔ ماشاء اللہ آپ کے بچے بھی بہت خوب صورت ہیں آپ کی طرح، نزہت آپی کے سوالات بہت زبردست ہوتے ہیں...... شائستہ زریں کا سروے ہمیشہ کی طرح شاہ کر گیا۔ شائستہ آپ کی امی سے مل کر بے حد اچھا لگا۔" (بھرپور تبصرے کا شکریہ)

٭ ارم کمال، فیصل آباد سے۔ "مئی کا شمارہ ٹائم پر ملا۔ ٹائٹل خوب صورت اور دیدہ زیب رنگوں سے لائٹ مار رہا تھا۔ میں پچھلے ماہ شامل نہیں ہو سکی۔ اپنی بیٹی کرن سے ملنے کراچی گئی ہوئی تھی۔ مجھے کچھ کہنا ہے میں آپ نے بڑے پتے کی بات

بتائی جو اکثر لوگ سمجھ کر بھی نا سمجھی کر جاتے ہیں۔ یادوں کی مالا جس کا حرف، حرف اور لفظ، لفظ نور سے چمکتا ہے خدا کرے کہ یہ سلسلہ یونہی چلتا رہے اور ہم اس نور کے چشمے سے فیضیاب ہوتے رہیں۔ سلسلے وار ناول اعتبار وفا کی کہانی کھلنے لگتی ہے تو کبھی کھلتے، کھلتے کواڑ بند ہو جاتے ہیں۔ اے عشق ترے ہیں کھیل عجب میں ابھی تک ولی صاحب کی انٹری نہیں ہوئی، اقصم پر مجھے بے انتہا ترس آتا ہے، یہ محبت بھی پتا نہیں کیوں اتنا خوار کرتی ہے؟ گم شدہ محبت میں پتا نہیں گم شدہ محبت کب ملے گی؟ چترکا ویس میں کئی باتیں وضاحت طلب رہ گئیں۔ دیگر کہانیوں، گھڑی کی ٹک، ٹک معما اور چندا کا شہری...... بے حد پُراثر اور دلچسپ تحریریں رہیں۔ میری ماں پڑھ کر آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ بہنوں کی محفل پڑھ کر دل کو سکون و آرام ملا۔ جلترنگ ہمیشہ کی طرح چھا گیا۔ میری بیٹی کرن آپ کو سلام کہتی ہے۔" (پسندیدگی کا شکریہ اور بیٹی کو دعائیں)

٭ رفیعہ ابدالی، کراچی سے۔ "اداریہ ہر ماہ کی طرح نصیحت آموز تھا...... دین کی باتیں، یادوں کی مالا، شمع ہدایت ہم سب کے لیے ہدایت کا موجب ہے۔ نگہت سیما کا ناول پُراسرار سا ہے۔ آپی آپ کا ناول اچھا تو ہے اور اس میں آفس کی سیاست بیان کی گئی ہے۔ آفس سے مجھے زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔ بنتِ حسن بلال عشق کے ایک نئے انداز سے روشناس کرا رہی ہیں۔ مجھے پڑھ کر مزہ آرہا ہے۔ منی ناول بھی اچھا جا رہا ہے۔ ٹھنڈی پھوار فرحین اظفر کا مکمل ناول اس ماہ کی سب سے خوب صورت تحریر تھی۔ افسانے یوں تو سب ہی اچھے تھے لیکن تسنیم فضل خالق کا افسانہ سب پر بازی لے گیا۔ سروے میں سب بہنوں کے خیالات سے آگاہی ہوئی۔ عقیلہ حق سے ملاقات اچھی رہی۔ باتیں بہار و خزاں کی یہ نیا سلسلہ بہت دلچسپ ہے۔ عظمیٰ آفاق سعید کا سروے بہت اچھا لگا، میں اپنی ماں کے لیے صرف یہی کہنا چاہوں گی کہ میری ماں میری دنیا تھی۔ رخ چوہدری کی پُربہار تقریب بہت مزے کی تھی۔ پاکیزہ ڈائری، عظمیٰ آفاق نے بہترین سجائی تھی۔ بزم پاکیزہ میں بہنوں کے دلچسپ سوالات اور آپ کے جوابات مزہ دے جاتے ہیں۔ جلترنگ کے تمام خاکے اچھے تھے لیکن بیچاری ساس پڑھ کر بے حد ہنسی آئی۔ بہنوں کی محفل تو رسالے کی جان ہے۔ اس محفل میں پروین آنٹی نے جن مسائل کا ذکر کیا ہے ان کے پہلے مسئلے کا حل یہ ہے کہ فجر کی نماز کے بعد پوری بسم اللہ شریف 21 بار آگے پیچھے تین مرتبہ درود پڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں پر دم کر کے پورے جسم پر پھیر لیں ایسا ہر دن کریں یہ مسنون دم ہے۔ انشاء اللہ شفا ہوگی۔ دوسرے مسئلے کا حل یہ ہے کہ میری یہ بہن اپنے سر میں خالص زیتون کے تیل کی مالش کریں۔ زیتون کے تیل سے بال نکلتے ہیں۔ تیسرے مسئلے کا حل بہت آسان ہے یہ میرا آزمودہ ہے آپ اپنے کچن کی صفائی کر کے اس میں بورک پاؤڈر چھڑک دیں اور مکان میں بھی چھڑک دیں۔ پندرہ دن بعد دوبارہ کریں یہ بورک پاؤڈر میڈیکل اسٹور سے مل جائے گا۔ تمام کیڑے خاص طور پر لال بیگ بھاگ جاتے ہیں۔ وہ مرتے نہیں چلے جاتے ہیں۔ نہ جانے کہاں......؟ پروین آنٹی میری آپ سے اور تمام قارئین بہنوں سے یہ گزارش ہے کہ میرے لیے دعا کریں کہ میری تمام پریشانیاں دور ہو جائیں اور مجھے ڈھیروں خوشیاں ملیں۔ آنٹی میں اس دنیا میں بہت تنہا ہو گئی ہوں۔ میرے والدین حیات نہیں کوئی بہن بھی نہیں ہے۔ میری دو بھابیاں ہیں، ان سے میرے تعلقات الحمدللہ بہت اچھے ہیں۔ لیکن وہ دونوں الگ، الگ گھروں میں رہتی ہیں۔ میں اپنے ایک بھائی کے ساتھ رہتی ہوں ہم دونوں کی ابھی شادی نہیں ہوئی ہے۔ بھائی آفس چلے جاتے ہیں اور میں تنہا رہتی ہوں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے آزمائش میں ڈالا ہے تو وہی نکالے گا بھی...... انشاء اللہ......" (پیاری رفیعہ اللہ تعالیٰ تمہاری دلی تمنا جلد از جلد پوری کرے اور تمہیں ہر پریشانی سے بچا کر رکھے، الٰہی آمین)

٭ نادیہ، راولپنڈی سے۔ "مجھے پاکیزہ سارا کا سارا پسند ہے۔ شیریں باجی، عظمیٰ باجی، نگہت باجی سب کی کہانیاں مجھے بے حد اچھی لگتی ہیں۔ آپ کا ناول تو بہت ہی پسند ہے۔ میرا ایک مسئلہ ہے میرا بچہ بیمار رہتا ہے بہنیں اس کے لیے دعا کریں اور دوسرے میری بیٹیوں کے سر پر بہت کم بال ہیں وہ کوئی ایک نسخہ بتا دیں جس سے بچیوں کے سر پر بال آجائیں۔" (بہت بہتر)

٭ ثروت ناز، کراچی سے۔ "میں ایک بیمار عورت ہوں دل کو بہلانے کا ساتھی پاکیزہ ہے۔ جلترنگ بہت اچھا لگتا ہے۔ انٹرویو بھی شوق سے پڑھتی ہوں۔ نایاب جیلانی کو تو فوراً کسی ٹی وی کے لیے سوپ لکھنا چاہیے ان کی کہانی چیونٹی کی رفتار سے چلتی ہے۔ ان تمام باتوں کے ساتھ اپنا ایک مسئلہ لے کر بھی آئی ہوں میرے سر میں شدید درد ہوتا ہے...... جس سے نسیں تک دُکھنے لگتی ہیں جسے لوگ شاید درد شقیقہ بھی کہتے ہیں...... جب یہ درد ہوتا ہے تو میں اپنے بستر سے نہیں اٹھ سکتی۔" (اگر ہماری کسی بہن نے اس

ضمن میں کوئی دعا یا علاج بھیجا تو میں اسے ان ہی صفحات میں شائع کردوں گی..... اللہ تعالیٰ آپ کو کلی صحت دے، آمین)

✽ ذکیہ ایوب، کراچی سے۔ "سب سے پہلے بہنوں کی محفل پڑھی اور سب کے حال چال سے آگاہی ہوئی۔ رخ چوہدری نے خوب اچھے طریقے سے تقریب کا احوال لکھا ہے مگر تصویریں کم تھیں اور صاف بھی نہیں تھیں۔ شیریں حیدر میری پسندیدہ مصنفہ ہیں، ان کا افسانہ اچھا لگا..... سلسلے وار ناول اچھے جارہے ہیں اور گم شدہ محبت سسپنس اور محبت سے بھرپور ہے۔ فرحین اظفر، ثریا انجم، شمیم فضل خالق، سمیرا یونس، رفاقت جاوید کی تحریریں پسند آئیں۔ شبینہ گل نے بھی اچھا لکھا۔ ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کی تحریر تو ہے ہی اعلیٰ..... اختر شجاعت کی تحریر سے بھی آگاہی ہوئی آپ سب بہنوں کی دعاؤں کے طفیل میری آنکھوں کا آپریشن کامیاب ہوا ہے اور میں دھیرے، دھیرے پڑھنے اور لکھنے کے قابل ہورہی ہوں۔ میری دلی دعائیں پاکیزہ کے اراکین اور پاکیزہ کے تمام قارئین کے لیے..... "(اس کے لیے جزاک اللہ)

✽ کوثر خالد، جڑانوالہ سے۔ "جب سے ہم پاکیزہ میں آئے ہیں شروع میں ہماری سات حمد و نعت تواتر سے شائع کی گئیں۔ اس کے بعد اب تک دوسری نگارشات آئیں مگر حمد و نعت نہ آسکی۔ تو ہم نے سوچا..... اپنی شاعری حمد و نعت کی کتاب بنوالی جائے جو کہ بچپن کا شوق ہے۔ فی الحال تو آپ کو ریڈیو پر آنا مبارک ہو اور عظمیٰ کو سفرنامے کی اشاعت مبارک ہو..... میں اپنی کمیٹی سے کہوں گی کہ وہ خرید لیں۔ مجھے کچھ کہنا ہے، میں آپ کی ہم خیال ہوں۔ یادوں کی مالا پڑھ کر حیرت سے گنگ ہوجاتے ہیں اور سوچتے ہیں ہم سے ایک ہی قرآن لکھنے کا بندوبست نہیں ہو پایا ابھی تک۔ واقعی وہ اپنی حمد و نعت میں جس نور کی شمع کا ذکر کرتی ہیں وہ بدرجہ اتم اس کی اہل ہیں..... چلیے ہماری بیٹی کا نام تو ہے ناں شمع..... اختر شجاعت بھی نمایاں کارنامہ سر انجام دے رہی ہیں۔ خدائے بزرگ و برتر انھیں بہترین صلہ عطا کریں گے۔ خطوں کی محفل تو بڑی زبردست ہوتی ہے۔ لگتا ہے پورے پاکستان سے ملاقات کرلی..... میری تو دعا ہے اللہ سب کو ہدایت اور شفاؤں سے مالا مال کردے اور سب کو سکون راحت والی زندگی گزارنا نصیب ہو..... کنول ملک بیٹی کے لیے میری خصوصی دعائیں۔" (آپ کی آرا پہنچائی جارہی ہے)

☆ پیاری بہنو! پاکیزہ کا آئندہ شمارہ عید کے حوالے سے ہوگا..... اس لیے اپنے مراسلات اور دیگر تحریریں عید نمبر کی مناسبت سے جلد از جلد بھیجیں اگر آپ اپنی یادگار عید کے حوالے سے کوئی مختصر واقعہ بھیجنا چاہیں تو اپنی تصویر یا بغیر تصویر کے بھی ارسال کرسکتی ہیں..... اور اب آئیں پہلے درود پاک پڑھتے ہوئے دعا مانگتے ہیں۔ یا اللہ، یا رحمٰن، یا رحیم۔ اے کریم اللہ ہمارے اور اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری امت کے سارے گناہوں کو معاف فرمادے..... ہمارے تمام گناہوں کو نیکیوں میں بدل دے۔ اور نیک کام کرنے کی توفیق، ہمت، طاقت اور وقت ہم کو ضرور عطا فرما..... یا اللہ جس طرح تو نے آسمان کو زمین پر گرنے سے روکا ہوا ہے اسی طرح شیطان کو، ہم پر مسلط ہونے سے بچا..... اے پاک پروردگار موت سے پہلے ہماری مغفرت فرما اور موت کے وقت ہم پر رحم فرما اور موت کے بعد ہمیں عذاب نہ دینا اور قیامت کے روز ہمارا حساب نہ لینا..... بے شک تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اے میرے مالک اے وحدہ لاشریک، آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک اور اب موجودہ اور آئندہ قیامت تک آنے والے سارے ایمان والے مردوں، عورتوں، انسانوں، جنوں سب ہی کی بخشش فرمادے، ہمارے تمام مسائل حل فرمادے۔ ساری بگڑیاں بنادے..... بیماروں کو شفایاب کردے، شادی کے ضرورت مندوں کو خیر سے نیک رشتے عطا فرمادے۔ یا اللہ ہماری تمام پریشانیوں کو راحت میں بدل دے۔ (آمین) یا اللہ ہماری تمام دعاؤں کو قبول فرما اور ہم سب کو دونوں جہاں میں خیر عطا ہو، آمین یا رب العالمین..... یا مجیب، یا مجیب، یا مجیب..... (آخر میں ایک بار پھر درود پاک پڑھ لیں)

دعا گو آپ کی اپنی باجی
انجم انصار

پاکیزہ میں خط لکھنے کا پتا

مدیرہ ماہنامہ پاکیزہ۔ 63.C فیز II ایکسٹینشن، ڈیفنس۔ مین کورنگی روڈ۔ کراچی۔ پوسٹ کوڈ 75500
فون نمبر 021-35804200 , 021-35386783,021-35802552 EXT 107,118



پاکیزہ ڈائری

عظمیٰ اشفاق سعید

حمد باری تعالیٰ

رفعتیں تیرے لیے، سب عظمتیں تیرے لیے
خالقِ حرف، یہاں سب مدحتیں تیرے لیے
زندگی تیرے لیے اور بندگی تیرے لیے
الفتیں تیرے لیے سب چاہتیں تیرے لیے
تو کہ لامحدود ہے، حدِ مکاں بھی تجھ سے ہے
سیرِ حدِ امکاں تلک سب رفعتیں تیرے لیے
عقل حیراں ہے کہ کیسا ہے نظامِ کائنات
اے حکیم بے بدل، سب حکمتیں تیرے لیے
میں کہ بندہ ہوں تو پھر بندے کا کیسا اختیار
قادرِ مطلق ہے تو سب قدرتیں تیرے لیے
حرف سب تیرے لیے ہیں لفظ سب تیرے لیے
صورتِ اظہار کی سب صورتیں تیرے لیے

کلام: ڈاکٹر محمد امین

مرسلہ: اینہ عندلیب، سلانوالی

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

لاکھوں درود آپؐ پر سرکارِ مدینہ
دل میں بسے ہیں آپؐ ہی سرکارِ مدینہ
پہنچوں گی جس لمحے، میں روضے پر آپؐ کے
پڑھوں گی نعتیں ساری میں سرکارِ مدینہ
صادق، امین آپؐ ہیں، محبوبِ خدا ہیں
نبیوں میں سب سے عالی ہیں سرکارِ مدینہ
اخوت اور محبت کا پیغام لائے آپؐ
عالم کے لیے رحمت ہیں سرکارِ مدینہ

شاعرہ: عالیہ ضیا، کراچی

حسنِ سلوک کا حقدار

☆ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اس نے عرض کی یارسول اللہ میرے حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا۔ ''تیری ماں......'' اس نے پوچھا اس کے بعد کون......؟ آپؐ نے فرمایا۔ ''تیری ماں'' اس نے پھر پوچھا......اس کے بعد کون......؟ آپؐ نے پھر فرمایا۔ ''تیری ماں......'' اس نے پھر دریافت کیا اس کے بعد کون زیادہ حقدار ہے آپؐ نے فرمایا۔ ''اس کے بعد تیرا باپ......''

(بخاری کتاب 78 باب 2 مسلم کتاب ابر، باب نا)

مرسلہ: مصباح ذوالفقار، فیصل آباد

ایک نصیحت

اس دنیا پر مرنے والو کچھ تو سوچو خوف کرو
چار دنوں کی دنیا ہے آخر سب کو جانا ہے
جیسے تم نے عمل کیے ہیں ویسے ہی پھل کھاؤ گے
کھٹے میٹھے جو بھی پھل ہیں وہیں پہ جاکر کھانا ہے
بھائی، بہن، ماں، باپ تمہارے کوئی نہ جانے محشر میں
جو کرنا ہے ابھی سے کرلو بعد میں کیا پچھتانا ہے
توبہ کا در کھلا ہوا ہے بھاگ کے آؤ چوکھٹ پر
اس کے در پر سر کو جھکالو آنکھ سے نیر بہانا ہے
اس کے کرم کی بات ہی کیا ہے وہ ہے سب کا پالن ہار
کردے گا سب معاف خطائیں دل کو خود سمجھانا ہے
پیارے نبیؐ کی ہوگی شفاعت ایک تسلی کافی ہے
یہی تسلی لے کر جانا اللہ کو بھی منانا ہے
اللہ گر ہوجائے راضی سمجھو بیڑا پار ہوا
پہلے مگر تو ہوجا راضی، یہ بات تجھے سمجھانا ہے
کوئی بھی مشکل کوئی مصیبت جو بھی پڑے اس دنیا میں
صبر ہی کرنا شکر ہی کرنا ورنہ کون ٹھکانا ہے
پیارے نبیؐ کو من میں بسا کر تھا سا اک دیپ جلالے
ان کی محبت ان کی چاہت روشن ایک ستارا ہے
رب بھی راضی نبیؐ بھی راضی تو نے ان کا مان رکھا
آنکھیں موند کے تو اب سوجا آج تجھے واں جانا ہے

کلام: ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی، کراچی

لکھنے والو

محبت میں دستِ دعا لکھنے والو
محبت کو سمجھو وفا لکھنے والو
ذرا اس پہ خود بھی عمل کر کے دیکھو
کبھی زندگی کو انا لکھنے والو
زمیں پر تمہاری حکومت چلے گی
کہاں تک یہ خود کو خدا لکھنے والو
تمہیں جو بھی لکھنا ہے مرضی تمہاری
ہمیں ہر گھڑی بے وفا لکھنے والو
میری زندگی کا خدا مہرباں ہے
بھلا ہو تمہارا سزا لکھنے والو
تمہیں کس قدر خوب صورت لگی ہوں
فری کی قاتل ادا لکھنے والو

شاعرہ: فریدہ فری، لاہور

پیاری باتیں

1۔ عورت مرد سے زیادہ عقلمند ہے وہ جانتی کم اور سمجھتی زیادہ ہے۔

2۔ جس گھر میں عورت دکھی ہوتی ہے وہ گھر جلدی تباہ ہو جاتا ہے۔

3۔ دنیا میں فقط دو شخص ایماندار ہیں ایک وہ جو مر چکا اور دوسرا وہ جو ابھی پیدا نہیں ہوا۔

4۔ اپنے اخلاق اور کردار سے لوگوں کو ایسے متاثر کرو جس طرح سورج اپنی کرنوں سے ساری دنیا متاثر کرتا ہے۔

5۔ لوگوں سے اس طریقے سے ملو کہ مر جاؤ تو روئیں اور زندہ رہو تو تمہارے مشتاق ہوں۔

6۔ انسانی زندگی اس دنیا میں اس شمع کے مانند ہے جو ہوا میں رکھی گئی ہو۔

7۔ جو دوسروں کو شک کی نظر سے دیکھتا ہے حقیقت میں اپنے کردار کی برائیاں دوسروں میں تلاش کرتا ہے۔

8۔ ہر گم شدہ چیز اسی جگہ ملتی ہے جہاں گم ہوئی سوائے محبت کے۔

9۔ زندگی کے آدھے غم انسان دوسروں سے غلط توقعات کر کے خریدتا ہے۔

10۔ اچھے دوست کا ساتھ کبھی نہ چھوڑو خواہ وہ تمہیں چھوڑ دے۔

مرسلہ: نگہت غفار، کراچی

نظم

میں جب بچہ تھا
تو اکثر کھلونے ٹوٹ جاتے تھے
ماں آ کر جوڑ دیتی تھی
سنا ہے ماں سے بھی بڑھ کر
تجھے الفت ہے بندوں سے
تو آ کر جوڑ دے یارب!
میں خود کو توڑ بیٹھا ہوں

مرسلہ: شہلا نواز، لاہور

سالگرہ

سوچتی ہوں سالگرہ پہ تیری
کیا دوں تحفہ تجھ کو
وہ تحفہ دوں
جو ہو مقدس سا
پاکیزہ ہو تیری طرح
اے پاکیزہ میرے
خلوص و چاہت کی مضبوط
مقدس سی ڈوری میں
پروؤں پاکیزہ سی دعاؤں کے گلاب
جو ہمیشہ رہیں تر و تازہ
جن کی خوشبو رکھے تجھے
اپنے حصار میں سدا
یہی تحفہ ہے پاکیزہ
تحفہ دعاؤں کا

مرسلہ: پروین افضل شاہین، بہاولنگر

سمجھنے کی بات

☆اپنی غلطی پر ہنسنا آپ کی زندگی کو لمبا کر دیتا ہے......مگر اپنی بیوی کی غلطی پر ہنسنا آپ کی زندگی کو مختصر کر دیتا ہے۔

از: نور افشاں، شکار پور

بھروسا

☆اس انسان پر بھروسا کرو جو تمہاری تین باتیں جان سکے۔

☆مسکراہٹ کے پیچھے دکھ
☆غصے کے پیچھے دکھ
☆چپ رہنے کے پیچھے دکھ

از: صبا نور، لیہ

آدمی

بس کے اڈے پر بہت رش تھا۔ بس آئی تو کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔

کنڈیکٹر نے دروازہ کھولا اور چیخ کر کہا۔

"صرف ایک آدمی اندر آسکتا ہے صرف ایک آدمی۔" یہ سن کر ایک پولیس والا جھٹ سے بس میں سوار ہو گیا۔

اس کی دیکھا دیکھی ایک بڑے میاں بھی بس میں چڑھ آئے۔

کنڈیکٹر نے غصے سے کہا۔ "بڑے میاں آپ نے سنا نہیں میں نے کہا صرف ایک آدمی اندر آسکتا ہے۔"

بڑے میاں معصومیت سے بولے۔ "وہ تو پولیس والا تھا آدمی تو میں ہوں۔"

مسز عبدالحیا روی انصاری، لاہور

سنہری باتیں

☆کمزور ہے وہ شخص جو دوست نہ بنا سکے اور اس سے بھی کمزور وہ شخص ہے جو بنا ہوا دوست کھو دے۔

☆زندگی کی سب سے سچی بات قبرستان کے باہر لکھی ہوئی تھی "منزل تو میری یہی تھی بس زندگی گزر گئی یہاں آتے آتے۔"

☆دل میں نفرتوں کے انبار نہ رکھو جس دل میں نفرت ہو اس دل میں رب نہیں بستا۔

☆دنیا میں بہترین رشتہ وہ ہے جو ناراضی کے بعد اِک چھوٹی سی مسکراہٹ سے دوبارہ پہلے جیسا ہو جائے۔

☆خاموشی ایسا درخت ہے جس پر کڑوا پھل نہیں لگتا۔

☆رشتوں کو ایسی محبت اور احترام سے نبھایا کرو جیسے شہد کی مکھی پھولوں سے اگر رس نکال بھی لے تب بھی پھولوں کو کسی قسم کا نقصان نہیں ہونے دیتی ہے بس زندگی دو ہی اصولوں پر گزارو ٹوٹو تو خوشبو بن کر بکھرو تو خوشبو بن کر۔

مرسلہ: زرین زبیر کوٹھاری، کراچی

انٹرنیٹ

میں ہوں مسٹر انٹرنیٹ
کرلو اپنے گھر میں سیٹ
کمپیوٹر میں رہتا ہوں
سب کو ویلکم کہتا ہوں
جو کچھ دیتا ہے کالج
مجھ میں بھی ہے وہ نالج
جو بھی چاہو لے لو کام
حاضر ہوں میں صبح و شام
ہوتا ہے جو گھنٹوں میں
کر دیتا ہوں منٹوں میں

از: ناعمہ تحریم، کراچی

تم بن

میں تم بن جینا چاہوں تو نہیں جی سکتی اسے میری مجبوری نہیں میرا عشق سمجھو کہ جب تک تمہیں نہ دیکھ لوں

میری صبح نہیں ہوتی۔ شام کے ڈھلتے سورج کے وقت تمہارا ساتھ اور بھی حسین لگتا ہے۔ سچ پوچھو تو تم میری روح ہو۔ میں اس قدر تمہیں چاہوں گی کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ والدین تمہیں مجھ سے دور کرنا چاہتے ہیں کہ خواہ مخواہ اس کے لیے وقت ضائع کرتی ہو۔ آخر وہ یہ کیوں نہیں سمجھ پاتے کہ تم میری ضرورت ہو۔ تم میری راحت ہو، تمہارے بغیر میں ادھوری ہوں، کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ اگر تم سے ملاقات نہ ہوئی ہوتی تو میری زندگی کتنی بے کیف ہوتی جیسے بغیر خوشبو کے پھول جیسے وہ بادل جو بارش برسائے بنا اڑ جائیں۔ جیسے پرسکون سمندر جیسے سانسوں کے بنا زندگی...... میں تمہیں محسوس کرنا چاہتی ہوں۔ اے میرے پیارے پاکیزہ تم سے مجھے کس قدر سکون ملتا ہے۔

از: جیا قندیل، کمالیہ

غزل

جانے کیسی خطا ہوئی مجھ سے
ساری دنیا خفا ہوئی مجھ سے
جس کو کوئی نبھا سکا نہ یہاں
رسم وہ بھی ادا ہوئی مجھ سے
جب گلے سے لگایا اس نے مجھے
روح میری جدا ہوئی مجھ سے
جشن کا اہتمام تھا کل شب
یاد اس کی رہا ہوئی مجھ سے
جس نے بھی دل دکھایا تمثیلہ
اس کے حق میں دعا ہوئی مجھ سے

شاعرہ: تمثیلہ لطیف، پسرور

کاش

ایک دفعہ ایک انسان نے کوئل سے کہا۔ ”اگر تم کالی نہ ہوتیں تو کتنا اچھا ہوتا۔“
پھر سمندر سے کہا۔ ”اگر تو کھارا نہ ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا۔“
پھر گلاب سے کہا۔ ”اگر تجھ پر کانٹے نہ ہوتے تو کتنا اچھا ہوتا۔“
تب تینوں نے کہا۔ ”اے انسان! اگر تجھ میں دوسروں کے عیب ڈھونڈنے کی عادت نہ ہوتی تو کتنا اچھا ہوتا۔“

مرسلہ: یاسمین اسرار، کمالیہ، ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ

ویران تھے راستے

یہ جو دھڑکن ہے دل کی
ان راستوں پر کھڑے ہو کر
تم نے ویران راستوں کو
پُر بہار کر دیا
اور میرے دل کے خانے کو
لازوال کر دیا

شاعرہ: رفعت خادم حسین، ملتان

خرچ کا حساب

ایک بادشاہ شکار پر نکلا تو ایک کسان کو ہل چلاتے دیکھا۔
پوچھا: ”دن میں کتنا کماتے ہو؟“
کسان نے جواب دیا۔ ”چار روپے۔“
بادشاہ بولا: ”کیسے خرچ کرتے ہو؟“
کسان: ”ایک روپیہ خود پر خرچ کرتا ہوں، ایک روپیہ قرض واپس کرتا ہوں۔ ایک روپیہ قرض دیتا ہوں اور ایک روپیہ دریا میں پھینک دیتا ہوں۔“
بادشاہ حیران ہوا اور بولا۔
”تمہاری باتوں کا مطلب نہیں سمجھا۔“
کسان: ”جناب ایک روپیہ خود پر اور اپنی بیوی پر خرچ کرتا ہوں، ایک روپیہ والدین پر جو قرض واپس کرتا ہوں جو کچھ میرے بچپن میں انہوں نے مجھ پر خرچ کیا۔ ایک روپیہ اپنی اولاد پر جو کہ قرض دیتا ہوں تاکہ بڑھاپے میں مجھے وہ واپس کرے۔ اور ایک روپیہ کسی غریب کو دے دیتا ہوں جس کا اجر مجھے اس دنیا میں نہیں چاہیے۔“

مرسلہ: لاریب، ماہ زیب، چونیاں

☆☆☆



چالیں

ریسیو وہ کریڈل پر رکھ چکی تھیں مگر ان کی حیرت کسی طرح کم نہیں ہو رہی تھی۔ اور بات تھی بھی ایسی کہ جس دن سے ان کی بھانجی ناز کا میٹرک کا رزلٹ آؤٹ ہوا تھا، ان کی بہن کے فون دن میں کئی، کئی بار آنے لگے تھے۔

''آپا! آپ کب مبارک باد کے لیے آ رہی ہیں۔ ناز اس قدر یاد کر رہی ہے آپ کو......''

''ان دنوں فرصت نہیں مل رہی مجھے۔'' انہوں نے بہانہ گھڑا۔

''پلیز آپا! کل آ جائیں، بچی...... اتنی یاد آ رہی ہیں۔ ناز کے پاس ہونے کا تو بہانہ ہے مگر میں آپ کی شکل تو دیکھ لوں گی۔''

آپا بھی سمجھ رہی تھیں کہ بہن کی ان باتوں کا مطلب یہی ہے کہ ان کی بیٹی کے لیے تگڑا سا تحفہ لے آئیں۔

''بھئی، آج کل تمہارے بھائی جان دیر سے آفس سے آ رہے ہیں۔'' انہوں نے اپنی جان بچانی چاہی...... بات بھی ٹھیک تھی۔ ان کی دو بچیاں اس سے پہلے میٹرک کا امتحان پاس کر چکی تھیں تو کون سا خالہ نے آ کر کچھ ہتھیلی گرم کی تھی۔

''ارے آپا جان! آپ آ جائیں ناں...... ناز کب سے خالہ، خالہ کر کے ہڑک رہی ہے اور میری طبیعت الگ بے کل سی ہو رہی ہے۔ کئی دن سے موئے اوندھے مارے خواب دیکھ رہی ہوں اور خود ہی تمہارا صدقہ دے دیتی ہوں۔ آ جاؤ گی تو کلیجا ٹھنڈا ہو جائے گا۔ ارے بھئی...... تمہاری سگی بہن ہوں، اس سے قریبی رشتہ اور کیا ہوگا جو ہمیں محبت ہوگی، اتنی بھلا کسی کو ہوگی۔ ایمان سے دل چاہتا ہے کہ تمہیں روز دیکھوں۔'' ان کا لہجہ تک آبدیدہ ہو گیا۔

''اچھا ٹھیک ہے، ناز کا انعام بعد میں تمہارے بھائی جان لے آئیں گے۔ تمہیں معلوم ہی ہے کہ مارکیٹ جانے سے میری جان جاتی ہے۔ آج کل میاں صاحب کے آفس میں کام ہی اس قدر ہے کہ کہیں وہ جا نہیں پا رہے۔ خیر انعام بعد میں سہی...... بس میں کل سب بچوں کو لے کر گھر آ رہی ہوں۔ انشاء اللہ دوپہر کا کھانا تمہارے ساتھ کھاؤں گی، اب تو خوش ہو ناں......''

''کیا کہا...... کل آ رہی ہو مگر ناز تو کل اپنی پھپھو کے گھر جا رہی ہے اور تم اپنے بچوں کی فوج لے کر کہاں رکشا، ٹیکسی کے پیچھے بھاگتی پھرو گی۔ کل کلاں کو کچھ ہو جائے تو بہن کا نام ہی بدنام ہوگا۔ تم عادی ہو موٹر میں گھومنے کی...... ہاں برا مت ماننا۔ جب بھائی جان کو فرصت ملے تو ان کے ساتھ ہی آنا...... ہاں...... بھائی جان کو بتایا یا نہیں کہ اپنی ناز کا میٹرک میں بی گریڈ آیا ہے۔ کیا کہہ رہے تھے وہ......؟ یاد رکھنا آپا...... آپ کو اور بھائی جان کو ایک ساتھ آ کر مبارک باد دینی ہے۔ مجھے آپ دونوں ہمیشہ ایک ساتھ آتے اچھے لگتے ہیں۔''

تب وہ ہکا بکا سی ریسیور کو دیکھتی کی دیکھتی رہ گئیں کہ ان کی چھوٹی بہن کیسی مکارانہ چال چل رہی تھی۔

تقریب بہاراں

کبھی ہنسی آتی اور کبھی خجالت سی محسوس ہوتی...... مگر یہ حقیقت تھی کہ فرحت آپا کے میاں سراج سے زیادہ ہمارے پورے خاندان میں کوئی ان جیسا نہیں تھا۔ گو کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا...... مگر مرضی خدا کے یہ بدنامی ہماری آپ کی قسمت میں لکھی تھی۔

سراج بھائی کا پورا نام سراج شرافت تھا...... یوں

تو خاصے کمزور دکھائی دیتے تھے مگر ان کی ساری طاقت ان کی زبان میں تھی۔ وہ عام بات بھی یوں گھن گرج کے ساتھ کرتے...... جیسے کہیں بجلی گری ہو۔ وہ دھیمے لہجے میں بولتے تو سو گز دور بیٹھے ہوئے لوگ ان کی باتیں بہ آسانی سن لیا کرتے تھے۔ حالانکہ وہ بیچارے زیادہ آپا کے کان میں ہی بولتے...... (یہ ہماری آپا کا حکم تھا) مگر اس کے باوجود پھٹ پھٹی کی طرح ان کی آواز کا والیوم بھی خراب تھا...... کہ رسیلی بات بھی کھٹ مٹھی ہو کر کڑوی اور زہریلی سی لگا کرتی تھی۔

فرحت آپا کو ہمیشہ تاؤ ان کے بولنے پر ہی آتا تھا کہ زن مرید شوہر ہونے کے باوجود وہ زن مرید دکھائی نہیں دیتے تھے اور یہ بنیادی خوبی ہر شوہر میں جب تک نمایاں نہ ہو، بیویوں کو چین نہیں آتا۔

اماں کا تو ہمیشہ سے یہ خیال تھا کہ فرو کی قسمت پھوٹ گئی ہے۔ سراج ایسے نہیں ہیں جیسے نظر آتے ہیں۔ ان کو تو وہ جگ ہنسائی نہیں بھولی تھی۔ جب وہ اپنی مہندی والے دن خوب پٹر پٹر بول رہے تھے۔

منجھلی سالی نے چھوٹی انگلی پکڑ کر جب مہندی لگائی دس ہزار مانگی تو کیسے دانت نکال کر کہہ دیا تھا۔

”مہندی لگائی مانگ رہی ہو یا مہندی کا خرچہ...... سو لوگوں کے کباب پراٹھوں میں دس ہزار سے زائد کا خرچہ تھوڑی ناں ہوا ہوگا......“ ان کی اس بات پر خاندان کی تمام شرانگیز خواتین نے چھت پھاڑ قہقہہ لگایا۔

”ارے بھیا...... سراج کہہ تو ٹھیک رہا ہے۔“

”کیسی سچی بات کہی......“

”اے ہے......“ سراج نے ہنس کر کہا۔ ”سالی کے لگا کس کے......“ لوگوں کی باتیں سن کر شبو بی کو خاصا تاؤ آگیا تھا مگر پھر بھی سہیلیوں کے ٹھوکے کھا کر زبردستی کی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر کہا۔

”دولہا بھائی، نیگ تو آپ کو دینا ہی ہوگا ورنہ آپ کی انگلی نہیں چھوڑوں گی۔“

تب سراج نے ہنس کر کہا۔ ”بے شک ساری رات چھنگلیا پکڑے بیٹھی رہو، میں تو جیب میں دھیلا رکھ کے نہیں آیا۔“ تب شبو بیچاری نے فوراً کھسیا کر ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔ بیٹی الگ ہوئی تھی۔ (ایسی باتیں کسی داماد نے بھلا کی ہوں گی) اور اب یہی سراج بھائی...... فرحت آپا کی ان تھک کاوشوں کے بعد ان کے ابرو پر چلنے کے قابل ہوئے تھے۔

”جی، اچھا...... بہت اچھا...... بہت بہتر...... آپ نے ٹھیک فرمایا...... میں بھی یہی کہنے والا تھا...... آپ نے تو میرے منہ کی بات چھین لی۔“ جیسے جملے بول کر آپا کا مان محفلوں میں بڑھایا کرتے تھے۔

مگر ایک شام خاندان کی ایک وی آئی پی تقریب میں ایک انتہائی معمولی بات پر فرحت آپا سے ناراض ہو گئے اور سب کے سامنے ہماری آپا پر یوں چیخے کہ ہمارے خاندان کے دیگر شوہران بھی سراج بھائی کی شجاعت کے گن گانے لگے۔ گو بعد میں فرحت آپا اس تقریب کے تمام اراکین کو یہ یقین دلانے پر مصر تھیں کہ بعد میں سراج نے اپنی اس حرکت پر رو رو کر ان سے معافیاں مانگی تھی۔ (مگر یقین کسی کو بھی نہیں آیا تھا کہ وہ زن مرید تو تھے...... مگر درجہ اول کے رینک میں نہیں آتے تھے) اور پھر خاندان بھر کے شوہران کے نقش قدم پر چلنے لگے۔

صحیح کہا ہے داناؤں نے کہ ہر بری چیز اور ہر بری عادت اپنے اندر خوب گھومتی پھرتی ہے اور ہمیں انہوں نے گھروں میں قید کر رکھا ہے۔ جیسے گھر کے کام کاج کے سوا ہماری کوئی مشغولیت ہی نہیں۔ دفتروں سے تھکے ہارے آتے ہیں تو گھر کے دھندوں میں الجھ جاتے ہیں اور ہماری بیویاں ہوا کے گھوڑے پر سوار رہتی ہیں۔

یہ چیخ جب ہر گھر کی پکار بن گئی تو فرحت آپا کو اس بات کا خیال آیا۔ ایک تقریب خاندان بھر کے مردوں کے نام رکھ دی جائے جس سے یہ لوگ خوش ہو سکیں۔ لہٰذا تقریب کا نام جشن بہاراں رکھا گیا...... اور سب کو بلاوے کے فون کھڑکا دیے گئے...... فرحت

آپا کی یہ دعوت قبول کرتے ہوئے تمام چہروں پر ہریالی لوٹ آئی...... گھر کے دھندے دوبارہ شوق اور رغبت سے کرنے لگے۔

تقریب ایک مقامی ہوٹل میں رکھی گئی اور ڈنر طے پایا۔ تمام بیویوں نے اپنے، اپنے شوہروں سے پانچ، پانچ سو روپے فی کس لے کر فرحت آپا کے پاس جمع کرادیے...... وہاں ون ڈش اور ون سویٹ ڈیڑھ سو پر ہیڈ تھی بقیہ پیسے اس لیے بچا لیے گئے کہ بعد میں صرف بیویوں کی کوئی ذاتی پارٹی ہوسکے۔

بہرحال وہ تقریب چونکہ شوہروں کے نام تھی اس لیے ہر میاں سج کر آیا جیسے وہ بر دکھوے کے لیے آیا ہو۔

میرے قہقہے تو کسی طرح نہیں رک رہے تھے جب میں خاندان کے مردوں کو یوں بنا سنورا دیکھ رہی تھی۔ (ہر کوئی اپنی بساط سے بڑھ کر آیا تھا)

فرحت آپا کے میاں خوب میک اپ کرکے آئے تھے...... شرٹ کے بٹن بھی آگے سے کھول لیے تھے...... جن میں سے ان کی پیلی بنیان نہ صرف منہ چڑا رہی تھی بلکہ یہ بھی بتا رہی تھی کہ وہ الٹی بنیان پہننے کے عادی ہیں۔

چھوٹے، پھوپا آنکھوں میں دھار دار سرمہ لگا کر آئے اور تقریب کے دوران بھی اپنے تینوں بچوں کی دودھ کی بوتلیں ہاتھ میں لیے گھوم رہے تھے۔

شنو خالہ کے میاں سفید براق کرتہ شلوار میں آئے تھے اور وہ غالباً پارٹی کے سب سے خوبرو شوہر کہلائے مگر اپنی بتیسی لگانا بھول گئے تھے۔ قہقہے لگانے کی عادت تھی...... وہ جتنی بار بھی ہنسے، شنو خالہ کھول، کھول گئیں۔

مسز سطوت کے شوہر اس قدر گنجے تھے کہ توبہ بھلی اور انہیں اس کا احساس تک نہیں تھا۔ تقریب میں آتے ہوئے وہ اپنی چندیا پر خوب تیل لگا کر آئے تھے بلکہ آئی برو پنسل سے مانگ بھی بنائی تھی...... بعض کا تو یہ خیال تھا کہ پنسل سے بالوں کی لکیریں بھی ڈالی گئی ہیں جو تیل کی وجہ سے مدھم پڑگئی ہیں۔ مسز سطوت کا جب مارے شرم کے برا حال ہوگیا تب ہوٹل کے بیرے سے اس کی کیپ منہ مانگے داموں خرید کر انہیں بھیجی گئی جو انہوں نے شکریے کے ساتھ پہن لی۔

فریدہ چاچی کی بھی زیادتی تھی کہ ایک تو چچا میاں کا قد چھوٹا تھا اور اس پر وہ انہیں چوڑی دار پاجامہ اور کرتے میں ملبوس کروا کے لے آئی تھیں۔ آنا شاید جلد بازی میں ہوا تھا اس لیے وہ دوپٹی کی چپل میں چلے آئے تھے اور چاچی کو ان کی چپلوں کے ساتھ، ساتھ چچا میاں پر بھی غصہ آرہا تھا۔

"ارے تمہارے میاں تو بہت ہی بونے سے ہیں۔ میں نے اتنے چھوٹے قد کا آدمی آج تک نہیں دیکھا۔" بڑی خالہ نے فریدہ چاچی سے انتہائی تمسخر سے کہا۔

"خاندانی بونے ہیں...... ان کے خاندان میں طویل القامت ہیں کون؟ اگر یہ لمبے ہوتے تو باؤلے سے لگتے۔" چاچی نے انتہائی طیش سے چچا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ تب میں نے سرخرو ہوکر اپنے میاں کو دیکھا پوری محفل میں سب سے منفرد نظر آرہے ہیں...... ان کے پاسنگ کوئی بھی تو نہیں تھا۔

وہ سب سے پیچھے کی نشست پر اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھے بیٹھے تھے...... ان کے چہرے پر جو میں نے میک اپ کیا تھا وہ اچھا لگ رہا تھا۔

ان کی گنجی چندیا کو میری چھوٹی وگ نے سنبھالا دے رکھا تھا۔

فرحت آپا تو خوش تھیں کہ تقریبِ بہاراں بھی سوائے ہوحق کے آگے نہیں بڑھی...... یوں بھی جن تقاریب کے مقاصد اصلاحی اور افلاطونی ہوتے ہیں، ان میں سوائے بوریت کے کچھ ہوتا ہی نہیں...... اور فرحت آپا کے ساتھ، ساتھ دیگر خواتین بھی بہت خوش تھیں کہ ان کے شوہر اپنے، اپنے گھروں میں اپنی ان جی داریوں کے قصے بیان کرکے خود ہی مگن ہورہے تھے...... جو ان میں ہے ہی نہیں...... باؤلے کہیں گے...... فرحت آپا...... سب کی کتھا سن کر دو، دو گز کے قہقہے لگا رہی تھیں (ہمیشہ کی طرح......!)

☆☆☆



☆ فردوس شازیہ...... لاہور
عشق قاتل سے بھی، مقتول سے ہمدردی بھی
یہ بتا کس سے محبت کی جزا مانگے گا
سجدہ خالق کو بھی، ابلیس سے یارانہ بھی
حشر میں کس سے عقیدت کا صلہ مانگے گا

☆ کرن شہزادی...... بچوں حافل
تو قدو قامت سے شخصیت کا اندازہ نہ کر
جتنا اونچا پیڑ تھا اتنا گھنا سایہ نہ تھا

☆ سیما گل...... ملتان
میرے شکووں پر اس نے یوں ہنس کر کہا
کس نے کی تھی وفا جو ہم کرتے

☆ کرشمہ فاطمہ...... ہارون آباد
بے وفا تم ہو اس سے مجھے کیا لینا
تم سے ہے پیار مجھے میرے لیے کافی ہے

☆ کائنات عبدالحلیم...... میرپور خاص
رات کھولے تھے کچھ پرانے خط
پھر محبت دراز میں رکھ دی

☆ صدف آصف...... کراچی
میرا ذکر پڑھنے والے میرا راستہ نہ چن لیں
سرورق پہ بھی لکھنا مجھے مات ہوگئی ہے

☆ دُرِ شہوار...... چوک سیداں شاہ
کس نے میرے لہو میں اتار دی خوشبو
یہ کس نے نام لکھا ہے گلاب پر میرا

☆ پروین افضل شاہین...... بہاول نگر
دور رہیں اور پل پل مہکیں خوابوں اور خیالوں میں
ایسے لوگ بھی مل جاتے ہیں لیکن صدیوں سالوں میں

☆ رعنا مشتاق...... منڈی بہاؤ الدین
دل جو ٹوٹے گا تو آواز بھی آئے گی ظفر
کانچ کی چیز ہے اور ٹوٹنے والی بھی ہے

☆ یاسمین اسرار...... کمالیہ
کھیلنے سے جو مجھ کو روکتی تھی مٹی میں
اوڑھے مٹی کی چادر آج سو رہی ہے میری ماں

☆ شرمین علی...... حیدرآباد
چار دن کی ہستی میں ہنس کے جی لیے تم
بے نشاط دنیا سے یہ نباہ کافی ہے

☆ کوثر خالد...... جڑانوالہ
جان کا نذرانہ دیں گے اہل وفا
وہ کسی روز آزمائیں بھی

☆ نازیہ نزی...... نوشہرہ کینٹ
ہر کچھ جانتا ہے اپنا وہ
میری بے تابیاں بڑھیں جس سے

☆ ثمینہ ضیا بخش...... کراچی
عیادت کو میری آکر وہ یہ تاکید کرتے ہیں
تمہیں تو ہم ہی ماریں گے ذرا سا ٹھیک ہو جاؤ

☆ مینا آفریدی...... گلشن، کراچی
تمہارا نام کسی اجنبی کے لب پر تھا
ذرا سی بات تھی پر دل کو لگی ہے کس کر

☆ مہرین ضیا...... کیماڑی
ان سے کہنا ہم مزے میں نہیں
بس یادیں بہت ستاتی ہیں
ان کی دوری کا غم نہیں ہے مجھے
بس ذرا پلکیں بھیگ جاتی ہیں

☆ رخسانہ جمیل...... کبی
میرے چارہ گر کو نوید ہو، صف دشمناں کو خبر کرو
وہ جو قرض رکھتے تھے جان پر وہ حساب آج چکا دیا
جو رکے تو کوہ گراں تھے ہم جو چلے تو جاں سے گزر گئے
رہ یار ہم نے قدم قدم تجھے یادگار بنا دیا

☆عرشیہ جنید......کراچی

سودا ہے عمر بھر کا کوئی کھیل تو نہیں
اے چشمِ یار مجھ کو ذرا سوچنے تو دے
اس حرفِ کُن کی ایک امانت ہے میرے پاس
لیکن یہ کائنات مجھے بولنے تو دے

☆ارم کمال......فیصل آباد

نہ تھیں کچھ رنجشیں
بس عادتوں میں تضاد تھا
اسے پسند تھیں شوخیاں
اور ہمیں سادگی میں کمال تھا

☆رابعہ عمران چوہدری......رحیم یار خان

یہ اجنبی سی منزلیں اور رفتگاں کی یاد
تنہائیوں کا زہر ہے اور ہم ہیں دوستو
پھرتے ہیں مثلِ موجِ ہوا شہر شہر میں
آوارگی کی لہر ہے اور ہم ہیں دوستو

☆ثریا نذیر......بہاول نگر

دل کو خالی نہ ہونے دیا رنج سے
جب پرانا ہوا تو نیا رکھ دیا
جانے کس، کس گھڑی یاد اترے تیری
خواب کی سیڑھیوں پہ دیا رکھ دیا

☆رفعت مبین رفی، مشی گن، امریکا

ایک بوند اشکوں کی دامن نہ بھگو پائے
تم اس کی امانت ہے پلکوں پہ سجا رکھنا

☆فریدہ افتخار......اسلام آباد

مجھے شکل دے کے درود پڑھ
میرے ساتھ اسم وجود پڑھ
کسی صبح اولین وقت میں
مجھے نقش کر مرے کوزہ گر

☆سائرہ ارم......ٹوبہ ٹیک سنگھ

ہم فقیروں کو برائی سے سروکار نہیں
ہم زمانے میں فرشتوں کی طرح رہتے ہیں
لوگ کہتے ہیں برا ہم کو تو حیرت کیا ہے
کہنے والے تو خدا کو بھی برا کہتے ہیں

☆ارشل شاہ......کوٹ ادو

بے تحاشا محبتوں کے امین
بے وجہ چھوڑ بھی تو جاتے ہیں

☆ماہ نور خان......بھارہ کہو

دلوں میں فرق آ جائے تو اتنا یاد رکھنا تم
دلیلیں، منتیں اور فلسفے بیکار جاتے ہیں

☆حمیرا نوشین......منڈی بہاؤالدین

ملاقاتیں مسلسل ہوں تو دلچسپی نہیں رہتی
یہ بے ترتیب یارانے بڑے دلچسپ ہوتے ہیں

☆حسنیٰ قندیل......کمالیہ ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ

اس قدر دنیا کے دکھ اے خوب صورت زندگی
جس طرح تتلی کوئی مکڑی کے جالوں میں رہے

☆جبین نیاز......ملتان

دل کی ویراں بستی اکثر مجھ سے پوچھا کرتی ہے
بستے ہیں کس دیس وہ، جو لوگ یہاں پر آتے تھے

☆زرینہ خان......بھارہ کہو

کبھی کبھی ہے کہکشاں تھکا تھکا ہے آسماں
لگتا ہے شب کا کارواں سحر کے پاس دیکھیے

☆کرن کمال......فیصل آباد

فلک پہ رقص کرتے ان گنت روشن ستاروں کو
جو ہم ترتیب دیتے تھے تو تیرا نام بنتا تھا

☆عظمیٰ ......ملتان

جس نگر بھی جاؤ قصے ہیں اسی کم بخت دل کے
کوئی لے کے رو رہا ہے کوئی دے کے رو رہا ہے

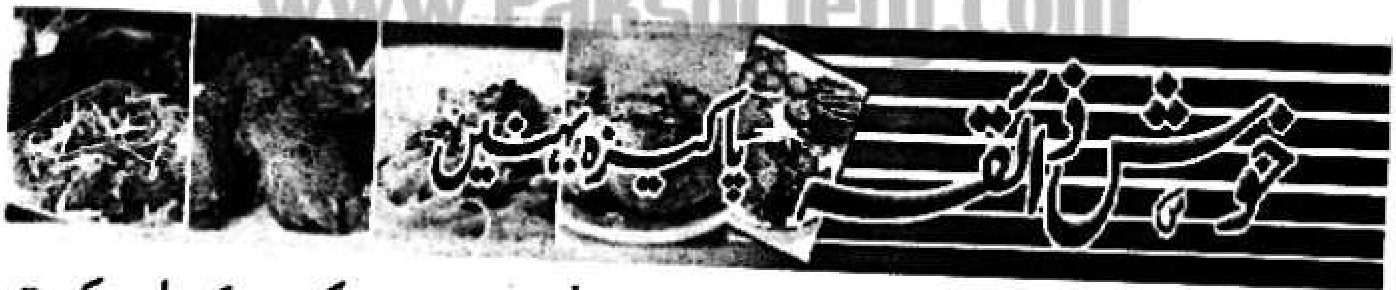
☆صبا سجاد گلشن......کوہاٹ

بچھڑ جانے کا دکھ بھی کیا تھا
کتنے چپ چاپ تھے رستے سارے

☆یاسمین کنول......پسرور

آنکھ سے دور جو جاتا ہے تو اتنا سن لو
اچھے لوگوں کی طرح خواب میں آتے رہنا
جس کو معلوم نہیں منزلِ مقصود اپنی
کتنا بیکار ہے اس شخص کا چلتے رہنا

☆☆☆



مزیدار پکوانوں کے دلدادہ قارئین کے لیے ماہِ رمضان کی مناسبت سے مزے، مزے کے اور بجٹ کے اندر رہتے ہوئے پکوان حاضر ہیں۔ روزوں کا سلسلہ اگرچہ ماہِ رجب سے ہی چل رہا ہے مگر ماہِ رمضان میں تو سحر و افطار کے اہتمام بھی الگ ہی ہوتے ہیں سو آپ کی رہنمائی کے لیے خوش ذائقہ کے خوش کن صفحات حاضر ہیں۔

چکن بالز

اشیا: آلو، دو عدد (ابال لیں) چکن، بون لیس (ابال لیں) دو کپ..... نمک، کالی مرچ، حسبِ ذائقہ۔ ہرا دھنیا، ہری مرچ، چند پتے پودینہ (باریک باریک کاٹ لیں) آدھا کپ، بریڈ کرمبز یا چاول کا آٹا..... تیل، تلنے کے لیے۔ دو انڈے پھینٹ لیں۔

ترکیب: ابلے ہوئے آلو اور بوٹیاں خوب باریک کر کے مکس کر لیں جیسے پیس لیا جاتا ہے۔ اب اس میں نمک، کالی مرچ اور ہرا مسالا مکس کر دیں۔ اب اس کی چھوٹی، چھوٹی بالز کوفتے کی شکل کی بنائیں اور پہلے انڈے کے آمیزے میں لپیٹیں پھر کرمبز یا چاول کے آٹے میں رول کر کے ایک پلیٹ میں الگ، الگ رکھتی جائیں ایک گھنٹا فریج میں رکھ کر اب فرائی کر لیں۔ اسے کیچپ یا ہری چٹنی کے ساتھ کھایا جا سکتا ہے۔

چکن پکوڑے

اشیا: چکن کی بوٹیاں، چھوٹے سائز کی کروا لیں۔ چاہے ہڈی والی یا بون لیس آپ کی مرضی ہے..... بیسن ایک پیالی..... انار دانہ، ایک چائے کا چمچ (کوٹ لیں)۔ نمک، سرخ مرچ کٹی ہوئی، حسبِ ذائقہ۔ زیرہ سفید، دو ٹی اسپون۔

ترکیب: بیسن میں سارے مسالے ڈال کر خوب پھینٹ لیں جیسے عام طور پر پکوڑوں کے لیے تیار کرتے ہیں۔ چکن کو تلنے سے پہلے ایک پیالی سرکے میں چار گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ پھر پکوڑے بنانے سے ایک گھنٹا پہلے اسے چھلنی سے چھان لیں اور اب بیسن کے آمیزے میں ایک گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ تیل اچھا گرم کر کے چکن کی بوٹیاں ایک، ایک کر کے ڈالتی جائیں اور گولڈن براؤن ہونے پر اتار لیں، مزیدار پکوڑے تیار ہیں۔ ساتھ میں چٹنیوں کا بھی اہتمام رکھیں۔

مرسلہ: ہما یاسمین، کراچی

مسالے دار آلو

اشیا: آلو، چار عدد، ٹکڑوں میں کٹے ہوئے۔ آئل، دو کھانے کے چمچ۔ لہسن، ایک پوتھی کتری ہوئی۔ رائی، دو چائے کے چمچ۔ کلونجی، ایک چائے کا چمچ۔ ہلدی پاؤڈر، ایک چائے کا چمچ۔ سفید زیرہ پاؤڈر، ایک چائے کا چمچ۔ دھنیا پاؤڈر، ایک چائے کا چمچ۔ لیموں کا رس، دو کھانے کے چمچ۔ نمک، سیاہ مرچ، حسبِ ضرورت۔ ہری مرچ، سبز دھنیا اور لیموں، سجانے کے لیے۔

ترکیب: نمک ملے پانی میں آلو دس منٹ ابال لیں پھر پانی نکال دیں۔ پانی میں زردے کا رنگ بھی ڈال دیں۔ فرائی پین میں تیل گرم کریں اور اس میں تمام مسالے اور لہسن ڈال کر دو منٹ بھونیں یہاں تک کہ رائی کے دانے چٹخنے لگیں اس میں آلو ڈالیں اور آنچ درمیانی کر کے دس منٹ پکائیں یہاں تک کہ سارا مسالا آلوؤں پر لگ جائے پھر حسبِ ذائقہ نمک مرچ شامل کریں اور لیموں کا رس ڈال دیں لیموں کے ٹکڑوں اور دھنیے سے سجا کر پیش کریں۔

عربی پراٹھے

اشیا: قیمہ، دو پیالی۔ (بھنا ہوا) میدہ، تین

پیالی۔ سوجی، آدھی پیالی۔ نمک، حسبِ ذائقہ۔ چینی، ایک چائے کا چمچ ۔ انڈے، چار عدد ۔ دودھ، آدھی پیالی۔ ہرا دھنیا، آدھی گٹھی۔ (باریک کٹا ہوا) ہری مرچیں، تین سے چار عدد ۔ (باریک کٹی ہوئی) گھی، حسبِ ضرورت۔

ترکیب: قیمے میں ایک چائے کا چمچ ادرک لہسن، ایک کھانے کا چمچ لال مرچ، آدھا چائے کا چمچ ہلدی اور حسبِ ذائقہ نمک ڈال کر ہلکی آنچ پر اتنی دیر پکائیں کہ قیمے کا اپنا پانی خشک ہو جائے۔ میدہ اور سوجی کو چھان کر نمک، چینی اور دو کھانے کے چمچ گھی ڈال کر انگلیوں کی مدد سے ہلکے، ہلکے اس طرح ملائیں کہ وہ ڈبل روٹی کے چورے کی سی شکل میں آجائے۔ ساتھ، ساتھ نیم گرم دودھ بھی شامل کرتی جائیں۔ مزید ضرورت محسوس کریں تو تھوڑا، تھوڑا گرم کر کے نیم گرم پانی ڈالتے ہوئے اس کو اچھی طرح گوندھ لیں۔ پلاسٹک میں لپیٹ کر پندرہ سے بیس منٹ کے لیے گرم جگہ پر رکھ دیں۔ قیمے کو اچھی طرح ٹھنڈا کر کے اس میں ہرا مسالا ملا لیں، گندھے ہوئے میدے کو دوبارہ گوندھ کر بڑے سائز کے پیڑے بنا لیں۔

پیڑے کی بڑی سی چپاتی بیل لیں اور ایک چھوٹے سائز کی پتلی سی چپاتی بیل کر درمیان میں رکھ دیں، اس پر قیمہ پھیلا کر ڈالیں اور اوپر ایک انڈا ڈالیں، چاروں طرف سے لپیٹ کر چوکور بنا کر بند کر دیں۔ بڑے سائز کے فرائنگ پین میں گھی ڈال کر درمیانی آنچ پر تین سے چار منٹ گرم کریں، پراٹھے کو احتیاط سے اٹھا کر ڈالیں اور دونوں طرف سے گولڈن فرائی کریں۔ سحر یا ناشتے میں اس زبردست پراٹھے کا پودینے والے رائتے کے ساتھ لطف اٹھائیں۔

پودینے والا رائتہ

ایک پیالی دہی میں حسبِ ذائقہ نمک، آدھا چائے کا چمچ پسی ہوئی کالی مرچ، ایک چائے کا چمچ بھنا ہوا پسا ہوا زیرہ اور دو کھانے کے چمچ باریک کٹا ہوا پودینہ ڈال کر اچھی طرح ملا لیں۔ تھوڑا سا پانی یا دودھ ڈال کر پتلا کر لیں۔

نفیسہ آرا، راس الخیمہ

تربوز ..... گرمی سے بچاؤ میں مددگار

ایک پیالی تربوز میں 30 گرام حرارے ہوتے ہیں اور چکنائی بالکل نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ اس میں 7.55 گرام شکر اور 92 گرام پانی ہوتا ہے، چنانچہ اس سے پیاس بجھ جاتی ہے۔ تربوز ذائقے دار ہی نہیں بلکہ صحت بخش بھی ہوتا ہے۔ غذا کو متوازن رکھنے کے لیے پھل کھانے چاہئیں اور جب آپ کا رجحان یہ ہو کہ پھل کھانے کے بعد آپ کے جسم میں کم حرارے پہنچیں تو آپ کو سوچ سمجھ کر پھل کا انتخاب کرنا چاہیے۔

یہ گرمی کے موسم میں پانی کی کمی کو پورا کرتا ہے۔ وہ مادّے جو کہ ہمارے جسم سے گرمی کے موسم میں پسینے کے سبب نکل جاتے ہیں تربوز ان کی کمی پوری کر دیتا ہے۔ پانی کی زیادتی کی وجہ سے یہ چکنائی کو جلانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ تربوز میں پوٹاشیم، حیاتین ج، ب ۶ اور جست ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اہم اور غیر اہم امینو ترشے بھی ہوتے ہیں۔ جس سے اس کی غذائیت بڑھ جاتی ہے۔ تربوز کے بیج کھانے سے بھی لحمیات حاصل ہوتے ہیں۔

جب ہمارے جسم کو پوٹاشیم کی ایک مناسب مقدار حاصل ہو جاتی ہے تو اس سے ہائی بلڈ پریشر کم ہو جاتا ہے۔ یہ گردوں کی پتھری کو نکالتا اور دل کی کارکردگی کو بہتر بناتا ہے۔ ایک سو گرام تربوز میں ۱۰۷ ملی گرام پوٹاشیم ہوتا ہے۔

تربوز میں بیماریوں کے خلاف نبرد آزما ہونے والے بیٹا کیروٹین کی ایک بھاری مقدار ہوتی ہے۔ اسے کھانے سے اضمحلال اور تھکن دور ہو جاتی ہے اور انسان ہشاش بشاش ہو جاتا ہے۔

تربوز دل کی بیماریوں میں فائدے مند ہے اور فالج کو روکتا ہے۔ چونکہ اس میں کیلشیم زیادہ ہوتا ہے۔ اس لیے یہ ہڈیوں میں مضبوطی پیدا کرتا ہے۔ یہ جوڑوں کی سوجن میں بھی مفید ہے۔

مرسلہ: فاطمہ بلال، کینیڈا



بزمِ پاکیزہ — پاکیزہ بہنیں

پہلا انعام یافتہ سوال

☆ پروین افضل شاہین...... بہاول نگر

سوال: ایک بار میں نے اپنے میاں جانی سے کہا کہ اتنا پرفیوم مت لگایا کریں...... اگر کسی دن کوئی چڑیل عاشق ہو گئی تو...... وہ بولے؟

جواب: چڑیل تو کب کی عاشق ہو چکی ہے۔

دوسرا انعام یافتہ سوال

☆ ماہ رخ...... حیدر آباد

سوال: آنکھیں کب بولتی ہیں؟

جواب: جب انہیں کوئی فرصت سے سننے والا ہو۔

☆ فرحانہ پروین...... راول پنڈی

سوال: کب بچوں کو تھپڑ مارنے کو دل چاہتا ہے اور نہیں مار سکتے؟

جواب: جب کہیں باہر جا کر بچے بدتمیزی کی انتہا کر دیتے ہیں۔

☆ ارم کمال...... فیصل آباد

سوال: میاں اناڑی، ساس کھلاڑی اور میں بیچاری کیا کروں......؟

جواب: پہلے ساس کو آؤٹ کرو پھر اپنی گاڑی میں میاں کو بٹھا کر خوب گھومو۔

☆ ایس کے...... کراچی

سوال: وہ موبائل کی دوستی تو چاہتا ہے مگر شادی کے موضوع پر بات کرنے سے بھاگتا ہے، اسے میں کیا سمجھوں؟

جواب: اسے مکار اور اپنے آپ کو پاگل۔

☆ گڑیا رانی...... پنجاب

سوال: باجی ہم نے ٹی وی کے ڈراموں سے یہ سیکھا ہے کہ جب ہیرو آئے تو اس کی خوب خاطر کرنی چاہیے، کیا واقعی......؟

جواب: ہرگز نہیں...... جن کی پہلے ہی خاطر ہو جائے تو وہ خاطر میں نہیں لاتے۔

☆ نجمہ...... ملتان

سوال: محبوبہ اور بیوی کے بولنے میں کیا فرق ہے؟

جواب: محبوبہ بدتمیزی سے بھی بولے تو اس کا لہجہ شرارتی سا لگا کرتا ہے اور بیوی سنجیدگی سے بھی کچھ کہے تو وہ بدتمیزی اور ڈھونگی نظر آتی ہے۔

☆ ناعمہ تحریم...... ملیر، کراچی

سوال: اپنا راز کسی کو بتا کر پوشیدہ رکھنے کی درخواست کون کیا کرتا ہے؟

جواب: بے وقوف سی خواتین۔

☆ ماہ رخ...... لطیف آباد

سوال: جلدی سے بتائیں دل کا چین کہاں سے ملتا ہے؟

جواب: مختلف لوگوں کو مختلف جگہ پر ملا کرتا ہے۔ کسی کو پڑھنے میں، کسی کو شاپنگ کرنے میں، کسی کو گھومنے پھرنے میں اور کسی کو صرف سجدے کی حالت میں۔

☆ فلک بنت ندیم...... حیدر آباد

سوال: شیر جنگل میں دہاڑتا ہے اور شوہر......؟

جواب: گھر میں اور بعض شوہر گھر میں بھی چوہے بن کر رہتے ہیں۔

☆ یاسمین اسرار...... کمالیہ

سوال: شادی سے پہلے وہ بات کرتے تھے تو منہ سے پھول جھڑتے تھے اب وہ بات کرتے ہیں تو......؟

جواب: محلے کی خواتین دروازوں میں سے سر نکال کر دیکھا کرتی ہیں کہ..... پیٹرول بم کیسے گر رہے ہیں۔

☆نسرین یاسین......حیدر آباد

سوال: رائی کا پہاڑ کیسے بنتا ہے؟

جواب: کوئی بھی بات دو چار خواتین کو بتا دو، دو گھنٹے بعد ہی وہ کیا سے کیا ہو چکی ہوگی۔

☆انیسہ حامد......کراچی

سوال: شعر مکمل کریں۔

گونگی ہو گئی آج کچھ زبان کہتے کہتے

جواب: ہچکچا گیا میں خود کو مسلمان کہتے کہتے

☆ساجدہ ظفر......کمالیہ

سوال: سب سے زیادہ استعمال ہونے والا گھریلو ہتھیار کون سا ہے؟

جواب: جوتا...... یہ گھریلو ہتھیار بھی ہے اور سیاسی بھی۔

☆نایاب کرن صدیقی......پنجاب

سوال: کس قسم کے چہرے دل کے کیمرے میں نقش ہو جاتے ہیں؟

جواب: بہت اچھے یا بہت برے۔

☆نازیہ نزی......نوشہرہ کینٹ

سوال: فلسفہ کب بولنا چاہیے؟

جواب: جب بات پٹری سے اتر رہی ہو......اور سیدھی بات کسی کے سمجھ میں نہیں آ رہی ہو۔

☆ایمن رانی......ٹوبہ ٹیک سنگھ

سوال: کیا ہوشیار مرد اچھے شوہر ثابت ہوتے ہیں؟

جواب: اچھے شوہر...... ہر کیٹیگری میں پائے جاتے ہیں اور نہیں بھی......چاہے وہ بے وقوف ہوں یا ہوشیار۔

☆ماریہ یاسر......کراچی

سوال: کسی نے کہا تھا میٹرک کر لو آگے پڑھائی حلوا ہی حلوا ہے؟

جواب: مگر اس نے آپ کو یہ نہیں بتایا ہوگا کہ یہ کریلے کا حلوا ہے۔

☆صبا نور......لیہ

سوال: اکثر لوگ اپنی بیوی یا گرل فرینڈ کو پیٹرول پمپ کے باہر موٹر سائیکل سے کیوں اتار دیتے ہیں؟

جواب: پہلی وجہ تو یہ کہ پیٹرول پمپ پر لکھا ہوتا ہے آگ لگانے والی چیزیں پمپ سے بہت دور رکھیں......اور دوسری وجہ یہ کہ میں ابھی اکیلا ہوں۔

☆مصباح رضا سعید......فیصل آباد

سوال: میری یہ سالگرہ بھی ساس کی نظر ہو جائے گی یا پھر میاں جی ہمت پکڑ کر کہیں لے جائیں گے؟

جواب: اس سالگرہ پر آپ کے میاں جی ہمیشہ کی طرح آپ کو لے کر آپ کے میکے چھوڑ دیں گے اور وہیں پر چھوٹا سا کیک لے آئیں گے۔

☆گڑیا......پنجاب

سوال: شادی سے پہلے وہ ہمارے گھر جوکر بن کر ہی کیوں آیا کرتے تھے؟

جواب: آپ کی خاموشی اور سنجیدگی توڑنے کے لیے کہ کسی بہانے تو منہ کھول کر ہنسیں۔

☆نور افشاں......شکار پور

سوال: سچے آدمی کی ایک خوبی یہ بھی ہوتی ہے، کیا ہوتی ہے......؟

جواب: اس کا لہجہ تلخ بھی ہو جاتا ہے۔

☆انجم حیدر خان......پاک پتن

سوال: خواب میں شیمپو دیکھنا کس بات کی علامت ہے؟

جواب: یہی کہ پردیس سے کوئی مہمان آنے والا ہے جو اپنے ہمراہ آپ کے لیے شیمپو کی بوتلیں، پرفیومز اور ڈھیر ساری سوغات لے کر آنے والا ہے۔

☆☆☆

روحانی مشورے

ادارہ

رمضان المبارک

ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ماہ رمضان المبارک بہت ہی بابرکت اور فضیلت والا مہینہ ہے، یہ صبر، شکر اور عبادات کا مہینہ ہے۔ اس ماہ مبارک کا ثواب ستر درجہ عطا ہوتا ہے جو کوئی اپنے پروردگار کی اطاعت کرکے اس کی خوشنودی حاصل کرے گا اس کی بہت بڑی جزا اللہ تعالیٰ خود عطا فرمائے گا......رمضان المبارک کا چاند دیکھ کر (یعنی چاند رات کو ہی) پہلے درود شریف پڑھیں پھر ۱۲۳ مرتبہ یہ دعا پڑھیں (پارہ ۲۸ سورۂ جمعہ)

ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم

نوٹ: پڑھ کر ہاتھوں پر دم کرکے چہرے پر پھیر لیں اور پانی پر دم کرکے پی لیں۔

☆ ماہ رمضان کا چاند دیکھ کر سورۂ فتح تین مرتبہ تلاوت کیجیے۔ وسعتِ رزق عطا ہوگی۔"

رمضان المبارک کی پہلی شب

☆ رمضان المبارک کی پہلی شب میں بھی عشا کی نماز ادا کرنے کے بعد تین مرتبہ سورۂ فتح پڑھنا بہت افضل ہے۔

☆ رمضان المبارک کی پہلی شب سے آخری شب تک ایک تسبیح پہلے کلمے کی لازمی پڑھیں۔ (یہ کم سے کم ہے)

☆ رمضان المبارک کی پہلی شب سے آخری شب تک کم سے کم ایک تسبیح استغفار اور تیسرے کلمے کی لازمی پڑھیں۔

☆ چلتے پھرتے، کام کرتے ہوئے سفر کرتے ہوئے، اللہ کے نام دہراتے رہیں جیسے یا حیّ یا قیوم، یا اول و آخر، یا حلیم یا علیم، یا علی یا عظیم، یا اللہ یا رحمٰن یا رحیم یا کریم۔

☆ سحری میں اٹھ جانے سے تہجد کی نماز بہ آسانی ہو جاتی ہے تو اس کے بعد دو نفل توبہ کے بھی پڑھ لیں۔

☆ ماہ رمضان کا چاند دیکھ کر اپنے خاندان اور احباب کو مبارک باد دیں۔ ان سے دعائیں لیں اور اپنے سے چھوٹوں کو دعا دیں، آپ کے اردگرد رہنے والے آپ کے ملازمین یا اپنے غریب رشتے داروں کی اتنی مدد ضرور کریں کہ وہ آسانی سے سحری اور افطاری کر سکیں۔

☆ رمضان المبارک کی پہلی شب بعد نماز تہجد آسمان کی طرف منہ کرکے بارہ مرتبہ یہ دعا پڑھنی بہت افضل ہے۔

لا الہ الا اللہ الحی القیوم القائم علی کل نفس بما کسبت

اس کے پڑھنے والے کو بے شمار نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی جائیں گی۔ اس دعا کی اتنی فضیلت ہے کہ جو شخص روزانہ سحری کے وقت سات مرتبہ پڑھے گا اسے ہر ستارے کے برابر نیکیاں ملیں گی اور ہزار گناہ معاف کردیے جائیں گے۔

نوٹ: آپ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی بتائیں اور اپنی دعاؤں میں اپنی باجی سمیت سب کو یاد رکھیں۔

رمضان میں دعا کی قبولیت کا وقت

قبولیتِ دعا کی خصوصی گھڑی تو رمضان المبارک کی ہر شب آتی ہے لیکن شبِ قدر میں اس گھڑی کا رنگ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ اس کی شان اور تاثیر ہی جدا

ہو جاتی ہے۔ وہ گھڑی نہ معلوم کون سی ہے اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ کو ایک مختصر مگر بہت جامع دعا سکھائی تھی جو آپ اس رات میں کثرت سے پڑھتے تھے۔ اس لیے ہم سب لوگوں کو بھی یہ دعا عربی میں بھی اردو میں بھی کثرت سے پڑھنی چاہیے۔

اللھمہ انك عفو تحب العفو فاعفُ عنی

ترجمہ: میرے اللہ تو بہت معاف کرنے والا ہے۔ معاف کرنے کو محبوب رکھتا ہے۔ پس مجھے معاف کردے۔

(ترمذی)

مکہ مکرمہ میں رمضان المبارک کو پانا، روزے رکھنا لاکھ رمضان کا ثواب

حضرتِ سیدنا عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم نے ارشاد فرمایا جس نے مکہ مکرمہ میں ماہ رمضان پایا اور روزہ رکھا، رات میں جتنا میسر آیا قیام کیا تو اللہ عزوجل اس کے لیے اور جگہ کے ایک لاکھ رمضان کا ثواب اور ہر رات ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب اور ہر روز جہاد میں گھوڑے پر سوار رہنے کا ثواب اور ہر دن میں نیکی اور ہر رات میں نیکی لکھے گا۔

(ابن ماجہ حدیث نمبر ۳۱۱۷)

ماہ رمضان کی فضیلت

حضرت ابوسعید خدریؓ نبی پاک حضرت محمد سے روایت کرتے ہیں کہ کوئی اللہ کی رضا کے لیے ایک دن کا روزہ رکھے، اللہ تعالیٰ اس کو ستر برس تک دوزخ سے دور رکھے گا۔ روزہ جس اس قدر راہبیت کا حامل قرار دیا گیا خود روزہ بھی روزے داروں کے لیے شفاعت کرے گا۔ حضرت عبداللہ عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ حضرت محمدؐ نے فرمایا۔ روزہ اور قرآن دونوں بندے کی سفارش کریں گے۔ روزہ کہے گا اے پروردگار میں نے اس کو کھانے سے روکا اور تمام خواہشات سے دن بھر باز رکھا۔ تو میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما۔ اور قرآن کہے گا کہ میں نے اسے رات میں سونے سے روکا اس لیے میری سفارش اس کے لیے قبول فرما...... چنانچہ دونوں کی سفارش قبول ہوگی۔

(از مشکوۃ شریف)

رمضان المبارک میں ہر سجدے کے عوض پندرہ سو نیکیاں لکھوا دی جاتی ہیں

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضور انورؐ نے ارشاد فرمایا۔ جب رمضان المبارک کی پہلی رات آتی ہے تو آسمانوں کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور آخری رات تک ان میں سے کوئی دروازہ بند نہیں کیا جاتا...... اور جو بندہ اس مہینے کی کسی رات میں بھی نماز پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ہر سجدہ کے عوض پندرہ سو نیکیاں لکھتا ہے اور اس کے لیے جنت میں سرخ یاقوت، جڑے ہوں گے۔ جب بندہ رمضان المبارک کے پہلے دن روزہ رکھتا ہے تو اس کے پچھلے رمضان کے پہلے دن کے روزے تک کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ اور اس کے لیے روزانہ ستر ہزار فرشتے فجر کی نماز سے غروب آفتاب تک استغفار کرتے ہیں اور اسے رمضان المبارک کے ہر دن اور ہر رات میں سجدہ کرنے پر جنت میں ایک ایسا درخت عطا کیا جاتا ہے جس کے سایہ میں کوئی سوار پانچ سو سال تک چلتا رہے۔

شعیب الایمان، ج نمبر ۳ صفحہ نمبر ۳۱۴ حدیث نمبر ۳۶۳۵)

☆☆☆



شوابے ہومیو کلینک

SCHWABE

اس بات کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کرائی جا رہی تھی کہ کسی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیو پیتھک ڈاکٹروں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہرانہ رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہٰذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوگی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس کو بورڈ کے ماہر و تجربہ کار ڈاکٹرز کے ذریعے حل کرائیں تاکہ آپ کا معیارِ صحت بلند ہو لہٰذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں ہمیں اس پتے پر لکھ بھیجیں، ڈاکٹر حامد جنرل ہومیو پرائیویٹ لمیٹڈ آرام باغ روڈ کراچی 74200۔ ہم ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتا اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق، ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، کب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کی جا سکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔ (اپنے علاقے میں دوا نہ ملنے کی صورت میں ہم سے رجوع کریں)

جسمانی کمزوری

اُمِ محمد عبداللہ ...... قلعہ لال سنگھ

میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے بال سفید ہونا شروع ہو گئے ہیں اور میرے منہ پر دانے، کیل مہاسے اور چھائیاں بہت زیادہ ہیں۔ کبھی جلد کا رنگ بڑا ستھرا سا ہوا کرتا تھا اب تو ایسے جیسے بیمار ہوں۔ براہ مہربانی میرے لیے اچھی سی دوائیں تجویز کریں جن سے فریش نظر آؤں۔

جواب۔ آپ کے ساتھ اصل مسئلہ یہ ہے کہ آپ کی شادی انتہائی کم عمری میں ہوگئی، پھر 8 سال میں 3 بچے بھی ہو گئے۔ آپ کے اندر خون کی کمی بھی ہے۔ آپ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Sepia 30، lycopodium 30 کے 7،7 قطرے آدھے گلاس پانی میں ڈال کر دن میں تین مرتبہ لیں، چہل قدمی کریں اور متوازن غذا کا استعمال کریں۔

بڑھا ہوا جگر

ط،م شاہ ...... تحصیل پسرور، سیالکوٹ

میرا مسئلہ یہ ہے کہ دو انچ جگر بڑھا ہوا ہے، لیکوریا بہت زیادہ ہے، ہر قسم کے ٹوٹکے، دوائی وغیرہ

ٹوکن

برائے شوابے ہومیو کلینک

جولائی 2016ء

اپنا مسئلہ اس ٹوکن کے ساتھ روانہ کریں۔ ٹوکن کے بغیر آئے ہوئے مسئلوں پر توجہ نہیں دی جائے گی۔ اپنا مسئلہ جس مہینے بھیجیں اسی مہینے کا ٹوکن استعمال کریں۔

نام: ____________

پتا: ____________

____

استعمال کرتی ہوں لیکن کوئی افاقہ نہیں ہوتا۔ میری گردن بہت کالی ہے۔ کمر میں درد بھی بہت زیادہ ہے، سانس بھی پھولتا ہے۔ گرمی میں بدبودار پسینا بھی بہت زیادہ آتا ہے۔

جواب۔ صحیح تشخیص صحیح علاج کے لیے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ بہت مختصراً آپ نے حال لکھا ہے۔ اور نہ کوئی علاج کی ہسٹری، کب سے ہے اور کیا کیا دوائیاں کھائیں؟ اور نہ ہی کوئی ٹیسٹ رپورٹس۔ براہ مہربانی الٹرا ساؤنڈ Whole abdomen اور LFT اور CBC کی رپورٹس کرا کر مکمل حال بتائیں تا کہ صحیح تشخیص اور پھر صحیح دوا تجویز کر سکیں گے۔

ناک کا گوشت، رُواں اور وزن

حنا یامین...... لانڈھی

میں نے آپ کو اپنا اور اپنی بیٹی کا مسئلہ لکھا تھا۔ بیٹی کا مسئلہ ناک کا گوشت اور وزن کی زیادتی اور جسم پر رُواں بہت ہے۔ بیٹی کو دوا سے صرف سانس لینے میں آرام آیا ہے۔ باقی مسئلے ویسے ہی ہیں۔

میرے ماہانہ نظام کی خرابی کا مسئلہ اللہ کا شکر ہے تھوڑا بہتر ہوا ہے۔ لیکن...... درد ختم نہیں ہوا ہے۔ پیٹ بھی کم ہوا ہے اور نہ ہی غیر ضروری بالوں کا مسئلہ حل ہوا ہے۔

جواب ...... جس چیز میں آپ کو فائدہ ہوا ہے اس کے لیے دوا دی گئی تھی۔ عمر، قد کے حساب سے وزن کتنا ہے؟ یہ آپ نے نہیں لکھا۔ کتنا اور کیا کھاتی ہیں؟ کیا کرتی ہیں؟ ورزش کتنی کرتی ہیں، کچھ بھی نہیں لکھا۔ ناک کے گوشت کے لیے ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Thuja-Q کا ایک، ایک قطرہ دونوں نتھنوں میں ڈالیں۔ Calc, Teucrium اور Flour-30, Calc- Phos30 mar. 30 کے 5,5 قطرے آدھے گلاس پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ پلائیں۔

جواب نمبر ۲۔ آپ نے اپنے لیے بھی وہی کیا جو بیٹی کے لیے۔ PTK-60 اسی طرح چوستی رہیں اس کے ساتھ Pulsatilla 30 اور Calc Phos-30 کے 5، 5 قطرے آدھا گلاس پانی میں ڈال کر دن میں تین مرتبہ لیں۔ پھر تفصیل سے آگاہ کریں۔

بیٹی کا مسئلہ

نام شائع نہ کریں

میں آپ کا یہ سلسلہ بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ مسئلہ میری بیٹی کا ہے۔ اس کا وزن بہت زیادہ بڑھ گیا ہے۔ پیٹ اور کولہے بہت بھاری ہو گئے ہیں۔ پیٹ باقاعدہ لٹک گیا ہے۔ اس کے ماہانہ نظام میں بھی بے قاعدگی ہے۔ رنگ سانولا ہو گیا ہے۔ آنکھوں کے نیچے گہرے حلقے بن گئے ہیں۔ اکثر سر درد رہتا ہے۔ ڈاکٹر کو دکھایا تھا وہ کہتے ہیں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ صرف وزن کم کریں۔ چاول، بڑا گوشت، دہی، نان وغیرہ بالکل نہیں کھاتی۔ سیڑھیاں بھی بہت اترتی چڑھتی ہے۔ کالج میں بھی پھرتی رہتی ہے۔ سال کے آخر میں انشاء اللہ شادی طے کر دی ہے۔ مہربانی فرما کر کوئی اچھی سی دوا تجویز کر دیں۔

جواب۔ ماہانہ نظام کب شروع ہوا اور جس عمر میں شروع ہوا اس وقت اس کی کیا حالت تھی؟ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Magnesium Phosphorioum Pentarkan Ptk-60 ایک گولی دن میں دو مرتبہ چوسیں۔ جبکہ Pulsatilla 200 کے پانچ قطرے آدھے گلاس پانی میں ہفتہ میں ایک مرتبہ لیں، Calc Phos 30 کے پانچ، پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ لیں۔ دو ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔ جواب پاکیزہ کے ذریعے ہی دیا جائے گا۔ اس لیے جوابی لفافہ نہ بھیجا کریں اور نہ ہی فون کریں۔

مسئلہ کچھ اور ہے

پروین اختر...... تحصیل کھاریاں

میرا مسئلہ یہ ہے کہ کچھ دنوں پہلے میرے گردے

میں درد ہوا۔ محلے کے ایک ڈاکٹر کے پاس گئی جس نے نیند کی گولیاں دے دیں۔ گولی کھانے سے نیند آ جاتی ہے۔ آنکھ کھلتی ہے تو پھر درد شروع ہو جاتا ہے۔
ڈاکٹر نے کہا کہ چھ ماہ علاج کروانا پڑے گا۔ پھر ٹھیک ہو جائیں گی۔ میں نے ڈاکٹر سے 6 ماہ علاج کا خرچہ پوچھا تو ڈاکٹر نے کہا ہر ماہ کا خرچہ تقریباً 10,000 روپے آئے گا۔ میں ایک غریب فیملی سے تعلق رکھتی ہوں۔ اتنا مہنگا علاج نہیں کروا سکتی۔ جس کی وجہ سے مایوس ہو گئی ہوں۔ مہربانی فرما کر میرے لیے کوئی علاج تجویز فرمائیں۔
تا زیست دعا گو رہوں گی۔

جواب۔ رپورٹس کے مطابق خون کی کمی ہے اور جگر کا مسئلہ ہے۔ خط میں آپ نے یہ نہیں لکھا کہ گردے کا درد کس طرف اور کہاں ہوا تھا۔ کیا کھانے سے ہوا تھا۔ اب کیفیت کیا ہو رہی ہے۔ پیشاب، بھوک اور درد کی تفصیل لکھنے کے ساتھ، یہ بھی کریں کسی اچھی جگہ سے الٹرا ساؤنڈ CBC HCV LFT، ESR،Whole Abdomen کرائیں۔ رپورٹ کمپیوٹر پر ہو، ہاتھ سے لکھی نہ ہو۔ فی الحال ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Berberis VulgQ کے ساتھ ساتھ Carduus Marianus Pentarkan Ptk-23 دس قطرے آدھے گلاس پانی میں ڈال کر دن میں تین مرتبہ پئیں۔ ان کے علاوہ Ferr. Phos 30 کے پانچ پانچ قطرے آدھا گلاس پانی میں ڈال کر دن میں تین مرتبہ پئیں۔ ایک ماہ بعد کیفیت بتائیں، نظر بھی چیک کرائیں۔

دمہ

فرزانہ...... چوک اعظم

میرا بیٹا جس کی عمر ۶ سال ہے بہت سخت بیمار ہے۔ میں آپ کو بہت دکھی ہو کے خط لکھ رہی ہوں۔ مجھے جلد سے جلد جواب سے نوازیں، میرا بیٹا جب سے پیدا ہوا ہے۔ چار مہینے ٹھیک رہا ہے۔ اس کے بعد اس کو ہر وقت نزلہ زکام اور شدید کھانسی رہتی تھی۔ ساری رات کھانستا رہتا یا چھاتی بند ہو جاتی تھی اور میں ساری رات گود میں لے کر گزارتی تھی۔ بہت علاج کروائے مگر آرام نہیں آتا تھا۔ پھر جب تقریباً اڑھائی سال کا تھا تب سے ایسی کھانسی لگی ہے کہ آج تک ٹھیک نہیں ہوئی اور اب دمہ بن چکا ہے۔ ہر وقت نیبولائز کرتے ہیں، راتیں کئی دفعہ نیبولائز کرتے ہیں اور سانس اتنی شدت سے بند ہوتی ہے کہ بچہ تڑپتا ہے۔ اور کہتا ہے امی میں مر گیا۔ کبھی کبھی نیبولائز کرنے سے بھی فرق نہیں پڑتا ہے اور اب صبح شام انہیلر کے بھی دو پف دیتے ہیں تو چار پانچ گھنٹے گزرتے ہیں۔ یہاں پر ہومیو ڈاکٹر سے تین مہینے علاج کروایا مگر آرام نہیں آیا ہے۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ اس کے پھیپھڑے سکڑ گئے ہیں۔ ایک اور ڈاکٹر ہیں ان کے مطابق بچے کی سانس کی نالیاں تنگ ہو گئی ہیں اور ریشے سے بھر جاتی ہیں۔ اس لیے سانس نہیں آتا۔ کبھی کبھی الٹی ہوتی ہے تو کچا ریشہ بہت نکلتا ہے۔ اور جب سانس کھینچتا ہے تو گردن کے نیچے گڑھا سا بنتا ہے اور پسلیوں کے درمیان میں بھی گڑھا بنتا ہے۔ کمزور بھی بہت ہے۔ بازو بہت پتلے ہیں اور جسم پر چمڑا ہی نظر آتا ہے۔ گوشت کا تو نام و نشان بھی نہیں ہے۔ نظر بھی بہت کمزور ہے۔ اسکول میں وائٹ بورڈ کے بالکل پاس بیٹھتا ہے تب نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر کو دکھایا تو انہوں نے کہا کہ اس کی آنکھ میں ٹیڑھا پن ہے جس کی وجہ سے اس کو نظر نہیں آتا اور یہ مسئلہ آپریشن سے حل ہو گا۔ میرے بیٹے کے لیے کوئی اچھی سی دوا بتائیں۔ میں دن رات رو کے گزارتی ہوں کہ میرے بچے کی بیماری ٹھیک ہو جائے۔

جواب۔ خاندان میں کسی کو ٹی بی ہو، دمہ ہو یا نزلہ زکام کا مسئلہ ہو اور ماں دورانِ حمل اپنی صحت کا خیال نہ رکھے یا وہ خود کمزور ہو تو اس کے ہاں ہونے والی اولاد بھی کمزور اور قوتِ مدافعت کی بھی کمی ہوتی ہے اور جب دودھ پلانے کے زمانے میں بھی ماں اپنی صحت کا خیال نہ رکھے تو بچے مختلف بیماریوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ اب آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی رہیں کیونکہ ہر کام اس کی

مرضی سے ہوتا ہے جب وہ چاہتا ہے۔ اپنی صحت کا پہلے خیال کریں۔ بچے کو تازہ ہوا زیادہ دیں، گائے اور بکرے کا گوشت کھلائیں، موسم کی سبزیاں اور موسم کے تمام پھل کھلائیں۔ اصلی دیسی مرغی اور انڈا فائدہ مند ہے۔ میدے سے بنی چیزیں پراٹھا، بسکٹ، ڈبل روٹی، پاپے نہ دیں۔ میٹھی چیزوں سے بھی پرہیز کرائیں۔ نہانے کے بعد پنکھے، اے سی یا دھوپ میں فوراً نہ لے جائیں اس طرح گرمی سے یکدم ٹھنڈی جگہ میں نہ آئیں۔ ٹھنڈا پانی، شربت، کولڈ ڈرنکس، قلفی، برف جیسی چیزوں سے بچائیں۔ ناریل پانی دیں۔ شہد اصلی صبح ناشتے میں دیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Grindelia Pentarkan- Ptk-51 کے دس قطرے آدھا گلاس پانی میں دن میں تین مرتبہ دیں، ایمرجنسی کی صورت میں اس کے 15 سے 20 قطرے آدھے گھنٹے یا ایک گھنٹے سے دے سکتی ہیں۔ ایک ماہ بعد کیفیت سے دوبارہ مطلع کریں۔

میرے تمام مسائل

غزالہ افتخار......اٹک

کچھ عرصے سے جو مسائل میرے ساتھ ہیں وہ لکھ رہی ہوں۔ دائیں آنکھ بڑی اور بائیں آنکھ چھوٹی یا برابر۔ ماہانہ ایام صرف ایک دن کے ہوتے ہیں۔ چہرے پر بال آ گئے ہیں۔ آنکھوں کے نیچے حلقے اور گڑھے بن گئے ہیں۔ نیند بالکل نہیں آتی۔ آتی بھی ہے تو تین سے چار گھنٹے اور بار بار آنکھ کھلتی رہتی ہے۔ ٹانگوں پر اکثر اور باقی جسم پر کبھی کبھار اس قدر خارش ہوتی ہے کہ خون نکلنے لگتا ہے۔ سانس کی تکلیف ہے۔ انہیلر کا استعمال کرتی ہوں۔ کچھ مخصوص مہینوں میں تکلیف ہو جاتی ہے۔ سینے میں اکثر جلن رہتی ہے اور گیس بنتی ہے۔ گردن معمولی سی سوجی ہوئی ہے۔ سر کے پچھلے حصے میں کبھی کبھار درد ہوتا ہے۔ پٹھوں میں درد رہتا ہے۔ چہرے کی جلد ڈھیلی ہو گئی ہے۔ آنکھوں کے پاس لائنیں پڑ گئی ہیں۔ سر کے بال بہت گھنے اور خوبصورت تھے اب سر کے بال بے حد ہلکے ہو

گئے ہیں اور تیزی سے سفید ہو رہے ہیں۔ بال گر رہے ہیں۔ ایک مسئلہ بیٹے کے ساتھ ہے۔ گیارہ سال عمر ہے۔ اس کو گیس پرابلم ہے۔ سارا دن گیس خارج کرتا ہے۔ اور گرمیوں میں صبح نہار منہ یا ناشتے کے بعد الٹی کر دیتا ہے۔ تمام گرمی اس کا یہ مسئلہ رہتا ہے۔

جواب۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Sulphur 200 کی ایک خوراک (5 قطرے ایک گھونٹ سادہ پانی) صبح نہار منہ لے کر ایک دن کے بعد مندرجہ ذیل ادویات شروع کریں۔ Asafoetida Pentarkan- Ptk-12 کے دس قطرے ایک گھونٹ سادہ پانی کے ساتھ دن میں 3 مرتبہ، Ferrum Pentarkan-Ptk-45 کی دو گولیاں تھوڑے پانی کے ساتھ دن میں 3 مرتبہ، GrindeliaPentarkan- Ptk-51 کے دس قطرے ایک گھونٹ پانی کے ساتھ دن میں 3 مرتبہ، Magnesium Phosphorium Pentarkan- Ptk-60 ایک گولی دن میں 3 مرتبہ، Passiflora Pentarkan- Ptk-66، 15 قطرے ایک گھونٹ پانی کے ساتھ شام اور رات کو، Urtica Pentarkan- Ptk-86 دس قطرے ایک گھونٹ سادہ پانی کے ساتھ دن میں 3 مرتبہ۔

جذبات پر قابو

نسرین فاطمہ......کراچی

میں آپ کا کالم ہومیو کلینک کافی عرصے سے پڑھ رہی ہوں لیکن آج بڑی ہمت کر کے آپ کو خط کے ذریعے اپنے مسئلے سے آگاہ کر رہی ہوں، ڈاکٹر صاحب، میں بہت بڑی بیماری میں مبتلا ہو گئی ہوں۔ رحم کا بھی مسئلہ لگتا ہے۔ بریسٹ کے بھی مسائل ہیں۔ پیٹ بھی بہت پھول گیا ہے۔ جسم ہر وقت سست رہتا ہے۔ ذرا سا چلتی ہوں تو گرمی اور گھبراہٹ سے چہرہ سرخ ہو جاتا ہے

اور گھبراہٹ بھی ہوتی ہے۔ پیشاب کے بعد قطرے بھی آتے ہیں۔ پاخانہ بھی ٹھیک نہیں آتا، دو تین بار جانا پڑتا ہے۔ تقریباً 15 سال سے اس بیماری میں مبتلا ہوں لیکن کسی کو بتا نہیں سکی، چہرے پر بھی ورم ہے، صبح اٹھتی ہوں تو ہاتھوں پر بھی ورم ہوتا ہے، ہاتھوں کا ورم تو کچھ دیر بعد کم ہو جاتا ہے لیکن چہرے پر ہر وقت ورم رہتا ہے۔ پیریڈ بھی ایک دن بھی ٹھیک نہیں ہوتے۔ لیکوریا کی بھی شکایت ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب میں بہت پریشان ہوں، اگر خودکشی حرام نہ ہوتی تو خود کو ختم کر دیتی، نماز پڑھ کر دعا بھی کرتی ہوں، ڈاکٹر صاحب آپ کی بڑی مہربانی ہو گی میرے خط کا جواب اگلے مہینے کے شمارے میں ضرور دیجئے گا۔ میں مرتے دم تک آپ کو دعائیں دوں گی۔ میرا بلڈ پریشر بھی ہائی رہتا ہے۔ بلڈ پریشر کے لیے میں ٹینورمن لیتی ہوں۔

جواب۔ آپ کے اعتماد کرنے کا اور پسندیدگی کا شکریہ۔ آپ نے اپنا وزن اور عمر نہیں لکھی۔ ناامید نہیں ہیں یہ بہت اچھی بات ہے۔ نماز پڑھتی ہیں اللہ سے توبہ کریں۔ اللہ ہی مسئلے مسائل کو حل کرنے والا ہے۔ ہم جذبات میں آ کر غلط فیصلے کر لیتے ہیں اور جب عقل سے سوچتے ہیں تو ندامت کا احساس ہوتا ہے۔ آپ کراچی میں رہتی ہیں بہتر ہے کہ ٹائم لے کر آ کر ملیں۔ آپ یہ بلڈ ٹیسٹ کرائیں، Urea,Uric CBC Lipid profile،Acid ESR فی الحال ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ دس قطرے ایک گھونٹ سادہ پانی کے ساتھ دن میں تین مرتبہ Solidago Pentarkan- Ptk-79، دس قطرے ایک گھونٹ سادہ پانی کے ساتھ دن میں 3 مرتبہ Viscum Pentarkan- Ptk-89، ایک گولی دن میں 3 مرتبہ Magnesium Phosphorium Pentarkan- Ptk-60، نمکین چیزیں اور مرغن اشیا سے پرہیز کریں۔ ایک ماہ بعد دوبارہ حال بتائیں۔

پٹھوں میں کھنچاؤ اور درد

مسرت پرویز......لاہور

عرصہ چار سال سے پٹھوں میں کھنچاؤ کی شکایت ہے، دو سال پہلے ڈاکٹر کا علاج بھی کروایا، وقتی افاقہ ہوتا ہے۔ اب حالت یہ ہے کہ گردن، ٹانگوں بازوؤں میں شدید کھنچاؤ ہے، ہاتھ پاؤں میں کڑلیں پڑتی ہیں، نماز بھی نہیں پڑھی جاتی، روزانہ دبوانا پڑتا ہے تب کہیں رات گزرتی ہے، کولہے اور پسلیوں کے نیچے دس منٹ چلنے سے درد شروع ہو جاتا ہے۔ اب تو میں تکیہ بھی نہیں رکھتی کہ گردن اکڑ جاتی ہے۔ بلڈ پریشر رہتا ہے اور گیس بھی ہوتی ہے۔ اب سر میں درد بھی رہتا ہے۔

جواب۔ جتنا پیدل چل سکتی ہیں چلیں، تیز مرچ مصالے اور مرغن کھانوں سے بچیں، Urea, Uric Acid، ESR، CBC Lipid profile اور Serum Calc.Vit-D, کرائیں۔ اس وقت تک ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ Carbo Vegetabilis Pentarkan- Ptk-22 ایک گولی دن میں تین مرتبہ تھوڑے پانی کے ساتھ نگلیں، Rhus toxicodendron Pentarkan- Ptk-73 ایک گھونٹ سادہ پانی میں گیارہ قطرے دن میں چار بار لیں Spigelia Pentarkan- Ptk-81، 15 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ لیں، ایک ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

☆☆☆



اسماء الحسنیٰ۔ کامیابی کا راستہ

دین اسلام کی روشنی میں آپ کے مسائل کا مکمل حل

پیر شاہ محمد قادری

پیر شاہ محمد قادری ناحی ہاشمی گذشتہ 25 برسوں سے اسماء الحسنیٰ کے حوالے سے زندگی میں درپیش تمام مسائل اور پریشانیوں کے حل کے لئے اسماء الحسنیٰ کی تلقین کرتے ہیں اور آیات قرآنی کے ذریعے روحانی علاج کے حوالے سے دنیا بھر میں شہرت یافتہ ہیں۔ آپ کے پروگرام اسماء الحسنیٰ۔ کامیابی کا راستہ کروڑوں ناظرین دیکھتے رہتے ہیں۔ آپ اپنے مسائل اور پریشانیوں میں براہ راست ان سے بذریعہ خط اور ملاقات راہ نمائی لے سکتے ہیں۔

حمیدہ نعمان۔اسلام آباد

○ کبھی سوچا نہیں تھا کہ ایسی پریشانی سے دوچار ہو جاؤں گی کہ جس کے لئے مجھے اپنی حل جناب سے بھی محسوس ہوگی اس مرحلے پر آپ سے راہنمائی کی درخواست ہے مسئلہ کچھ یوں ہے کہ میرا نکاح آج سے چار سال قبل میرے ماموں زاد بھائی کے ساتھ ہوا تھا جو اسپین میں ہیں ڈیڑھ سال قبل وہ آئے اور رخصتی ہوگئی مگر وہ ازدواجی زندگی سے معذور تھے۔

اور وہ خود بھی بے حد پریشان رہنے لگے ہیں میں نے ان کا پردہ رکھنا چاہا مگر شاید میں اتنی بڑی قربانی ... نہیں دے سکتی ہوں مجھے پریشان ہونے لگا ہے مجھے بچے بہت اچھے لگتے ہیں اس صورت میں حال میں وہ نہیں ہو سکتے ان کی والدہ مجھ سے شدید محبت کرتی ہیں میں اپنے گھر میں ہی رہتی ہوں اور آہستہ آہستہ ڈپریشن کی مریضہ بنتی جا رہی ہوں میں یہ چاہتی ہوں کہ یہ معاملہ خوش اسلوبی سے حل ہو جائے اور میں اس صورت حال سے نکل آؤں اس ضمن میں مجھے ذہنی سکون کے لئے کوئی اسم الٰہی بتائیں اور میرے لئے کوئی ایسی لوح تجویز کر دیجئے کہ جس سے مجھے فیصلے کی قوت مل جائے آپ کا یہ مجھ پر بہت بڑا احسان ہوگا۔

☆ عزیز بیٹی! اللہ تعالیٰ آپ کو ہمت اور استقامت دے آپ اپنی والدہ کو یہ ساری صورت حال بتا دیجئے اس قسم کی صورت درپیش آنے پر شریعت عورت کو شرائط کے ساتھ خلع کا حق دیتی ہے۔ "یا کریم یا سلام" ہر نماز کے 135 مرتبہ پڑھ کر دعا کیا کیجئے اول آخر 9 مرتبہ درود شریف۔ ذہنی سکون اور ڈپریشن سے نجات کے لئے آپ کی فرمائش پر لوح اسم ذات ارسال کی جا رہی ہے دعاؤں کا شکریہ۔

میمونہ شکیل۔راولپنڈی

○ محترم! اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے میں اپنی بیٹی کے مسئلے کے سلسلے میں حاضر ہوں میری بیٹی کی عمر 28 سال ہو رہی ہے لیکن رشتے کا کوئی سبب نہیں بن رہا ہے بہت کوششیں کی ہیں لیکن کوئی بات نہیں بنتی ہے یہاں پر ایک مولوی صاحب سے پتہ کرایا تو انہوں نے علاج تو کیا مگر اس سے ایک دو رشتے آئے مگر بات نہیں بنی۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ کوئی ایسی دعا یا لوح دے دیں کہ جس سے میری بیٹی کی شادی کا مسئلہ حل ہو جائے اور وہ اپنے گھر میں آباد ہو جائے اس سے چار سال چھوٹی بیٹی کی منگنی طے ہو چکی ہے لڑکے والے بار بار شادی کا تقاضا کرتے ہیں مگر بڑی کا کوئی بندوبست ہو تو چھوٹی کو رخصت کریں بہت پریشان ہوں کوئی راہنمائی کیجئے۔

☆ عزیز بہن! اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھئے وہ بڑا ہی مسبب الاسباب ہے انشاء اللہ اچھا رشتہ ملے گا "یا کریم یا لطیف یا فتاح" ہر نماز کے بعد 125 مرتبہ پڑھ کر دعا کریں اول آخر 11 مرتبہ درود شریف۔ بیٹی کی شادی کے لئے آپ کی فرمائش پر لوح تسخیر خاص ارسال کی جا رہی ہے۔

گل رعنا۔جرمنی

○ محترم! اس خط کی غرض و غایت یہ ہے کہ میری بہن کی شادی کو چار سال ہو گئے ہیں لیکن ابھی تک اولاد کی نعمت عطا نہیں ہوئی حالانکہ طبی اعتبار سے دونوں کو کوئی مسئلہ نہیں ہے مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ کی مصلحت کی وجہ سے یقیناً اس تاخیر کا کوئی بہتر سبب ہی ہوگا آپ سے اس ضمن میں روحانی علاج اور دعا کی درخواست ہے۔ جس طرح آپ نے میرے امیگریشن کے معاملے میری راہنمائی کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا کی تھی اسی طرح

حصول دعا کو حاضر ہیں۔ آپ کی محبت کرنے والی بچی۔

☆ عزیز بچی اللہ تعالیٰ محبتوں کو قائم رکھے۔ اولاد کے لئے ہر نماز کے بعد 125 مرتبہ "یاوارث یا مصور یا خالق" پڑھ کر دعا کریں اول آخر 11 مرتبہ درود شریف۔ آپ کی فرمائش پر اولاد کے لئے نقش علاج ودر تعویذ ارسال کیا جارہا ہے۔

جبیں افضل۔ لندن یو کے

○ محترم اللہ تعالیٰ آپ کو عمر خضر عطا فرمائے آپ جس طرح لوگوں کی دینی راہ نمائی کر رہے ہیں اس کا اجر تو اللہ تعالیٰ ہی دے سکتا ہے ہم سب تو بس آپ کی دعاؤں کے نذرانے ہی بھیج سکتے ہیں میری بیٹی کا معاملہ ہے اس کو یہاں پر کوئی لڑکا پسند ہی نہیں آتا بلکہ یوں کہیے کہ وہ شادی کے نام سے الرجک ہو گئی ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایک بار محبت میں ناکام ہو چکی ہے حالانکہ ہم نے اس کی مرضی پر سر جھکا دیا تھا مگر وہ لڑکا نہایت مطلب پرست نکلا۔ اس کا مقصد سوائے دولت کے کچھ نہیں تھا جب اس پر یہ حقیقت کھل گئی تو وہ اس سے متنفر ہو گئی اور اب اس نے سوچ لیا ہے کہ اب وہ شادی نہیں کرے گی۔ عمر بیتی جارہی ہے ہم اس کو سمجھا سمجھا کر تھک چکے ہیں مگر وہ نہیں مانتی۔ ہم جس معاشرے میں رہتے ہیں وہاں بے راہ روی ایک عام بات ہے برے وقت سے ڈر لگتا ہے آپ سے درخواست ہے کہ آپ شادی کے لئے کوئی اسم اور لوح تجویز فرما دیجیے تا کہ وہ بھی خوشی راضی ہو جائے۔ یہ آپ کا ایک ماں پر بے حد احسان ہوگا۔ آپ کی بہن۔

☆ عزیز بہن ! دعاؤں کا شکریہ اللہ تعالیٰ ہر بیٹی کو برے تجربے سے محفوظ اور مامون رکھے۔ (آمین) ہر نماز کے بعد 125 مرتبہ "یا لطیف یا فاتح یا حمید" پڑھ کر دعا کریں اول آخر 9 مرتبہ درود شریف شادی کے لئے آپ کی فرمائش پر لوح زہرہ ارسال کی جارہی ہے۔

شگفتہ حیدر۔ لاڑکانہ

○ محترم! میرے بیٹے کو بیرون ملک جانے کا بہت شوق ہے کئی بار جدوجہد اپلائی کر چکا ہے مگر بات نہیں بنتی ہے ذمہ داریاں کافی ہیں اور اگر یہ کام ہو جائے گا تو ہمارے قرض بھی ادا ہو جائیں گے اور بچیوں کی شادی کے معاملات بھی بے حد آسان ہو جائیں گے۔ یہاں کل آمدنی آٹھ ہزار سے زائد نہیں باوجود محنت کے معاشی ترقی میسر نہیں آتی ہے اس لئے ہمیں یہی مناسب معلوم ہوا کہ اگر بیرون ملک ملازمت مل جائے تو ہمارے مسائل حل ہو جائیں گے آپ سے اس معاملے میں مدد و راہ نمائی کی ضرورت ہے۔

☆ عزیز بہن اللہ تعالیٰ ہم سب کی تمام نیک اور جائز خواہشات پوری فرمائے۔ اور اپنے خزانہ رحمت سے وافر طیب رزق عطا فرمائے (آمین) آپ ہر نماز کے بعد 125 مرتبہ "یا فاتح یا وہاب" پڑھ کر دعا کیا کریں اول آخر 3 مرتبہ درود شریف۔ آپ کی فرمائش پر لوح تسخیر خاص برائے بیرون ملک سفر کے لئے ارسال کی جارہی ہے۔

عرشی بتول۔ ناروے

○ محترم اللہ تعالیٰ آپ کو ہر بلا سے محفوظ رکھے۔ (آمین) میرے ہاں اللہ کی رحمت سے چار بیٹیاں ہیں ہم ایک اور بے بی پلان کرنا چاہ رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ وہ اس مرتبہ ہمیں اولاد نرینہ سے نوازے۔ بچیوں کو بھی بھائی کا بہت شوق ہے اللہ تعالیٰ نے ہر نعمت نہایت فراوانی سے عطا کی ہے کمی تو بس یہی ہے۔ شاید اس لئے کہتے ہیں کہ انسان ناشکرا ہے طلب میں ہمیشہ ہاتھ بڑھائے دیتا ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ ہماری آرزو کے لئے اللہ سے دعا کر دیجیے اور کوئی روحانی علاج بھی تجویز کر دیجیے آپ کے لئے دعا گو۔ آپ کی بہن۔

☆ عزیز بہن اللہ تعالیٰ حکیم و دانا قادر مطلق سے التجا ہے کہ وہ ہر والدین کی بیٹے کی آرزو پوری فرمائے (آمین) اور حقیقت یہ بھی نکتہ قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کی کوئی حد نہیں ہے ہمیشہ اس کے آگے دست طلب دراز رکھیں۔ کیونکہ وہ مانگنے والوں کو پسند کرتا ہے اور شکر گزاروں کو زیادہ نوازتا ہے "یاوارث یا قوی یا مصور" ہر نماز کے بعد 125 مرتبہ پڑھ کر دعا کیا کریں اول آخر 11 مرتبہ درود شریف۔ اولاد نرینہ کے لئے آپ کی فرمائش پر علاج و تعویذ ارسال کیا جارہا ہے۔

یاسمین اسحاق۔ ٹھٹھہ سندھ

○ محترم! میرے والد کے انتقال کے ساتھ مسائل شروع ہو گئے ہیں ہماری اچھی خاصی جائیداد اور زرعی رقبہ ہے اور اسی وجہ سے مصیبتوں میں پڑ گئے ہیں۔ سگے بھائیوں اور بہنوں میں آپس میں جائیداد کی تقسیم کے لئے جھگڑے پڑ گئے ہیں۔ ہماری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ ہم لوگ کیا کریں کس دعا سے اپنی محبتیں واپس لائیں اور سب دوبارہ سے ایک جیسے ہو جائیں آپ سے راہ نمائی کی درخواست ہے۔

☆ عزیز بچی اللہ تعالیٰ آپ سب کو محبت کی دولت عطا فرمائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ مال اور اولاد سے بندے کی آزمائش کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کے دلوں میں نرمی جگائے۔ (آمین) "یا سلام یا عزیز" ہر نماز کے بعد 131 مرتبہ پڑھ کر دعا کریں اول آخر 3-3 مرتبہ درود شریف پڑھیں۔ خیر و برکت اور کامیابی کیلئے لوح تسخیر خاص ارسال ہے۔

راحیلہ منور۔ وہاڑی

○ محترم! میری شادی کو چار سال ہو گئے ہیں مجھ سے دو سال پہلے میری بہن کی منگنی ہوئی تھی لڑکا باہر تھا اس لئے انہوں نے تاہم دو سال کا لے لیا اسی دوران میرے لئے ایک مناسب رشتہ آ گیا اور یوں میری شادی میری باجی سے پہلے ہو گئی مگر اب چھ سال کا طویل عرصہ

گزر جانے کے باوجود وہ لوگ شادی میں ٹال مٹول کر رہے ہیں جبکہ لڑکا بھی واپس آ گیا ہے اور یہاں آ کر اس نے اپنا ایک بہت اچھا جنرل سٹور کھول لیا ہے جس کی آمدنی بھی معقول ہے مگر اس کے باوجود وہ لوگ شادی کے معاملے میں نجانے کیوں دیر لگا رہے ہیں ایک مرتبہ ہم نے تنگ آ کر منگنی توڑنے کا فیصلہ بھی کر لیا تھا مگر انہوں نے منت سماجت کر کے ابو کو منا لیا مگر اب پھر ایک سال گزر گیا ہے ان کی طرف سے خاموشی ہے ہمیں بتایئے کہ ہم کیا کریں باجی کہتی ہیں کہ وہ بدل گیا ہے نصیب ہے اب پھر ہو یا نہ ہو شادی نہیں ہونے دو۔ لوگ کیا کہیں گے؟ ہم لوگ سخت پریشانی میں مبتلا ہیں کہ کیا کریں آپ سے درخواست ہے کہ اس مسئلے کا روحانی حل بتائیں ہمیں بتائیں وظیفہ یا نقش جو بھی آپ مناسب سمجھیں عطا کر دیجئے تاکہ یہ مسئلہ بخیر و خوبی حل ہو جائے۔ اس کی وجہ سے باجی کی صحت بھی بہت گر گئی ہے والدین علیحدہ پریشان ہیں۔

☆ عزیز بیٹی اللہ تعالیٰ رشتوں کو قائم رکھنے والا اور گھر آباد کرنے والا ہے آپ کی باجی کا گھر بھی انشاء اللہ ضرور بسے گا۔ ہر نماز کے بعد 124 مرتبہ "یالطیف یاجامع یافتاح" پڑھ کر دعا کریں اول آخر 11 مرتبہ درود شریف۔ شادی کے لئے لوح زہرہ ارسال کی جا رہی ہے حسب توفیق بروز جمعہ صدقہ دیا کیجئے اسماء الحسنیٰ کو پسند کرنے کا بے حد شکریہ۔

اقدس جبار۔ پشاور

○ محترم! میرے شوہر بات بات پر ناراض ہوتے ہیں گھر والوں سے ملنے نہیں دیتے اور بعض اوقات میرے والدین اور گھر والوں کے لئے اس قدر نازیبا گفتگو کرتے ہیں کہ بس کیا بتاؤں حالانکہ ان کی ہر طرح سے خدمت کرتی ہوں۔ تمام سسرال والوں کا خیال رکھتی ہوں صبح نماز فجر سے اٹھتی ہوں تو بارہ بجے سے پہلے لیٹنا نصیب نہیں ہوتا سب کی خدمت کے باوجود کوئی خوش نہیں ہے ان کی بیٹیاں ایک ایک ہفتہ آ کر رہتی ہیں لیکن بہو کو اپنے گھر جانے کی اجازت نہیں ہے سوائے عید بقر عید کے وہ چار گھنٹوں کے سوا سارا سال والدین سے ملاقات نہیں ہوتی کیا اس معاشرے میں بہوؤں کے کوئی حقوق نہیں میرے شوہر اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں مگر شاید ان کے دل میں بیوی کے بجائے ایک نوکرانی جیسی عزت اور احترام کی بھی مستحق نہیں ملازمہ کو کم از کم ہفتے میں ایک چھٹی تو مل جاتی ہے اس کے لئے کوئی ایسا حل بتایئے کہ میری مشقتوں میں کمی آ جائے اور سسرال والے مجھے ایک بہو کا مرتبہ دیں شاید میرا خط بہت سی بہوؤں کے لئے راہ نمائی کا باعث بن جائے آپ کی دعاؤں کی منتظر۔

☆ پیاری بہن اللہ تعالیٰ آپ کو ہمت اور استقامت بخشے اور ہر بیٹی کو اچھی بہو بننے کا حوصلہ اور ہنر بخشے۔ (آمین) آپ ہر نماز کے بعد "یارافع یاحمید" ایک تسبیح پڑھ لیا کریں اول آخر 3 مرتبہ درود شریف خیر و برکت اور بہتری کے لئے لوح تسخیر خاص ارسال کی جا رہی ہے۔

میمونہ اکرم۔ آزاد کشمیر

○ محترم! میری بیٹی کو عرصہ 2 سال سے بخار ہے ہر طرح کا علاج کروا چکے ہیں لیکن کوئی افاقہ نہیں ہو رہا یہاں پر ایک صاحب کو دکھایا تو انہوں نے آسیب کا چکر بتایا ہے۔ ڈاکٹر بھی کہتے ہیں کہ اس پر کوئی میڈیسن اثر نہیں کر رہی ہیں آپ میری بیٹی کے متعلق استخارہ کر کے بتائیں کہ کیا مسئلہ ہے۔

☆ عزیز بہن! آپ کی بیٹی کو معدے کا انفیکشن ہے جس کی وجہ سے بخار نہیں ٹوٹ رہا اس کا علاج کروایئے۔ لوح شفا ارسال ہے۔

شہناز عبدالغفور۔ ملتان

○ میں فرسٹ ائیر کی طالبہ ہوں ہم چھ بہن بھائی ہیں پانچ بہنیں ایک بھائی ہے میرا تعلق غریب گھرانے سے ہے ہمارے والدین نے غربت کے باعث ہمیں میٹرک تک تعلیم دلوائی ہم دو بہنیں ایک اسپتال میں جاب کرتی ہیں بھائی ہمارا مزدوری کرتا ہے اور ابو ضعیف ہیں محترم ایک تو ہمارا کاروبار ٹھیک نہیں چل رہا دوسرے میری بہنوں کی شادی میں رکاوٹ ہے کوئی رشتہ آتا ہے ایک بار ہو کر جاتے ہیں دوبارہ نہیں آتے گھر کے حالات بہت زیادہ خراب ہیں ان حالات کی وجہ سے ہر وقت گھر میں جھگڑا رہتا ہے ہم بہنیں کما کر والدین اور اپنا پیٹ پال رہی ہیں بھائی کوئی مدد نہیں کرتا اور وہ ہر وقت لڑتا رہتا ہے ——

ان حالات کی وجہ سے امی ہر وقت بیمار رہتی ہیں ہم دونوں بہنیں ہاتھ پاؤں بہت مارتی ہیں لیکن پھر بھی کچھ نہیں بنتا محترم آپ ہمیں کوئی ایسا وظیفہ یا لوح بتائیں جس سے ہمارا کاروبار ٹھیک ہو جائے اور بہنوں کی شادی کا بھی مسئلہ حل ہو جائے آپ کی مہربانی ہوگی۔

☆ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات پر مکمل بھروسہ رکھیں اس کی ذات مسبب الاسباب ہے انشاء اللہ آپ کے حالات پر ضرور رحم فرمائیں گے۔ آپ سب نماز باقاعدگی سے ادا کریں۔ ہر نماز کے بعد "یاوہاب" بکثرت پڑھیں۔ لوح کاخ ستارگان ارسال ہے۔

عندلیب ۔ ملتان

○ محترم! ہمارا جوتوں کا کارخانہ ہے الحمدللہ بہت اچھا چلتا رہا ہے لیکن آٹھ دس ماہ سے یوں لگ رہا ہے کہ جیسے ہر چیز الٹی ہو رہی ہے کاریگر بھاگ رہے ہیں آرڈر کینسل ہو رہے ہیں پے منٹس پھنس رہی ہیں خود میرے میاں کہتے ہیں کہ کام پر جانے کو دل ہی نہیں چاہتا ہے بخار طبیعت رہنے لگا ہے۔ ہمیں تو لوگ یہ بتاتے ہیں کہ کسی حاسد نے ہم پر جادو کروا دیا ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ اس صورت حال سے نکالنے کے لئے ہمیں کوئی اسم الٰہی تلقین کریں اور کوئی روحانی تحفہ عنایت کیجئے ہم بہت پریشان ہیں گیارہویں شریف میں شرکت کے لئے پانچ سو روپے کا منی آرڈر ارسال کر رہی ہوں ہمارے لئے دعا بھی کیجئے گا گیارہویں شریف کے لئے ہماری جانب سے سوا لاکھ مرتبہ کلمہ طیبہ بھی شامل فرما لیجئے گا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔

☆ عزیز بہن! مصائب اور مشکلات سے گھبرائے نہیں جب جادو حسد کا شبہ ہونے لگے تو بکثرت آیت الکرسی اور معوذتین پڑھا کریں اللہ تعالیٰ اپنے کلام کی برکت سے ہر مسلمان کو بچانے والا ہے آپ ہر نماز کے بعد "یا سلام یا حفیظ یا فتاح یا وہاب" 140 مرتبہ پڑھ کر دعا کیا کریں اول آخر 9 مرتبہ درود شریف۔ کاروباری خیر و برکت اور ترقی کے لئے لوح مشتری ارسال کی جا رہی ہے حسب توفیق صدقہ دیا کیجئے گیارہویں شریف میں شرکت کا شکریہ اللہ تعالیٰ آپ سب پر اپنا فضل و کرم فرمائے۔ (آمین)

ہما اکرم ۔ کراچی

○ محترم بھائی جان! آپ کا کالم پڑھ کر بے حد سہارا ملتا ہے میں بھی آج حاضر ہو گئی ہوں میرے شوہر کو ان کے کاروباری حریف نے ایک جھوٹے مقدمے میں پھنسا دیا ہے اللہ کا شکر ہے کہ میرے شوہر نے کبھی بددیانتی نہیں کی مگر اس نے ایسا ہیر پھیر سے کام لیا کہ ہمارا ایک ملازم اس سے مل گیا اور اس نے ہمیں شدید نقصان پہنچایا ہے آپ ہمیں کوئی ایسا وظیفہ بتائیں کہ جس سے اس جھوٹے مقدمے سے جان بھی چھوٹ جائے اور اس کے ساتھ ساتھ کاروباری نقصانات بھی نہ ہوں۔ میرے میاں ان حالات سے اس قدر بددل ہو گئے ہیں کہ کہتے ہیں کہ جونہی مقدمات سے جان چھوٹی وہ ملک سے باہر جا کر قسمت آزمائی کریں گے۔ بہت پریشانی ہے کوئی حل عنایت کریں۔

☆ عزیز بہن! اللہ تعالیٰ آپ سب کو استقامت عطا فرمائے (آمین) "یا رحمٰن یا سلام یا حسیب یا فتاح" ہر نماز کے بعد 125 مرتبہ پڑھ کر دعا کریں اول آخر 9 مرتبہ درود شریف مقدمات کے جلد فیصلے اور خیر و برکت کیلئے فتح نامہ ارسال کیا جا رہا ہے حسب توفیق صدقہ دیجئے گا۔ یہ دیا ملتا ہے۔ دعاؤں کا شکریہ۔

محمد احمد ۔ کراچی

○ محترم! میری امیگریشن کا معاملہ ابھی تک حل نہیں ہوا ہے ہمیشہ کوئی نہ کوئی رکاوٹ درمیان میں آ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ شدید مالی مسائل سے دوچار ہوں سمجھ میں نہیں آتا کہ میرا مستقبل کیا ہوگا۔ آپ سے راہ نمائی کی درخواست ہے نظر کرم فرمایئے۔

☆ عزیزم! اللہ تعالیٰ خیر و عافیت عطا فرمائے اور آپ کے جملہ معاملات کو بہتر کرے۔ "یا سلام یا فتاح" ہر نماز کے بعد 141 مرتبہ پڑھا کریں۔ اول آخر 7 مرتبہ درود شریف بھی۔ لوح سبع ستارگان ارسال ہے۔ حسب توفیق صدقہ دیا کیجئے۔

آمنہ اسمٰعیل ۔ لاہور

○ محترم! میرا مسئلہ یہ ہے کہ پیٹ بڑھا ہوا ہے چہرے پر چھائیاں پڑی ہوئی ہیں جسم پھول گیا ہے اس کے علاوہ چہرے پر بال بھی آ گئے ہیں جسم میں طاقت نہیں ہے جسم تھکا تھکا رہتا ہے پیٹ میں گیس بہت بنتی ہے جسم بے ڈھنگا ہو گیا ہے محترم میرے لئے میرا یہ مسئلہ بہت بڑی سزا ہوا ہے میں ہر طرف سے مایوس ہو کر آپ کی طرف رجوع کر رہی ہوں میری عمر 28 سال غیر شادی شدہ ہوں کوئی ایسا علاج بتائیں کہ میری بیماری اور اس کی تمام علامات ختم ہو جائیں اور میں صحت مند ہو جاؤں۔

☆ عزیز بیٹی! فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ رکھیں اور نماز باقاعدگی سے پڑھیں ہر نماز کے بعد 101 مرتبہ "یا لطیف" پڑھ کر پانی دم کر کے دن میں تین چار دفعہ استعمال کریں۔ لوح شفاء اور نقش زعفران ارسال کیے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنا کرم فرمائیں گے۔ انشاء اللہ

سکینہ احمد ۔ بہاولپور

○ محترم! ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم نے ایک زمین خریدی تھی جس وقت خریدی تھی اس وقت کوئی مسئلہ نہیں ہوا جب رجسٹری کا وقت آیا تو انہیں سے ایک شخص نے جس کی زمین ہماری زمین کے ساتھ ہی تھی حق شفع کا دعویٰ کر دیا اور کورٹ سے اسٹے آرڈر لے لیا۔ اب نہ تو وہ لوگ صلح کی طرف آتے ہیں نہ ہی ہمارے پیسے واپس کرتے ہیں ہمیں اس لئے بھی پریشانی ہے کہ ہم اس زمین پر ایک فارم بنانا چاہتے ہیں اب یہ سب رک گیا ہے دوسری طرف پراپرٹی کے دیگر کاموں میں بھی بہت زیادہ نقصان ہو رہا ہے آپ سے درخواست ہے کہ آپ اس سلسلے میں ہماری راہ نمائی کیجئے اور ہمیں اس صورت حال سے نکلنے کے لئے کوئی اسم الٰہی اور روحانی عمل تجویز کیجئے ہمیں آپ کی دعاؤں پر بہت اعتماد ہے ایک مرتبہ ہم آپ کی گیارہویں شریف میں شریک ہوئے تھے اس دعا کے بعد ہمارے بہت سے کام سیدھے ہوئے تھے اب پھر آپ کے پاس آ گئے ہیں۔

☆عزیز بہن! دعا مومن کا ہتھیار ہے، دعا عبادت کا مغز ہے اس لئے ہر حال میں ہر معاملے میں، ہر پریشانی میں اللہ تعالیٰ سے خوب گڑگڑا کر پورے یقین اور اعتماد سے دعا کرنا چاہیے وہ دینے والا ہے ہم مانگنے والے وہ مایوس نہیں کرتا ہر نماز کے بعد 151 مرتبہ "یا فتاح یا وہاب یا فتاح" پڑھ کر دعا کریں اول آخر 11 مرتبہ درود شریف حسب توفیق صدقہ دیا کیجئے۔ خیر و برکت کیلئے لوح مستحق ستدگان ارسال کی جا رہی ہے۔ دعاؤں کا شکریہ۔

○ محترم! مجھے نسوانی بیماری کی شکایت ہے آپ مجھے کوئی ایسا وظیفہ بتائیں جس سے میری پریشانی دور ہو سکے۔

☆بیٹی! اللہ تعالیٰ جس آپ کو صحت عطا کرے۔ "یا مقیت" بکثرت پڑھا کریں لوح شفا ارسال ہے۔

شیما حسن۔ پشاور

○ جناب میں بہت زیادہ پریشان ہوں میرا ذہنی سکون ختم ہو کر رہ گیا ہے میرے تین بیٹے ہیں ایک بڑے آفیسر کی بیٹی ہوں خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے شکل و صورت، سیرت بہت اچھی ہے سب سسرال والے اور میکے والے تعریفیں ہی کرتے ہیں۔ سب کی عزت وخدمت کرتی ہوں لیکن گزشتہ ڈیڑھ سال سے میرے میاں نے دوسری لڑکیوں سے دوستیاں شروع کر دی ہیں مجھے پر بالکل توجہ نہیں دیتے۔ شوہر غصے کے بہت تیز ہیں شوہر کو دیکھ کر میرے ہاتھ کانپتے ہیں اور دل زور زور سے دھڑکتا ہے مجھے پورا یقین ہے کہ کسی نے کچھ کیا ہے۔ یعنی جادو تعویذ وغیرہ۔ پلیز اس جادو تعویذ ختم کرنے اور شوہر کے پیار و محبت کے لئے کوئی وظیفہ یا لوح ضرور بتائیں۔

☆آپ میں اعتماد کی کمی ہے۔ لیکن فکرمند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں نماز پنجگانہ باقاعدگی سے ادا کریں اور ہر نماز کے بعد 109 مرتبہ "یا صمد" پڑھ کر پانی پر دم کریں اور وہ پانی شوہر کو پلائیں۔ لوح اسم ذات اور لوح تسخیر خاص ارسال کی جا رہی ہیں۔

رابعہ خان۔ کراچی

○ محترم! میں فرسٹ ائیر کی طالبہ ہوں میری عمر اٹھارہ سال ہے آج سے تین چار سال پہلے میرے منہ پر دانے نکلتے تھے۔ میں نے دانے چھیلنا شروع کر دیئے تھے اور اب تک چھیلتی ہوں اب میرے چہرے پر بدنما داغ پڑ چکے ہیں جو دھوپ میں نکلنے سے اور بھی کالے لگتے ہیں میں چاہتی ہوں کہ داغ ختم ہو جائیں مجھے کوئی اسماء الحسنیٰ بتائیں۔

☆کسی اچھے حکیم سے علاج کروایئے "یا مصور" صبح و شام پانی پر 125 مرتبہ پڑھ کر دم کر کے پی لیں اول آخر 3 مرتبہ درود شریف۔ دانے چھیلنے کی عادت ترک کر دیں۔

سائرہ شریف۔ گجرات

○ محترم! دو بہنوں اور میرے لئے بہت اچھے گھرانوں سے رشتے آئے لیکن کسی نہ کسی وجہ سے بات نہیں بنی۔ ماں باپ بوڑھے ہیں اور نہایت پریشان ہیں میں ایک جگہ پر جاب کرتی ہوں جہاں ایک لڑکے نے مجھ سے شادی کی خواہش ظاہر کی ہے اور اپنے والدین کو میرے گھر بھیجنے کی اجازت مانگی۔ میں نے ابھی اس کو کوئی جواب نہیں دیا ہے لڑکا نہایت ہی شریف اور نماز روزے کا پابند ہے لیکن وہ بہت ہی امیر خاندان سے تعلق رکھتا ہے میرے لئے یہ رشتہ کیسا رہے گا استخارہ کرکے بتائیں اور خیر و برکت کیلئے کوئی اسم الٰہی تجویز کیجئے۔

☆ "یا فتاح یا لطیف" ہر نماز کے بعد 125 مرتبہ پڑھ کر دعا کریں اول آخر 3 مرتبہ درود شریف۔ نماز کی پابندی کیجئے۔ رشتہ مناسب ہے۔

نورین۔ کراچی

○ محترم! میری ایک خالہ آج کل شدید پریشان ہیں خاندانی جھگڑوں کی وجہ سے ان کا بیٹا گھر سے ناراض ہو کر چلا گیا۔ ڈھائی تین سال ہونے کو آئے ہیں وہ ماں سے ملنے نہیں آیا خالہ کہتی ہیں کہ ان کے بہن بھائی ان سے ناراض ہیں اور کوئی ان سے نہیں ملتا کوئی ایسا وظیفہ بتائیں کہ ان کے ناراض رشتہ دار خصوصاً بیٹے سے میل ملاپ ہو جائے۔

☆ سورۂ نصر ہر نماز کے بعد 125 مرتبہ اول آخر تین مرتبہ درود شریف پڑھ کر دعا کریں۔ لوح تسخیر خاص ارسال ہے۔ اللہ تعالیٰ دلوں میں محبت قائم کرنے والا ہے۔

بیگم خالدہ۔ سیالکوٹ

○ محترم! میں نے سال پہلے ایکسپورٹ کا بزنس شروع کیا تھا جس میں شروع کے چھ ماہ میں مجھے باہر کے ممالک سے کافی آرڈرز ملے اور میرا بزنس کافی ترقی کرنے لگا لیکن ان چھ ماہ کے بعد تقریباً پانچ سال ہونے کو آئے ہیں کہ مجھے اس کاروبار میں ذلت کے سوا کچھ نہیں ملا جبکہ میں نے اس دوران لاکھوں روپوں کے سیمپل بھی بھیجے ہیں جو کہ گاہک کو پسند بھی آتے ہیں اور آرڈر کیلئے بھی کہتے ہیں لیکن بعد میں بالکل خاموش ہو جاتے ہیں اس کے علاوہ کینیڈا کا ویزہ بھی اپلائی کیا ہوا ہے جس میں مجھے ناکامی ہوئی ہے آج کل پرائیویٹ فرم میں جاب کر رہا ہوں میری مدد فرمائیں۔

☆ "یا فتح یا فتاح" ہر نماز کے بعد 125 مرتبہ پڑھ کر دعا کریں۔ اول آخر 3-3 مرتبہ درود شریف۔ کاروبار تھوڑا کریں مگر مستقل مزاجی سے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر فضل و کرم فرمائے۔ (آمین) لوح مشتری ارسال کی جارہی ہے۔

عقیلہ شاہین۔ ٹھٹھہ سندھ

○ محترم! میری شادی کو بارہ سال ہو گئے ہیں میرے میاں ہیں تو بہت اچھے لیکن اپنی والدہ کے آگے بول نہیں پاتے۔ میری ساس کا پسندیدہ مشغلہ بہوؤں کو تنگ کرنا اور میکے واپس بھیجنا ہے۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے۔ چار بہوئیں ہیں اور سب ہر سال دو چار، چھ ماہ کے لئے کسی نہ کسی معمولی بات پر گھر بھیج دی جاتی ہیں پھر معافی تلافی کا ایک سلسلہ شروع ہوتا ہے جس میں والدہ یعنی میری ساس کے پاؤں چھو کر معافی مانگنا سب سے اہم مرحلہ ہوتا ہے اس کے بعد سارے گلے شکوے دور ہو جاتے ہیں یہ سین اکثر و بیشتر دہرایا جاتا ہے ہمیں یقین ہے کہ میری ساس انا پرستی کی ماری ہوئی ایک مظلوم عورت ہیں مگر جب بچے جوان ہونے لگیں تو پھر انہیں اپنی ماں کے بے قصور معافیاں مانگنا برا لگنے لگتا ہے ہم اپنی ساس کا برا نہیں چاہتے ہیں مگر یہ ضرور چاہتے ہیں کہ ان کی اصلاح ہو جائے اور وہ ہمیں بھی بیٹی کی طرح سمجھیں ہمیں خدمت میں عار نہیں لیکن تذلیل اب برداشت نہیں ہوتی ہے آپ اس سلسلے میں مناسب رہنمائی فرمائیں۔

☆ عزیز بہن اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم کرے اور ہمیں اپنے ہی جیسے انسانوں کو چھوٹے سمجھنے کے آزار سے بچائے (آمین) "یا کریم یا قدوس یا حمید" ہر نماز کے بعد 125 مرتبہ پڑھ کر دعا کریں اول آخر 11 مرتبہ درود شریف۔ برائے اصلاح لوح تسخیر خاص ارسال کی جارہی ہے۔

○ میرے شوہر امریکا میں رہتے ہیں گزشتہ دس برسوں سے ہمارے لئے مسلسل کوشش کررہے ہیں مگر ہر بار کوئی نہ کوئی رکاوٹ کھڑی ہو جاتی ہے ایک بار انٹرویو بھی ہو چکا ہے مگر اس کے باوجود کال نہیں آئی، تین ہفتوں کے بعد پاسپورٹ واپس مل گئے۔ امریکا میں جو وکیل ہے اس کا کہنا ہے کہ ہو جائے گا آپ پریشان نہ ہوں، ہزاروں کیس ہوتے ہیں بات ٹھیک ہے لیکن اب تب کے چکر میں بچوں کی پڑھائی کا بہت حرج ہو رہا ہے، اس لئے کوئی ایسا روحانی علاج فرمایئے کہ جس سے ہماری امیگریشن کا مسئلہ حل ہو جائے اور ہم لوگ امریکا پہنچ جائیں، پچھلے دنوں کیو ٹی وی پر آپ کا پروگرام "اسماء الحسنیٰ کامیابی کا راستہ" دیکھا تھا تب سے آپ کا فون اور پتا محفوظ کرلیا تھا، امید ہے کہ آپ ضرور توجہ فرمائیں گے۔ نور جہاں۔ سکھر

☆ عزیز بہن! اللہ تعالیٰ جملہ معاملات کو آسان فرمائے۔ ہر نماز کے بعد 170 مرتبہ "درود شریف ابراہیمی" پڑھ کر دعا کریں، آپ کو لوح سبع ستارگان ارسال کی جارہی ہے دعاؤں کا شکریہ

○ میرا بیٹا یکم دسمبر کو پیدا ہوا ہے، میں اس کا نام ستارے کے حوالے سے رکھنا چاہ رہی ہوں، آپ کی کتاب بچوں کے خوبصورت نام میرے پاس موجود ہے اگر آپ کوئی نام تجویز فرمادیں تو اس میں زیادہ برکت ہوگی آپ کی بہن۔ خدیجہ بیگم۔ راولپنڈی

☆ اللہ تعالیٰ آپ کے بیٹے کو صحت اور سلامتی والی طویل زندگی عطا

فرمائے، ستارے سے زیادہ خوشنودی رب مقصود ہونی چاہیے۔ اللہ پاک کا پسندیدہ نام رکھ لیجیے "محمد عبداللہ" اللہ پاک مبارک فرمائے۔ دعاؤں اور گیارہویں شریف کے ہدیے کا شکریہ

○ سچی بات کہوں گا۔ غلطی میری تھی ہم دونوں بچپن کے محلے دار تھے، دیوار سے دیوار ملی ہوئی تھی، لوگ محبت کی کامیابی کے لیے بڑے جتن کرتے ہیں مگر میری محبت اتنی کامیاب ہوئی ثابت ہوئی کہ والدین نے شرط لگائی جب تک Msc نہیں کرلو گے، نوکری نہیں مل جائے گی تب تک کچھ نہیں ہوگا، اچھے نمبروں سے کامیاب ہوگیا، اس نے بھی اپنی گریجویشن مکمل کرلی، مجھے ایک معروف فرم میں جاب مل گئی گھر والوں نے ہماری منگنی کردی، ہماری محبت اتنی آسانی سے مل جائے گی ہم نے کبھی سوچا ہی نہ تھا، منگنی کے تین ماہ کے بعد عید کی سات تاریخ کو ہماری شادی بھی طے ہوگئی تھی، گھر والوں نے ہمارے ملنے جلنے پر کوئی پابندی نہیں لگائی تھی، اس لیے ہم بہت خوشی اور سرشاری سے ملتے تھے، پھر ایک دن اسی خوشی اور سرشاری سے مجھ سے ایک ایسی غلطی ہوگئی کہ جس کی وجہ سے اس نے مجھ سے ناطہ توڑ لیا، منگنی کی انگوٹھی میرے منہ پر دے ماری، میری نازک سی چھوٹی موٹی سی محبت نے اس قیامت کا روپ لیا کہ میرے رونے دھونے معافی تلافی کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا، اس نے مجھ سے صرف ایک جملہ کہا کہ میں جیتے جی مرگیا، جو مرد نیت کا روزہ نہیں رکھ سکتا میں اس کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی، تم میری نظروں سے گر گئے ہو، جو مرد عورت کی نگاہ سے گر جائے اسے نہ کوئی معافی اٹھا سکتی ہے اور نہ ہی کوئی سفارش، دور ہو جاؤ میری نظروں سے، آج اس بات کو 9 برس ہو چکے ہیں، مسلسل آگ میں جل رہا ہوں، کوئی توبہ، کوئی معافی میرے لیے ہے؟ دن رات اذیت میں ہوں اس دوران والدین کا انتقال ہوگیا، کوئی نہیں جانتا کہ اس نے انکار کیوں کیا، وہ ایک پہیلی بن گئی ہے، پانچ سال قبل انہوں نے مکان بھی تبدیل کرلیا، مگر ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے، میں مسلسل جل رہا ہوں کیا مجھے اس اذیت سے نجات مل جائے گی۔ ن۔ ر۔ شہر نامعلوم

☆ میاں! آگ لگاؤ گے تو تپش تو ہوگی کبھی ہاتھوں کو کبھی سارے بدن جلا دیتی ہے، مرد کا ضبط و تحمل ہی اس کا زیور ہوتا ہے، آپ کی ندامت اللہ غفور الرحیم قبول فرمائے، ہر نماز کے بعد یہی اسم 325 مرتبہ پڑھا کریں۔ اللہ تعالیٰ کا عفو و کرم بہت وسیع ہے۔

○ آپ سے کئی سال قبل ان ہی سطور کے ذریعے رابطہ ہوا تھا، جب آپ کا باقاعدہ کراچی کا وزٹ بھی ہوا کرتا تھا، پھر آپ سے چند سال بذریعہ خط و کتابت رابطہ رہا، پھر میری مصروفیات کے باعث سلسلہ تعلق منقطع ہوگیا، لیکن آپ کی محبت اور شفقت شامل حال رہی، آج پھر آپ کی ضرورت پڑ رہی ہے میری بیٹی کی لگاتار تین بیٹیاں ہوئی ہیں جس پر سسرال والے بہت خفا ہیں ان کو بیٹے کی آس ہے۔ شوہر یعنی ہمارے داماد پہلے تو ٹھیک رہے لیکن اب وہ بھی پریشان ہیں ان کی والدہ دوسری شادی کے لیے زور دے رہی ہیں، میری بیٹی اب مزید اولاد پیدا نہیں کرنا چاہتی اور خوفزدہ ہے پھر بیٹی ہو گئی پہلے ہی ان کی کون سی قدر ہو رہی ہے جب اب چوتھی کی ہوگی، بیٹی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے ان حالات کی وجہ سے وہ ذہنی طور پر نہایت پریشان ہے اور اب اس نے سوچا ہے کہ وہ ملازمت کرلے اور بچیوں کو پال لے مگر میں تو یہ چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسے ایک بیٹا عطا ہو جائے مجھے آپ کی دعا پر بہت بھروسہ ہے، زندگی میں جب بھی کوئی پریشانی آتی ہے آپ ہی سے دعا کے لیے رجوع کیا ہے، اللہ پاک نے فضل فرمایا ہے، آپ اولاد نرینہ اور بیٹی کے ذہنی سکون کے لیے دعا اور روحانی حل تجویز فرمادیں۔ سید فراست علی نقوی، کراچی

☆ اللہ تعالیٰ ہم سب کے حسن ظن کو قائم رکھے، تمام دعاؤں اور عملیات کو قبولیت کی سند دینے والا مالک حقیقی ہے وہی کریم پنجتن پاک کے طفیل معاملات کو آسان کرتا ہے، ہماری بیٹی سے کہیں کہ ہرگز پریشان نہ ہوں۔ اللہ پاک ضرور فضل فرمائیں گے۔ انشاء اللہ۔ علاج و تعلیم برائے اولاد نرینہ اور سسرال کے دیگر معاملات کے لیے لوح تسخیر خاص ارسال کی جا رہی ہے، بروز جمعرات گھر پر حضرت عباس کی نذر دیں اور معصوم بچوں میں تقسیم کیا کریں کرم ہوگا۔ انشاء اللہ

○ کافی وظائف کیے مختلف لوگوں سے مشورے لیے مگر مسئلہ حل نہیں ہوا۔ میرے بیٹے کی عمر 33 سال ہوگئی خوش شکل اچھا قد کاٹھ ہے لیکن اس کے رشتے کی بات چلتی ہے پھر نا معلوم وجوہات کی بنا پر ختم ہو جاتی ہے یہ مسئلہ 25 سال کی عمر سے شروع ہوا پہلے خالہ کے گھر پھر ماموں کے ہاں پھر چچا کے گھر پھر دور کے رشتے داروں کے گھر رشتہ ہوا مگر ہر جگہ معمولی وجوہات کی بنا پر رشتہ ختم ہوگیا۔ بات چیت ہوتی ہے مگر رشتہ نہیں ہوتا، ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک طرف تو رشتوں کا کال پڑا ہے اور دوسری طرف اچھا خاصا رشتہ رد کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ معاملات کیا ہیں، ان کی دادی پوتے کا سہرا دیکھنے کی آرزو میں چل بسیں، خود ہمارے صاحبزادے آہستہ آہستہ شادی کے نام سے ہی الرجک ہوتے جا رہے ہیں، کوئی روحانی حل تجویز کیجیے۔ عابد علی۔ حیدرآباد

☆ اللہ تعالیٰ فضل و کرم فرمائے، آپ کے صاحبزادے اصل میں جادو کی وجہ سے بندش کا شکار ہیں اس بندش کو توڑنے کے لیے صبح اور شام 41 مرتبہ حروف مقطعات کو پانی پر دم کرکے پلائیں روحانی علاج کے لیے لوح تسخیر خاص اور زعفرانی نقوش ارسال کیے جا رہے ہیں۔ انشاء اللہ رشتے کی بندش کھل جائے گی اب منگنی وغیرہ نہ کیجیے گا بلکہ سیدھے نکاح کی تاریخ مقرر کرکے رخصتی کرا لیجیے گا۔

O میں نے الجیریا میں ایک دکان لی ہے جو کہ کنگ کی اسا تھ میں لانڈری بھی بنائی ہوئی ہے دو تین سال کام اچھا رہا بھائی سہیل نے آپ سے تعارف کروایا تھا آپ کی دعاؤں سے اللہ پاک نے بہت نوازا۔ لیکن جب سے جون 2015 ختم ہوا ہے میرے کاموں کو جیسے بریک لگ گئے ہیں سیل اتنی گھٹ گئی ہے، بعض اوقات تو خرچہ نکالنا بھی مشکل ہو جاتا ہے، ایک دن مکان کی صفائی کے دوران شسن کے پیچھے ایک کپڑے کا گڑا پڑا ہوا ملا تھا، جس میں سے عجیب سی بدبو آ رہی تھی۔ مجھے لگتا ہے کہ کسی نے مجھ پر جادو کیا ہے، آپ مہربانی فرما کر جلدی سے اس کا علاج کر دیجئے۔ حضرت میں بہت پریشان ہوں، آپ کی دعاؤں کا منتظر۔ محمد الیاس۔ الجیریا۔

☆ الیاس میاں! اللہ تعالیٰ آپ کو حاسدوں کے شر سے بچائے، آپ روزانہ "سورۃ البقرہ کا آخری رکوع" دکان کھول کر پڑھا کریں اور سات رنگی اور سوا رنگی سوا کلو سوا پاؤ، بروز جمعرات صدقہ کیا کریں، آپ کے لئے روحانی عمل تجویز کر دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی حفظ و امان میں رکھے آمین۔ سہیل میاں کو ہماری دعائیں۔

O پیر صاحب! ہم نے بڑی مشکلوں سے خود کو یہاں سیٹل کیا ہے۔ پیسا پیسا جوڑ کر ایک گھر اور ایک موٹیل بنایا ہے، لیکن ہمارا پارٹنر بے ایمان ہو گیا ہے، ابتدائی چند قانونی مجبوریوں کے باعث سارے کاغذات اس کے نام سے بنائے اور اب بھی چیز ہمارے گلے پڑ گئی ہے، پچھلے دنوں فیس بک پر آپ سے تعارف ہوا۔ داتا سرکار کے مرقد منور پر آپ کی حاضری کی تصویر نے دل کو چھو لیا، دیکھا تو معلوم ہوا کہ آپ کے چاہنے والے آپ کی تصویروں کو ہزاروں کی تعداد میں لائک کرتے ہیں، یقیناً آپ پر داتا سرکار کا خصوصی کرم ہے، آپ میرے لئے بھی کچھ کریں تاکہ میرا مسئلہ حل ہو جائے۔ نوازش علی۔ شکاگو، امریکا

☆ نوازش میاں! اللہ تعالیٰ آپ پر ہمیشہ نوازشوں اور رحمتوں کی بارش رکھے، یہ سب بزرگان دین کا فیضان ہے، میرے رب کی، میرے والدین کی دعاؤں کے طفیل ہے کہ لوگوں سے محبت ملتی ہے، آپ ہرگز پریشان نہ ہوں ہر نماز کے بعد 13 مرتبہ "سورۃ لھب" پڑھ کر دعا کر لیا کریں، آپ کی فرمائش پر لوح سبع ستارگان ارسال کی جا رہی ہے۔ بکس کے کرشتے کے سلسلے میں کوائف نوٹ کر لئے ہیں۔

☆ طریقہ نقش شب قدر ☆

ماہ رمضان المبارک خیر و برکت اور انسانی ترقی اور درجات کے لئے مخصوص ہے۔ اس ماہ مبارک میں جس قدر عبادت الٰہی اور درود شریف کا معمول اختیار کیا جائے خیر و برکت، آخرت کی ترقی اور نجات کے لئے بہتر ہے۔ اس ماہ مبارک میں نماز تراویح تہجد کا خصوصی اہتمام کرنا چاہیے اور زیادہ سے زیادہ درود شریف کا ورد کیا کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اس مبارک ماہ میں بطور خاص عالم انسانیت کی جانب متوجہ ہوتی ہیں۔ ذیل میں ہم ایک تجربہ شدہ عمل لکھتے ہیں۔ یہ عمل شب قدر کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ گزشتہ سالوں میں جن بہن بھائیوں نے اس عمل کو پوری شرائط کے ساتھ مکمل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک احمد مصطفیٰ ﷺ کے طفیل ان کی حاجات پوری کیں۔ میرا ایمان ہے کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کا نام خلوص نیت سے لیا جائے گا۔ کاموں میں آسانی اور مشکلات سے نجات ہوگی۔ جو بہن بھائی جس مقصد کے لئے بھی کریں گے۔ آئندہ رمضان تک وہ مقصد ضرور پورا ہوگا۔ انشاء اللہ۔ یہ عمل رمضان المبارک کا چاند دیکھ کر شروع کریں۔ یہ عمل سورۃ القدر کا انتہائی جلیل القدر عمل ہے۔ جو کہ تیسویں پارے میں ہے۔

طریقہ: اول سب سے پہلے دو رکعت نماز حاجت ادا کیجئے، پہلی رکعت میں ۱۳ مرتبہ سورۃ القریش اور دوسری رکعت میں ۱۳ مرتبہ سورۃ قدر پڑھیں اور اپنے مقاصد کے لئے دعا کریں۔ (یہ نماز حاجت پہلے دن پڑھیں) اس کے بعد مغرب اور عشاء کے درمیان اس سورۂ مبارک کو یعنی سورۃ القدر صحت قرأت کے ساتھ 286 مرتبہ پڑھیں اور اول و آخر ۱۱ مرتبہ درود ابراہیمی کا ورد کریں۔ اور یہی عمل نماز فجر کے بعد کیجئے۔ 28 روز اس عمل کو بلا ناغہ کیجئے۔ 29 ویں روز بعد نماز عصر زعفران اور عرق گلاب کو ملا کر سیاہی بنائیں اور اس سورۂ مبارکہ کو اعراب کی صحت کے ساتھ ایک سفید کاغذ پر لکھ کر محفوظ کر لیں۔ اور مغرب کے وظیفے کے بعد دم کر کے حفاظت سے رکھ لیں۔ اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کے رحم و کرم کا نظارہ کیجئے۔ بعد عمل اس سورۃ کو ہمیشہ ۱۹ مرتبہ اول و آخر ۱۱ مرتبہ درود شریف ابراہیمی کے ساتھ ورد میں رکھیں۔ انشاء اللہ جملہ مقاصد حل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسا دست غیب کھلے گا کہ دنیا دیکھے گی۔ اس عمل میں یہ خیال رہے کہ کوئی ناغہ نہ ہو۔ جگہ تبدیل نہ ہو۔ اور وقت وظیفہ خوشبو کا استعمال رہے۔ اس وظیفے کی اجازت عام ہے۔ یہ زندگی میں در پیش تمام مقاصد کے لئے پڑھا جا سکتا ہے۔ اگر آپ اپنی مصروفیات کے باعث اس عمل کو خود نہیں کر سکتے تو 1500/- روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں۔ نقش عید کے بعد کوریئر کے ذریعے ارسال کر دیا جائے گا۔

نوٹ

براہ راست جواب کے لیے اپنا نام معہ والدین اپنا پتہ لکھا ہوا جوابی لفافہ ضرور ارسال کریں۔ تعطیل بروز جمعۃ المبارک